

# ماہنامہ











علامہ اقبال کی مسجد قرطبہ ہسپین میں اتاری گئی اصل تصویر جو اقبال میوزیم میں آویزاں ہے



خطاطی: چغتائی



خطاطی: اسلام کمال



# ماہنامہ ماہِ نو

لاہور

اقبال نمبر



ادارہ مطبوعات پاکستان

ڈائریکٹوریٹ

آف

پبلکیشنز

ایڈ

پبلیکیشنز

32-A

جیب

الشری

لاہور

فون

83555005

83555118

نگرانِ اعلیٰ < میاں شفیق الدین

نگران < نذر محمد

مدیرِ اعلیٰ < پروین ملک

مدیر < صفدر بلوچ

قیمت اقبال نمبر 25 روپے

نومبر 2002ء

قیمت نمبر 15 روپے

1500 روپے

قسطوں کے لئے 1200

جلد نمبر 55 شمارہ نمبر 11 رجسٹرڈ سی پی ایل نمبر 303

ادارہ مطبوعات پاکستان کے کوارٹر نمبر 32، پبلشرز ایڈز، کوارٹر 32-اے، جیب الشری لاہور سے شائع کیا۔







## اسلامی فکر میں بصیرت کی روایت اور اقبال

مسلمانوں کی پانچویں حالت اور حق۔ اور یہی جنگِ عظیم کے حالات مسلم دنیا میں صرف چار مذاہک ایسے تھے جو استاد کے تصانیفِ جہاد میں نہیں تھے۔ باقی سب جنگِ گریز، فرانسیسیوں اور بلوچوں میں چل رہی تھی۔ جہاد۔ مسلمان اس سے قتلِ خودکشی، اہل حق حالت تھے۔ ان کے ہوش سے یہ حالت گریز اور فرانسیسیوں اور برطانویوں کو قتل ہو گئی۔ اقبال کو شکارِ راجھی سے اس طرح عزم ہو جانے کا کوئی احساس تھا۔

اقبال کو مسلمانوں کے صرف بدو و حذولت سے کرم و ہونے کا حق نہیں تھا بلکہ ان کے ساتھ اس نے ان کو پر بھی تیار کیا مسلمانوں نے علم کی مسند بھی طرب کے لیے نکالی کر دی ہے اور طرب نے اس کے علمی ادب کے ثمر روئے ہے چارہ قائلے اور صحیح رسائل کی شاعرانہ حالت تعمیر کر لی ہے۔ اس میں ایک نہیں کوئی عریض اسلام میں اقبال ہی ایک ایسے شخص ہیں جنہوں نے اس حقیقت کی توجہ نہ کی کہ کوشش کی کہ مسلمانوں میں دشمن بنائی جائے اور اس کے اسباب کا حق اور مذاق کا یہ صرف ان چند ہیں کا صاحب کے دل کی جو پہرہائی اور بولی مسکوں پر عمل فرمیں۔ یہ بات بھی جانی جاتی تھی کہ اقبال نے اپنے اس خلافت کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا اور ان لوگوں اس علمی عہد کا افکار ہو جس سے وہ

نا ہوتے تھے۔

اس بات کی کوشش کی کہ حقیقت کو وہ اس طرح ثابت کر سکے جس طرح ریاضیات میں  $2+2=4$  ہوتے ہیں۔ اسی لیے غلط جواب دینے والی کیا کہ اس نے ٹیکہ ایسا اٹھایا اور حاکمیر نظام ریاست کو کرپا ہے۔ یہ بڑی بڑی جہاد زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔ اسی زمان نے مامطرح کو لوگوں کے دلوں کی اس طرح پرورش کی کہ وہ برقی اور ہر شاعر کے کام میں کافی پختہ ہو گئے۔ یہ سب کچھ کافی پختہ کن جو انسانی دلوں میں آتا ہے۔ وہ انسانی اور انسانی قہ کے پختہ ہوتے ہیں اور غور و فکر کا مشاعرہ کوڑا ہوتا ہے۔ یہ دلوں کے پختہ ہونے کا مشاعرہ

یہ لفظ اصل نے اس حقیقت کا اعتراف کیا  
تاریخِ قلم میں کیا ہے کہ کسی حد تک اس نے قلم  
کے حلقہ کو اس میں سفر میں بھانپنے کی کوشش کی  
ہے جس میں وہ اپنے اور نے تھے لیکن اس کی کتاب  
میں بھی اس کا ذکر سرسری ہے۔ سب بھی افکار سے  
سوا سفر کے حلقہ کو جوڑنے کی ضرورت ہے جس  
کے بغیر افکار کی تہہ رقیّت چلی جائے گی اور نہ  
اس کی اڑچ بڑی کا اندازہ کیا جاسکے گا اور نہ حقیقت  
میں اس کی افادیت کے حلقہ کوئی ماننے کا نام کی جا  
سکتی ہے۔

اقبال کے بارے میں یہ بات بھی درپاؤ گج ہے۔ اس لیے اقبال فی قصیدہ مقرر نہیں تھے۔ ان کی فکر کا پورا ہی تحریر مسئلوں کی باصوم اور بصیرت کے

قبر اقبال کے بارے میں چند اصولی باتیں  
 دامنِ عشق کی گلی چائیں۔ جو باتیں اور بہت سے  
 مسائل علمی اور ملی زبانیں پوچھ رہے ہیں جو عدم  
 رواداری اور عدم ماحولیات کا سبب بنے ہیں اور محاوروں  
 کے لیے مضر ثابت ہو رہے ہیں۔

جلی اچھا ہے یہ ہے کہ ہر گروہ کو اور گروہ اقبال  
خصوصاً اعلیٰ طبقوں کے حلقہ میں اردو میں آئی  
ہے جسے گروہ و رفہ ہم مصرعہ ساقی نامہ شری اور علی  
کی دھڑ کے بل نہیں سمجھا سکتے۔

جاری عقد کھتے مالوں نے عوام اس نفعی کا  
مخاطب کیا ہے۔ انہوں نے ملک بھر کی فکر اس  
سے کی جس طرح سے ظہور کر کے ہر طرح پر جان  
کیا ہے اور ہر صاف ستھارے اور کثرت جو ان اور ہم جہاز  
کی پیشین گوئی ہے۔ یہاں سے یہاں سے ہر طرح  
میدان میں رہا سمجھا سکتا ہے جس میں اس کا عقلی دنیا  
سے کثرت رہا ہے۔ وہ خدا کے مخلوق جو کثرت  
بیانی مالوں نے جی جی کیے تھے ان پر کثرت کا  
معرض بھی تھا کہ جو خدا اگر عقلی طور پر جہت بھی  
ہو جائے تو وہ ان مسائل میں عقلی نہ ہو کہ خدا ان  
سے اپنا عقلی مخلوق کا نام کر سکتے اور اس کی  
میدان کا مرکز اور اس کا ظہور رہا ہو ایک طرف  
اور اس عقلی علم جو اور دوسری طرف اس کی رنگ  
ان سے ترقی نہ ہو۔

فلسفہ و تعلیم کا یہ ایک اور پہلو ہے



مسلمان معاشرہ کے ذوال اور جمود کی اقبال  
کے لئے ایک نئے دور کا آغاز ہے۔

اولیٰ مسلمان تصوف کے اہل عقل کی قوت  
سے غلام ہو گئے ہیں اور ہر سمیت انکا کواکب  
اور خدا کی مرضی کے ہر کرد کے اس کے خدا کی  
کو عقل نہیں کرتے۔ ان کا شعری طور پر وہ ایک جمودی  
حزبانہ کہتے ہیں جو عقل کی قوت سے غلام ہو چکا ہے۔  
دوم اپنے مذہب کی بنیاد انہوں نے وسط  
سے مستعار مطلق پر رکھی ہے جو حقیقت کو ایک مذہب  
اور فعال بنے گئے کی بجائے ایک ہے جان اور کرد  
جو ہر گھنٹی ہے۔ خدا کو ایک حقیقی نتیجہ کے طور پر  
متعارف نہیں کیا یا مسکندہ صرف ایک ذمہ حقیقت  
کی حیثیت سے انسان اور جان کے راستہ تجربہ میں  
عموم ہو سکتا ہے۔

سوم مسلمانوں نے اس حقیقت کو بھی نظر  
انداز کر دیا ہے کہ ان کے مذہب کا ایک لازمی ارتقاء  
”حقیقت“ کے ساتھ ہے۔ مذہب ٹھکانا ہے حقائق  
اور بے بنیاد فی الذمہ کی کوئی نہیں سمجھتا انہیں مومنا  
اور مسلمان یا غلام اس دنیا میں اپنے حقیقی حقائق  
پر اسے کرنے آتا ہے اور اس کی سوزی معرفت اور  
روحانی سکون نہیں بلکہ اضطراب اور عمل ہے۔ اس  
میں شک نہیں کہ مذہب ایک روحانی تجربہ  
(احساس) پر مبنی ہے۔ لیکن یہ روحانی تجربہ حضور  
بالات نہیں ہے بلکہ عمل کے لیے ایک ایما ہے۔  
ایک سو فی اور نظریہ میں بھی فرق ہے کہ صوفی مقام  
وصال میں تصور ہوتا ہے ہر نظریہ اس سے نکل کر عمل  
میں مصروف ہو جاتا ہے۔

اقبال کا یہ تجربہ عمومی طور پر صوفی مصلیٰ میں  
مسلمان معاشرہ کے جمودی حزانہ کو دیکھتے ہوئے لگے  
گئے ہے۔ اگرچہ یہ اسلامی مذہب کے ایک خاص

اور ایک کا ترجمان ہی نہیں ہو۔ مسلمانوں کے  
مروجہ کے ابتدائی دور میں سب مذاہب یہ وہ ملک کی  
انوار کا ہر دینا کو گنج کر کے اپنا ہنگامہ بنائے میں  
مصروف تھیں یہ کہ اور فلسفہ حقیقت مصر سے کوئی  
راستہ مطالعہ نہیں رکھتا تھا۔ اس وقت ارسطوی  
مطلق کی سکھ اور حکم کی روشنی میں دنیا جہاں پر بیکار  
کرتی نظر آتی تھی وہاں جہاں اور مذہبی تجربہ مصلیٰ  
کا عمل تھا۔ جو اپنے تئیں معاشرہ کو ایک مکمل اخلاقی  
سہارہ پر قائم کر کے کی کو عقل کر رہے تھے۔ ریاست  
کی حالت وہ جہوت کے مقابلہ میں اخلاق کی ایک  
نظمی کرل بکار برائی ہے عمل مصلیٰ کی وجہ سے  
ذمہ داری جو سلطان چار کے مقابلہ میں کل حق کہنے کی  
جرات رکھتے تھے۔

اقبال کی فکر کو قی کہنے سے ان کی ہیبت اور  
جہاں پر انہیں چاہے کوئی فلسفی اپنے معاشرہ کی نظمی  
اور عملی حالت سے نیاز ہو کر علم کے ادب میں کسی  
باب کا اضافہ نہیں کر سکا۔ مگر کے معاشرہ سے عقل  
کا یہ ریشہ اس کو فلسفہ ان معنوں میں activism  
نہیں جانتا جن میں یہ فلسفہ آج کل مستقل ہے۔ اگر  
مطرحہ activism سے جانتے تو اس کی فکر نہیں پاتی  
اس لیے کہ activism کسی تصور کو صرف ایک کلمہ  
کہ بلا خدوشی تصور کا کار ہو جاتا ہے اور مسلسل اور  
متواتر چلانی کی تلاش اس کا تصور نہیں رہتی جو نظری  
اصل بیان ہے۔ اقبال کی فکر ان معنوں میں غمی  
کہ وہ مسلم معاشرہ کے عصری مسائل کو حل کرنے  
کے لیے ایک فکری فیضان فراہم کرنا چاہتے تھے۔

اقبال نے مسلمانوں کی حالت بدلنے کے  
لیے جو عمل چاہی کیا ان کی بھی تھی جتنی ہیں اور ان  
مذہب کی مابیت کا پتہ چلا دیا جائے اور یہ بکھا جائے  
کہ مذہب اپنی اصل میں کیا ہے۔ دوم اس اصل پر

ایک فکری اور اخلاقیات کی عمارت تعمیر کی جائے جو  
مسلمانوں کو عمل پر آمادہ کر سکے اور سب کو ایک اسلامی  
نقطہ نظر مہیا کیا جائے جو تہذیبی طلب اور قصہ کو بیکار  
فراہم کرے۔ یہ بھی کام اقبال نے اپنے فلسفہ اور  
فکر سے اپنے کی کو عقل کی ہے اور اس میں شک نہیں  
کہ صوفی مصلیٰ کی ابتداء میں مسلمانوں کی حالت  
زادہ کی فکر فلسفی کی دستاویزی تھی۔

یہ بات درست ہے کہ مذہبی تہذیبوں کی  
(اور ہر تہذیب کی) بنیاد حقیقت کے ایک درست  
تجربہ پر مبنی ہوتی ہے۔ یہاں پر تجربہ اپنے اندر اور  
جنتیں رکھتا ہے۔ اقبال کے الفاظ میں ”ذوق اور  
احساس“ میں اس کو ذوق کہہ سکتے ہیں کہ اس  
لیے کہ اس اصطلاح سے مطالعہ ہو سکتا ہے اور  
اس کے سلی لیے جانتے ہیں کہ مذہبی اور سب تجربات  
میں ذوق ایک قدر مشترک ہو سکتی ہے اور اس  
ذوق کی بنیاد پر عملی اخلاقیات کی ایسی ہی تشکیل ہو سکتی  
ہے جس طرح غمی تجربہ کے ذوقی پہلو پر موجود  
سائنس مذہبی تہذیب اور معاشیات کی تشکیل ہوئی  
ہے۔ راستہ مذہبی تجربہ میں ذوق کا ایک ہی پہلو  
ہو سکتا ہے اور وہ ان علمی تصورات پر مشتمل ہوتا ہے  
جو کسی تجربہ کے وقت معاشرہ میں موجود ہوتے  
ہیں۔ مذہبی تجربہ میں اس علمی اور فکری ایک فی تشکیل  
ہو جاتی ہے اور کسی حد تک یہ فی تشکیل تصورات کے  
ارتقاء میں انکا قدم ہوتی ہے جو انہی کام کے  
ذریعہ ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات بھی نہیں کہ مذہبی  
تجربہ کا انعقاد ایسی زبان (طرز ادبا) اور ایسے  
تصورات کے تحت ہو جو ہم عصر تصورات کے لیے  
فلسفہ انجمنی اور غیر مسلم ہوں۔ مذہب مومنا اور  
اسلام خصوصاً اسی حقیقت کی طرف ہے کہ کہ انشاء  
کرتے ہیں کہ شرابی اور مضبوط مختلف نظام میں



تلف ہو گئی چیزاں لیکن بنیادی اصلاح ان تمام میں  
 متحرک ہوئی ہے۔ کیا وہ ہے کہ بنیادی گروہ اور  
 اس کی اصلاح کو برقرار رکھ کر شرع تبدیل ہوئی رہی  
 ہیں اور تبدیل ہوئی رہی کی اس بات کا اس طرح  
 سمجھنے کی کوشش کریں کہ اگر حضرت ﷺ صوبہ  
 کی بجائے ہندوستان یا چین میں شریف لائے تو  
 کیا قرآن ہی صحت میں ڈال دیتا جس صورت  
 میں ہوا۔ پوری اس مثال سے یہ نتیجہ نکالنے کی جلدی  
 ذکر کریں کہ میں جسائی فلسفین کے ان تمام کی بات کر  
 رہا ہوں جو انہوں نے حضرت ﷺ پر لگا ہوا تھا کہ انہوں  
 نے قرآن اس وقت کے یہودی اور عیسائی مذہبی  
 ماہرین سے اس قدر کیا تھا۔ اس سے زیادہ طبعاً  
 بات ہوا کہ انہیں اس وقت تک نہیں تھا کہ  
 مذہبی وہ جان کا سبب زبان اور تصورات کی مثال میں  
 اختیار ہوتا ہے تو زبان اور تصورات اس کی تہذیبی روش  
 سے فراہم ہوتے ہیں جن کے ذریعہ کسی نئی یا ذخیرہ  
 نے اپنی زندگی کو گرائی ہوئی ہے۔ اگر کیا ہوتا تو  
 صرف یہ کہ الہامی کلام اس وقت کے معاشرہ کے  
 لیے بے معنی ہو جاتا بلکہ وہ کسی معاشرتی تبدیلی کا  
 سبب بھی نہیں بن سکتا تھا۔ یہی ذخیرہ اور انسانی  
 وجود کو جسے سنی اور کرنے والے اور علوم  
 انھیں کے کام کا مادہ پانچا کہ یہ اسی تہذیبی اور  
 تصوراتی روش سے جنم لیتا ہے لیکن اپنے خیال کی  
 عدت سے ہی دلائل تبدیلی حتم کرتا ہے اور  
 پرانے دور سے اس قدر حصہ کو لے لیتا ہے جو  
 معاشرہ کی بچا کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔  
 انتہائی باجمالی ہر پرانے تصور کی انہی نہیں ہوتی بلکہ  
 پرانے تصورات کا نئے تصورات میں اضافہ ہوتا ہے  
 اس طرح کہ یا تصور ایک ایسا نیا شکل اختیار کر لیتا  
 ہے۔ کلاسیک مذہب کا کارخانہ یا چین اور ہندوستان

میں کے مذہب کا کارخانہ یہ ہوا کہ اعلیٰ کی مثالیں  
 ہیں۔ یہاں تک کہ مذہب کی فی عنصر ارتقاء میں  
 اعلیٰ کی اصول کا پورا پورا اثر ہے۔ مسلمانوں کی  
 مذہبی فکر میں بنیادی تصور کی اصلاح سامنے رہی ہے۔  
 لیکن حادہ سے نظر کرنے اس تصور کی اصل قدر  
 قیمت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا ہے۔ کسی علم کے تصور  
 ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ بحیثیت ایک زامانی  
 حقیقت کا علم ہو گیا۔ اگر کسی بہت سے مہر پرانے کے  
 دور سے وہ بارہ اسی طرح گزریں تو اس بات کا  
 امکان موجود ہے کہ وہی علم اٹھائے وقت کے  
 مطابق گنگ ہو۔ پھر کے امکانات کی تبدیلی اس  
 تصور اور شکل کو برقرار رکھتی ہے جو پہلے علم میں موجود  
 تھا۔ یہ بات اعلیٰ سامنے رکھنی چاہیے کہ جو علم بجائے  
 خود تصور نہیں ہوتا بلکہ اس کا تصور کی قدر کا حصول  
 ہوتا ہے۔ اگر کسی قدر کا حصول اس علم میں درج ہو  
 اضافہ سے ممکن ہو سکے تو علم میں اس قدر تبدیلی  
 ضرور ہو جاتی ہے۔ صورت امر کا حصہ اس بات کا  
 ایک عنصر ثابت ہے۔

اس وقت اس مشکوک کا خیال تھا کہ اقبال کی فکر  
 کو وقت کے کاموں سے متحرک کرنے سے مراد یہ  
 نہیں کہ پرانے علم اس جہ سے کو بیچ ہو جائے کی کہ  
 دہائی اور سکھائی تھ یہ بات کہیں ہے۔ یہ قدر بات  
 پر فکر کی خاصیت ہوتی ہیں اور ان میں پرانے کی حادہ  
 آتی ہیں جنہوں نے اپنے فکر و فلسفہ کو قاتل اور  
 مانع جان کر پیش کیا ہے۔ اگر ان میں کسی کا کوئی  
 چاہتا تو قریب ارتقاء کا رک رک پنا ہوتا اور آج  
 تک ہم اوسط اور اعلیٰوں کے ماحیثے سمجھتے ہیں  
 صرف ہوتے۔

اقبال کی فکر میں یہ بات تو یہی ہے کہ  
 فلسفہ مذہب کے کوئی طریق کے نزدیک حقیقت پر

یعنی ہے کہ مذہب کی بنیاد ایک مستقل باغات  
 وہاں ہے اگرچہ اصل اس فکر سے متعلق نہیں  
 ہوں گے۔ مثلاً قرآن اور دین کے بارے میں کا ایک  
 یہ اطلاق اس کو مستقل باغات ماننے سے انکار ہی ہوا  
 اور ان کا سبب عقل کی کمی۔ اگرچہ اس وہاں  
 کا سبب ہوتے ہیں۔ فکر کو ہم جو دے دے تو ان میں  
 باغات نکلتے ہیں اس طرح کہ ایک ذہنی طور پر بنائی  
 اور فطری عوامل ہی کو اس حقیقت سمجھتی ہے اور  
 دوسری ذہنی عوامل کی اپنی اثر کم افزائی فکر اور وہاں  
 کو بنیادی طور پر غیر بنائی اور مستقل باغات سمجھتی  
 ہے۔ دوسری قسم کی فکر مذہبی وہاں کو حقیقت تک  
 رسائی کا ذریعہ بنتی ہے۔

یہ بات اہم ہے کہ اگر تمام مذہب کی اصل  
 ایک راستہ قرار ہے تو ہر فلسفہ مذہب میں اس  
 قدر اختلاف کیوں ہے؟ اس سوال کا جواب کسی  
 قدر پیچیدہ ہے اور راست وہاں اس طرح اختیار  
 کی فکر کا پنا ہے۔ ساتھ یہ سوال بھی جواب طلب  
 ہے کہ کیا مذہبی وہاں بنیاد کے معنی یہ ہیں کہ یہ  
 روحانی بحیثیت اپنے اعلیٰ تصور اور ذہنی طاقت  
 سے اعلیٰ طور پر بے نیاز ہوتی ہے۔ کیا اس راست  
 وہاں کے باغات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ  
 جاننے والے عالم میں جتنے ہی تجزیہ فنی حتیٰ فلسفین  
 اخلاقی روحانی لوگ گزرے ہیں وہ سب اپنے  
 روحانی تجربہ کے بیان میں صرف ایک ہی طریقہ  
 اختیار اور اختیار کرتے ہیں۔

اقبال کی اس بات سے اتفاق کرنے میں کافی  
 امر باطل نہیں ہے کہ اپنے وہاں کی پیروی میں یہ تمام  
 احادیث ہم رنگ ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ تمام  
 خاموشی اور اس بات کو نامزد وہاں میں خاموشی  
 کر سکتے۔ جو اصل باطل اور ذہنی نہیں ہوا۔ اس



لیے کہ خلق کا مکمل راجہ ہے اور کلام و تصورات و تفکرات ہی اشتغال کر سکتا ہے جو کسی زبان کی اہمیت اور کلام کا حصہ ہیں اور جو سبھی اور اعتدالی کلام کی ایک ایسی وحدتِ قہر کر سکیں جس میں ہر زبان اختیار کرے اس زبان کے لوگوں کے لیے ممکن ہو۔

یہ بات جان لینے کی ہے کہ مذہبی ادیان کتنی عرصہ بعد ازاں ہوا کرتا ہے۔ اسی لیے ہمارے صوفیائے اس کے لیے انکی اصطلاح اشتغال کی ہے۔ انکی "مٹی" کا اسم تشبیہی ہے اور مٹی کے حق اور صے کے ہیں۔ انکی وہ حقیقت ہے جس کا وہ زبان کے اور بعد اختیار ہو سکتا ہے اور اس کی طرف اشارہ کر کے ہمارا مطلب ہے کہ "یہ" ہے۔ اس کو متفقہ لانا اور کلام کو متفقہ اور جان کئے ہیں۔ اپنے آخری باب پہلے اور بعد میں (اور یہ اصطلاحی کلمے میں مدد ہے کے لیے ہیں) یہ وہاں ہر قسم کے اعتقاد کا مانع ہے۔ بعض لوگوں نے اس ادیان کو زبان کا پسند پینے والے کو کوشش کی لیکن وہ طریقہ غیر عقلی عملی بھی تھا اور گمراہ کن بھی۔ اسی لیے وہ لوگ کہ ان زبانی قرار پائے۔

لیکن جو یہ جو طور اختیار بھی چاہتا ہے۔ اعتقاد اس جو یہ ایک لازمی ضرورت ہے۔ اعتقاد کے بغیر یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس قسم کے جو یہ کا وجود ہے۔ اعتقاد کے دو طرحے ممکن ہیں۔ ایک صاحبِ جو یہ کے احوال اور افعال اس کی ہر وہائی اور طرزِ گفتگو اور دوسرا کلام اگرچہ اس جو یہ کا اصل بیان اس کی خصوصیتیں ہوتا ہے لیکن جو یہ پر نئی زندگی کو اُتارنے کی وجہ سے یہ مشکل ہوتا ہے۔

اس وقت ہم کے مذہبی کلام ترقی یافتہ مذاہب کے کلام میں بدیہی طور پر لڑائی موجود ہے اگرچہ دونوں کی تہ میں کارفرما حقیقت ایک ہی ہے۔ اگر

کسی گمراہ سے قدیم مذاہب اس زبان میں بات کرتے جو کتابی مذاہب کی زبان ہے تو وہ سامع کے لیے ناقابلِ فہم رہے۔ اسی طرح ایک ہی زمانہ میں ہر وہائی کے فرقے سے لڑائی کلام میں فرق واقع ہو چکا ہے۔ شرعی مذاہب صحابہ و ائمہ کثیفہ شمس کا مذہب یا بعد از مذاہب کی زبان تصورات اور تفکرات کتابی مذاہب سے مختلف ہیں۔ شرعی مذاہب کے اور اور کتابی مذاہب کے دیگر نیز انسانی طور پر وہ عقائد حقائق ہیں جو کسی مذہب کے ساتھ ساتھ رکھتے ہیں لیکن اپنے منصب اور مقام میں وہ عقائد طرزِ زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کی طرف ترکانِ کرم میں اشارہ کیا گیا ہے کہ مذاہب کی بنیادی وحدتِ اعتدالیہ آفرینش سے ایک ہی رہی ہے۔ البتہ شریحِ راسخ طرزِ زندگی کا قانون احوال اور افعال میں وقت اور حالات کے بدلنے میں تبدیلی آتی رہی ہے۔ قدر مشترک اس مشترک اس متفقہ حاصل ہے جو احوال اور افعال کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور احوال اور افعال کا اختلاف مذاہب کے بنیادی وحدانی رویوں میں زیادہ تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔

دہم جس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام Variation of Religious Experience ہے (اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے اس نے عقائد مذاہب کے بنیادی جو یہات کا مطالعہ کر کے اس قدر مشترک کو اجاگر کرنے کی کوشش کی کہ جس کی مدد سے ہم مذہبی جو یہ یا وہاں (وادیات) کو نئی زندگی کے دوسرے مشاہد اور تجزیوں سے متحرک کر سکتے ہیں۔ اقبال نے بڑی حد تک جس کے خیالات سے استفادہ کیا

ہے۔ (دیکھیں Reconstruction pp (17-27) edition 1954) انکی انھی عقائد و بات اس وقت شروع ہوتی ہے جب یہ ادیان و عقائد یا تجزیہ الفاظ کے ذریعہ اپنا اختیار کرتا ہے۔

اس اعتبار کے بھی دو پہلو ہیں جو کسی مذہب ایک دوسرے سے بیز ہیں ایک پہلو انسان کی داخلی زندگی سے متعلق دیکھا ہے اور دوسرا خارجی زندگی سے۔ ان دونوں کا گہرا ربط اس قدر ہے کہ داخلی زندگی خارجی احوال پر اثر انداز ہوتی ہے داخلی طور پر یہ جو یہ انسان کا سرِ داخل سے اُبل رہا ہے اس وقت اس وقت عالم سے وحدت اور سریت کی طرف مڑتا رہتا ہے اور سرِ باہر اس جو یہی کا اثر انسان کی ظاہری زندگی پر پڑتا ہے اس جو یہ کے اعتبار کا دوسرا پہلو جو خاص طور پر کتابی مذاہب میں زیادہ نمایاں ہے وہ ان انکاملات اور پابندیات پر مشتمل ہوتا ہے جو انسان کی دوسری زندگی اس کے داخلی مسائل اس کے سیاسی نظام اور معیشت سے متعلق ہوتے ہیں۔

اولیٰ مذکر پہلو کا متعلق زیادہ تر زمین و مہمانی وحدت اور اشتغال پر مشتمل ہوتا ہے اور خارجی احوال میں خدمتِ خلق اصطلاحِ کسرا اور قربانی ہے اور ضمنی لفظی ذرا کم اور جملہ حضرت سے بے اعتدالی پائی جاتی ہے۔ یہ طرزِ زندگی دوسروں سے بھی اس قسم کے محرکات اور جذبات پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے اور دوسرے لوگ انکی خصوصیات سے اثر قبول کر کے اپنی زندگی میں سواد پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ سواد کلام اور انکاملات کی بجائے زیادہ تر ایک مثالی کردار کے عبادتیں اثر کے ذریعہ ہوتا ہے۔ تاریخی مذاہب کے عملی رویوں میں کسی قدر فرق ہے۔ لیکن عموماً یہ سب ایک عملی اور تعمیری زندگی پر







لیے تو منہ پر سکا ہو جن کا بنیادی کام خورد و غریب  
بلکہ روز مرہ کے امور میں لیکن معاشرہ کو اپنی  
ترقیہ و تنظیم اور ترقی کے لیے عقلی فکر کو بروئے کار  
لے کر اور بلا غرض و سبب نہاتا ہے۔

ایک لسانیاتی مسئلہ بھی ہائی رہ جاتا ہے۔  
اگر غریبی طور پر فقہ و اسباب کی حیثیت سے حلیم کر لی  
جائے تو ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں داخل  
ہونے کی صرف غلط فہمی و رجحانات ہو سکتی ہیں اور کوئی  
مذہب یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے علاوہ ہائی سب  
ذہاب باطل ہیں۔ بعض علماء نے قرآن کے اس  
فرمان سے کہ دین کے معاملہ میں جبر نہیں ہے یہی  
تجواذ کیا ہے اور نہایت کا دائرہ و دائرہ افعال صالحہ پر  
رکھا ہے مگر پھر قصور نہایت اس شخص کے لیے تو ہے  
مگر یہاں تک کہ اس کی قسم کی اہمیت اور نہایت کے قصور پر  
انہیں نہ دیکھا ہو۔ لیکن اس کے حلقہ بھی کسی  
دوسرے علم وادارہ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اس لیے  
کسی مذہب کی مطلق حیثیت کا دعویٰ اگرچہ مذہب  
کے اندر رہے ہوئے ممکن ہے لیکن اس کا کوئی شخص  
جبر نہیں ہے۔ مختلف لوگوں کے ایمان و آئین میں  
مختلاف ہو سکتے ہیں اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں  
ہو سکتا کہ وہ اپنا ایمان دوسروں پر جبراً مسلط کرے  
اگرچہ اپنے ایمان کے حوالہ سے وہ صرف اپنے  
مذہب اور گنج کہنے کا حق رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ نے اسی  
لیے تقیبات اور کام کو دوسروں میں تعظیم کیا ہے۔  
ایک قسم کی تقیبات وہ ہیں جو مساویہ و کلاب ہو سکتے  
ہیں۔ مثلاً سائنسی تقیبات یا انکی جو مادے میں  
تجربات سے حلقہ ہوں۔ دوسری وہ قسم ہے جو  
صرف ایمان کے دوران سے حلقہ ہوتی ہیں۔  
مثلاً کسی دینی اور یا خدای ایمان۔ ایمان یا تو ہوتا  
ہی نہیں۔ کوئی دوسرا شخص اس پر صادق یا کلاب

ہونے کا علم نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ کوئی اپنے  
ایمان سے خود کو ہوتا ہے اس کی بنیادی آگاہی  
کسی دوسرے کی دماغی میں نہیں ہوتی۔ اگر کوئی دوسرے  
اسی قسم کی آگاہی کا دعویٰ کرے تو یہ شخص کا دماغی  
احساس تک جاتی ہے جس میں دوسرا شریک نہیں  
ہوتا۔

ذہنی و دماغی اور تجربہ یعنی افعال اور افعال  
کی ایک قسم وہ ہے جو اطوار کے انکسار کے دوسرے  
تعلقات کے لیے دینی سماجی حقوق و فرائض یا سبب  
اور نظام زندگی کا قانون اور عدلی کے سروہ میں آتے  
ہیں۔ اسی قسم کے امکانات قریباً ہر مذہب میں کم  
بیش موجود ہیں کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ مذہب  
کی تاریخ کا مطالعہ یہ بھی بتاتا ہے یہ قارئین ارتقاء  
پر رہے ہیں اور مختلف ادوار میں مختلف معاشرہ  
کی مقامی ضرورتوں کو چھوڑ کر رہے ہیں۔  
معاشرتی زندگی میں تبدیلی کے ساتھ ان قوانین اور  
دعا میں بھی ضروری تبدیلی ہوتا رہا ہے۔

اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ بخدا رسول و پل معاشرتی  
ارتقاء کی وجہ سے ضروری تھا جو چکا اور اب ان  
امکانات میں کسی دوسری کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ  
بات بدیہی طور پر غلط معلوم ہوتی ہے۔ انسانی  
معاشرہ میں جو جلدی تبدیلیاں آتی ہیں اور آنکھ  
بھی آ سکتی ہیں ان کے پیش نظر عمل و فعل اور حجم  
و دائر کے خلاف ہے۔ انکسار نے قائم رہا ہے۔ یہ بات  
دعوت کو اسلامی نظام کار کی اصولی بنیاد ہے۔ یہ بات  
عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ معاشرتی ارتقاء سے جو  
نئے مطلق رہتے نمود میں آتے ہیں ان کے لیے  
نئے قوانین و احکام عمل کے درمیان بنائے جا  
سکتے ہیں اس طرح مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ اسلام  
آخری شریعت فراہم کرتا ہے اور اس میں کسی

دوسری کی گنجائش نہیں رہتا اور رکھتے ہیں یعنی بنیادی  
طور پر شریعت ناقابل تبدیل ہے نہ دینی قیاسی طور  
پر ہائے علم کو نئے حالات پر مطلق کرنے کا کام  
ہے۔

انسانی نے انسانی فکر کے اس دماغی کو یا کسی  
تخلیق کے قبول کر لیا انھیں ہے کہ اس کی وجہ سے  
بنیاد و مادہ جو جھپٹے چند سو سال کی اسلامی فکر پیدا  
کرتی ہے جس میں اہل اہم میں اس فکر نے ہر دہائی پائی  
ہے اس کا تجربہ انکسار ہے کہ انسان اس کو شعوری  
طور پر غرض نہیں کرتا۔ یہ مادہ بعض ایسے مفسرین  
کو بدیہی تھا کہ کچھ لکھتا ہے جو خود سے دیکھنے پر غیر  
عقلی ہوتے ہیں۔ یہ بات کے اعتقاد کے ذریعہ ہم  
خود سے معاشرتی مسائل سے خود آزار ہو سکتے  
ہیں۔ ان میں سے ایک ہے۔

اسلام کے ابتدائی چند مراحل کو چھوڑ کر اب  
بہت اعتقاد کے جو اصول اسلامی فکر اور قانون میں  
تبدیل رہا ہے جن ان کی تین بنیادی ہیں۔ اولاً  
کلام یا بنیاد قرآنی اور حدیث رسول ایک قضیہ  
ہوتا ہے یا قضیہ کی شکل میں احادیث کا سکا ہے۔ دوم  
اس قضیہ سے اخذاتی طور پر یا دینی مطلق کے  
اصولوں کے تحت دوسرے قضیہ کے اشتراک سے  
ایک تجربہ کار کا سکا ہے اس کی ایک معروف شکل  
قیاس ہے۔ سوم اعتقاد کے اس عمل کے لیے ایک  
خاص قسم کی اہمیت فرما ہے۔ جس میں عربی ایمان  
اور گرامر کا ہونا اور جہت کا مسلمان ہونا شرط ہے۔  
جہت کے لیے شرائط کی تعمیل یا فکر انکسار میں مال  
ہائے کی۔ بعض نے جہت کا مسلمان ہونا شرط قرار  
نہا ہے۔ بعض نے جہت ہونے کے لیے ایک شبی  
الہام سے توحید پائے کو بھی اپنے اعتقاد کو گنج  
ہونے کی دلیل کے طور پر استعمال کیا ہے۔



اجتہاد ان میں جہاں جہاں  
کی ضرورت ہے۔ اولاً یہ بات گنجائش  
الہی اور کلام وحل تفسیری میں اور یہ بھی گنجائش  
ان کو کہنے کی اہل میں احادیث کلام کے ساتھ کہ  
برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

قرآن وحدیث زیادہ تر ضعیف ترین اور  
مواضع میں مشتمل ہے۔ اس کلام میں جو  
بعض اہل علم نے "تاریخی یا کسی قسمی حقیقت کا بیان  
ہے۔ وہ ان "تاریف" ترین اور موضوع کے  
اشارات ہیں جن کے بغیر کلام کے ساتھ ہمارے  
نہیں ہوتے اس موضوع کو فقہاء کی اہل میں  
احمال سے کلام کا اصل مفہوم غم ہو جاتا ہے۔ اور  
کلام ایک ہے ہاں جس میں جاتا ہے جس کو اور اگر  
کی دہائی حقیقت سے جدا کر دیا جائے۔ اس جیسے  
کے اصل معنی اور مقصد اس کو اس وجہ کی حقیقت  
سے جدا ہوا۔ تفہیم کر کے ہی معلوم کیے جاسکتے ہیں  
میں میں یہ زیادہ کلام فقہ اسلامی میں شان نزول کی  
اصطلاح اسی حقیقت کا اندازہ ہے۔ ہر یہ بات  
انہی جان لینے کی ہے کہ استخراج ایسے نتائج کی  
طرف سے جانتا ہے جو ہوں اور اس طرح معاشرہ  
کی نوعی جدوجہد کے اور اس طرح معاشرہ  
تعلقی طور پر قابض نہیں کیا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ صنعتی  
اور ہر چیز کو نوعی انتہا بات کے بعد معاشرہ کی  
ہر بات جس طرح ہوتی ہے اور جاسکتا ہے۔ حقیقت اور  
حق کی تلاش کے جو سے پہلو سامنے آئے ہیں ان کو  
کچھ طرح نکال کر ان کے لیے مناسب قانون اور  
نظم طے کرنے کے لیے استخراجی طریق کار میں  
جاری بنی ہوئی ہوتی ہے۔

مجھ کی اہلیت بھی اب ایک مسئلہ بن گئی  
ہے۔ علوم کی ترقی کے ساتھ اب فرد واحد کی ذات

نہیں جس سے اس طرح اجتہاد کا  
باب اکرنا سے زیادہ ایک اجتہاد کا کام معلوم  
ہوتا ہے۔ لیکن اس دہائی میں سب سے بڑی مشکل یہاں  
ہم آج بھی ہے کہ ایک نئی علم رکھنے والے عالم اور موجودہ  
علوم کے باوجود اگرچہ ایک زبان بولتے ہیں لیکن  
الفاظ کے جو معانی و تفہیم جو انہی کے لیے ہیں ان کے  
ذہنوں میں ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے سے  
"دن حد تک" امتیاز رکھتے ہیں۔ عام طور پر دونوں قسم  
کے لوگوں کے دماغ میں ایک عقلی حدود ہوتے ہیں اور اگر  
ایک پر چڑھائی ہونے کا علم لگتا ہے تو دوسرے پر  
کا دماغ سے کہ اجتہاد کے ساتھ وہی اسلام میں یہ  
تفہیم نہیں ہو سکتا۔ اور اقبال کا اجتہاد ہر دور  
میں معلوم ہوتا ہے۔

میں بھی تاریخی طور پر اجتہاد حضرت عمرؓ کے  
دور کو چھوڑ کر بھی انہی اسلامی فکر قانون اور کلام کے  
انتہا نکال کر یہ نہیں رہا ہے۔ اجتہاد زیادہ تر معاشرہ کو  
کافی پروردگار کی قدر و قیمت کی طرف متوجہ کرتا  
رہا ہے۔ اگرچہ انہی اس نے فکر کی راہیں کھولی ہیں تو  
وہ حاکمان حقیقت کے جو اثر عام کرنے کے لیے تھے۔  
تاریخ میں اجتہاد نے روشن خیالی اور حقیقت پسندی  
کے کئی رنگان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ نہایت عام  
ہوئے کہ اسلامی معاشرہ میں ایک طرح کی پابندی  
لے جنم ضرور لے لیا ہے اور مذہبی اہل انمول  
اجتہاد دوسروں کے قریب انہیں عام فہم کی  
بہار دہائی بن گئے ہیں۔ ان میں آج میں تو  
انتہا بات ہوتے ہیں لیکن مذہبی مسائل میں وہ کسی  
دوسرے کی عقل اندازی کے خلاف جھوم جاتے  
ہیں۔ مگر کہتے تو ہے اگرچہ ان میں شریعت ایک دوسرے  
کو لگاتے ہی رہتے ہیں لیکن سب مل کر غیر مذہبی  
حاصلوں کو جھوٹا طور پر کاغذ قرار دے دیتے ہیں۔

اسلام نے جس کلمات اور پابندی کی انہی کی تھی وہ  
تجربہ اور آواز سے وہ بارہا اس پر قابض ہو گئی۔ اور  
قرآن وحدیث کی تفہیم کے وہ دانشوروں پر بند  
کر دیے۔

اقبال کی فکر کا بنیادی تصور یہ ہے کہ انہوں  
نے وسطی فکر کی بنیادی خامیوں کی نشاندہی کر لی  
ہے لیکن ان خامیوں کو دور کرنے کے لیے کوئی خاص  
ویژن قائم کیا نہیں کر سکتا۔ سب کو اپنی قربت سے  
اتھ کر کے کی بات درست لیکن اس میں اس کا طریق  
کار باخبر گیری اور انہی کے مقصد ہے جو اس  
سے پہلے فکر اسلامی اختیار کرتی رہی ہے۔ اقبال  
سے ایک قدم آگے تو سرسید نے جو احادیث کا  
انہوں نے مصری مسائل کے لیے انہی کو قبول کرنے  
کا مقصد ہوا ہے اور اسلام باہر اہل علم کو وہ  
حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک خاص راہ میں جب  
میں کو قبول قول و ادائیگی کی روشنی میں تقسیم کیا جاسکتا  
ہے۔ دے دے دوسرے صورتوں تو وہ انہی کو صدی  
کی سائنسی فکر کے تابع ہیں۔ اگر وہ اس کی کوئی  
پرس سے تاریخ تو درست ہونا ان کی سائنس کی روشنی  
میں تعبیر کرنی پڑے گی۔ سرسید کی یہ فکر کچھ نہیں  
تھی اس لیے کہ انہوں نے بھی اس بات کو نظر انداز  
کر دیا تھا کہ قرآن یا الہامی کلام میں تاریخ  
واقعات یا غیر مرمی صورتوں مقصد باتوں نہیں  
ہوتے بلکہ کئی دہائی کے ادبیات کی حقیقت سے  
استعمال کئے جاتے ہیں ان کا مفاد اس نے اس علم  
مرتبہ پر غم لگایا نہیں ہوتا بلکہ وہ کلام کے ایک حصہ  
کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ سرسید کا ہی خلافت  
ایک نئی ضرورت کا پیدا کرنا تھا۔ خود سائنس نے  
اپنے ہاتھ انہیں بڑی حد تک کی کر دی ہے اور  
اب وہ حقیقت کو اپنی طور پر نگاہ جانے کا دعویٰ نہیں



کرتی۔ اور اس بات کا مظہر کرتی ہے کہ عبادت  
ماتنی طرح سے معلوم نہیں ہو سکتی، وہ حقیقت یا  
امر واقعہ نہیں ہے۔ ماتنی زیادہ سے زیادہ اپنے  
مسائل کے متعلق اپنی بے بضاعتی کا اظہار کرتی ہے  
یاں کو کٹاوری افسانے یا بعد الصبحیاتی اور غیر مرمی  
تصویرات مضحکہ خیز اور اساطیر کی طرح دوسرے خلقی  
جادو کا پیر کر دیتی ہے جو ان تصورات کی نتیجہ اور  
ان پر غم گانے کے لئے اسے اصول یا طریقے وضع  
کر سکتے ہیں۔

اقبال نے قرآنی کی تفہیم نو کے ایک  
نہایت اہم کام کی ابتداء کی تھی۔ نصف صدی سے  
زیادہ گزر جانے کے باوجود اس کام میں زیادہ پیش  
رفتہ کیوں نہیں ہوئی اور وہ کیاست ہے جو اقبال  
کے بنیادی فلسفیانہ تصور کو آگے بڑھا سکتی ہے۔  
اسی فکر کے بارے میں اقبال کا کبھی بغیر اس مسئلہ کامل  
فہم نظر نہیں آتا۔ اقبال نے تصوف کی اسلامی فکر  
کے عہد کا ادیب اور قلمرو تھا۔ کیا باقی ایسا ہے؟ کیا  
اس دہائی میں انسانی تعلیمات کا کوئی اور پہلو بھی  
شریک ہے اور اگر ہوتا ہے کیا ہے؟

میری حالت میں اس کا اصل سبب "خوف"  
ہے۔ ایک ایسا خوف جو ہمارے ذہان میں شعوری  
اور غیر شعوری طور پر جاگزیں ہو گیا ہے۔ یہ ایک قسم کی  
تعلیمی تعلیمت ہے۔ جو ہمارے ابتدائی شعور کا حصہ  
بن گئی ہے۔ اسے انشعوم کو کہہ دینے کا کوئی بیانات  
اور باوجود ان کے قطع ہو جانے کا اور اپنے نظر جانے  
اور گزرنے کو ہے۔ ہمارے خوف۔ اور اس سب  
کے نتیجے میں خوف الہی یا عقلی اور تکنیکی مسائل متعلق  
سے محروم ہو جانے کا اس کے ساتھ "خوف" کا ایک  
اور خطر بھی شامل ہو گیا ہے جو اربع انسانی حیثیت  
مجمولی محسوس کرتا ہے اور یہ خوف ذہنی اور

اپنے فیصلے خود کرنے اور آزادی کا خوف ہے۔  
آزادی انسان کو ایک اضطراب میں مبتلا کرتی ہے۔  
اس اضطراب سے انسان بچنا چاہتا ہے۔ اور آسانی  
سے اپنی آزادی کو بھی بڑے کے غم کی قربان کر دیتا ہے۔  
جہیز چہ عار ہے۔

اس نفسیاتی اور ادبی خوف کے اسلام کے  
فقری اور عمل شعور میں در آنے کے بہت سے خلقی  
اسباب موجود ہیں جن کی ابتداء حضور اکرم ﷺ کے  
وصال سے ہوئی ہے۔ وصال کی خبر معلوم ہوتے ہی  
حضور ﷺ کے قریبی ساتھی ایک حبیب سراہنکی اور  
سختی کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت اسامہ  
ظہریؓ کو کچھ عرصہ میں قتل اور اظہارِ باغی سوار ہیں  
اور انہوں میں پادشہ دیکھنے والے تھے کہ احمد بنک  
کو "رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا ہے" اظہارِ فکر  
کے ساتھ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ بھی تھے۔  
سب دین کی طرف دوڑ پڑے اور اظہارِ کلمہ حضور  
ﷺ کے دروازہ پر گاڑا یا ایک عظیم الشان کی کیفیت  
تھی۔ حضرت عمرؓ کہہ رہے تھے "میں ہرگز کسی کو یہ  
کہنے نہ سون کہ اللہ کے رسول ﷺ وفات پا گئے  
انہیں بھی اسی طرح پوچھا گیا ہے جس طرح موسیٰ بن  
عمران کو پوچھا گیا تھا اور وہ چالیس روز تک اپنی قوم  
سے قاصر رہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ  
فوت ہو گئے۔ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ ان کے  
ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے۔ جب تک قوموں  
کے ہاتھ اور پاؤں نکالت دیں رسول اللہ صریح کے  
نہیں آپ دیکھیں آ کر منافقوں کے ہاتھ پاؤں  
کاٹیں گے۔" اس کیفیت پر حضرت ابو بکرؓ نے اپنی  
قرآن کے ساتھ قرآن کی وہ آیت چڑھا دی کہ وہ پوچھا  
جس میں لکھا گیا ہے "رسول اللہ کے رسول  
ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں پھر اگر

وفات پا جائیں اور افسوس ہو جائے تو کیا تم انہیں  
پاؤں کاٹ رہے ہو؟"

اس یقین کے باوجود کہ رسول اللہ کے  
بندہ اور رسول ہیں اس وقت ذہان میں بات پر یقین  
کرنے کو مشکل سے چارہ ہو کر حضور ﷺ کا وصال  
ہو گیا ہے۔ اس بات کو ابھرنی سمجھنے میں کسی حد تک  
لا شعوری طور پر اس دور کا بھی دلچسپ رہا ہو گا کہ  
حضور ﷺ کا م لوگوں کی طرح ایک شخص نہیں تھے  
اور انکا وصال بھی عام لوگوں کی طرح نہیں ہو گا۔  
وہ بات چاہے ہو کہ میں اس بات کا یہ قصد تھا کہ  
تقریباً ایک ہی پیش آیا۔ عوامت مسلمان خاص  
طور پر اہل مدینہ کو فوری طور پر ایک بڑے مسئلہ کا  
سامنا کرنا پڑا۔ یہ مسیحی جو لوگوں کو مسیح کے ہونے  
تھی "میں کا فرمان حکم قیامت میں کے غم و ہراس کے  
اشارے پر لوگ جان کے لئے ڈانٹتے ہیں کرتے تھے  
جو حضرت ابراہیمؑ اور سلیمان سے تو زانیہ سلطنت کا  
کا دربار تھا اور ہاتھ جو ان لوگوں سے دوسرے کا قیام  
دل سے اس ملک کو تسلیم نہیں کرتے تھے یا اس کو فتح  
کرنے کے واسطے تھے یا ایک مصلحت کے اس  
تھا بھی اور راجا فیروز میں سے یہ وہ خاص تھا جانا  
ہے۔ اور اس ہی امت اور ملت کا وہ دور تھا کہ میں پڑ  
جاتا ہے۔ مگر لوگوں کے ذہن میں کوئی واضح تصور  
معلوم نہیں ہوتا کہ ملت کا کا دربار کیسے چلے گا اور  
رسول اللہ ﷺ کے قریبی بھتیجے میں اس مسئلہ پر ایک  
سے زیادہ رائےیں موجود ہوتی ہیں۔ بلا فرستہ تو  
سعد میں حضرت ابو بکرؓ کی قیادت پر اتفاق ہو جاتا  
ہے۔

مستحق مدح میں بحث دہشت میں وہ لوگوں  
سے غم و ہراس کی کہ ان کے قریب قریب کے جا گیا اور  
فہم کی امداد پر تھوڑے ہو سکتے اور واقعی کے بغیر



حکومت نہیں مل سکتی اور اختلافات سے قوم میں تفرقہ پڑ جائے گا اور باہمی نزاعات جنم لیں گے اور ہم یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس خلافت کی دینی قرین ہیں گے۔ ایک طرف منکر نے کا خوف دوسری طرف اس مسئلہ کے حل کے لئے ایک نصیحت کا یہ قول یہ حکم کا وہ دیکھا ہے۔ امت مسلمہ کے انہیں میں یہ دونوں محرکات اپنی جارحی کی ابتداء ہی سے شامل ہو گئے تھے۔ اسلامی امت کے ٹکڑے ہونے کا خطرہ جو جانے کا خوف محض وہم یا لیر حقیقی نہیں تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے فوراً بعد امت کو دو جنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلی عرب کے ایک بڑے قبیلہ کے کہ وہ اپنے طرف لے اٹھا اور دوسری جنگ کا یہ کہ وہ عرب کو فتح کر کے مسلمہ کذاب کی سربراہی میں خلیفہ وقت کو پہنچ کر دیا۔ یہ کہ اور دو جنگیں نہایت خطرناک تھیں۔ اسود فاسی وغیرہ نے بھی سرکشی کی دہرا اختیار کرنا چاہی اور یہ کوشش کی کہ وہ بکام مرکزی نظام جو حضرت ابو بکرؓ کی قیادت میں قائم ہوا تھا اور ہم پر ہم ہو جائے۔ انکار کے اندیشہ کے بغیر خلیفہ اول کی سخت محنت اور سولہ سالہ ﷺ کی فتویٰ کی فتویٰ کے خلاف سے حالات پر قابو پانے کی تھی۔ جو تین اہم فیصلے حضرت ابو بکرؓ نے کیے ان کی بنیاد پر جہت رسول اللہ ﷺ کا فرمان تھا۔ پہلا فیصلہ حضرت امام کے لشکر کی رہائی کے متعلق تھا اور دوسرا یمنین انکا اسے جنگ کرنے کا تیسرا فیصلہ صحیح قرآن کے متعلق تھا۔ تیسرا وہ میں انہوں نے اس کام سے انکار ہی فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ کام نہیں کیا تھا۔ پہلا فیصلہ انہوں نے حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کے اصرار پر اس وقت تبدیل کیا جب معاشرتی افراتفری کی بنیاد تک قائم ہو چکی تھی۔ خلیفہ اول حضرت عمرؓ کو اپنے بائیں ہاتھ کرنے

میں اس بات کو بھی طوطا داخل رکھا کہ ان کی نصیبت ہی ایک ایسی نصیبت تھی جو اس نوازیم ملک کے احکام کو برقرار رکھ سکتی تھی۔ وہ پختہ ارادے کھ بوجہ جوانی خود انتہائی اور لہذا شب کی ان خصوصیات سے منصف تھے جو اس وقت کے ماحول کے لئے انتہا ضروری تھیں۔ ان کی مخالفت سے مسلم تاریخ کا ایک ایسا اور شروع ہوا جس میں اب اضطراب اور انکار کی وہ کیفیت باقی نہیں رہی۔ جس کا سامنا ان کے پیش رو کو کرنا پڑا۔ وہ اب ہر کسی کو اپنی خوف یا مصلحت کے دہانے سے آزاد ہو کر وہ اسلام کی اصل اسپرٹ کے تحت قوی فیصلے کر سکتے تھے۔ مگر اب انکی حکم ہو چکی تھی کہ حضرت عمرؓ نے اہل مدینہ کے معاملہ میں ایک مٹی پالسی اختیار کی اور ان کو ساہیلی مصلحت کے خلاف جہاد میں مصروف کر دیا۔

حضرت عمرؓ کا دور ہی وہ تھا جس میں اجتہاد کی اس اصل روح کا پتہ چلتا ہے جو اسلام کا طوطا اختیار تھا۔ اجتہاد کا یہ طریقہ نئے سے مسائل پر اصرار اور کرے کہ اسلام کی مجموعی اسپرٹ کی ماحیت سے فیصلہ کرنے کا تھا۔ ان کی منطق بظاہر قرآنی احکام سے تضاد نظر آتی ہے۔ لیکن وہ صرف اس لیے کہ انہوں نے قرآن کی آیات کو کھائی مطلق کے مطلق پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ آیات ایک خاص موقع پر ایک خاص حکم کے ساتھ نازل ہوئی تھیں اور ان سے ایک مقصد کا حصول تھا۔ اصل وہ مقصد تھا جو اس حکم کے پس پشت کار فرما تھا۔ اور وہ حکم ان خاص حالات میں ان خطا کو پیدا کرتا تھا۔ یہ خطا اور مقصد الگ الگ تھیں تھا بلکہ معاشرتی زندگی کا ایک مفید کارہی اور ان کے مکان سے آزاد تھا۔ حکم الہی باقی اور مکانی تھا۔ حضرت عمرؓ

اجتہاد اس لیے کر سکتے تھے کہ ان کا دور خود انتہائی کا دور تھا اور خوف اور اضطراب کے وہ بادل جہت بچے تھے جو حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد گر آئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے کہ وہ یہ کیفیت باقی نہیں رہی۔ سب سے بڑی تبدیلی خود انتہائی کی گئی تھی۔ تیسرا خلیفہ راشد کے جہت بھی چٹا کا دور وہاں پر تھا کہ ان اپنے قتل و دہشت کی ہی کرتے تھے۔ مگر امت کو وہاں اضطراب نے گھیر لیا تھا۔ اس کی تکرر درجات میں اسلامی سلطنت کی وہ وسعت بھی تھی جو خلیفہ پہلی کے دور میں ہو چکی تھی اور اسے خلیفہ کو ایک پہلے سے زیادہ وسیع مملکت کو سنبھالنا تھا اور ان نئے مسائل کو حل کرنا تھا جو حضرت عمرؓ کے وصال کے بعد پیدا ہو چکے تھے۔ انکار کا خوف اور نقصان کو برقرار رکھنے کی خواہش اور کے واقعات سے جس میں حضرت عثمانؓ کی شہادت جنگ عمل جنگ مسلمین کرنا کے حالات اور جنگ حرة اور انہوں نے اپنا زیادہ شہید ہو چکی تھی۔

امت کے اس مجموعی خوف کا اثر نہایت کی پشت پناہی میں ظاہر ہوا اور یہ پھیل کر اسلام کے سیاسی اتحاد کی اور قانونی نظام پر چھا گیا اسی خوف کے ذریعہ ہزار ایک ایسے کام کو مضبوط حاصل ہوئی جو لوگوں کو آزادی کی ذمہ داری سے بڑی حد تک سبک دہش کر دیتا ہے۔ سیاسی نظام میں ایک مقصد اصرار خلیفہ کی ضرورت پر زور دیا گیا اور اصرار و سواہ کی ماحیت حاصل ہوا۔ خطہ کے مقابلہ میں فاسل سلطان کی حکومت قبول کرنے کا اصول وضع ہوا اور اولوالہ امر کی اطاعت پر زور دیا گیا۔ یہ تمام سیاسی اصول مصری امراء اور خلفاء کے تسلط کا جارا بنتے رہے۔ انہیں شریعت کا رہنما ہی سیاسی مطلق



کے زیر اثر ہوا جس میں نئے قانون ایک اخلاقی عمل کا نتیجہ تھے اور قانون کے اخلاقی قدر و قیمت ضمیمہ کرنے کا وہ طریقہ جو حضرت مرتضیٰ اعظمی کا قیام کر دیا۔ نتیجتاً قانون کا ارتقاء ایک خاص سطح پر پہنچا، مگر اگرچہ اس زمانہ کا بغیر حالات پہلی گرج تھا لیکن زمانہ کی فوری تبدیلی کا ساتھ نہیں دے سکا۔ حال کی اخلاقی قدر و قیمت افریقہ خلافتی قرار پائی اور نئی نظریہ مروج ہوئی اور ان تبدلات کے میں پشت بھی خلاف کام کر رہا کہ جلی آنا دلی کے معاشرہ پر بے اثرات مرتب ہوں گے اور مسلمانوں کی اس سرمت میں پھیلی ہوئی وسیع ملکیت میں اسلام اپنا نقشہ ادا کرتی نمودر گا۔

نظر اور عمل کا یہ دو اہم آج تک چلا رہا ہے اور اتحاد کے دھانی کے باوجود موجودہ مگر مسلمانوں کے صہری مسائل کے حل کا کوئی ایجنڈا مرتب نہیں کر سکی۔ اسلامی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی لوگوں کے دلیوں میں وہی قوانین اور احکام ادا ہوا کرتے ہیں۔ وہ کچھل چودہ صدیوں سے کہو جی مستقل چلے آ رہے ہیں۔ آج بھی ان میں تبدیلی اس لیے ممکن نہیں ہے کہ میں ہی افہام میں ہم ان کی تبدیلی کی کوشش کرتے ہیں اس میں پیغام اس طرح ہائیں ہے جس طرح کہ بیلیوس نظام سے بیکس اور بخانی کے کوئی مطابقت کی تخریج کرنا۔ یہی افہام ہی اور الہامی کتابوں کی تاریخی تفہیم کو باطل قول سمجھتا ہے اور اس کو دلی کی ماحیریت اور غیر دلی ہونے کے معنی قرار دیتا ہے۔ اگرچہ بات واضح ہے وہ شرع کا ارتقاء ممکن قرار دینا غلط ہے مگر اس کی تفہیم۔

یہ بات امر واقعہ ہے کہ دلی مختلف شخصوں کی نصیحت اور دلی کے زمانہ سے چھل رہی ہے۔ دلی

کی زبان کا دور سے تھوڑا سا دور گرا رہی زمانہ کے بلبل کے مطابق ہے۔ دلی کے ذریعہ انسان زندگی کے اہم مسائل کو حل کرنے کے لیے نئے امکانات دینے کی ہے۔ وہ اگلی دور کی زندگی ضرورتوں اور حدود کو سامنے رکھ کر دینے کی ہے۔ اور ایک اعتبار سے وہ اس زمانہ کے لیے تفصیل ہے۔ ایک ہر شخص کو ہم میں ایک اصول کا ذریعہ ہے جس طرح ہر شخص ایک ایک اور ہر خاص میں ایک عام مضمر ہوتا ہے اور جس طرح اشتقاق کے ذریعہ ہم سے نکلے اور خاص سے عام تک پہنچتے ہیں اس طرح ان احکام کے ذریعہ ہم میں عمومی اصولوں تک پہنچ سکتے ہیں جو ان احکام میں پائے جاتے ہیں۔

اقبال کی اخلاقی مطلق پر تنقید کا یہ وہ انکار قائم ہے جو اقبال کے ان حذکرہ دلائل قیادی آلات کا مطلق نتیجہ ہے۔ یہ وہ دلی نظر ہے جس کی ایک وحدانی تصور اقبال دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن جس کی وضاحت اس فلسفہ جدید کے نظریہ میں بھی جی جی ہو رہی ہے۔ ایک حکیم کے بعد یہ اصول اب تک اسلامی فکر خارج اور تعمیری میں ابھی رہی ہے اور حقیقی فکر سے غائب رہی۔ جو Constructive اس نے فلسفہ تاریخی اور دلی میں پیش کی ہے وہ کسی حد تک کسی خاص زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرتے رہے۔ لیکن اب وہ اس قابل نہیں رہے کہ موجودہ زندگی کو حل کر سکیں۔

حری کا بعد اظہار حیات سے اقبال کا تصور مقصد اسلام کو دوسروں کی غالی اور قتل سے خلافت قرار دینا سے آزادی کا مقصد اس طرح حاصل ہو گیا کہ اب مسلمان نہ ملک میں ان کی اپنی حکومت قائم ہیں اور ان کو چلانے کی ذمہ داری اب خود ان کے پر رہے۔ لیکن کیا آج کی صورت حال اقبال کے

ظاہر کی تکمیل ہے؟ بہت دور کے خیال میں نہیں؟ اور ان کی تکمیل یہ ہے کہ اگرچہ مسلمان عقیدت سیاسی طور پر آزاد ہیں لیکن وہ ملک کے معاشی اور فکری قتلہ سے آزادی نہیں حاصل کر سکی ہیں۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگرچہ مسلمان آزاد ہیں۔ لیکن اسلام کو ایک غالب نظام کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اور جب تک اسلام ایک غالب نظام عمل کی حیثیت سے نظر نہیں ہوتا اقبال کی کا خوب اہم رہے گا۔ انسانی یہ خیال بدست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مشکل اس حدت فکری آتی ہے۔ جب آپ "کلام حیات" اور "کلمہ" کی تعمیر کرنا شروع کرتے ہیں۔ اساتذہ کا ایک خیال جو اقبال کے کام کو نہ کے طور پر استعمال کرتا ہے یہ کہتا ہے کہ اسلامی نظریہ کے معنی فکری قوانین کا نفاذ ہے۔ اس طبقہ کے خیال میں فکری قوانین کا نفاذ وہی عمومی اخلاقی حالت کو بھرنا سکتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی معاشرہ میں قانون کا دلی اخلاقی بھری کے لیے مثبت عوامل پیدا کرنا ہے۔ اسلامی عرب اور انسانی ان کی حکومتیں ان معنوں میں اسلامی حکومتیں ہیں اور ان دونوں ملکوں میں معاشرہ کی اخلاقی حالت پائی تاکہ ان کے اخلاقی حالت سے بھرے۔ معاشرہ معاشرہ کی حیثیت "سیاست" میں اخلاقی تعلقات حقوق انسانی کی طاقت سب اسی قانون کے نفاذ کے ذریعہ ممکن ہے اس لیے کہ یہ دنیا کا ارفع ترین قانون ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مذہب کا مضمر ہے مسلمانوں کی اخلاقیات کا ایک حصہ ہو سکتے ہیں اور بحیثیت انسان ان پر مزید غفلت ممکن نہیں۔ لیکن جیسا کہ اس سے پہلے کہا گیا ہے کہ اصل اور مطلق کا ارتقاء کا یہاں سے معاملات تک دیکھا ہے جو



انسانوں کی مشق کہ بھلائی سے قطع رکھتے ہوں اور جو انسانی معاشرہ کی صحت اور تندرستی کے ضامن ہوں۔ اس نقطہ نظر سے یہ تصور کہ قانون اسلامی کا غلاف لانا یا اسلام کی برکتوں کے حوالہ سے ہلکا دھنگ نہیں معلوم ہوتا۔ لہذا اس بات کا ابھی تک تجرباتی طور پر مطالعہ نہیں کیا گیا ہے۔ حکومت اور اسلام میں کوئی غیر متکلف اور لازمی رابہ ہے اور یہ کہ حکومت انسان کے فلسفہ و پیدائش پر عمل اور پھر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا اسلام کا غالب عنصر قانون اور اس کا نفاذ ہے یا ایک خاص طرز زندگی جس کا ایک حصہ ان ضرورتوں کو مٹاتا ہے جسے ایک بہت بڑا حصہ اس کے دے اور بدلہ لیا کر مٹاتا ہے یا نہیں۔ قانون کا بدلہ تو کجروں کو ظلم سے روکنے کا ہے۔ مسلمانوں کے اپنی کردار کی تشکیل میں مثبت بدلہ سزاؤں کا نہیں بلکہ دوسرے مکررات کا ہے جو قانون سے ہرے نہیں ہو سکتے۔ اس بات کا بھی تجرباتی مطالعہ نہیں کیا گیا کہ اسلامی عرب اور افغانستان میں

بہتر معاشرہ ہے مگر یا نہیں اور اس کی پہچانی کے اسباب میں قانون کو کتنا دخل ہے۔ اس سوال کا جواب دینا اسلام کے لیے بڑا ضروری ہے کہ اسلامی اقتدار پر حق موجودہ دور کے ایک مثالی معاشرہ کی خصوصیات کیا ہیں۔ اور یہ اقتدار کس قسم کے قوانین، معاشی، رشتے، سیاسی نظام اور معاشرتی ڈھانچہ کا مطالعہ کرتی ہیں۔ یہ بات بھی واضح میں رکھنی ہے کہ یہ معاشرہ جدید سمیات کو اپنی پیش نظر رکھے اور دوسروں کے لیے قابل تقلید نمونہ بن سکے۔ ایک ایسا مثالی معاشرہ نہ ہو جو نہ قابل عمل نہ ہو بلکہ دنیا کی طرح قابل حصول بھی نہیں ہو گا۔ اس معاشرہ کے آئینہ دل ہونے کا محنت میں صرف انسان ہی کافی نہیں ہے۔ یہ عملی طور پر قابل عمل اور عملی طور پر ممکن ہونا چاہیے۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ قانون جیسا کہ وہ اس وقت سمجھا جاتا ہے کیا معاشرہ کے ان گنا گنا مسائل کو حل کرنے کے لیے کافی ہے۔ اسلام کے گنا گنا کہ یہ قانون ہی حد تک خود مختار ہے اور

باقی ضرورت احکام کے ذریعہ پہنچی ہو سکتی ہے۔ احکام کے ارے میں چند باتیں پہچاننی چاہئیں۔ آج کی صورت حال میں اگر کوئی ناکام صورت نظر آتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے محتاج کا تاریخی تجربہ کیا جائے اور باطنی میں خود اسلامی کی حدیں اور اسلامی تاریخ کا اسلامی قانون کے ایک بڑے قیمتی سرمایہ کی حیثیت سے تسلیم کر کے ان خاصہ شریعہ کے حصول کے لیے ہی قانون سازی کی جائے جو معاشرہ میں بدلہ، انصاف، حقوق انسانی کی ضمانت ہو اور ممکنوں کی مصیبت اور سب سے بڑے قابل عمل اور اخلاقی طریقہ کاری تشکیل میں مددگار ہو۔ اقبال کے فلسفہ و پیدائش کے لیے یہ لازمی مآخذ ہیں اور ان سے صرف نظر کر کے ایک مسلم اسلامی معاشرہ پیدا نہیں ہو سکتا جس کا خوب اقبال نے دیکھا ہے۔

☆☆☆☆☆



# اقبال کی حکمت اور حکمتِ عملی

پروفیسر فتح محمد ملک

حال کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ اہلی اصولوں پر قائم رہتے ہوئے حکمت عملی کو حکمت کے تقاضوں کے مطابق بدلنا زندگی کا بنیادی تقاضا ہے۔ 14 اگست 1947ء سے پہلے برٹش انڈیا میں مسلمانوں کی زندگی اور ان کی ترقی کا بنیادی تقاضا تھا۔ اس حوال پر کچھ ملحقہ اصول پاکستان کی خاطر برطانوی سندس جو حکمت عملی وضع کی گئی تھی قائم پاکستان کے بعد جو حکمت عملی قائم نہیں دے سکتی۔ اس حکمت عملی کے بنیادی عناصر وہ تھے جداگانہ انتخابات اور زیادہ سے زیادہ صوبائی طور، قاری۔ جداگانہ مسلمان قومیت کی تشکیل وغیرہ کے لیے جداگانہ انتخابات بھی ناگزیر تھے اور زیادہ سے زیادہ صوبائی نوعیت والی کا مطالبہ بھی مرکزی حکومت کا ناکام بندہ بننے کا ایک مؤثر پہلو تھا۔

بات یہ ہے کہ جب تک ہندوستان تقسیم نہ ہوا اس وقت تک جداگانہ مسلمان قومیتیں، جو میں شامل تھیں، نہیں۔ اہلی حقیقتہً قیام پاکستان تھا۔ جداگانہ انتخابات، ہندوستان کو تقسیم کرنے کی ایک اہلی اور عارضی حکمت عملی تھی۔ یہ عارضی حکمت عملی برٹش انڈیا کے لیے مخصوص تھی۔ اس حکمت عملی نے برٹش انڈیا کو مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔ 1946ء کے انتخابات کے نتائج نے اس تقسیم پر صداقت کی ضرورت کو اہلی۔ انتخابات کے بعد برطانوی حکومت اور انڈیا میں جمعی کانگریس اپنی حدود حکمت عملی سے بھی اس تقسیم کو مسترد کرنے میں ناکام رہیں۔ اس ایک اہلی مجموعی جدید ہند کے نتیجے میں

برقی میں خوب تر اور مکمل ترقی کی حالت ابھی جاری رکھنی چاہیے۔

زندگی کے بارے میں اس ارتقائی نقطہ نظر کو اقبال اہلی اور اہلی برہہ ناموں سے دیکھتے اور دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن حکیم کی اہلی تعلیمات اہلی ہیں۔ ان میں بھی کوئی تبدیلی ممکن نہیں مگر ان بنیادی تعلیمات پر قائم رہتے ہوئے انہیں اپنی اپنی زندگی کے تقاضوں اور بے غلطی کی روشنی میں اپنی اپنی تفسیر کر کے مکمل ہادی رہنا چاہیے۔

اپنے اہلیانہ تعلیمات میں انہوں نے اس عمل کو بے پناہ انداز میں (Perpetual change in permanance) سے تعبیر کیا ہے۔ اقبال کے خیال میں برقی نسل کا یہ فرض ہے کہ اپنے عہد کے علمی آفاق کی بنیاد اور اپنے زمانے کے مخصوص مطالبات کی روشنی میں ان اہلی تعلیمات پر ازراؤ کرے۔ ذاتی حکمت سے تو ضرور وابستہ رہے مگر ماضی حکمت عملی کو ہر کان بدلتی ہوئی زندگی کی ضرورت بات کے مطابق مسلسل بدلتی رہے۔

(۲)

مادے اس تفسیر کی روش عام ہے۔ اجتہاد ذاتی حد تک غیر ممنوع ہے کہ وہ کیا ہے۔ تجویز یکم پاکستان کی تشریفاتی اساس کے باب میں بھی بنیادی اور اہل حکمت اور فقیر آیتہ حکمت عملی میں فرق کرنا بھول بیٹھے ہیں۔ حکمت ذاتی ہے مگر حکمت عملی صورت

اقبال اہلی صدائقوں کے پاس برگی ہیں اور بدلتی ہوئی حقیقتوں کے زمان بھی۔ اقبال کے نزدیک زندگی کا کارواں مسلسل آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ نہایت ایک فقیر کو بے زمانے میں۔ کانکت اور قادر حیات کے مسلسل تغیر آشکارہ ہے کانگز بے قضا ہے کہ انسان بھی مسلسل خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرم رہے۔ کسی مقام پر بھی قیام کر لو، جم کر وہاں ہے۔ "یہاں رہا ہی جاتی ہے پھر کانگیا آؤ میں کلنگی ہیں اس کی رہا دہائی میں۔" فرانسیسی نظریہ رساں زندگی کی اس حرکت، ہندی کانگراہ مسلسل سے تعبیر کرتا ہے۔ اقبال اس نقطہ نظر کو حرکت پذیری کی حد تک تو تسلیم کرتے ہیں مگر اسے مگر مسلسل کی بجائے تھبو مسلسل قرار دیتے ہیں۔

لیپ نظر ہے سکون و ثابت توجہ ہے ہر ذرا کانکت طبع نہیں کارواں دھند کہ ہر لمحہ ہے تازہ، تازہ دھند اقبال کے نزدیک تھبو اور ترقی کا ستر پر لٹھ بندی رہنا چاہیے۔ تازہ اور تھبو تھبو ہوتی کا یہ ستر قیام کرتی ہے زندگی کا تھبو کام کارواں آتے ہیں کہ رکھتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ کانکت خانگی اکبر کی حقیقت ہے۔ اس کانکت کا خانگی سوچا کھو کر لو، منصوبہ بندی کے ساتھ کتنی مسلسل میں مصروف ہے۔ چنانچہ کانکت میں ہر نیا جھلک تھبو پہلے سے زیادہ گھبرا اور ستر 1911ء ہے۔ انسان کانگیا اپنے خانگی اکبر کی



اور دیے گئے انھوں سے یہ بات پسلی  
وفاقت کے ساتھ سامنے آگئی ہے کہ برطانوی ہند  
میں چونکہ کئی قومی آباد جمیں اس لیے مسلمان قومیت  
نے مسلمان قوم نے اپنی ایک قومی وطن قائم کر لیا ہے تو  
اس وطن کے جمہوری نظام میں جداگانہ طرز انتخاب کی  
ضرورت پائی نہیں رہی۔ اب اس وطن کے اتحاد کی  
خاطر غور انتخابات کا طریقہ اپنا ضروری ہو کر رہ گیا  
ہے۔ علامہ اقبال نے اسی خطبہ آزادی میں یہ حقیقت  
دراخ کر دی تھی کہ ان مسلمان مراکھ میں جہاں  
مسلمان اکثریت میں ہیں جداگانہ مسلمان قومیت کا  
سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جداگانہ مسلمان قومیت اور  
جداگانہ طرز انتخابات کا سوال صرف ان مراکھ میں  
پیدا ہوتا ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں۔ اسی  
بات کو انھوں نے چند تے ممبرانِ کلمہ کے مطالبین  
(مصلوبہ دارانِ راج) (گٹھ) میں اٹھانے کے  
وساات کے جواب میں بھی پانچاؤں کر گئے تھے۔

"Nationalism in the sense  
of love of one's country and  
even readiness to die for its  
honour is a part of the  
Muslims's faith: it comes into  
conflict with Islam only when  
it begins to play the role of a  
political concept and claims to  
be a principle of human  
solidarity demanding that  
Islam should recede to the  
background of a mere private  
opinion and cease to be a living  
factor in the national life. In

خطبہ آزادی کے دوران اقبال نے یہ اشارہ  
دے دیا تھا ہے کہ جداگانہ انتخابات پر ہر ایک کا واضح  
تکث ملتی ہے جو برطانوی ہند میں مسلمانوں کے  
انکیت میں ہونے کی مخصوص صورت حال میں دشمنی کی  
گئی ہے۔ اقبال جداگانہ انتخابات کے خلاف  
برطانوی وزیرِ اعظم کے نظریہ کو رد کرتے وقت  
تاتے ہیں کہ ایک ایسی سلطنت میں جہاں کئی قومی  
آباد ہیں وہاں ہر قوم کے لیے جداگانہ انتخابات کا  
انتظام لازمی ہو کر رہ جاتا ہے۔ کہ برطانوی ہند میں  
مسلمان جداگانہ طرز انتخاب پاس لیے ہر ادارہ ہے  
تھے کہ اپنے جداگانہ قومی دائرے میں ہر ایک جداگانہ  
جمہوری نظام کے قیام کا حق رکھتے تھے

"The Prime Minister of  
England apparently refuses to  
see that the problem of India is  
international and not national.  
He is reported to have said that  
this Government would find it  
difficult to submit Parliament  
proposals for the maintenance  
of separate electorates, since  
joint electorates were much  
more in accordance with  
British democratic sentiments.  
Obviously he does not see the  
model of British democracy  
cannot be of any use in a land  
of many nations; and that a  
system of separate electorates is  
only a poor substitute for a  
territorial solution of the

پاکستان قائم ہو گیا۔ جداگانہ مسلمان قومیت کی سخت  
اور جداگانہ انتخابات کی سخت ملکی قیام پاکستان تک  
ازم و طرح کر۔ اب پاکستان قائم ہو گیا تو جداگانہ  
مسلمان قومیت کا تصور غور و خوض جداگانہ پاکستانی قومیت  
کی شکل اختیار کر گیا۔ سخت وہی رہی جو کل وقت ایک  
تصور تھی اور آج پاکستان کے خطرناک اور اتحاد کی شکل  
میں تصور پاکستان کی جسم سے ملدے ہے۔ کل ہم  
قائم پاکستان کی جدوجہد میں مصروف تھے اور آج  
ہمیں انتظام پاکستان کا شیخہ برقی ہے۔ آج برطانوی  
نظریہ کی ادبی سختی تو ہوں کی قوس ہے کہ جداگانہ  
طرز انتخاب کی سخت ملکی غیر ضروری ہو کر رہ گئی ہے  
بلکہ آج کی صورت حال میں وہ پائی سخت ملکی نہ  
صرف غیر ضروری بلکہ نقصان دہ بن گئی ہے۔

فریک پاکستان کے لانے میں ہم برطانوی  
ہنگوڑا نہا چاہتے تھے۔ جداگانہ طرز انتخاب ڈرنے  
کی سخت ملکی قومی ہونے کا انتظام بھی کونسلِ مشورہ کر  
نہا۔ آج اگر ہم برطانوی ہند میں اپنی ملکی سخت ملکی  
کو پاکستان کے اندر لایا جائے تو جداگانہ پاکستانی قوم  
تقسیم ہو گی پاکستان ہونے کا نتیجہ یہ ہمارا مقصد ہرگز  
نہیں۔ ہم پاکستان کو متحدہ، عظیم رکنا چاہتے ہیں۔  
اس لیے آج ہمیں غور طرز انتخاب کی سخت ملکی کو  
اپنا ہونا چاہیے کہ اگر جداگانہ انتخابات جمہوری پاکستانی قوم  
کو رد کر دے تو متحدہ عظیم جانے کی سخت ملکی ہے۔ جو  
ٹوٹا اور خود مختار پاکستان کے اندر تمام ہندوستان  
میں مسلمانوں کی آزادی اور خود مختاری کی خاطر اپنی  
ملکی اس سخت ملکی کو صرف اس وجہ سے اپنا نہ رکنا  
چاہتے ہیں کہ انھیں باغیانہ پاکستان کی کھانا تھپہ بہا  
ہے انھیں جو چاہنا چاہے کہ قائم پاکستان کے بعد اگر  
غور اقبال زندہ ہوتے تو وہ سب دستورِ امتداد کی راہ  
اپنا تے ہوئے جداگانہ کی بجائے گھوڑا انتخابات کی  
سخت ملکی اپنا لینے۔



justified in seeking Turkey, Iran, Egypt and other Muslim countries it will never become a problem. In these countries Muslims constitute an overwhelming majority and their minorities, i.e., Jews, Christians and Zoroastrians, according to the law of Islam, are either "People of the Book" or "like the People of the Book" with whom the law of Islam allows free social relations including matrimonial alliances. It becomes a problem for Muslims only in countries where they happen to be in a minority, and nationalism demands their complete self-effacement. In majority countries Islam accommodates nationalism; for there Islam and nationalism are practically identical; in minority countries it is

آج 'بھارت' پاکستان میں مسلم مسلمان بھاری اکثریت میں ہیں اور اس علت خداداد میں ہمارے دین 'ہماری تہذیب اور ہمارے تصور کائنات کو کسی دوسرے مذہبی یا تہذیبی گروہ سے کوئی تعلق اور پیش نہیں ہے۔ پاکستان میں بڑی اچھوتوں کا تعلق بھی جلی کتاب سے ہے۔ خدیم پاکستانی قوم کو تہذیب کرنا چاہتے ہیں اور وہی پاکستان کر۔ ہم تو پاکستان کو متحدہ اور مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں اس لیے آج آزاد پاکستان میں ہمیں دور لگائی کی سخت ملی کو ترک کر دینا چاہیے گا اور اس کی جگہ دور آزادی کی سخت ملی لینا چاہیے گی۔ آج ہماری زندگی دور بھارتی کو بہت پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ہماری سیاسی زندگی بالکل بدل کر گئی ہے اس لیے ہمیں اپنی سیاسی سخت ملی کو بھی دور آزادی کے لحاظوں سے ہم آہنگ کرنا ہوگا۔ مروجی احکام کی صورت اب ہمیں جدا گانہ کی بجائے عموماً مروجی احکام کی سخت ملی اپنانا چاہیے گی۔

یہ قانونی مسئلے کے برعکس آج ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جو کئی قوموں کا گھن بکھلا ایک پاکستانی قوم کا ممکن ہے اس لیے اب ہمیں مسلمان

اکثریت کے ممالک کی سخت ملی اپنانا چاہیے کیونکہ بقول اقبال اللہ ممالک میں اسلام اور پیغمبر ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو کر نہ جاتے ہیں۔ عموماً طرز احکام کی یہ سخت ملی آج ہمارے قومی اتحاد اور استحکام کی ضامن بن سکتی ہے۔ ملی سخت ملی وضع کرنے وقت یہ بات پر گزرا اس میں نہ کہ کم رد قومی نظریہ کی بنیادی اور لہدی سخت ہے قائم ہیں۔ کہ اس سخت نے ہمیں پاکستان دیا تھا۔ آج بھی بنیادی سخت ہمارے پاکستان کی قومی بنیاد کے دوام کا سرچشمہ ہے۔ ابدی حقیقت پاکستان ہے۔ ہمارے حقائق میں سے ایک حقیقت مروجی احکام ہے۔ اسے پاکستان کی ابدی حقیقت کو سنوارنے کے لیے اگھارنے اور سرسبز و شاداب رکھنے کی خاطر ہر سے موسم میں بدلنے رہنا چاہیے۔ امتحان کی بھی دو مثالیں ہیں جس پر ہمیں نظر پاکستان طارہ اقبال نے چھان سکھا تھا۔ ایسے میں ہمیں چاہیے کہ کم اقبال کی اس وارث کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں۔

## حواشی

(1) سید محمد طاہر "Thoughts and

Reflections" 1964ء ص 188۔

(2) اقبال نامہ 287-288۔

☆☆☆







تقریباً ۱۰۰ سال ہے مگر میرے جہاں میں  
 لیکن شیخ بہت بڑا حور کے اوقات  
 میں اس کا سرمایہ پانی کا سفید  
 دنیا ہے قریبی مسکن روز مہکات  
 اقبال کے بکلی تھکرات تھے جن کے باعث  
 وہ فریاد جاگیرداروں کو اسے مسجدوں کو سرمایہ  
 واروں کو نکلتے رہے۔ دنیا جاتی ہے کہ ہندی  
 مسلمانوں میں دوسرا عریض اقبال ہی کے کام لے  
 پیدا کی۔ تصور پاکستان جس کے خدا خدائی کے دھندلی  
 تیسری سرحد کے سچے مسکنوں سے ضرور ہو گئی اور  
 منزل بحول سفر لے کر لے ہوئے آگے جاسی  
 رہی اور جب اقبال تک پہنچی تو انہوں نے ایک  
 آزاد اسلامی حکومت کے واضح نقش کی صورت اختیار  
 کر لی تھی۔ یہ نقش رسول ان کے ایمان میں چمکا رہا  
 اور ان کی انقلاب پر وہ مسکنوں میں دھڑکتا رہا۔  
 انہوں نے ملکی سیاست میں قدم رکھا تو سر فیض مسلم  
 لیگ کے جنرل بن کر رہی ہوئے۔ ہر جب کا مسلم  
 بعد مسلم اتحاد کی کوششوں سے تھک کر مسلم لیگ کی  
 طرف عمل طور پر توجہ ہوئے تو انہیں احساس ہوا کہ  
 مسلمانوں کا متحد ہونا چاہیے اس طرح جناح لیگ اور  
 سر فیض لیگ کا اتحاد ہو گیا۔ سر فیض کی وفات کے بعد  
 کروڑوں بھی ختم ہو گئی اور مسلم لیگ کا مسلم لیگ کی  
 قیادت میں منظم ہو گئی۔ اس وقت علامہ اقبال  
 و اجاب مسلم لیگ کے سرور تھے۔ ان کے ساتھ انہی  
 جیسے فقیران بنوا تھے۔ یہاں جاگیرداروں سرمایہ  
 داروں کی پابندی اور مسلم لیگ کے مہکات  
 تھی۔ اس پر پانی کو سرحد کی ہادی عریض بھی حاصل  
 تھی۔ اس کے پانی سر فیض مسکن تھے۔ وہ علامہ  
 اقبال کے کاغذ فیض اور قریبی دوست رہے تھے  
 "آگے" میں قابل مشہور علم مختلف قسم "آگے"

سر فیض مسکن کی زندگی بڑی سختی پر گھسی گئی تھی مگر  
 ان کے ساتھ نظریاتی اختلاف ہو گیا تو انہوں  
 دوستوں کے درمیان جدوجہد کر لی شیخ ماکل ہو گئی۔  
 قائد اعظم نے ۱۹۳۰ء میں جو فیصلہ کیا وہ ان کے اپنے  
 اتفاق میں تھا۔

"آپ جانتے ہیں کہ مسلم لیگ ابتدا میں  
 ایک علمی ہی جماعت تھی ۱۹۳۵ء میں ہم  
 میں سے بعض نے فیصلہ کیا کہ اس  
 جماعت کو گج پارلیمانی جماعت میں بدل  
 دیا جائے۔ میں اپریل ۱۹۳۵ء میں  
 پنجاب آیا تو میں جس مجلس سے سب سے  
 پہلے ملاقات کیا تھا"

(روزنامہ انقلاب، ۱۳ مارچ ۱۹۸۵ء)  
 یہ قائد اعظم کے اپنے الفاظ ہیں جو انہوں  
 نے ۱۹۸۵ء میں ایم اقبال کی تقریب کے موقع پر  
 کیے تھے مگر یہ کہتے ہوئے قائد اعظم سے قصور ما  
 تیار ہو گیا۔ وہ سب سے پہلے اقبال سے نہیں  
 سر فیض نہیں سے جا کر ملے تھے کہیں وہیں کیوں کا  
 جواب تمہاری تحصیل کا طالب ہے۔

برطانوی جمہوریت میں ضرورت سے یہ شخص  
 چلا آئے کہ وہ ایک بار (House of  
 Lords) ہے اور ایک بار (House of  
 Commons) اور گرج یہاں آتا تو زمین دوزی  
 حکیت تھی مل باؤٹاوتے جاتے جاگیردار کا رہتے  
 اور جب جاتے جاگیر زمین لینے۔ گویا یہ جاگیر  
 متعلقہ جاگیردار کی حکیت میں نہیں اس کی تحویل میں  
 ہوتی۔ اصل میں مادی زمین حکومت کی حکیت تھی  
 پہلی تھی۔ اگر زمین نے محسوس کیا کہ یہاں جڑیں  
 قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان لوگوں میں  
 (ان کے ساتھ ان کا نسل "عرب زبان" دیکھ)

تھکتے اور جب یہ کسی طرح کا کوئی رشتہ تھا تو اپنے  
 وفادار پیدا کئے جا سکتے جو بیٹ کے بے انگریز کی  
 وفاداری بڑا استغاثی کو اپنا ایمان مانیں چاہیے  
 انہوں نے اہل بد میں جاگیرداروں اور بڑے  
 زمینداروں کے طبقے پیدا کئے جو ان کی ادنی ترین  
 خدمات بھی مراہمہا نہ پنے کے لیے برداشت مستعد  
 رہتے تھے۔ جب یہ طبقہ پیدا ہوا کہ اور انہیں مکمل  
 شریعت ہندی کی ذلت انہیں سیاست میں آگے لانے  
 کی کوششیں بھی ہو گئیں چنانچہ ۱۸۸۵ء میں سر جیم  
 نے اپنی گرائی میں انہیں بھیجیں کانگریس قائم کر لی۔  
 مسلمانوں کو بھی اپنے آپ کو منظم کرنے کا احساس  
 ہوا اور ہندوستان میں ہندوؤں کے مقابلہ میں اقلیت  
 تھے انہوں نے دیکھا کہ اگر جمہوریت آگئی تو انہیں  
 ہندو اکثریت مسلمانوں پر دبانے کے لیے کسی کی لیے  
 بہتر ہے کہ انگریز یہاں رہی کرتا رہے چنانچہ اس  
 دور میں ایک سب جگہ انگریز حکومت کی روایت  
 جان کرنے تک وقف ہو گیا۔ اس احساس کے پیش  
 نظر دسمبر ۱۹۰۵ء میں مسلم لیگ قائم ہوئی۔ اس  
 کے قیام کے افراد اور مقاصد کیا تھے اس کی  
 وضاحت مسلم لیگ کے بنکرزی جنرل لوہ  
 و کارالک ہار نے ملکی گزٹ میں ۲۳ مارچ ۱۹۰۷ء  
 میں فرمائی۔

"ہندی اتحاد بمقابلہ دوسری قوم کے  
 ہندوستان میں ایک ایسے گٹھ ہے۔ اب اگر کسی  
 وقت ہندوستان میں اتحاد قائم ہو کر  
 حکومت نہ رہی تو ہمیں ہندوؤں کا غلام ہو  
 کر رہنا ہو گا اور ہماری جان ہمارا مال  
 ہری آؤ ہمارا مذہب سب غلام ہو  
 گا اور کوئی توجہ ان غلاموں سے ملے  
 رہنے کی ہندوستان کے مسلمانوں کے



ہاتھ میں ہے تو یہی ہے کہ انگریز حکومت  
 ہندوستان میں قائم رہے۔ ہمارے حقوق  
 کی حفاظت کبھی ہو سکتی ہے جب ہم  
 گورنمنٹ کی حالت پر گہرست رہیں۔  
 ہمارا وجود اور گورنمنٹ کا وجود نامعلوم  
 ہیں۔ انگریز کے بغیر ہم عزت اور آسودگی  
 سے نہیں رہ سکتے۔ مسلمانوں کو اس صورت  
 خیال کی تحقیق کی جانی ہے کہ وہ اپنے تئیں  
 محض انگریز فوج کے تصور کریں اور جج  
 برطانیہ کی حمایت میں اپنی جائیں قربان  
 کرنے اور اپنا خون بہانے کے لیے تیار  
 رہیں۔ یہی تہذیب سے دل میں برہنہ ایک  
 خیال موجود رہتا ہے کہ اس مملکت  
 کی حمایت کرنا تہذیبی فرض ہے۔ تم لوگ  
 ہاں بیٹھنے میں مشغول ہو یا کرکٹ کے  
 میدان میں کہ وہ چاند کر رہے ہو یا نہیں  
 کے تخیل میں سرگرمی نکلا ہے۔ ہر طرف کہ  
 برجات میں تم اپنے تئیں انگریز فوج کے  
 سولہ خیال کر رہے تم تصور کہ کہ انگریز ہی  
 ہر تہذیب سے سرواڑہ ہوا ہے۔ تم یقین  
 قائم رکھو کہ تہذیب یہ ہونا صحابہ اس لیے  
 ہے کہ تم ایک دن ان ضرورت ہو تو جج  
 برطانیہ پر اپنی جائیں نثار کر رہے ہو  
 انگریز سپاہیوں کے ساتھ مل کر اس مملکت  
 کے دشمنوں کے ساتھ لڑو گے۔

(دوسرا دن، ستمبر ۱۹۳۱ء)

پہلی مسلم لیگ کی ابتداء جس کے حلقے  
 قائد اعظم نے بنے پچھلے اٹھارہ سو سال کے ہوتے  
 تھا کہ مسلم لیگ ابتداء ایک ملی قسم کی جماعت  
 تھی۔ یہ وہ حال نکلا یہ جاہل تھا کہ خود حکومت نے

جاگیرداروں پر سے زمیندار پیدا کیے اور انہیں محدود  
 حصار دے کر ایک طرف میدان میں اتارا تو  
 دوسری طرف انہیں کسی نہ کسی حصار کا وہ دار حکومت  
 میں اپنی مثال کہا۔ وہ جو کہتے ہیں "برطانویوں" یا  
 "موسیٰ" اسے "پاکل" ہی طرح کا گریس بھی انگریز کو  
 آج نہیں دکھانے لگی اور مسلم لیگ میں بھی ایسے  
 لوگوں کو لڑا کر لگنے لگی جس کے تاریخی مقاصد  
 کے خلاف تھے۔ اب انگریز نے زیادہ ہندوستان  
 جاگیرداروں زمینداروں پر کیا جو سرکار ہند سے  
 وابستہ تھے ہر حال یہ سیاست اپنا کہ انگریز کو کامیابی  
 ضرورت نہ رہی کیونکہ انہوں نے تمام کا مقصد  
 جاگیرداروں کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور انہیں  
 طے لگای میں پالت کر کے جا رہے تھے۔ یوں  
 سیاست ڈرانگ دھڑ میں متغیر ہو گئی۔ انگریز نے  
 آگے بڑھ کر "بھارت مسلم لیگ" کو پس چھوڑنے کے تصور  
 کو بھی ناکرنا چاہا ان کے نزدیک یہ اسی قسم کے  
 فرقے تھے جسے ان کے اپنے ہاں پر پابندی اور  
 دامن کیٹھنک تھے اسی لیے مسلمان نکلے ہندو اور  
 قریب کے نام پر سیاسی جماعت بناتے تو انہیں فرقہ  
 دارانہ جماعتیں کہا جاتا۔ مسلم لیگ کو بھی فرقہ دارانہ  
 جماعت کہا گیا۔ مسلم لیگی دنیا ہاتھوں میں لے کر  
 مسلمان عزت و سربازی "سرفیض" اور غلام اقبال نے  
 ہندو کاں انتخابات پر لڑو اور ان کی مسلم لیگ فرقہ  
 دارانہ جماعت تھی۔ برصغیر میں بکھرا ہوا صوبے  
 تھے جن میں ہندو اکثریت تھی۔ جبکہ میں مسلمان  
 ۱۹۳۵ء قانون آف اتھارٹی دی جانے لگی۔ اس پر  
 صوبوں میں پارسی جاگیرداروں کا بڑے  
 زمینداروں اور سرمایہ داروں نے ایسی جماعتیں بنائیں  
 شروع کر دیں جن میں ہندو مسلم فرقہ دار تھے۔ یہ

انہیں غیر فرقہ دارانہ جماعتیں کہا گیا۔ پنجاب میں  
 سر فضل حسین کی پیپسٹ پارٹی اسی طرح کی تھی اب  
 انہوں نے اسے زیادہ حرکت کرنا شروع کیا۔  
 قائد اعظم نے جب مسلم لیگ کو پارلیمانی پارٹی  
 بنانے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے بھی برطانوی طرح  
 سیاست کے میں مطابق یہی سوچا کہ تمام کو بھڑک کر  
 انہی جاگیرداروں زمینداروں کو ساتھ لے جائے جو  
 صوبائی سیاست کے مرکز میں چلے آتے ہیں۔ چنانچہ  
 انہوں نے انہیں فیصلہ یہ کیا کہ ۱۹۳۱ء میں ۱۹۳۶ء  
 کو مسلم لیگ کا کلی ہندوستان بنانا چاہئے۔ لیکن میں  
 ہونے والے اس اجلاس میں انہوں نے مسلم لیگ  
 کے علاوہ مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کے  
 نمائندوں یا دوسری جماعتوں کے نامور مسلمانوں کو  
 بھی دعوت دی۔ ۶ جنوری ۱۹۳۶ء کو انہوں نے  
 سب سے پہلے پنجاب کے سر فضل حسین، ایک  
 لہجہ محبت قائمہ عقلمند لکھا تھا اور ان سے  
 درخواست کی کہ وہ مسلم لیگ کے مجوزہ اجلاس میں  
 کی صدارت کریں۔ یہ گزارش فضل حسین کے فرزند  
 عظیم حسین کی کتاب A Political  
 Biography (ایک سیاسی سوانح عمری) کے  
 صفحات ۳۸۸، ۳۸۹ پر نقل کیا گیا ہے۔ سر فضل حسین  
 نے اس پر غور و خوض کا مظاہر کیا۔ وہ ان اجلاس میں  
 حسین کی صدارت میں ہوا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ  
 قائد اعظم کی صدارت میں ایک مرکزی پارلیمانی  
 بورڈ تشکیل دیا جائے اس کی شاخیں ہر صوبہ میں ہوں  
 تاکہ اس کے چارے کردہ ملک پر انہیں میں صدر بنا  
 جائے۔ ایک کے فیصلہ کے مطابق قائد اعظم نے  
 اور سے شروع کر کے ہر صوبہ میں آگے نکلنے کے  
 بارے میں سر فضل حسین نے ان کی خدمات انجام  
 صدارت کو اٹھارہ یا تھارہ سے پہلے اپنی سر فیض



میں سے جا کر گئے مگر انہوں نے قاتل مسلم کی ہانت کو دہا کر دیا۔ ہوتے کہا: "اقتل کا قاتل مسلم لیگ کی نہیں، پانڈت پارتی کی حالت ہے۔" یہاں سے واپس ہو کر وہ، علامہ اقبال کے پاس گئے۔ علامہ اقبال اس وقت سخت بیمار تھے، پیٹے ٹھنکنے سے بھی مارا جاتے مگر انہوں نے بذی فراغتہ سے بغیر کسی ہیش کے کہا: "میں آپ کے ساتھ ہوں مگر صرف عوام کی مدد کا وعدہ کر رہا ہوں، بالادوں اور رجسٹراروں کی طرف سے مدد نہیں۔"

(اقبال کے آخری دو سال از انکثر ملاحظہ فرمائیں تاوانی مطبوعہ کراچی 1937)

19 جون 1936ء میں مرغل میں فوت ہو گئے اور 22 جولائی 1936ء کو سرحد، پانڈت پارتی کے لہڑ خٹہ ہو گئے اور 31 جنوری 1936ء کو راج پوتہ چنگ سے منتقلی دے کر لاہور پہنچ گئے۔

اپنے 1936ء کا حیرت انگیز کیا تھا انکس میں تھے علامہ اقبال نے مسلم لیگ کی تنظیم کو کی طرف توجہ کی ذیلی کمیٹیاں بنائی گئیں اور تنگی دہاؤں پر گروپ روانہ کر دیے گئے ان کو 1936ء کے پہلے ہفتہ میں بمشکل انتخابی مہم شراج کی جاگ توفیر 1936ء میں مسلم لیگ نے اپنے امیدواروں کا اعلان کر دیا۔ مسلم لیگ کے پاس ہفت بہت کم قاص کا اصل مقابلہ پانڈت پارتی سے تھا جو جاگیر دہاؤں اور سرمایہ داروں کے علاوہ حکومت کی حمایت یافتہ پارتی تھی۔ پہلے ہی سیاست دان کے ہاتھ میں تھی یہ لوگ اختیاری جھنڈوں میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے تھیلوں کے بھی سڑکوں پر بٹے تھے۔

فروری 1937ء میں انکس کے شاخ آئے مسلم لیگ کو صرف دو تقشیں ملی تھیں۔ ایک ملک وکٹائی اور سڑجھیں علامہ اقبال نے اپنا پورا

آزاد صرف کر کے جانتا تھا کہ صاحب کر دیا تھا اور دوسرے دہا مظفر علی خان زہب صاحب لیگ کے ٹکٹ پر کا صاحب ہو کر سیدھے پانڈت پارتی کے جلسہ میں پہنچے اور اعلان کر دیا کہ مسلم لیگ کا ہوا کہ پانڈت پارتی میں دلیکی آگئے ہیں۔ سرحد نے ان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا۔

"زہب صاحب میری مرضی اور میرے علاوہ سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے۔ ہذا فیصلہ تھا کہ مسلم لیگ کی سیٹ لے کر فوری طور پر پانڈت پارتی میں شامل ہو جائیں گے"

(اقبال کے آخری دو سال 1936ء)  
اب پانڈت پارتی اور لڑتی پارتی تھی۔ سرحد نے وزیر اعلیٰ کا حلف اٹھا اور پانچ دن کا پوزیشن ترتیب دی۔ وہ پانڈت پارتی کے مسلمان وزیر ایک اسی پارتی کا ہوا وزیر چہری چہلو نام ایک دہر زہب صاحب کی پارتی ہوا انکس ہوا کا ہوا وزیر ایک صاحب بھٹل پارتی کا کھو وزیر۔ اقبال انکس کے شاخ سے دل برداشتہ نہیں تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تنگی دہاؤں کا سلسلہ جاری رکھیں اور مسلم لیگ کی آواز لگائی میں پہنچاؤں میں اس مہم کا خاطر خواہ ماحول اور مسلم لیگ کوای عداوت کا روپ دہا دے گی۔ جیسا کہ پہلے کھو پانچا ہے

برطانوی سیاست کے اڈا پنے کے میں مطابق کانگریس اور مسلم لیگ دونوں اب تک خواص کی عداوتیں تھیں علامہ اقبال مسلم لیگ کو شروع سے ہی کوای عداوت دہا پانچے تھے کیونکہ خود عوام میں سے تھے مگر وہ دہا لے آئے آتے تھے۔ اب وہ ہوا مسلم لیگ کے صدر تھے اور ان کی راء کے بہت سے کانے وہ بچے تھے۔ خود کا مسلم بھی

خواص کی سیاست کے شاخ، کچھ بچے تھے کھو ہوا اور سرمایہ دار سیاست کو صرف اصول اقتدار کا دہا دہا گئے ہیں اور ان کے دہا ایک اصول عام کی کوئی چیز نہیں ہوتی اس لیے وہ اقبال نے ان کو عام کی دہا وٹی کی توفیر دہا دہا دہا گئے تھے۔ دہا کانگریس کی کانکی کا تجویز کرتے ہوئے ہڈت جواہر لال نہرو نے اس تجویز پر پہنچا۔

"کانگریس کے گروپ کا ہر دست تک اس دہم کا ہوا، بچے کو فرق پرست (مسلم لیگ) لہذا ان سے عداوت کی کانگریس ہی سرائی ملی کر دی گئی اور راستے ہوا ہو جائیں گے۔ اس پیکر میں پانچ کر ہم نے مسلم عوام کو نظر انداز کئے رکھا یہ طر عمل لہذا اور یہ پائیس بے کا تھی آکھو اسے دہا دہا نہیں جائے گھاب خروبی ہے کہ ہم مسلم عوام سے دہا دہا دہا کر دیں۔ ان کے ہوا دہا سرائی سمجھیں اور انکی کا حل چلی کر کے ان کے دہاوں میں چھ جائیں"

(Indian Annual Register 1937 V I)  
ہڈت جواہر لال نہرو ذیلی پندہ سوچ رکھتے تھے اس لیے انہوں نے ان تجویز میں ہوا مسلم عوام تک پہنچنے کا بہ راستہ تجویز کیا کہ سرائی دہا کانگریس (اشتراکی جمہوریت) کو اختیار دہا کر عوام کے اصل راء (انکس) کا اعلان کیا جائے۔ یہ بھی بات تھی جو علامہ اقبال روزوں سے کہے چلے آتے تھے انہوں نے مسلم لیگ میں اب تک اقبال کر دہا دہا لیے اور انکی کیا تھا کہ اسے بڑے لوگوں کا ایک سلسلہ سمجھا جاتا تھا۔ اس نے عوام کے اصل وکٹائی فرہت وکٹائی دہا کرنے کی بہت بھی نہیں کی تھی۔



آپ ہمارے انہوں نے 28 مئی 1933ء کے خط میں  
کاظم اعظم لکھ لیا۔

”لیکھ کر آؤ اور یہ طے کرنا ہو گا کہ وہ  
انہی جماعت رہتا چاہتی ہے جو  
مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کی نمائندگی کرے  
یاد وہ تمام کی نمائندگی کرنا چاہتی ہے اس  
دقت تک وہ اس نے ایک میں کوئی دلچسپی  
نہیں لی اور اس کی ان کے پاس رجحانات  
ہیں۔ اعلیٰ طور پر پیدا خیال ہے کہ کوئی  
سیاحی جماعت جو مسلمانوں کے مسائل  
طبقہ کی طرف احوال کا وعدہ نہیں دے سکی  
تمام کے لیے کبھی جواب توہ نہیں ہی  
دیتے گی۔ آئیں جب (1935ء کے  
آئیں) اس کے مطابق اعلیٰ ملازمین امراء  
کے چٹوں کے حصہ میں آ جائیں گی اور  
اعلیٰ ملازمین وزراء کے دواخانہ اور دربار  
داروں کے لیے وقف ہو جائیں گی۔ اسی  
طرح دیگر معاملات میں بھی ہمارے  
سیاحی اور ان کے بھی تمام کی طرف احوالی کے  
لیے کچھ نہیں سوچا۔ وہ اپنی کامیاب و نامیاد  
بازار صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ عام  
مسلمانوں میں کہہ رہا ہے کہ وہ گزشتہ دو سو  
سال سے کچھ بھی کچھ جا رہا ہے اس لیے  
سوال ہے کہ مسلمانوں کے مسائل کا کیا  
طرح ہو گا ایک کامیابی اسی سوال کے  
عمل پر متوقف ہے۔ اگر ایک نے اس  
باب میں کچھ کیا تو کچھ یقین ہے کہ وہ تمام  
اس سے اسی طرح بے تعلقی رہے جس کے  
طرح اس حالت تک بے تعلقی رہے ہیں۔  
عماری طوائف قسمی ہے کہ اسلامی آئیں

کے پاس اس مسئلہ کا حل موجود ہے۔ اس  
آئیں کو وہ حاضر کے قصودات کی روشنی  
میں مزید ترقی پسندانہ بنایا جا سکتا ہے۔  
میں اسلامی آئیں کے طریقہ کار کبرے  
مسائل کے بعد اس قسم پر پہنچا ہوں گی کہ اگر  
اس نظام کو اعلیٰ طرح سمجھ کر نافذ کر دیا  
جائے تو اس سے کم از کم ہر فرد کو مسلمان  
ہر دین ضرور مل جائے گا۔ یہ وعدوں کے  
پاس اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں۔ اگر  
ہندوؤں نے اشتراکی جمودیت کو قبول کر  
کے دماغ اپنا تو ہندو مت فتح ہو جائے گا  
لیکن اسلام کے لیے اشتراکی جمودیت کو  
ایسے مناسب انداز میں قبول کر لینا جس  
سے یہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے  
حصہ نہ ہو اسلام میں کسی تبدیلی کا  
مخالف نہیں ہے بلکہ اس سے یہ معلوم ہو  
گا کہ ہم اسلام کو کبر سے اس مزہب و صورت  
میں اختیار کر رہے ہیں۔

(مکتوب کاظم اعظم مورخہ 28 مئی  
1933ء)

میری بات وہ پہلے دن سے کہتے چلے آ رہے  
تھے۔ اس سے ایک سال قبل انہوں نے اپنے ایک  
صاحب کو کھانے پر بلایا تھا۔

”اپنی رہا سوا ظلم سوا اسلام اور ایک قسم کا  
سوا ظلم ہے جس سے مسلم سوسائٹی نے  
آج تک بہت کم فائدہ اٹھایا ہے“

(مکتوب کاظم اعظم مئی 1933ء)

(17-10-36)  
میری پیغام میں اشعار کے ذریعے بھی ارہجے  
رہے تھے جس کی اعلیٰ تک آپ مضمون کی ابتداء

میں ایک چٹے چٹے اور بھی بات پختہ پائی تھی  
جاگیرداروں اور ہندو زمینداروں کے لیے جاگت  
خیر تھی۔ پختہ پائی کی فکر حکومت پنجاب میں  
قائم ہو گئی تھی کہ اگر اس کو بہت تمام میں اسے اپنی  
صوت نظر آئے گی کیونکہ یہ پائی اور اس طرح کی  
دوسری پارٹیں جو اپنے آپ کو غیر ملکہ دارانہ پائی  
تھیں بہت راستہ اس کی ذہن میں آئی تھیں کیونکہ اگر  
جات غیر ملکہ دارانہ ہونے کی تھی تو کانگریس ان  
پارٹیوں سے بڑی تک غیر تنظیم تھی اور اب اس نے  
عمومی طور پر کانگریس میں شامل کر لیا  
تھا۔ اس کام کا پہلا دار اس حکومت پر کیا گیا جو  
موجودہ عید الفطر کے خاتمہ کی قیادت میں سرحد میں  
قائم ہوئی تھی اور صاحبزادہ صاحب کی وفات کے  
بعد ختم ہو گئی تھی۔ یہاں پر اس کے اعلان میں  
کانگریس کی اپنی انہی شخصیات تھیں جن کا کانگریس  
میں ساتھ ملا لیا گیا اور ڈاکٹر خان صاحب کی  
سرکردگی میں کانگریس وزارت ترتیب پا گئی جس  
میں صرف ایک ہزار ایک سو تک پائی کا لیا گیا  
تھا۔ اب دوسرا مسلم اکثریتی صوبہ پنجاب کا تھا جس  
میں سرحد کی وزارت اعلیٰ کی کرسی اعلیٰوں پر  
کھڑی تھی۔ یہ وزارت اعلیٰ سرحد کا تھوڑا سا انکسٹ  
ہوا پائی تھوڑے پائی اور سرحد کا تمام اس کے  
بعد جات ارکان کی حمایت سے حاصل ہوئی تھی اگر  
اپنے ارکان کے ساتھ سرحد کا تمام اس کے ساتھ  
کرنا وزارت و عہدہ سے کر چکی۔ سرحد کے  
پرچس ہونے اس پر چینی کا ہندو طبع مسلم ایک  
کے پاس فائدہ دہائی رابطہ تمام سے کانگریس کے  
اور اپنے چنے پر سہ سکتی تھی۔ سرحد کے وہ بہت  
چال سوا کیونکہ وہ طلبہ اقبال کی سرکردگی میں  
ایک کی مسجد و مسجد قوت کا ایک مظاہرہ سوا کی



[illegible]

سنا کہ سلطان مسجد اہل حق نے جو مسکن پادشاہ جانی  
 تمیں دیا وہ کجا کا بھلا شام کو کھرا آئے تو اسے بھلا نہ  
 کہیں کی غمخوار پائی کرتی ہوئی مسلم ایک شہنشاہ  
 کی تھی۔ سرحد کے سامنے بھی ایسی راستہ تھا کہ  
 انہیں صوبہ کی وزارت بھی ملتی تھی۔ انہوں  
 نے سکھوں کے خلاف جنگ کا چلایا اور قاتل  
 باطلوں کو جہنم کی آگ میں آگے بڑھائے۔  
 اپنے دشمنوں کو لے گئے۔ اس جنگ میں ایک  
 اس کا اصل دشمن شریعہ نہ کیا تھا۔ اس کے  
 جو سرحد اور ان کے ساتھیوں نے جو بڑے  
 پہلے نے ان کے خلاف اقبال پکار کر دے گئے۔ ایک  
 شہنشاہ نے اپنی جہنم کی "صوبائی پارلیمنٹ" کی  
 تشکیل لازماً ہوئی کہ کیا خلاف اقبال اور اس کے  
 ساتھیوں کے لئے نہیں تھا۔

(سیاستِ ملحدانہ اور ان کی زنجیر کی منظر پر آ کر دیکھو)  
41 ص 333) اقبال کے آخری ۱۰ سال میں  
(488)

اس کے ساتھ ہی سرحدوں نے یہاں ہوا کہ  
 ریاست پرتی کے مسلم باشندے کو چاہیے کہ مسلم لیگ  
 میں شامل ہو سکتے ہیں۔ آئندہ قسطنطنیہ کا خطاب میں جو  
 لوگ ایک کے تحت ہر کامیاب ہوں گے انہیں امید  
 کہ ہوا کہ کامیاب ہو کر ریاست پرتی میں شامل  
 ہو جائیں گے (ایگزٹو ایڈر اسٹیکٹر آف اقبال میں)

(106)

دوسرے کار کے ساتھ جو کھنڈے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ سرنگھو وہاں دھندہ کر آئے ہیں کہ پانڈیٹ پارتی کے مسلم مکان ایک میں ٹھہرا ہوا جائیں گے۔ پانڈیٹ اقبال نے 10 نومبر 1932ء کو کانپور کے اعلیٰ عدالت کی طرف درخواستیں جمع کرائیں۔

”میرٹھکھد اور ان کے احباب سے کسی  
مروجہ کی گفت و شنید کرنے کے بعد حمزوی  
قصص دانے ہے کہ میرٹھکھد ایک اور  
پارلیمانی بورڈ پر قبضہ کرنے کے علاوہ  
کچھ نہیں چاہتے۔“

**NOTE**

”میرے حلال میں اس کی تمام چیز کا مقصد ہے کہ ایک پر کاغذ ہو کہ اس کا

گناہ گواروں کا جہنم ہے۔  
(یہود) آف اہل توحید و عبادت  
(43: 31-30)

حکومت اقبال نے اسکاٹن ہجر کوکشن کی کہ  
خلافت پادانی اگر بچے والے سے مسلم لیگ میں آنا  
چاہتی ہے تو آ جائے مگر اس کی کوششیں راجپاں  
خواتن ہوئیں۔ آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ سکندر  
جناح کو یکے لگ کر لے کر اعلان کیا جائے کہ صوبائی  
مسلم لیگ کو خلافت پادانی کے اثرات سے بچا کر  
زندہ رکھی اور وہ نکال دیا جائے چنانچہ انہوں نے  
دسمبر ۱۹۳۵ء کو اپنی وفات سے سترہ دن پہلے  
صوبائی مسلم لیگ کے سکریٹری صاحب خان کو خط  
کو اچھا آفری سیاہی میں لکھوا کر اس میں سکندر  
خلافت پادانی کی تمام حرکت پر تنقید کی گئی اور کہا گیا  
کہ وہ کسی یکے کے جوش نہیں اس لیے صوبائی مسلم  
لیگ بھی آزاد ہے اور اس یکے کو ختم سمجھا جائے  
(نوائے لیورڈ ایڈ راکھکو آف اقبال ص  
(۱۱۳-۱۱۴)

یہ وہ وقت تھا کہ عطا کی زندگی کا سورج  
 اُسر رہا تھا قبول سمیٹ رہا تھی۔

”اس عالم میں بھی اپنی قوم کے مفادات پر  
میں جیسا تک نہیں تھا۔“ (اور یہاں اردو: قہار)



نمبر 38، ایچ پی ایس 231 اس جان کی ایک نقل  
قائد اعظم کو بھیجی گئی۔ علامہ کی اذیت کو ایک ہندو  
کیا تھا لیکن ان کے خواں برابر کام کر رہے تھے وہ  
نہ کہتا تھا۔

جو ہے پردوں میں پنہاں غم بیا دیکھ لیتی ہے  
زمانے کی طبیعت کا شکشا دیکھ لیتی ہے  
دیکھ رہا تھا کہ اگر آج جاگیر ہزار ہا ہے  
زمیندار اور سرمایہ دار مسلم لیگ پر قابض ہو گئے تو اس  
کے قصور کے مطابق وجود میں آنے والے ملک پر  
موقع پر متوں کا قبضہ ہے گا اور نہ اصولی سیاست  
بنا جائے گی وہ سمجھ گئے تھے کہ زمیندار اور سرمایہ  
داروں کے ہتھے لے ان کی خزان جگر سے لٹی ہوئی  
مسلم لیگ پر شکن مار دیا ہے۔ ان کی اور ان کے  
ساتھیوں کی دو سالہ جدوجہد بھڑی جا رہی ہے  
جس کے باعث مسلم لیگ کو جناب کے اگلی کوچوں میں  
پہنچی اور عوامی حمایت مل گئی۔ سب پاتنی ہے دعا  
ہی کے ترمیمیری" کہنے والے اقبال سے برصغیر کا  
چرچہ اہم تھا ادب اس کا چھم بڑا بان پر تھا  
بڑھے تھے اس کے ساتھ تھے نو جوانوں نے  
اس کے طر فہم رکھے تھے یہی نو جوان تھے جن کی  
خاطر میں نے آسوں سے بھیجی ہوئی دعا تھی ناگی  
تھیں۔

جوانوں کو سوز بھر بھلی دے  
مرا قلب بھری بھر بھلی دے  
اقبال کی مقبولیت کا اعتراف خود قائد اعظم  
نے ان کی وفات کے بعد یاد دلا کر کیا 40ء میں  
یہ اقبال کی فکر یہ منصفہ و نفاذی ہال دہلی میں  
کہا۔

"اقبال نے مسلمانوں کا سیاسی شعور بیدار  
کرنے میں کراں پر باداات انہما ہو ہیں

میں اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔  
ایک مرتبہ میں ملی گڑھ سے بریلی کا سفر کر  
رہا تھا راستے میں گاڑی میں ایک چھوٹے  
سے ٹیٹھن پر دی تو سیکڑوں کی تعداد میں  
دیکھائی دیا جو گئے میں جہاں تھا کہ ان  
کے اجتماع کا مقصد کیا ہے؟ پاکستان ان  
سب نے اقبال کا یہ ترانہ چہ صد شروع کر  
دیا۔

میں نے مرثیہ جانا ہندوستان مانا

شعور اقوام میں جان پیدا کرتے ہیں تھیں  
فلکبھر پزیرن دیرہ لے قوم کی بیل پر خدمت کی  
ہے کارواں کے ٹھیکڑ کی عظمت کا ذکر کرتے  
ہوئے ایک مگر چ کا ذکر کیا کرتے جب فلکبھر اور  
دولت پر حاضہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا  
اختیار دیا گیا تو اس نے کہا میں فلکبھر کو کسی بیل سے  
نہیں جھڑوں گا۔ میرے پاس سلطنت نہیں اگر  
سلطنت مل جائے پھر اقبال اور سلطنت میں سے کسی  
ایک کو منتخب کرنے کی نوبت آئے تو میں اقبال کو  
منتخب کروں گا۔"

(ظہار قائد اعظم ج 1)  
مگر یہ بعد از وقت دہلی جس میں اس وقت  
اور اس وقت یہ جم جالے والے اقبال کے ساتھ کیا  
ہو؟ ہم پھر دہلی میں تھے۔ علامہ اقبال کی کانچیں  
اپنے پیچھے ہوئی وہ لڑکی ان کی خیر خواہی و حریہ وند  
جب ٹکٹ پچھو تو قائد اعظم نے کہا۔

"جناب میں ایک ہی صوبائی مسلم لیگ  
قائم کی جائے گی 35 آدمیوں کی  
آرٹھانک کھلی ضرورت کی جاتی ہے اس  
میں کچھ ہی آدمی سیاست پادنی کے ہوں  
گے اور اس آدمی علامہ اقبال دہلی جناب

مسلم لیگ کے

(اقبال کے آخری دو سال 1910ء)  
تاکام ہفتہ 21 اپریل 38ء کو لاہور میں سے  
ٹیشن پر ہزار اراکہ علیہ بیچے 100 لاکھ پلاہا ہاتھ علامہ  
اقبال فوت ہو گئے" شکر ہے کہ اس ناگام ہفتہ سے  
ان کی آخری عاقبت نہ ہو گی لیکن قریب آگے کی وہ  
اپنے دل پر لے جاتے۔ بہت غم ہے اس وجہ سے  
کے سیاسی حالات قائد اعظم کے اختتام کی توجہ  
کر میں اور اس موضوع پر بہت سی باتیں یاد پڑ گئی  
ہیں حتی کہ خود علامہ اقبال کے فرزند ارشد ساتھی  
ٹیشن ڈاکٹر جلد یہ اقبال نے انکی تعلقہ پر چہادت کر  
کے قائد اعظم کے اس فیصلہ کو انکھن اپنے قریب ہے  
(زندہ دہلی 1940ء) لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ  
قائد اعظم مرحوم کو کہا چڑھا میری برہمب میں  
کھولے گئے ہیں اور یہ کھولنے کے بھی جاگیر ہار  
زمیندار اور سرمایہ دار تھے۔ ایضاً پادنی سے  
صرف اٹن تھیں کیا کیا تھا بلکہ اسے مسلم لیگ پر سوار  
کر دیا گیا تھا یہ وہ غمزدگی تھا جس میں سیاست پر  
موقع پر متوں کا ظہور ہو گیا جس اور انک عوام کی تقدیر  
کے ناگہ ہی گئے جن کا کوئی فکر نہیں تھا سیاست  
جن کے ذرا ایک کہیاں حاصل کرنے کا مکمل تھا وہ  
نصف آج تک پاکستان کی سیاست پر منصف ہے  
40ء سے 50ء تک کی کیا وہ مسلم لیگ حکومت  
کی تھی صرف ایک دوسرے کے چپے سے کہیاں  
کھینچنے کا مکمل تھا اور اس بھڑے مل کا شرماک  
تسلل قاس شرماک تسلل کی تھیں۔ دیکھا  
چاہی تو انکو یہ مفروضہ تھی کہ اب مسلم لیگ اور  
اس کا عہد حکومت "دیکھ لیں وہ مسلم لیگ بڑے ایک  
پر اسے مسلم لیگ صوبہ مہاراشٹر دہلی چندی مرحوم  
نے قیام پاکستان کے ذرا بعد تمام ایک کہا شروع کر



اور خارج قریب پانی کے حمام کی کمرہوں پر سوار ہی عام  
 اختتام تک پہنچتے اہل دین کے گھر ہی اور  
 بار بار تک ہوئی رہی دڑا گئی تھی اور فوجی رہیں  
 تمام کہ سیاست سے اور سیاسی شعور سے دور کر دیا گیا  
 قیام پاکستان کے ساتھ ہی اپنا وہ سر پہاڑ اور  
 پانچویں چور کر گئی تھی دیکھو لوں کی صبر دین کی  
 لوتہ دار میں شریک ہو گئی۔ سیاسی کارکن کی سیاسی  
 حوصلہ دین گئے جہاز ہمارا اور مرد ہمارے فرسے کچھ  
 کہ جوں جوں کرتے گئے علامہ اقبال نے لڑا ہوا تھا  
 ”جو دین کو سیاسی پڑھ سکے گا پورا دنیا ہے  
 میرے بڑا کھ لگتی ہے۔“

(انجمن اہل اسلام لاہور کا عام جلسہ صوفیہ)

(18-2-38)

مگر انہوں نے کہ پاکستان میں یہ کام بھی  
 عام ہو گیا اور لڑائی جھگڑیں سیاست کا دل کے  
 استعمال میں آئے تھیں 55ء میں جنرل محمد ایوب  
 خان کا داخلہ آمد کیا مسلم لیگ دیکھو لوں نے  
 فوراً چلے پڑے اور ایوب خان کا نقشہ اپنے  
 سروں پر اٹھا لیا پھر وہ اقتدار علیحدگی کی فوجی  
 برسرِ عمل آئی اور تمام میں سیاسی شعور کی لہر دوڑ گئی مگر  
 یہی لگتی دیکھو لوں سر پہاڑ ہمارے کے کمرے ہو گئے اور  
 تمام کے مقصد کے مالک بن گئے۔ خیر، انہی کی  
 طور ہی تھی انہی سے قریب پانی غیر جماعتی انکس  
 کے ساتھ ہی تھی یہی جماعت تھی اور آج تک یہی  
 لوگ مسجد اور مسجد سے کوسوں پر متاثر نہ کھا رہے  
 ہیں۔ ان کے ہوتے ہونے لگی مسجد سے کا صبر

تھی نہیں کیا جا سکتا آپ اپنے لوگوں کے صبر  
 میں جا کر دیکھیں دیکھیں انہی دیکھو لوں کی چھ لوگوں  
 نے انہی پر مکان اہل کراچی، پائین ہائی ہیں  
 دکانیں ہائی ہیں یہ ان سے زمین کا کر دے وصول  
 کرتے ہیں بلاشبہ یہ کراہے معمولی ہو کر ان کے  
 ساتھ ہی لوگوں کے ضمیر کر دی ہو جاتے ہیں اگر کوئی  
 ان کی مرضی کے مطابق دوسرے دوسرے تو اسے اپنا  
 مکان اور اپنا علاقہ کا پورا کھنچا چکا ہے فرسہ  
 سرسبز آج بھی بلاشبہ ہیں اقبال اور وہ جتن  
 اقبال آج بھی ہے اس جیسا پکارا ہے جیت

کب دوسرے کا سرمایہ پانی کا لینہ  
 دیا ہے تری شکر روز نکالتے  
 ۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱





# اقبال..... دیدہ بینائے قوم

ڈاکٹر حسین نراقی

اپنے پہلے کافی مجھے "امراء غریبی" میں اقبال نے سچے شاعر کی سرکاری انجمنوں کی اور مجھ کو بڑی یاد کر کے ہونے لکھا تھا کہ اس کا سچا سچ کی گنجی کا کہہ رہا ہے اور اس کی مثال کو سچا کی ہے جس سے سن کے انوار پھوٹتے ہیں۔ اس کی لہر خوب کا خوب تر ہوتی ہے۔ اس کا ہوا غلغلتہ کو چھو جاتے تو غلغلتہ محبوب تر ہو جاتی ہے۔ اس کی خواہش سے انہیں چمک چمکتی ہے اس کا غار پھول کو دھکیلی مٹا کرتا ہے۔ اس کا سوا پرانے کے دل میں آگ لگا کا ہے اس کا غلغلتہ کے اندر کوئی دھنیں مٹا کرتا ہے کہ اقبال غلغلتہ کی غلغلتہ سے مٹتی رہتی ہے وہ اسے سونے میں داخل دیتا ہے۔ اقبال ایک ایسے ہی شاعر ہیں جو مٹی کو سونا بنانے کا کام جانتے ہیں اور عبادت شہادت کی کہیں کہیں ہیں ان کی فکر و فکر میں ایسی ہی نہیں تھا جو مجھ کی حقیقت سنوئی شیخ کا غریبی کی طرح لودہتی ہوئی دکھائی دیتی ہے "مطلب چاہئے" میں اقبال نے "مرد حق" کا جو ابتدائی نقشہ کھینچا ہے اس کے مصداق وہ امر بہت صحت نظر آتے ہیں۔

مرد حق و آسوں اللہ ہر حق  
کلام دہم و دھم غلب و فرق  
مرد حق اللہ ہر حق  
و فرق اللہ ہر حق  
اللہ ہر حق  
اللہ ہر حق  
(۱)

"امراء غریبی" ہی میں اقبال نے اپنی وہ ادب مقرر شعری اور غریبی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے

اپنے مہم کو امراء و سوانف سے بااقت فراہم کرتے ہوئے اپنے مصداق سنوئی کی طرف بھی اشارہ کیا تھا اور خود کو "شاعر لڑا" بھی قرار دیا تھا۔

مرد حق و آسوں اللہ ہر حق  
کلام دہم و دھم غلب و فرق  
مرد حق اللہ ہر حق  
و فرق اللہ ہر حق  
اللہ ہر حق  
اللہ ہر حق  
(۲)

یہی "شاعر لڑا" "بب" "انک دہا" کی ایک نظم میں "دہا" جانے قوم" کی ترکیب و علامت میں علامت ہے اس کی پہچان دینی ہے:

مرد حق و آسوں اللہ ہر حق  
کلام دہم و دھم غلب و فرق  
مرد حق اللہ ہر حق  
و فرق اللہ ہر حق  
اللہ ہر حق  
اللہ ہر حق  
(۳)

اس "دیدہ بینائے قوم" نے سوانف و سوانی کی کہا کہ پرسش نہیں کہوں اور اس چاروں کوئی نہ دنا میں فروغ انسانی کو باہم اور ملت اسلامیہ کا انکسوس حوالہ دے اور باہر زندگی کو گورنے اور حقیقت مطلق سے وابستہ رہنے کی کیا اور اور نیکمانہ تہذیب جس کا نام ہے۔ جہاں جہاں کوئی اور جہاں غریبی کی بھی وہ جہت ہے جس نے انہیں ملی ہی نہیں آفاقی شاعر کو سچا دیا۔ اقبال کا یہ لہری حوالہ صداقت سے سرسبز تھا جس جہت وہ انک عالم

مرد حق میں کہتے ہیں

مرد حق و آسوں اللہ ہر حق  
کلام دہم و دھم غلب و فرق  
مرد حق اللہ ہر حق  
و فرق اللہ ہر حق  
اللہ ہر حق  
اللہ ہر حق  
(۴)

سوانف نے لکھا تھا کہ اس کا نام میں بہت ہی جرحی کامت گزری اور رکھتے کہیں ہیں مگر انسان سے بڑی حیرت کوئی نہیں اور شیعہ کا مصداق مارو لکھا تھا کہ کائنات کا قیصر شدہ مکان حیرت میں خیر و اذی ہے مگر انسانی دھم اس کے امراء سے اکتا ہو چکی ہیں۔ اقبال نے انسان اور کائنات کی اس خصوصیت کو حقیقت کی صورت میں دیکھا انہی اس میں اسلامی تصور الٰہی کی مشن کا اضافہ کیا اور اس میں حقیقت یعنی خدا انسان اور کائنات کے بھولے اور جرحوں کو اپنی غیر معمولی سمجھ سے تلاش کیا۔ یہ حقیقت اقبال کے کام میں داخل کر ایک حقیقت دہا کی صورت اختیار کر گئی ہے

مرد حق و آسوں اللہ ہر حق  
کلام دہم و دھم غلب و فرق  
مرد حق اللہ ہر حق  
و فرق اللہ ہر حق  
اللہ ہر حق  
اللہ ہر حق  
(۵)

وہی نے لکھا ہے کہ جہاں کو نیک و نیکانہ ہو گیا تھا کہ کسی بھی اہم کام کے آغاز سے پہلے وہ نیک کی کسی عبادت شروع سے سے منتظر رہتے تھے وہاں تک جسوں میں آواز فرمودہ قوس کا یہی ہے اور انہیں ہوتا اقبال کے یہ شعر لکھے جہاں کی حیرت فرمودہ اعتبار و اکتا کی روشنی کو ہی مہیا کرتے ہیں اور اسی مرد حق کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کا ذکر وہ لکھتے ہیں







اقبال کی بعد کی نہایت چلتی چری و شعری  
 توحید و تہذیب کی طرف اس کی اشتیاقی گہریوں میں  
 بھی اس کی پھر بھی اور توانا فکر کا قدم قدم پر  
 احساس ہوتا ہے۔"

"اسلام اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی  
 حیثیت سے" (Islam as a Moral & Political ideal)  
 کے زیر عنوان لکھے جانے  
 والے 1909ء کے ایک مقالے کی پھر حشری  
 تھیکر و سطر میں ملاحظہ فرمائیں۔

- 1) A living nation is living because it never forgets its dead.
- 2) If we cannot get rid of our difficulties, the world will soon get rid of us.
- 3) A strong will in a strong body is the ethical ideal of Islam.
- 4) Fight not for the interpretations of truth when the truth itself is in danger (10)

اقبال نے 1910ء میں اپنی دائری  
 "Poets & Politicians" کے زیر عنوان  
 ایک نہایت جرات منہ بات لکھی تھی۔ ان کے خیال  
 میں۔

"Nations are born in the hearts of poets. They prosper and die in the hands of politicians" (11)  
 1910ء کے اس ارشاد کی لہجہ میں اس

بعد اس دورہ کے دل میں پاکستان کے تصور نے  
 گہری بی بی میں کا گہوارا کا اظہار کیا ہے۔ اس  
 کے مترادف میں بعد پاکستان ہندو میں آواز بھر گونج  
 دیکر وہ کہ ایک سیاستدان کی بہت بڑی اور طاقتور  
 فوجی کے باعث 1973ء میں اس کا ایک حکم  
 سے الگ ہو گیا۔ اقبال کی بصیرت کی وہ دوسرے بغیر  
 نہیں دیا جاسکتا۔ کج ہے کہ مومن اظہار کے اور سے  
 دیکھا ہے۔ انھوں نے فرانسس ہسٹون اور ہسٹون  
 ملو اللہ۔

خاص بر عظیم کے حاشیہ میں دیکھا جانے تو  
 مسلمانوں کا ایک الگ قومی شخصیت بنانے اور ان  
 میں غیر مسلموں کو اسلامی نصب العین پر جمع کرنا  
 صوبہ ہونے کے ضمن میں اقبال کی خدمات اب در  
 سے لکھے جاسکتے ہیں۔ اس باب میں حقان کے  
 اکتوبر 1904ء میں اقبال کے شائع ہونے والے  
 ایک طویل مضمون بعنوان "قوی زندگی" کا ذکر ہے  
 جس میں لکھا کہ ہم دہائی ایک صدی کا شہر لکھے جانے  
 والے اس مضمون کا مصنف اس وقت صرف تین سال  
 ہی کا ایک نوجوان تھا مگر حیرت ہے کہ اس مضمون  
 میں اس کی بعد کی ہے جو اہم علمی کاوش کا سارا  
 احوال ظہور کرتا ہے۔ اس مضمون سے اندازہ ہوتا ہے  
 کہ اسلام سے عشق اعتقاد ہی سے ان کے وجود کا  
 حصر تھا اس عہد میں دنیا کے مختلف ممالک میں جو  
 تہذیبی، تمدنی، سیاسی اور سماجی و فکری تبدیلیاں  
 واقع ہو رہی تھیں سب پر اقبال کی نظر تھی۔ خود  
 انھار کی کاغذ و جو بھی کھار ہمارے سیاستدان اور  
 حاکم نکالتے رہے ہیں اس کا وہ بھی شعور اقبال کی  
 ہی ایک صدی پہلے کی فکر میں ظہور کرتا ہے۔ اسلام  
 ملت کے ذوال اس کی سماجی بد حالی اس کے فکری  
 انہاس اور عکس فکری اس کے نام لہار ملای کی لکھی  
 فرشتی فخر پرستی، فضول پرستی، ہم پرستی فوجی کلی

ساحر شری حاکم کا ذکر کرنا ہے اور مدنی سے کرتے  
 ہیں۔ "اسلام" پر انہوں نے آئندہ جلی کر جو کہ  
 باطنی کھاس کے اس کے ابتدائی مگر اہم نقوش اس  
 مضمون میں نظر آتے ہیں۔ مگر اس مضمون میں  
 اقبال نے تعلیم نسواں کی اہمیت کا بھی غور کیا ہے۔

1914ء کے اس مضمون سے لے کر بر عظیم  
 میں بعد کے ہونے والے سارے قابل ذکر  
 واقعات تک اقبال اپنا قومی اور فکری قافلہ چلایا  
 کرتے رہے۔ اور یہ دہائی صرف بر عظیم کی مسلم  
 ملت تک محدود نہیں بلکہ اسلام آباد عالمی گزشتہ  
 والے حالات سے بھی اقبال اپنی گہری بصیرت سے  
 مبرا و بے انتہا اور قومی شائق کہنے والے بے شک  
 دانشمندان کے 99% مسلمانوں کی حالت پر غور  
 و فکر کا مقام پر احتجاج اور دل کی گہری باتوں کا  
 تخلیق تخلیق میں عرواں پر ہونے والے غم اور  
 جوش پر سوسائٹی کی فوج لکھی جا رہے ہیں۔ اقبال  
 تک اور انہوں نے آگے جا کر انہیں تک اپنے فکری  
 لواحقین کے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سب اقبال  
 کے غیر معمولی دانشور و محکم سے مثال ہونے کی  
 گواہی دیتے ہیں۔ سب ان کے انہوں کی پروردگار  
 تک ایک نوجوان تحریک اسلام دوست اور ہے جو  
 حواس اڑا جانے کی پوری طاقت ہے۔ اس واقع  
 اور ادبی طرز عمل سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام  
 عشق سے آتش انداز اور فکری نقطہ اقبال نے  
 "ہلاؤ نامہ" کے تجویز و اشعار میں کس قدر  
 صراحت سے لکھا تھا کہ علم و ادب تک عشق سے نہیں  
 انداز لکھتا اس کی حقیقت انھار کی حد تک گوتے  
 زیادہ نہیں اور یہاں لکھا تھا جو سماج کی طرف  
 باطن اور بے باک ہوتا ہے۔ اگر علم و ادب کی طرف  
 جائز کیا سے جہاد نہیں یہ فصل افسوس گری ہے اور







communicating in man respect for mankind. Only one unity is dependable and that unity is the brotherhood of man which is above race, nationality, colour or language" (17)

اقبال کے پیغام میں ان کی دعا کی گئی اور  
انہوں کی دعا کی مثال گوہر دنیا میں جہاں کہیں بھی  
ان کی دعا کی ہوگی وہ اقبال کے گورنر سمیت ہے آٹے  
کی کھانکھوٹی دھن کی اسی طرح جس نے کرتی دعا کی  
نے فرمایا تھا کہ ہاں کاکھوٹی دھن کی است۔ دعا کی  
ان کی کے اسی اتصال سے جتنی بڑی ہے غفلت  
اور سے گورنر پر سے سہل ہے جتنا ہے ہر شے کھیر  
کا پر عمل ان شاء اللہ جاری رہے گا۔ اقبال نے کہا

زیادہ گوارا مل لڑتہ دہشت ہے نہ میری  
کہ خاک دہ کو میں نے بتا رہا تھا  
اقبال کے اس شعر کے میں صداقی مطلب کا  
ایک جائزہ دیکھ اور دیکھیں اقبال کو تاریخ حقیت  
پیش کرتا ہے۔ اور اپنے اندر اقبال پر گزرا حقیت  
کے عالم میں کیا کہہ رہے

"That simple tomb is a place of pilgrimage for me. For Iqbal was a man who belonged to all races, his concepts had universal appeal. He spoke to the consciences of men of good-will whatever their tongue, whatever their creed" (18)

اقبال دیکھ رہے ہیں۔ لہذا جب تک انسان کو اپنے آغاز  
انجام یا پھر آخر کار اپنی بقا اور اہمیت کی کوئی فی  
ملک نظر نہیں آجائی وہ دیکھیں اس سوا شرے پر غالب  
نہیں آ سکتا جس میں حق اپنے گورنر سمیت نے ایک  
غیر انسانی صورت میں اقبال دیکھ رہے ہیں۔ خاص  
تہذیب و تمدن پر جس کی مدد ملی دعوت اس کی  
خدا کی ہر ساری خدوں کے اعتدالی اتصال سے ہوا  
ہوا ہو سکتی ہے۔ (16)

اقبال کی بطور معمول بصیرت اور ان کی کمال  
دور مدتی کا سواں فریضہ ان کا سماں نو کا  
پیغام بھی ہے جو انہوں نے اپنی وفات سے صرف  
سارے چھ مہینے پہلے لاہور پہنچا پتلیش کے درجے  
نظر کیا۔ اس پیغام میں اقبال کی انسانی ذات عالمی  
اسن چندی کی سامراج سے شہرہ غرت اور بعض  
ممالک کی ہر دھاک جاتی سماجی اور سیاسی صورت  
حال پر ان کے گہرے تامل کا ذکر اور سچا اصرار  
دیکھا رہتا ہے وہ آج کی تازہ ترین عالمی صورت  
اموال پر بھی ایسی شدت سے مطلق ہوتا ہے جیسا کہ  
آج سے تین سو برس پہلے کی صورت حال پر وہ  
دور کی عالمی جنگ پر وہ کی دیکھ رہے تھے۔ یہی  
تھی۔ پیغام کے آخر میں اقبال نے اصرار کرتے  
ہوئے جو بات کہی تھی وہ آج بھی اتنی ہی سچی ہے  
جتنی کہی تھی۔ انہوں نے فرمایا

"Remember, man can be maintained on this earth only by honouring mankind and this world will remain a battleground of ferocious beasts of prey unless the educational forces of the whole world are directed

"Humanity needs three things today: a spiritual interpretation of the universe, spiritual emancipation of the individual, and basic principles of a universal import directing the evolution of human society on a spiritual basis. Modern Europe has, no doubt, built idealistic systems on these lines, but experience shows that truth revealed through pure reason is incapable of bringing that fire of living conviction which personal revelation can only bring. This is the reason why pure thought has so little influenced men, while religion has always elevated individuals and transformed whole societies" (15)

یہی بات اقبال نے رنگ دیکھ کر اپنے آخری  
فیلپے "Is Religion Possible" میں کہی  
ہے۔ ان کے خیال میں اس وقت دنیا کو حیات یافتگی  
اختیار سے زندہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن  
میں جب بھی اقبال نے رتہ مظاہر میں خدا کو گواہ کیا  
ہے نہ بہت پختہ ہے نہ خدایہ دنیا کا گہرہ چنے  
انسان کو گہرے سے اس اخلاقی اور دینی اعلان کے  
قابل جاننے کا۔ جو علوم و چہرہ کی انشورمانے اس پر



13۔ (گلیات فارسی) 632

14۔ "Speeches, Writings &

Statements of

"Iqbal" (شرقی) ص 35۔

15۔ "T h e

Reconstruction" ص 179۔

16۔ "پینا" ص 189۔

17۔ "شرقی نواز" ص 251۔

18۔ "Iqbal Post-Philosopher

"of Pakistan" (مرتبہ حقہ) ص

viii۔

☆☆☆

105۔ "چاندانہ ترجمہ" کے قلم سے

ہے۔

8۔ (گلیات ص 316)

9۔ "T h e

"Reconstruction" (شائع کردہ شیخ

شریف) ص 198

10۔ "Speeches, Writings &

Statements of Iqbal" (شرقی)

4۔ ص 96 ص 97 ص 98 ص

(103

11۔ "Stray Reflections : P :

125)

12۔ (گلیات اقبال) ص 118-119

قلم سے انشائیہ کا یہ شاعر، یاد میں آج  
ہم اپنا فیضانِ مدام کے دے گئے ہے کمالِ سوال یہ  
ہے کہ کوئی شاعر ہے صرف کے سربراہِ عشق؟

عواش

1۔ گلیات اقبال (دوسری طبع) ص 11 (ایڈیٹر)

ص 795۔

2۔ "پینا" ص 7۔

3۔ گلیات اقبال (دوسری) ص 61

4۔ گلیات اقبال (دوسری) ص 776

5۔ (گلیات فارسی) ص 440

6۔ (گلیات اقبال) ص 409

7۔ "Stray Reflections" (ص)

حظِ اسلاف کا جذبِ دہلی کر  
شریکِ زمرہ کا سحرِ دہلی کر  
خود کی شخصیات سلجھا چکا ہوں  
مرے مولا! مجھے صاحبِ جنوں کر

علی احمد ریل





فلسفۂ اقبال کے مآخذ و مصادر

2000

فرد صدق کے قصورات طواری اور عوامی کی سیاسی  
تعمیر روحانی، جہدیت اور اس کی عمرانی تعمیرات  
میں ایک طرح سے فلسفیانہ لگام کے عوارض موجود ہیں  
جنہیں اسی طرح تحقیق ہونا ہے جس طرح سحر ادا  
کے خدشات فکر ظالموں کے، انہوں ایک فلسفیانہ  
لگام میں محقق کوئے انہماک پر شایہ انہماک اس جہت  
سے کسی نے نہیں سوچا کیونکہ انہماک پر جوئے اور  
زور اور کام انہماک کے توجہ پر آتے ہیں اور کسانیت کا  
ہے۔ انہماک پر وہ انہماک کے مختلف حصہ کسانیت نہیں  
آتا اس لیے کہ انہماک کے بعد خود ایک ایسے حلقہ اور  
ہم کی طرح اس کی صورت جسمی طرح نکالنا جس طرح ادا  
کے بعد ظالموں کی صورت میں، یہ سحر اور

[illegible]

وہاں بھی تو فلسفہ، اقبال کی تخلیقی جہت کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور بھی اس کی ادراغی جہت کی تعظیم درست طور پر نہ کر سکتے کے باعث فلسفہ، اقبال کو مختلف فلسفے سے غوطہ بخانی تک محدود کر دیتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ دونوں دو بڑے فکر اقبال کی تخلیقی اور ادراغی جہتوں میں اقبال نہ کر سکتے کے باعث ہیں۔

قلندہ اقبال کی تخلیقی جہت میں چند باتیں بھی کہیں سے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ اقبال کے ہاں ایک چراغ نوری کلام موجود ہے۔ اقبال نے اپنے فلسفیانہ خیالات کی کلام بندی کی۔ دراصل چرچائی فلسفہ میں اداویلوں فلسفیانہ کلام بندی میں اولین شخص ہے تو ان کی فلسفہ میں کلام بندی کے مسئلے میں آڑی بازی ہے۔ لوگ کے بعد خالص فلسفیانہ لکچ میں اپنے نظار کی کلام بندی کسی اور نے نہیں کی۔ یاد رکھی کہ کلام بندی فلسفیانہ دینی اس لیے ہم اسے فلسفیانہ کلام بندی میں شمار نہیں کرتے۔ لوگ کے بعد ہمیں سب سے پہلے فلسفیانہ کلام بندی اقبال کے پاس نظر آتی ہے اگرچہ اقبال نے اس کا بھی دعویٰ نہیں کیا بلکہ ہمیں اس سے فلسفیانہ طرح انہوں نے طوطی قسطی ہونے سے بھی انکار کیا۔ شاید اس لیے ہادی اختر میں اداویلوں کو یہ چاہا کہ وہ آزادی میں بھی شمار ہو۔ مگر اقبال کے تصور حقیقت کا کائنات کے روحانی ہونے اقبال کے مراعات میں

علاسا قابل جیسے ہر جہت سے قتل کے  
 قریبی مائنات کی تلاش ایک مشکل ترین کام ہے۔  
 خصوصاً جب کہ ان کی فرگشتی بھی ہے اور درجائی  
 بھی مختلف ان معنوں میں کہ انہوں نے اپنے مدد کو  
 اپنے فلسفہ، خدائی اور فکریہ حیات سے ایک نئی سمت  
 لی اور درجائی اس معلوم میں کہ انہوں نے اپنی فکر  
 میں مشرق و مغرب کے فلسفہ کے نتائج کو کھرا کھرا  
 حقیقی فکریہ کے حوالے سے ایک انتہائی فکریہ  
 کیجئے ہوئے ان میں درجہ پکا کھار، رحم کا کاپ۔  
 تاریخ فکر میں ان کو ایسے فلسفہ ہوتے ہیں جنہوں  
 نے حیات و کائنات کے بارے میں اپنی حقیقی فکر کو  
 اور سوچ کے نتائج کو پیش کیا اور ایسے جنہوں نے  
 اپنے سے پہلے کے فلسفہ کے نتائج کو فکر میں درجہ  
 ہر دم انتہائی پکا کھار، مختلف فلسفہ کے فکریات اور  
 ماسدہ فکر میں عقلی پیدا کی تاہم علاسا قابل تاریخ  
 فکر کے ان معدودے چند فلسفہ میں سے ہیں  
 جنہوں نے خود بھی اپنا ایک قریبی اور حقیقی سوچ کا  
 روزہ چھین کر اپنی فکریات کے چند اساسی  
 تصورات قائم کیے اور ہر مختلف فلسفہ اور جیسوں  
 کے نتائج کو اس کی اساس پر پرکھا وہاں پر ان کا  
 کرتے ہوئے علم کا کاپ۔ فکر قابل کی بھی حقیقی اور  
 درجائی جیتیں ہیں جن کو نظر انداز کرنے سے  
 مائنات فکر قابل تک رسائی میں دشواریوں کا سامنا  
 کرنا پڑی اور فکریہ میں فلسفہ قابل کا سامنا کرنے



اور افلاطون کے خیالات کا بھی اگر بطور مشاہدہ اور  
 تجزیہ کیا جائے تو آپ کو ایلیٹیٹ فکٹر (جینٹیل) کے  
 تصور خاص افلاطون کے تصور خدا کی پاکیزگی یعنی  
 اس کی۔ اسی طرح پلاٹو نے "سچائی کا راستہ"  
 اور "حقیقت کا راستہ" افلاطون کے خیالات کے لیے  
 سرزمین فراہم کرتی ہے اور جینٹیل اور پلاٹو نے  
 کے تصورات وحدت الوجود جس میں حقیقت ایک ہے  
 اور موجود ہے اور حقیقت غیر متعلق ہے اور اس کا کوئی  
 وجود نہیں افلاطون کے تصور اس کی اساس ہے۔ اسی  
 طرح دوسرے فلسفہ مثلاً افلاطون کھڑی "واقعی"  
 دیکھ کر بغیر ہم کے تصورات میں بھی ان کے فکری دور  
 فلسفہ کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ کچھ کا مقصد یہ  
 ہے کہ اگر کسی کی گریہات میں اس سے افلاطون کے  
 فلسفہ کے افکار، گریہات کے اثرات موجود ہوں تو  
 اس سے اس کی فکر کے طبع زیادہ ہونے پر حیرت نہیں  
 آتا۔ اس لیے کہ تاریخ فلسفہ اگر فکری افکار آپ  
 کے فکری فخر ہے تو آپ بہ بات آسانی سے سمجھ سکتے  
 ہیں کہ وہ کچھ فکر میں افکار کی راہیں ایک تسلسل کے  
 ساتھ جاری ہیں اور عقلی اپنے سے افلاطون کے  
 کے افکار سے ہی خدا پاک اور ان کی فکر کو اپنی جدت  
 طبع سے ہی صورت دے کر اپنے زمانے کے معروضی  
 حالات کے مطابق فکری کرتا ہے۔ اس لیے اگر  
 افلاطون کی فکر پر ہم فہم غلطیوں کی کوئی چھاپ ہے تو وہ  
 کوئی انتہائی بات نہیں اور اس سے ان کی فکری طبع  
 زیادہ کیفیت پر کوئی فکری اثر نہیں پڑتا۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ  
 کیا افلاطون نے اپنے سے افلاطون کے افکار کو بعض  
 نگہبندی اور جتنی خاطر میں پر عبادت نہیں کیا ہے یا  
 ان پر ایک تنقیدی نظر ڈال کر ان سے اپنے خدا کی فکر  
 مرتب کیے ہیں۔ اگر آپ خطبات افلاطون اور افکار  
 افلاطون کا بطور مشاہدہ کریں تو افلاطون کے فلسفہ پر افلاطون

کے افکاری راہیے کا آپ کو خدشہ سے احساس ہوگا  
 اور آپ محسوس کریں گے کہ افلاطون نے افلاطون کے  
 فلسفہ سے اعتدال و قبول میں ایک طبعی اور افلاطون یہ وہ  
 اختیار کیا۔ لہذا وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ افلاطون کی  
 فکر طبع ذاتی اور انہوں نے انہوں عقلی سے خوش  
 حسی کی لہذا ان کا فلسفہ اور حسی نہیں معلوم ہوتا ہے  
 وہ تاریخ فکری انسانی کے ارتقاء سے آگاہی نہیں رکھتے  
 اور طبع و ذکاوت کی فکر کا تصور تاریخ فلسفہ میں موجود نہیں  
 اور تصورات کی عقلی کی باتوں سے ہوتی ہوئی  
 آگے بڑھتی ہے۔ لہذا افلاطون ایک طبع و ذکاوت سے  
 اور انہوں نے اپنے سے افلاطون کے فلسفہ پر ایک  
 افکاری راہیے سے اعتدال و قبول کیا۔

فکری طور پر افلاطون کا فلسفہ اپنے فلسفہ میں  
 مسلم فکری راہیے کی ہی توسیع (Extension)  
 ہے۔ افلاطون کا فکری راہیے مسلم راہیے سے اسلامی طور پر  
 منبج اور جڑا ہوا ہے۔ افلاطون کا تصور حقیقت تصور  
 الہی تصور کا ہے۔ تصور طبعی اور تصور مروجہ میں خود  
 مسلم گریہات میں اپنی جڑیں رکھتے ہیں وہ اپنے ہر  
 تصور کی اساس خود بھی اسلامی گریہات اور مسلم تاریخ  
 فلسفہ میں بیان کرتے ہیں اور اپنے تصورات کی  
 وہ بہت دقیق و قصور خیز مغربی علوم و فنون اور فلسفہ  
 میں پاتے ہیں تو وہ انہیں بطور سند کے لاتے ہیں یا  
 جس عقلی کے افکار ان کی فکری اساسیات سے گزرا  
 کا رہنما اختیار کرتے ہیں اس پر حیرت کرتے ہیں۔ اس  
 سلسلے میں وہ افلاطون کو سزا دینا دیکھیں اور تصور  
 مغربی فکری کہ ان کے خلاف اثر کے مسلم حکمیں حکما  
 ان عربی اور شعرا حافظ شیرازی وغیرہ پر بھی تنقید  
 کرتے ہیں۔

اپنی فکری حیرت فکری میں تو وہ حقیقت اور  
 حیرت و کاکات کے بارے میں اپنے فکریات فکری

کرتے ہیں اور ہمارے فکریات کی سند اور فکری  
 کے لیے مغربی علوم اور فلسفہ کی حقیقت سے  
 انکاف پیدا کرتے ہیں۔ ذاکرائین میری عقل نے  
 اپنی معروف کتاب "فہمہ جری" میں اس طرف  
 اشارہ کرتے ہوئے افلاطون کے اس راہیے کا ناخبر کیا  
 ہے کہ

"اس قسم کے عقلی مقامات کے  
 اور اپنے افلاطون اسلامی روایات اور چہ  
 مغربی حقیقت میں انکاف پیدا کرتے  
 رہے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ مسلمان  
 مغربی علوم و افلاطون سے آگاہی نہیں رکھتے  
 علم و دانش کے سلسلے میں جہاں مغرب  
 اسلامی دنیہ کا معنوں رہا اور اب اگر  
 مسلمان مغرب کے فلسفہ علوم و فنون  
 سمجھیں تو اس سے ان کا کوئی نقصان نہ  
 ہوگا۔" (۱)

افلاطون ان فلسفہ سے نہیں ہیں جو  
 تصورات و فکریات کی تجزیات میں بریکٹ  
 ہو جاتے ہیں اور ہر حقیقت اور اسلامی معنوں کی تلاش  
 تلاش کرتے ہیں۔ افلاطون ایک انتخاب پر عقلی  
 ہیں اور جیسا کہ مارکس نے کہا تھا کہ عقلی کا بنیادی  
 عقیدہ کاکات کی معنوی فکریات سے کہیں زیادہ اپنے  
 گرد کی معروضی صورت حال کو قبول کرنا ہے تو  
 افلاطون نے بھی اپنی گریہات سے ایک ایسا فکری نظام  
 مرتب کیا جس کے فکری فخر اپنے ہر معروضی  
 صورت حال کی کاکات فکری ان کے تمام فکری فکری  
 بہت جلدی انتہائی اور آخر کار فکری۔ انہوں نے اس  
 خیالی تصور اور نظریہ کو تنقید کے ذریعہ رد کر دیا جو  
 جہاد کا عقلی چاق اور جو افلاطون اس کے عہد بطور  
 مسلمانوں کی معروضی صورت حال کو قبول اور آخر کار



کر لے میں داک قہر۔ یہاں کہ انکو اشتہاق حسین  
 قریبی نے اپنے خالے فضلہ اقبال کے لسانی  
 صالح (21) میں ایک متصل جو ہے کے اور ہے تالا  
 ہے کہ ملت مسلم کی صدیوں سے غمگینی ہوئی زندگی  
 زوال آدائی خداوند کی بادی اور سرحد و جاہ اور  
 انوکھ کا خداداد۔ یہ سفر میں بندہ اس کی مسلمانوں  
 کو دکاوا جانتی کی پانچویں اور انہیں ایک سیاسی قوت  
 کے طور پر منظم ہونے دینے کے ساتھ ساتھ مہم کا  
 چہ جنہوں نے اقبال کی خطبہ کیا اور ان کے اندر  
 ایک ٹھکانہ کیا کی اور انہوں نے جانت دکانکتہ کے  
 بارے میں ان تمام تحریکات پر نقد کی جو حیات و  
 کائنات کے ذریعہ تھیں۔ کے خلاف تھے کائنات و  
 حیات کے بارے میں مادہ کا تصور روحانی اور وحی  
 کا حرکت ان کے فہمے جانیا دی ہو رہے۔

حرکت یا بدائی یا دیانت ایک ایسا  
 اصول ہے جو فکر اقبال کی تشکیل کرتا ہے۔ فکر کے  
 حرکی ہونے کے بارے میں اقبال لکھتے ہیں کہ  
 "کائناتی اصل دیانت کے اعتبار سے فکر  
 کوئی ماسکی جی نہیں پر بدائی ہے اور  
 اس کے اندر انتہائی ایک حاضر حقیقت  
 کے طور پر اس طرف پائیدہ ہے جس  
 طرف نے کے اندر، یہ اور وقت کھن ہوتا  
 ہے چنانچہ فکر اپنے روحانی اعتبار و ات  
 کے لیے ایک کلیت رکھتا ہے جو زمانی  
 آگاہ کو فطری خصوصیات کے ایک سلسلے کی  
 صورت میں بتا دیتا ہے، یہ ہوتا فکر  
 آتا ہے۔" (34)

خدا اقبال کے حیات و کائنات کے اس  
 حرکی فلسفے کا سب سے بڑا مخالف عقیدہ وحدت  
 اور وحدانی ہے۔ وحدت اور وجود میں کی قسمی اساس

الفاظوں کے نظریں کا کائنات جتنی ایمان پر حق ہو  
 انفرادیت میں خصوصاً تک میں ترک دنیا کے ایک  
 جادو دینے کی صورت میں یہ وہن چہ عا جس نے  
 اسلام کی جہانگیری اور جہان گیری کی گمراہی سے  
 خود موز کر ترک حقائق دنیا کے انھماں دے دینے کی  
 تشکیل کی جس کے نتیجے میں اسلامی دجائیں ہے علی  
 اور ہے موزی اور دجائیں نظر انسانی کے خصوصاً زہن کائنات  
 کی پرورش ہوئی اور پوری اسلامی دنیا ایک منطرح  
 خصوصاً کلیت میں گرفتار ہو گئی اور کائنات کی تنظیم  
 کائنات کی تعمیر تشکیل میں ایک عملی کردار اور جہان  
 گیری و جہان داری سے بچا نہ ہو کر غمگینی کے فلسفے  
 میں پھنسی چلی گئی۔ عرب دنیا کے مصطفیٰ کھ  
 عزادہ ہیں نے اس صورت حال کا تجربہ ہیں کیا ہے کہ:

"جو خطاب یا اہل عربی معاشرے پر  
 باہر سے تیار ہوئے ان سے بھی زیادہ  
 چار کی مصیبت یہ تھی کہ اس معاشرے  
 کی اندرونی قوت تخلیق اور جوش ہمت  
 مرد چ گیا، پر جوش ذاتی شوق خمس جو  
 مہم باطن کی خصوصیت باہر تھا اور  
 اس کے ساتھ حوصلہ مصدا کی سرمت  
 زہنی حقا اور مرکزیت کے تحت و پاؤ  
 سے گھٹ کر رہ گیا آذوقہ خیال کو دیکھیں  
 وہ نصیب ہوا اور اس کی جگہ دیانت  
 پر تکی حکومت کرنے کی استعدادت کی ہے  
 داک لوگ جنکو یہ الفاظ بدائی کی صبر  
 لگ گئی۔ اس سے پہلے مہم کے زیادہ  
 ہے پاک اور جگہ صحت انسانی گوش  
 کٹائی میں عا جن کو اپنے گئے۔  
 لوگوں کے دماغ بنائے اس کے کراچی  
 صلاحیتوں کو طبیعت کی کی راجہ نکالنے

کے کام میں لائے انہی مسائل کی  
 فرمیں اور غلطی چار کرنے میں جنک  
 ہو گئے جو پہلے سے سب کا مسلم تھے۔"  
 (44)

یہ صورت حال تھی جس میں اقبال برکت  
 ہوئے اور انہوں نے بعثت (Revolt) کی اور  
 اپنے فطری خصوصیات کے لحاظ موجودہ ہر طرحے کو رد  
 کیا۔ اس کی زو میں انھماں کے بعد سب سے  
 زیادہ اور اسلحا آج کل تک اسلحا کائنات کے قہم کا  
 چال تھا۔ انکو اصل کے الفاظ میں:

"اسلحا کا تصور قوت کائنات اسلام  
 کے تصور خدا کی خدا ہے کہیں کہ اس  
 دین کی وہ سے خدا نے زندہ و فعال ہی  
 لازمی اپنی ہے نہ کہ کائنات۔ اقبال  
 زندگی کو بھی وہاں وہاں تاتے ہیں۔  
 زندگی صرف حسن و قہر ہی نہیں وہ  
 عمل و قوت بھی ہے۔" (51)

یہاں فکر بات کے لحاظ انکو اصل کے  
 بقول اقبال کی فکر ہی اور ذاتی بعثت کی سب سے  
 بڑی وجہ یہ تھی کہ:

"اقبال کی فکر میں روحانی فلسفہ ہے وہ  
 تجربی ہے اور ذاتی ہے اور اس کے صالح  
 انسان سے کوئی پرکار کام تمام پتہ نہیں  
 ہو سکتا۔ یہ فطری فلسفہ ہے اور اس مردم  
 عقل تصور کے اور ہے انسان خدا کا  
 وصل بھی حاصل نہیں کر سکتا۔" (66)

اس ساری تحصیل سے قصود آپ کو  
 فکر اقبال کے فطری تصور تک رسائی فراہم کرنا ہے  
 جو ان کی تمام تر فلسفیانہ تفکرات میں اصول کے طور  
 پر کارفرما ہے۔ وہ خدا کا ایک زندہ و فعال تصور ہے







اس پر وقت اپنے پاس سے اٹھانے کے ساتھ کہاں ہو جاتی ہے۔ جو بدعت کے بانی سوریہ کو کہنا گناہ نے بھی ایسے ہی تین اور گناہ کر کے قتلے میں کیا ہے جو کہ عباداتی، اخلاقی اور مذہبی ہیں۔ تاہم جس مقام تک اقبال کی فکر تھی ہے کہ گناہ کی اس تک رسائی نہ ہو سکی مگر اس کے عباداتی، اخلاقی اور مذہبی امور (13) بھی انسانی شخصیت کی تعمیر کے مختلف عناصر کو متعلق کرتے ہیں۔

علاوہ اقبال کے فکر و فلسفہ کے اخلاقیات کی توضیح کرتے ہوئے ہمیں ایک قرآن بھی اخلاقیات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو مسطور ہیں اور جو ان کے باطن کا حصہ ہیں اور جن کے بغیر انہیں اقبال نہیں ہی سمجھتے تھے۔ دوسری طرف ان معروضی اخلاقیات کا سراغ ملتا ہے جو ان کی فکریات کی تشکیل میں اساس ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "انفراش اقبال" میں اقبال کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرنے والے ان تشکیل عناصر کا بڑا موقع سے حوالہ دیا ہے۔ قاری کو یہ مشہور، واضح و ادا معلوم میں 1951ء کو ایک ٹیگور دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

"وہ جتنی عناصر جنہوں نے اقبال کی شخصیت کو خلائی دنیا بنا دیا، یہ وہی چار عناصر ہیں اقبال کا اپنے داخلی و باطنی ماحول سے۔ یہ چار جتنی عناصر ہیں جنہوں نے اقبال کی شخصیت کو زندہ بنا دیا۔" (14)

ان چار عناصر کو گناتے ہوئے انہوں

نے کہا کہ ان میں سے پہلا عنصر جو اقبال کو اپنے داخلی دماغ میں داخلہ کے بعد اہل دین سے ہی حاصل ہوا وہ اس کا "ایمان و یقین" ہے۔ دیکھیں اقبال کا سب سے پہلا مرحلہ اور مرحلہ ہے اور یہی ان کی طاقت و وقت اور محنت و فراست کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ "اقبال کی شخصیت کو بنانے والا دوسرا عنصر وہ ہے جو آقا پر مسلمان کے گھر میں موجود ہے مگر انہیں کتاب و نور مسلمان اس کی روشنی سے مروجہ اس کے علم و محنت سے بے بہرہ ہیں۔ میری مراد اس سے قرآن مجید ہے۔ بغیر انہیں اس کا اقبال کی شخصیت کی تعمیر میں بڑا دخل ہے۔ وہ عرصہ ان میں اور چار عناصر میں نے اقبال کی شخصیت کو خلائی دنیا بنانے چار عناصر کی آہ و گداز ہے۔ آخر شب اقبال کا اٹھنا اور اپنے رپ کے سامنے مجبور ہو جانا مگر گناہ گناہ اور وہ بھی سچی تھی جو اس کو اس کا ایک ہی نکتہ اس کے قلب کو ایک ہی روشنی اور اس کا ایک ہی فکری نقاشہ کرتی رہی۔ خود اقبال نے متعدد مقامات پر اس آہ و گداز کی اہمیت کو کہا کہ کیا مثلاً:

مطہر ہو رہی ہو رہی ہو غزالی ہو  
بکھ چھ نہیں آتا ہے آہ سر گاہی

(15)  
رسمتی ہوا میں گرچہ قلمی شمشیر کی بخاری  
نہ ہونے لگے سے لندن میں بھی آداب سرخبری

(16)  
اور پانچواں عنصر جو فکر اقبال کی اساس کا وہ مشعلی رہی کا مطالعہ ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے علیٰ یہاں کے بیان کردہ تین عناصر کو مسطور ہیں جب کہ قرآن اور مشعلی رہی فکر اقبال کے معروضی تشکیل عناصر اور حوالہ ہیں۔ دراصل قرآن کا گہرا

مطالعہ اور اس پر مستقل غور اقبال کے پاس اور سولی قلمی جس پر وہ قلم بردار ہے کے تمام مکتوبات اور فکریات کو یک جہت سے اپنے چہلو پر چڑھ کر ان کی ان قطعات کے قریب محسوس ہوتا ہے انہوں نے مومن کی محنت کم شہدہ کچھ کر توالی کر لی جو اور انہیں اس فکر و دعا سے اپنی ہوئی اور ان کی ہوئی محسوس ہوتی اس کو انہوں نے نقد و جرح کے بعد مسترد کر دیا۔ اقبال نے قرآن کی فراہمی کی اور اس کا اپنی تمام تر فکریات کی اساس اور معیار بنایا۔

مطالعہ قرآن میں وہ اللہ بہت اہم ہے جو غور اقبال نے بیان کیا اور جس کے مطابق اقبال کو ان کے والد نے شخصیت کے قرآن کو اس طرح پڑھو چھ کہ وہ خود قلم پر نازل ہو رہا ہے۔ (17) اس نے کتاب اللہ کے بارے میں اقبال کے نقطہ نظر کا بکھر چھوٹ کر کے دکھایا اور انہیں کہنا چاہا کہ قرآن مجید پر جب تک وہ نہ نازل کتاب گہ کتاب ہے خدا ہی خدا صاحب کشف

(18)  
قرآن مجید نے ہی اقبال کے ضمیر کے بعد ان کے فکر کی گرہیں کھولیں چنانچہ وہ اپنی ساری فکر و شاعری کو ایک تختہ کھان کی تعمیر سے تعمیر کرتے ہیں۔ (19) یہاں تک کہ انہوں نے اپنے لیے اس معلوم میں بدعا کی کہ اگر میں نے قرآن مجید کی تخریج و تعمیر کے سوا اپنے فکر و شاعری میں کچھ کیا اور کچھ نہ لکھا تو حضرت کا بوسہ یا لعین نہ ہو۔ یہ ایک ایسی بدعا ہے جو کوئی مسلمان اپنے لیے نہیں لکھ سکتا۔ صرف اس کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ غور اقبال بھی اپنے فکر و شاعر کا نقاشہ قرآن ہی قرار دیتے ہیں بلکہ اپنے فکر و شاعر کو اس کی تعمیر سے تعمیر کرتے ہیں



گر ہم آئینہ " ہے جو ہر دست  
در علم غیر قرآن مضر است  
اسے لڑکتے صبح اعداد و امور  
چشم توحید، ما فی الصدور  
فلک گردان ہند در فکر من  
زہر روح اعدا سے کافر من  
مذ حشر غور و دوا کی مرا  
بے نصیب از ہر پاک من مرا (20)

سید ظہیر ہادی جنھوں نے انگلیں جھڑپ  
الشیات اسلام کا اور اس میں قرآن کا خطبات کے  
تقدیر میں فکر اقبال کا سرچشمہ قرآن کو قرار دیتے  
ہیں

"اور اصل اس فکر کا حلقہ سرچشمہ جیسا  
کہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے قرآن مجید  
ہے اور قرآن مجید سے ہی ہمیں ان  
سب مسائل یا مشکلات میں جو اس کی  
حرکت و توجہ میں ہیں انھیں زور بخانا  
چاہئے گا۔ صاحب خطبات نے اگر  
مہم حاضر کے الفاظ و مصطلحات سے  
کام لیا تو ہم گرفتار فکر کی خاطر اس  
لیے کہ ان کا انتخاب و اصلاح ہم سے  
ہے اور ہماری وسالت سے یہ جاری ہوگی

دیجاتے۔" (21)

اقبال کے ایک اور اہم مضمون ڈاکٹر رضی  
اللہ علیہ مدظلہ نے ڈاکٹر ہنس مبین خان کی  
کتاب "درجہ اقبال" کے مقدمہ میں لکھا ہے:  
"اقبال کا مفہوم امر ہے جو اپنے زمانہ میں  
اور جو یہ مضمون کی روشنی میں سراسر قرآن  
کریمی کی تفسیر ہے۔ اگر شوقی سوانح  
روم کو آٹھ سو سال قبل "قرآن مجید زبان

پیدا کی" سمجھا گیا تو ہم کلام اقبال کو بھی  
الکافی میں وہی درجہ دے سکتے  
ہیں۔" (22)

مولانا سید احمد اکبر آبادی نے  
اسی "خطبات اقبال پر ایک نظر" میں یہی حرف  
تقدیر لکھا ہے:

"اس میں شری نہیں ہو سکتا کہ خطبات  
جس فکر کے حامل ہیں اس کا اصل  
سرچشمہ قرآن مجید ہے۔" (23)

مولانا اذکر نظام مصطفیٰ خان نے اپنی  
کتاب "اقبال اور قرآن" (24) میں اقبال کے  
اشعار و نظریات کے حوالے سے تو پہلی و حدودی  
تفصیل مرتب کر دی ہے کہ قرآن کس طرح  
فکر اقبال کو پیدا کیے ہوئے ہے اور اگر ہر دھڑک  
صوت کی کتاب "برہان اقبال" کا مطالعہ کیا جائے تو  
قرآن کے اس اصل و اصل سے آگاہی ہوتی ہے جو  
فکر اقبال میں ہماری وسالت ہے۔ یہاں تفصیل کا  
پاداشی نام صرف اقبال کے اپنے چند اشعار و نظموں  
کا ذکر جائزات اور خطبات کے اقتباس سے اقبال کا  
یہ پیغام ہے کہ:

گر تو فی غواہی مسلمان زمین  
نہیں تھکتی جز یہ قرآن زمینی (25)

ان کی فکر کا حلقہ شعور ہے کیونکہ قرآن کو  
انسان کے اندر ان گناہوں و روباہ کا ایک اہل اور  
برتر شعور پیدا کرنے کا ایک اور ذریعہ سمجھتے تھے جو اس  
کے اندک کائنات کے درمیان قائم ہیں۔ قرآن حکیم کی  
تفسیر و تفسیم اور اس کی قیادت کو جانے میں اقبال کو  
سب سے زیادہ اثر ایک شعری رویے نے ہی چاہیہ  
مولانا جمال الدین مدظلہ کی "مثنوی مولوی مثنوی"  
تھے پہلی زبان میں قرآن سے نسبت دی گئی

فکر اقبال کا ایک اساسی ماخذ ہے "قرآنی بصیرت  
کے داخل میں اترنے کا راستہ اقبال نے مولانا مدظلہ  
کی اس شعری کو پانا ہے:

چہ روی در حرم نجوم ازل میں  
از آسماں سرور ہاں میں  
یہ اور غنہ عصر کہیں ہو  
یہ اور غنہ صرداں میں (26)

ایک چٹھیں دور جس میں ہفتہ کا دھڑکا  
کی ہفتہ و رستہ اور ہی قوی اور مستطابوں ہے  
چار کی طاری قوی مولانا مدظلہ نے انسانی عقیدے اور  
کوہاں کیا اور ہفتہ کا دھڑکا میں لگتی ہوئی ہے۔ یہ  
تھکتے تھکتے ہیں اور ہادی کی فکر و فکر اقبال کے، اور  
کا بھی خاص تھی۔ مولانا مدظلہ نے اقبال کی یہ ہم آہنگی  
اور فکری بلورت "قرآن سے رستہ اور نسبت ان  
دووں عالمی دماغوں کے لیے نقطہ اتصال ہے۔  
تصوف یا سنی یا جنوں کے علم کو آپ اکبر یا چاند  
قرآن کے اس گہرائی کو بھول گئے کہ علم و حکمت تو  
اس کے نزدیک فکر ہے۔ مولانا مدظلہ نے اقبال کے  
لیے مکتوب امر اور حکمت قرآن ہیں۔ وہ احکام  
قرآن کے ظاہر کی طرف جانے سے زیادہ قرآن  
کے باطن میں اترنے کی حکمت اور ان کا خاص  
موضوع ہے مدظلہ سے اقبال کی اشعار کا یہ  
ظہیر: تقدیر سب سے اہم ہے۔ اقبال کے قصور  
ظہیر میں اختیار کا ذکر یہاں کر دیتی ہے تاکہ کوئی  
اپنی تکمیل میں خدا کی رضا سے متاثر نہ ہو جاتی ہے۔  
اقبال اور مدظلہ دونوں کا خیال ہے کہ تقدیر کے خدا  
مطمئن نے انسان کی غرضی اور اخلاقی زندگی کو خدمت  
تھکانا پہنچایا۔ اقبال نے مدظلہ کی تفسیر میں انسانی  
آزادی اور اختیار کو یا مطمئن ہیں۔ دونوں کا یہ سہ  
اور ان کا یہ انداز اور فکریہ کا کائنات کو دلوں دے جانے فکر



اقبال کی فکری تشکیل میں سوانہ داری کے اثرات کے جان میں عام طور پر یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ اقبال کے وحدت الوجودی افکار سوانہ داری سے آئے ہیں۔ سوانہ داری کو وحدت الوجودی قرار دینے والوں کی ایک طویل فہار ہے مگر کیا سوانہ داری حقیقتاً وحدت الوجودی تھی یہ بات ہماری طرح متعلق نہیں رہی۔ خصوصاً ایسے شواہد بھی موجود ہیں جو ان کے وحدت الوجودی ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ پروفیسر نکلسن جو اسلامی علوم و فنون کے محقق ہیں لکھتے ہیں:

”سوانہ داری کے حقیقی لوگوں کو باطنی انحصار میں پھنسا چکا ہے اور وہ جانتے ہی کہ وہ وحدت الوجودی تھے۔ ہمرا بھی پہلے پہل یہی عقیدہ تھا جبکہ میں تاریخ تصوف اسلامی سے اس اختلاف کو دریافت کیا۔“ (257)

بلکہ وہ تو مفسر طریق کے بھی وحدت الوجودی ہونے کا منکر ہے۔ جس طرح غلط اقبال کی غایات کا تعلق سوانہ داری کے اثرات کا نتیجہ ہے اسی طرح غلط اقبال کی ہیئت کی تشکیل حضرت مجدد الف ثانی نے کی۔ وحدت الوجودی تصورات جو افلاطون افلاطونس اور ابن عربی کے مذہب سے مسلم تاریخ میں سرایت کرنے لگے جس کے نتیجے میں مسکن غالب آ گیا جس نے ہماری مسلم سوسائٹی کو مظلوم کرنے رکھا تو اس نظریے کے خلاف شدید رد عمل برپا۔ خیرینہ کے نظریے وحدت الوجود پر تنقید کرتے ہوئے ایک عقلی نے کہا تھا کہ یہ عقیدہ مذہب الہا ہے۔ مسلم تاریخ میں اس مذہب اثر کرنے والے ہیں۔ یہ جتنی شک و شبہ اور حاکم عمل کی

کاشت کی۔ اس سبب قصور نے اسلامی دہائیوں کی زمین نظر اور وہ ان کے مسلمانوں کو زوال میں دھکیل دیا۔ غلط اقبال کا ایک اہم تکنیکی مادہ حضرت مجدد الف ثانی کی تعمیرات ہیں

”مجھے یاد رہی نے گا میں مسک  
”مسک“ کے معانی مسک “مسح“  
اعتبار کر کے سوانہ داری نے وحدت الوجود کی طرف اپنا عام مہیاں رکھے  
کے باوجود غلامی کی تعلیم دے کر اور شیخ احمد ربیعہ کی مجدد الف ثانی نے شیخ ابن عربی ابن عربی کے نظریے وحدت الوجود کی تجدید کر دی ہے کہ اس کے رد عمل کے طور پر ”نظریہ وحدت“ جنسی کر کے اس کی پرزور حمایت کی۔“ (258)

حضرت مجدد الف ثانی نے ان کے عقلی اور عقلی حقیقی کا انکار اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے پہلے کے بارے میں کہا کہ اگر وہ حضرت مجدد کے عہد میں پیدا ہوا تو اسے ان سے محبت اور نسبت ہوتی تو وہ سرورِ مہدی سے ہمہ جہاں ہوتا۔

کائنات ہرے در زمان احمد

تا رہے نہ بر سرِ مہر

۱ ۲ ۹ ۱

حضرت مجدد الف ثانی سے انہیں وحدت الوجود کے نظریے کے خلاف شہادت ملی۔ حضرت مجدد نے ابن عربی کے نظریے وحدت الوجود کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ شیخ اکبر الہی الدین ابن عربی وجود اور ذات میں فرق دیکھتا تھا۔ بلکہ وہ وجود سے لے کر ذات خدا تک پہنچا۔ بلکہ یہی جنہوں نے افلاطون کے بارے میں کہا

کہ افلاطون وجود تک ہی مگر کر رہا گیا۔ ذات تک اس کی رسائی نہ ہو سکی۔ کیونکہ ذات وجود سے برتر اور الگ ہے وہ ہے عقل جس کا وہ مفرد ہے۔ حضرت مجدد نے فرمایا:

”شیخ ابن عربی شیخ ابن عربی نے ابن عربی نے ان کی شہادت پر شخص خدا کی تخلیق پر غرضیں ادا کی اور تخلیق کے حاکم کی حق ممل و عا کی علیہ صورتیں مقرر کی ہیں کیونکہ ان کی صورتوں نے حضرت قحطی و فطرت کے آئینہ میں کہ خدا کی میں اس کے ساتھ موجود نہیں چاہتا انکس پیدا کر کے جاری نمود قصور حاصل کیا ہے اور ابن عربی صورتوں کو واجب قحطی کی صفات اور صفات کی صورتوں کو غیر ممکن سمجھا ہے۔ ان لیے وحدت الوجود کا حکم کیا ہے اور تخلیق کے وجود کو واجب قحطی و فطرت کے وجود کا بھی کیا ہے۔“ (311)

ڈاکٹر برہان احمد قادری نے ”حضرت مجدد کا نظریہ تو حیدر علی ابن عربی کے تصور وحدت الوجود کو اپنا بیان کیا ہے

”وجود ایک ہے وہی وجود ہے اور یہ وجود اللہ ہے ہر وجودی چیز فضا اس کا مظہر ہے لہذا عالم اور زمین یک کر ہیں“ (311)

یعنی ان کو یہاں وحدت سے لگا کر ابن عربی نے وجود اور اللہ کا کائنات اور خدا کا ایک دوسرے کا تعلق تصور کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ  
”ابن عربی نے عالم و اللہ کی ہیئت کو ذات اور صفات کی ہیئت کی بنا پر تصور



کیا یعنی جو ہر امر میں کی حیثیت کی بنا پر  
عالم اس کی صفات کی محفل تھی ہے  
باقاعدہ فکر تحقیق عالم ایک صورت ہے  
بدلتی۔" (32)

مولانا نے اپنے شیخ اکبر کی مدد پر  
ان عربی کے اس وحدت الوجود کی تشریح کرتے  
ہوئے کہا

"وجود و عدم متعلق ہے اور مراتب  
وحدت میں یہ مرتبہ اربعین ہے وحدت  
اپنے قیامت یا عزالات میں پانچ  
مراتب سے گزرتی ہے۔ پہلے دو  
عزالات طبعی ہیں اور بعد کے تین  
عزالات عقلی یا عارفی ہیں۔ پہلے عزال  
میں ذات کو اپنے شعور بحیثیت وجود محض  
حاصل ہوتا ہے اور شعور صفات اجتنابی  
رہتا ہے۔ دوسرے عزال میں ذات کو  
اپنا شعور بحیثیت مختلف صفات ہوتا  
ہے یہ صفات تفصیلی کا مرتبہ ہے یعنی  
صفات کے باطنیہ یا ضعیف ہونے کا یہ  
دونوں عزالات ہائے ذاتی ہونے کے  
ذاتی یا محض عقلی عزالات کے طور پر تصور  
کئے گئے ہیں کیونکہ وہ غیر ذاتی ہیں اور  
عزالات و صفات کا اعتبار بھی صرف  
ذاتی ہے۔ اس کے بعد عزالات عقلی و  
عارفی شروع ہوتے ہیں۔ لہذا تیسرا  
عزال تیسرے ذاتی ہے یعنی وحدت  
بصورت روح یا روحانہ نزول کرتی ہے  
اور اپنے تئیں بہت ہی انداز میں تعظیم کر  
دیتی ہے۔ مثلاً فرشتے اس کا چہرہ  
عزالی تھیں مثالی ہے جس سے عالم

مثالی وجود میں آتا ہے۔ پانچواں عزال  
تھیں جسکی ہے اس سے مظاہر یا  
اشیائے عقلی ظاہر ہوتی ہیں یہ مراتب  
ان استعدادوں کا ذہنی تحقیق ہے جو  
صفات میں مطلق ہیں۔" (33)

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ عزالات کا یہ  
سلسلہ ان عقول یا عقول اور ان سے پہلے کے نظریہ وحدت  
(34) سے ملتا جلتا ہے۔ انی بتاتا ہوں اپنے سلسلہ  
ہائے عقل کے ذریعے خدا سے اس کائنات اور عالم  
ہادی کا تصور کرتے ہیں اور کائنات اور خدا کو ایک  
دوسرے کا سایہ گل یا عین قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ  
خفا سے مرتبہ وحدت سے اس کی ذات کے تصور سے  
خفا نظر آتے ہیں اس لیے کہ جو عزالات کا تصور  
ہے اور وجود مکان میں ہے نہ کہ ذات اور مکان  
ہے۔ مکان میں تصور وجود اور لامکان ذات کس  
طرح ایک ہو سکتے ہیں۔ حضرت محمد ارف جانے  
ان لحاظ سے اس پہلو پر گرفت کی اور کہا:

"صالح عالم بل شاذ کے لیے عالم کے  
ساتھ ہی غبار و نہتوں میں سے کوئی نسبت بھی  
ذہبت نہیں۔ امت حق بھائی وحقانی کا احاطہ اور  
قرب ذاتی نہیں بلکہ طبعی ہے جیسا کہ اصل حق شرف  
انہ کے پاس قرار پایا جائیگا ہے اور وہ بھائی وحقانی  
کسی چیز سے جدا نہیں اور خدا ہے اور عالم عالم  
ہے۔ وہ بھائی وحقانی ہے جس سے ایک ذات کو ذی  
محل وہی کہہ سکتے ہیں جس کا چاسکناک صاحب حقانی  
کو کہیں کا ہیں جس کی کہنے اور قدیم حادثہ کا ہیں  
پر کرکٹیں ہو سکتا متعصب انصاف ذات ہائے انصاف کا ہیں  
نہیں ہو سکتی۔ انتھاپ خاکین حقانہ اور شرفا محال  
ہے۔ ایک کامل دوسرے پر بالکل متعصب ہے۔" (35)

صالح اور معصوم کے درمیان ہدایت اور  
ہدایت والی نسبت ہے۔ حضرت محمد ارف جاتے ہیں  
"عالم گرچہ کائنات صلتی کے آئینے  
اور ان کے طور کی جلوہ گاہ ہے لیکن منظر  
میں ظاہر نہیں اور غل میں اصل نہیں  
جس طرح قوسید وھولی پانوں کا  
ذہبت ہے۔" (36)

"صاحب عقل اشیاء کے آئینوں میں  
نہیں ساکن اور کیفیات محض دیکھے وحقانی  
اشیاء میں جلوہ گر نہیں ہو سکتا۔ اور کائناتی  
امت مکان میں نہیں ہو سکتی" (37)

حضرت محمد ارف بھی وحدت الوجودی عزال  
سے گزرنے اپنے اس احوال کے بارے میں  
فرماتے ہیں

"فقیر نے وحدت وجود کو قبول کر لیا تھا  
تو وہ کثیف کی بنا پر تھا تعقید کی بنا پر نہیں  
تواپ اگر اس کا انکار کرے گا ہوں تو وہ  
بھی الہام کے باعث اور الہام الہام الہام کی  
محاکات نہیں کر سکتا۔ اگرچہ دوسرے کے  
لیے محبت بھی نہیں ہے۔" (38)

یہاں حضرت محمد ارف نے تین باتیں لکھا کہ  
ہی ہیں جو کہ غور طلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کا  
وحدت الوجودی عقیدہ وحقانی کی بنا پر نہیں بلکہ کثیف کی  
بنا پر تھا۔ یعنی وہی چیز تعقید ہے اور کثیف علم کی ایک  
انکی عزال ہے جس پر تمام وحدت الوجودی کفر سے  
ہیں اور اس سے اس کی عزال الہام ہے جو غیر انشاء  
کے لیے علم کا ایک معجزہ فرمایا اور یہ ہے۔ الہام سے  
ایہ وہی ہے وہی خدا کی طرف سے ہونے کی بنا پر  
غیر انشاء کے لیے محبت ہے اور اس کا اجراء اور  
ہے جب کہ الہام غیر انشاء کے لیے ہے۔ یہ انکار کی



محکم نکل تو نہیں دیکھ سکتا اس کا اصرار دوسروں کے لئے شرط محبت نہیں رکھتا۔ بہر حال اس سے ایک بات تو واضح ہوئی کہ عقلی وحدت الوجود سے الگ الگ الہی وحدت الوجود ایک مقام بالا رکھتا ہے اور حضرت محمد کا ایک خدا کی ذات کو بے عمل قرار دینا اور شے مکانی کائنات اور مکانی کائنات میں اسے الگ ایک حقیقی صداقت رکھتا ہے۔ وحدت الوجود میں اصل کی جو شاعرانہ روایت پائی جاتی ہے اس نے شعری روایت میں اس تصور کو اپنا پختہ کر دیا ہے کہ ہمارا شعر و جوار سے جو بظاہر کرا مکانی کائنات اسے الگ ایک حقیقی صداقت رکھتا ہے۔ وحدت الوجود میں اصل کی جو شاعرانہ روایت پائی جاتی ہے اس نے شعری روایت میں اس کا تصور اپنا پختہ کر دیا ہے کہ ہمارا شعر و جوار سے جو بظاہر کرا مکانی ذات تک رسائی کی اہلیت کو بھی خفا ہے ہمارا شعری کی صراحت اور اگلی وحدت الوجودی اصل قرار پائی ہے۔ شرقی و غرب کی خاموشی اور مکان میں اسیر ہے۔ وہ وحدت کے اعلیٰ ترین مقام کو نہیں پہنچا سکتی۔ حضرت محمد نے اس مقام وحدت کو واضح کیا کہ:

”مقام وحدت تمام مخلوقات سے بلند ہے کیونکہ یہ کلی مقام وحدت میں تمام اکمل ہے۔ محمدیوں کو ہی اس مقام سے مشرف کرتے ہیں اور حقیقت ذات خود سے لذت لیتے ہیں۔ بندگی میں لذت اور اس سے انہیں محمدیوں کے ساتھ خاص ہے۔ محمدیوں کا انہیں محبوب کے مشاہدہ سے ہے مگر محمدیوں کو محبوب کی بندگی میں انہیں نصیب ہوتا ہے۔“

(34)

اقبال کے فلسفہ فطری میں حضرت محمد کے اس مقام وحدت کی انکشاف ہے جہاں اقبال فطری کی بنا اور اس مقام پر جاتے ہیں اس کی انکشاف کا لحاظ جاتے ہیں اسے خدا میں غم کرنے کے حق میں نہیں بلکہ اسے مقام بندگی پر سرافراز دیکھنا جاتے ہیں کہ وہی وہ مقام ہے جو خدا نے اپنے بندے کو عطا کیا۔ حضرت محمد کے نزدیک بندے اور رب تعالیٰ کے درمیان جاب و جاب صرف لمس ہے اس لیے کہ بندے کا مطلوب خود اس کا اپنا لمس ہے۔ تقداری اور اعلیٰ وہی جاب بھی ہے۔ محمد و اہل حق کے ہاں جو چیز حقیقی اعلیٰ ہے وہ اقبال کے ہاں مقام فطری ہے۔

مولانا جلال الدین دہلوی اور حضرت محمد و اہل جانی کے علاوہ بھی متعدد شخصیات ہیں جنہوں نے تقرب اقبال کی آپ بیاہری کی۔ مگر ان کی شخصیات اس کی جڑا نہیں جاسکتی۔ خاص طور پر بیان کیا جاتا ہے جو کہ محمد اکرم علی گلی دہلوی اور عراقی ہیں۔

جلال الدین دہلوی جو ابن اسعد دہلوی (1400) دوں طبع کا زرداں میں پیدا ہوئے۔ والد کا تعلق تھے شیراز میں تعلیم حاصل کی اور فارس کے قاضی بنے۔ عربی میں قیسنے اور تصوف پر رسالے اور شریعت لکھیں۔ فارسی میں ”کامع الاثر“ میں مقام افغانی“ جیسے اعلیٰ جانی بھی کہتے ہیں لکھی۔ بڑی معروف کتاب ہے۔ نظریہ زبان میں اقبال نے ان کی کتاب ”لورا“ کا حوالہ دیا ہے کہ وہ ان کے نظریے کا مقابلہ پرہیزگاروں کے نظریے زبان کی طرف متعلق کیا ہے جس کے مطابق

”لطف کیجیے ہم زمانے کا جیسا ایک محمد سے حاصل مکانی پر کرتے ہیں جس میں گواہوں کا تصور اس طرح

ہوتا ہے کہ کوئی مجلس حرکت کرنا ہو۔  
میں جہاں اس محمد سے حاصل مکانی کو  
ایک وحدت سمجھتا ہے جس کو فکر و جان  
کے ہزاروں کارکنوں کے ہم اسے ذات الہیہ  
کی عقلی فعالیت کی ایک بنیادی حالت  
قرار دیں۔ وہ حالت جس نے اس  
فعالیت کی جملہ جانوں کا جو کچے بعد  
دیگر سے علی الاطلاق دانا ہو رہی ہیں  
اپنے احوال میں اسے رکھا ہے مگر ہر  
اس کے ساتھ ہی بنائے ہے مجھ بھی کہ  
وہی کہ زیادہ گری خیر سے دیکھا ہائے تو  
تو از کا وہ دوسرا تاثر اضافی ہے۔ لہذا  
ذات الہیہ میں سمجھا کر اس کی ایک قہرمانی  
ہو جاتی ہے۔

اقبال نے اپنے تصور زبان کے تسلسل میں جلال الدین دہلوی کے ساتھ ہی مشہور صوفی شاعر فرالدین بن ہرکام عراقی کا بھی ذکر کیا ہے جو فارسی کے صوفی شاعر تھے۔ حافظ قرآن تھے اور بعد ان میں اپنا چھین کر لیا۔ وہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے اور ملتان میں چلے گئے تھے اور صاحب مال صوفی بن گئے۔ مولانا بہاء الدین ذکر کیا کی صاحب زادی سے ان کا تعلق ہوا۔ 25 سال اپنے شیخ کی خدمت کی۔ (اپنے کو چک (قریباً) مصر اور شام کی سیاحت کی اور دمشق میں قیام کیا۔ ”سب عراقی“ نامی کتاب ان سے منسوب ہے اور ”کلمات لطافت“ ان کی معروف کتاب ہے۔ (42) اقبال نے عراقی کو بھی اپنے تصور زبان میں







معمولی بات تھی اور چوتھے عالم اسلام میں یہ  
سودا گری کا ہی نام اقبال کے شخص سے لیا گیا۔

تادم ان تمام باتوں کے باوجود یہ بات  
بھی غلط نہیں ہے کہ اگر اقبال کی تشکیل میں ان کے  
مطالعہ علوم مغرب نے اہم کردار ادا کیا، مغربی علوم  
سے استفادے کے بارے میں واضح مشرقت مسن  
اور عیسائی اقبال کی فکر کی وجوہوں کا بھی یہی جواب ہے اور  
وہابی کے بیان کے ساتھ کہتے ہیں۔ (145) کہ  
مبلی منزل یعنی عالم وہابی میں اقبال اس روحانی  
طرز فکر کا انتقال کرتے ہیں جو برہمنی یا وحدت  
اور جہلی تصورات سے قریبی تعلق رکھتا ہے اور اس  
ور کے شعور و حیرت مسلم معاشرے کو بہت پہلی  
کرتا تھا۔ لیکن یوں کہ مغرب کے مغربے ان کے دماغ اور  
فکر کو اپنی توانائی اور ان کے مزاج کو اپنی قوت بخشی ان  
میں ایک سیاسی دماغ پیدا ہوا۔ اب وہ انقلابی  
سکون و جہد اور اپنی ذات کے بجائے خدایت عمل  
اور افعال، ذات پر زور دیتے گئے۔ انھیں اپنے  
خیالات میں توبہ برکس اٹھتے اور ہر جگہ تحریر  
کے مطالعے سے حاصل ہوئی اور اس طرح وہ ان  
باغی کی حقیقت و ادراک سے کی قوت کو بنیادی اہمیت  
دیتے گئے۔

اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے  
کہ اگر اقبال نے مغربی علوم کے ایک حد تک اثرات  
ہیں۔ انھیں اپنے مذہبی فکر تک پہنچنے میں مطالعہ علوم  
مغرب نے معاونت کی اور ان کی صورت گری میں  
مدد دی۔ لہذا اقبال کے پاس مغربی علوم و فنون سے  
استفادے کے خواہد ذاتی مراد سے ملے ہیں  
مگر اقبال کا مغرب سے استفادہ جرم نہیں ہے اصل  
میں انھیں اصول میں وہ مشرقی بلکہ صحیح معنوں میں  
اسلامی فکر یا بات کی روایت کی حق توجہ ہیں۔ تادم

از نہایت کی ترکیب و تشکیل اور توجہ میں مغربی علوم  
سے ان کے پاس استفادے کی دلی مسخرہ ہے  
چنانچہ یہاں کہتے ہیں

”میری عمر زیادہ تر مغربی فلسفے کے  
مطالعہ میں گزری ہے اور یہ نقطہ خیال  
ایک حد تک طریقت کا بنی بن گیا۔ دانش  
یا دانش میں اس نقطہ نگاہ سے کھانسی  
اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں۔“ (146)

سے از عباد مغرب چشم  
بہاں میں کہ دور سر خروم  
نقصم ا گمبواں لرنگی  
اں بے سوز و دوز سے خروم (147)

یہاں اقبال نے اپنی فکر کی مہمان مغربی  
پر مدد کیا ہے کہ مطالعہ علوم اور مطالعہ اسلام میں وہ  
کس طرح مرید کیے ہوئے ہے۔ ان کی طرح دیگر  
طریقہ تصوف کس قدر مغربی ہے یہی خط کے مطالعہ  
سے عیاں ہے۔ لہذا یہ کہانہ کہ مغربی علوم و فنون سے  
اقبال حیرتوں اور بنی انھوں نے کچھ حاصل نہیں  
کیا ایک مخالف واقعہ اور مخالف لغت بات ہے  
اقبال کہتے ہیں

”میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے  
بہل کو سنا، عزا، تالپ، عبادت  
چل اور دروازہ جو سے بہت کچھ  
استفادہ کیا ہے۔ لیکن اور کچھ نے  
اشیاء کی باطنی حقیقت تک پہنچنے میں  
میری دشمنی کی یہاں اور غالب نے  
مجھے یہ سکھایا کہ مغربی شاعری کی افکار  
اپنے اندر سمو لینے کے باوجود اپنے  
جذبات اور افعال میں مشرقت کی دماغ  
کیسے زندہ رکھیں اور دروازہ جو نے

غالب علی کے زمانے میں مجھے  
اوریت سے پہچایا۔“ (148)

تادم کہ صدر اقباس میں جہاں یہ  
اعتراف کیا ہے کہ دروازہ جو نے اسے دہریت  
سے پہچانیا اور وہاں کھڑے ہوئے انھیں اشیا کی  
باطنی حقیقت تک پہنچنے میں مدد دی وہاں انھوں  
نے عزا، تالپ اور عبادت کیل کے حوالے سے  
یہ بھی کہا کہ مغربی شاعری کی افکار اپنے اندر سمو  
لینے کے باوجود اپنے جذبات اور افعال میں مشرقت  
کی دماغ کو زندہ رکھنے کا عمل اور دماغ انھیں ان  
سے ما۔ اقبال کی مدد اور طرز مہمان کو یہ  
اقباس سمجھتا ہے کہ اقبال نے مغربی شاعری اور فلسفے  
کی دماغ کی اپنے اندر اشیا کی حسیات اور  
حقیقت جاننے کے لیے مغربی فلسفے سے استفادہ  
کیا۔ مگر انھوں نے اس کے ساتھ ساتھ اپنے اندر  
مشرقت کو بھی مسلم فکری روایت کے ساتھ دیا  
سودہ کما وہاں کے کھانسی تک رسائی حاصل کی  
جو مشرقت یعنی قرآن اور اسلام کا مطلب ہے۔  
مغربی فکر سے ان کے پاس مریدیت اس حد سے  
نہیں تھی کہ وہ خود مغربی فکر کے اسلامی حقائق اور  
اخلاص تک رسائی حاصل کر چکے تھے بلکہ اس لیے  
کہ وہ مغربی تہذیب کا اسلامی تہذیب کی حق توجہ  
(abandonment) تصور کرتے تھے۔ اپنے ایک  
مقالے ”اسلام اور علوم جدیدہ“ میں وہ اس طرح  
اشارہ کرتے ہیں

”لیکن ان کا رستہ مغربی اور یہ سب  
سے جڑے فلسفہ مانے جاتے ہیں جن  
کے فلسفہ کی بنیاد تجرید و مشاہدہ ہے  
لیکن حاکم یہ ہے کہ یہاں کا مشق  
(اصول کا نام مغربی کی دنیا اصول میں



موجود ہے اور ان دونوں میں اس قدر  
تفاوت ہے کہ ایک انگریزی مورخ نے  
لکھا ہے کہ اگر کائنات غریبی کا نام ہوتا  
تو ہم ضرور اعتراف کرتے کہ کائنات  
سودا کا مرکب ہوا ہے۔ مگر ممکن خود  
ایک اسلامی روحانی کا تعلیم یافتہ تھا۔  
جان اسٹونٹن نے مطلق کی عقل  
اول پر جو اعتراض کیا ہے بعد وہی  
اعتراض امام غزالی پر ردی نے بھی  
کیا اور علی کے فلسفہ کے تمام غیامی  
اصول افق کو طغی بنا کی مشہور کتاب  
"فلسفہ میں موجود ہیں۔ غرض یہ تمام وہ  
اصول جن پر علم جدید کی بنیاد ہے"  
مسلمانوں کے عقل کا نتیجہ ہیں۔ بلکہ  
بھرا یہ عقلی ہے کہ نہ صرف علم جدید  
کے لکھ سے بلکہ انسان کی زندگی کا کوئی  
پہلو اور پیمانہ بنایا نہیں جس پر اسلام  
نے بے انتہاء روح پرور اثر ڈالا ہو۔"

(۱۵۱)

اگر اقبال پر اپنی تہذیب کو اسلامی تہذیب  
کی قریب تصور کرتے تھے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے  
کہ اقبال نے اسلامی تہذیب تک اٹکا کیوں نہ کیا  
اور مغربی علوم و فنون اور فلسفہ سے تصدیق کیوں کیا  
اپنی تہذیبی کمزوری کی بددلیلت کا اعلیٰ قرار دیتے تھے  
اور سمجھتے تھے کہ مغربی علوم و فنون کے حاصلات کو  
ایک معیار کے ساتھ قبول کرنے سے مسلمانوں سے  
ظہری ہوئی اسلامی تہذیب میں حرکت پیدا ہو سکتا  
ہے۔ یہ حکمت مغربی حکمت اسلام سے غیر نہیں۔  
اس لیے اس کو قبول کرنا اس گمپ یا لٹاکار کا کارسکنا  
ہے جو مسلم تہذیب کے حروج اور اس کے موجود

زوال کے درمیان پیدا ہوا کیا ہے۔ دوسرے اس کے  
خالصین چونکہ مغرب کی علمی زبان کو سمجھنے والے تھے  
لہذا ضرورت اس امر کی تھی کہ خود اس کی زبان میں  
بات کی جائے۔ قیصر نے اقبال سمجھتے تھے کہ اگر  
اسلامی تہذیب بھی ارتقا کوئی دینی تو وہ لازمی طور پر  
علوم و فنون اور فلسفہ نامی میں بھی بنائی جائے گی۔ جو  
مغرب نے کیے۔ پھر مختلف علوم و فنون کے بہت  
سے حاصلات نے قرآن کے تصورات کی تصدیق و  
تائید کی اور ہیں جب جدید نظریات نے اسلام کی  
صدائیت پر مدد کیا تو اقبال نے دنیا کے حوالے  
سے نہ کہ کتابی اس کا اصل منبع کہاں ہے۔

حال ہی میں اقبال اکادمی پاکستان نے  
ڈاکٹر محمد مصطفیٰ کی فیک کتب شائع کی ہے جس  
کا نام ہے "Iqbal and his  
Contemporary Western  
Religious Thought" جس میں انہوں  
نے جو سوسوی صدی کے ان فلاسفہ کو اس کے مکاتب  
فکر کا مطالعہ پیش کیا ہے جس کے اثرات کا مورخ  
اقبال کے فلسفہ میں ملتا ہے۔ (ڈاکٹر مصطفیٰ کے  
مطابق اس کتاب سے بہت سے تہذیب کو شے نمایاں  
ہوں گے اور اقبال کی فکر کا تمام مادی فکر میں جھینس  
کرنے میں مدد ملے گی۔ اس کتاب میں انہوں نے  
جدید مغربی فلسفہ سے اقبال کے فکری مطالعہ  
میں ایم ایس۔ راجہ (M. S. Raza) جیسے  
لوگوں کے اہم خیالات کی تردید کی ہے کہ اقبال کا  
تصور خدا و مخلوق کے تصور مطلق سے مستعار تھا اور  
ایسے لوگوں کے خیالات کو بے سنی اور حضنت کا قرار  
دیا ہے۔ (51) کیونکہ دنگل کا تصور مطلق اقبال کے  
فی الواقع خدا سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔ مطالعہ  
اقبال میں یہ کتاب نہ ہی نام ہے جس میں مغربی فکر

کے ساتھ اقبال کی فکری ہم آہنگی کو دکھایا جاساں ہے  
ایکھا گیا ہے۔ جن میں دنگل تصوریت پسندوں  
کاٹھنڈا، فطریات، سائنس، حقیقت پسندی  
(Realism) اور بعض دینی فلاسفہ کا فکری مطالعہ  
موجود ہے۔

میں مغربی فلسفہ میں سے چار نمونہ  
فلاسفہ کا ذکر کرنا کافی ہے کہ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے  
کہ ان کے اقبال پر زیادہ اثرات مرتب ہوئے  
ہیں۔ ان میں شکسٹ، برکسٹ، گوسٹ اور فوٹوئی بھرے  
فلسفہ فکری ہیں۔ گوہر عقلی اپنے مرتبے اور مقام کے  
حوالے سے آگے الگ مطالعہ کا کارخانہ کرتا ہے  
کہ چرکھٹ، سائنس، کیمی کی حد تک قابل توجہ ہیں  
کیونکہ سائنس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی  
ذاتی ان کا مینڈی کی طرز پر اقبال نے ہادی جبر کھلا  
ذاتی ان کا مینڈی اقبال کے فلسفہ فکری ضرور دینی تھیں  
خود ایمان کا مینڈی بھی انہیں میں لکھے جاتے  
ہوئے سوانح نامہ کی طرز پر لکھی گئی۔ سائنس سے  
بہت کہ بھی اسلامی ادب میں حدود سوانح نامے  
موجود تھے پھر حضور کا سوانح خود اقبال کے لیے  
ایک ایسا ذکر کرنے والی چیز زیادہ تھی۔ سائنس سے  
اقبال نے نہ تو اسلوب لیا اور نہ ہی عقلی سفر کے  
احول نامہ اگر اقبال اپنے ذاتی سفر کی داستان رقم  
کرتے وقت سائنس کو نظر انداز کرتے تو ایک کی۔  
جاتی۔ اقبال کا یہ خیال ہے کہ مشرق کے ساتھ ساتھ  
مغرب کے ادب پر بھی چونکہ نظر رکھتے تھے لہذا  
انہوں نے سائنس کی ذاتی ان کا مینڈی کو نظر انداز  
نہیں کیا بلکہ اس کے بعض ادبی اسلوب کی تحسین  
کی۔ اس طرح اقبال نے جو فوٹوئی کاٹھنڈا کے فکری  
حاصلات کا مذہب کے اہمیت کے لیے استعمال  
کیا کیونکہ کاٹھنڈا سے تہذیب حاصل مصل میں حاصل انسانی



کی حد، چھین کر اس کا حصہ سے جدا ہوا اور  
 قورہ کی جی بیٹھ کی جی اور مذہب اور عقل نفس کی  
 طرف سے آزاد کیا تھا۔ اسکی عقل جو جہنمی کجایہ  
 انبیاء کا اہانت تو کرتی ہے مگر حقیقت کو اس کے کل  
 میں دیکھتے ہے جہر ہے۔ اقبال انصارویں صدی  
 کے جہنمی کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے  
 ہیں کہ اس دور میں جہنمی میں اسکی عقلیت کو مذہب کا  
 چونکہ حریف تصور کیا جاتا تھا لہٰذا پھر قورہ نے ہی  
 دلوں میں جب یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ عقل کا  
 اہانت از روئے عقل ناممکن ہے تو اہل جہنمی کے  
 لیے بکا کھنکھائی چارہ کار نہ رہا کہ عقل کے جسے کو  
 مذہب سے جانچ کر دیں مگر عقل کے ترک سے  
 اخلاقی نفاذ دیتے ہوئے ہی کارنگ اختیار کیا اور اس  
 طرح عقلیت ہی کے زوال پر پہنچی کا دور دورہ  
 سامنے آیا۔ یہ حالت جی مذہبی فوجی مذہبی جب کائنات  
 کا تصور جہنمی میں ہوا اور پھر جب اس پچھلے عقل نفس  
 سے عقل انسانی کی حدود واضح ہو گئیں تو جاہلین  
 عقلیت کا دور ماضی پر افراط ہوا۔ جو انہوں نے  
 مذہب کے حق میں چار کر رکھا تھا ایک لمحہ باطل ہو  
 کر رہ گیا۔ لہٰذا ایک کچا کچا کائنات کی ابتداء  
 سب سے بڑا مسئلہ ہے جو خدا نے جہنمی کو اجیت  
 کیا۔ اقبال کائنات کے خلک کا فرائض کے خلک سے  
 مواءن کرتے ہیں اور عقل اور مذہب کے بدل میں  
 ان سے سداوت ہے۔ اقبال کے فکر میں فرائض اور  
 کائنات کے عقل کی ایست اور قدیمیت کے  
 ماسادات کا سرسبز سورج ہے۔

جہاں تک بیٹھے کا تعلق ہے اس کے  
 بارے میں یہ کہنا کہ اس کے مراد جہانگ سے اقبال  
 کے مراد میں کوئی علاقہ ہے تو یہ اقبال اور بیٹھے  
 دونوں سے مراد آج کی جہنمی کا تعلق ہے۔ کیونکہ

جب اقبال بیٹھے کو خود مذہب فرما دیتے ہیں اور  
 مقام کبریا سے اس کے آگاہ نہ ہونے کی بات  
 کرتے ہیں تو وہ بیٹھے کی روحانی بصیرت کی یاد دہانی کو  
 آشکار کرتے ہیں۔ بلکہ اقبال جب یہ کہتے ہیں کہ  
 کائنات بیٹھے حضرت محمد کے عہد میں ہوئی ان سے  
 اسے تعلق ہوتا تو وہ سرورِ مہدی کی حقیقت سے غلام  
 کام ہوتا۔ بیٹھے سے بیانات میں جہنمی کو قورہ اور ہم  
 آجنگی اقبال کے اس سے اثرات کی فہامی نہیں  
 کرتی۔ ڈاکٹر نگلین کے نام خط میں ڈاکٹر اقبال  
 نے خود اس صورت حال کو مختلف کر لیا

"اور انسان کمال کے متعلق میرے تخیل  
 کو گنج محل پر نہیں کھڑا کیا۔ جی جی ہے  
 کہ اس لیے خلا بحث کے کے میرے  
 انسان کمال اور جہنمی منظر کے فوق  
 انسان کو ایک ہی چیز فرض کر لیا ہے۔  
 میں نے آج سے تقریباً 20 سال قبل  
 انسان کمال کے خصوصیتِ عقیدے سے یہ قلم  
 اٹھایا تھا اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ تو  
 بیٹھے کے عقائد کا غلط میرے کانوں  
 تک پہنچا تھا اور نہ اس کی کتابیں میری  
 نظر سے گزری تھیں۔ بیٹھے بھائے شخص  
 کا منظر ہے جو شخص حصولِ ہجرت کے آواز  
 ملے ہیں وہاں سے کچھ یہ کیا قائم ہمیشہ  
 زمانے کی پشت کا جو رہنے رہتا جا رہے  
 ہو۔ اس کے قلم سے یہ عقائد اس لیے  
 نکلے ہیں کہ زمانے کے حلقوں اس کا  
 تصور تھا۔ خدا اس نے کبھی مسئلہ زمان  
 کے اعتبار سے بیان کئے کی کو شش نہیں کی۔  
 مخلوق اس کے میرے نزدیک وہ  
 انسان کی بلکہ قرین آواز ایک لہٰذا

محتاج نہیں بلکہ یہ جس کے حصول پر  
 انسان اپنی تمام قوتیں مرکوز کر رہا ہے۔  
 جی جی ہے کہ میں عقل کی تمام صورت  
 افکار خلک کو جہنمی میں تصور ہر پکار میں  
 مثال ہے ضروری سمجھتا ہوں اور  
 میرے نزدیک ان سے انسان کو زیادہ  
 احتیاط و احتیاط حاصل ہوتا ہے  
 چنانچہ اسی خیال کے تحتی نظر میں نے  
 سکون و جہر اور اس نوع کے تصوف کو  
 جس کا دامن عقل قیاس آ رہا ہے تک  
 محدود ہو کر رو قورہ لیا ہے۔ میں تصور  
 کو سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاقی  
 حیثیت سے ضروری سمجھتا ہوں حالانکہ  
 اس باب میں بیٹھے کے بیانات کا مدار  
 غالباً سیاست ہے۔" (152)

غالباً اقبال کے اپنے اس تجزیہ کے بعد  
 یہ کہنا بھی ہو گا کہ اقبال نے مردوسوں کا تصور بیٹھے  
 سے لیا ہے اس لیے کہ فرائض انسانی کی قوت  
 کا نام ہے جب کہ مردوسوں کی سے مراد ہوتا  
 ہے ست انسان جن کی اجتماعِ ہدیت ہے۔ اقبال کی  
 فکر میں اخلاقی دنیا میں مردوسوں کا تصور حضور کی  
 ذات ہے جو الٰہی سے صحیح اخلاقی رشتہ کی  
 رانگ اور انتساب ہوتا ہے اور جو اپنے عقل سے ہی  
 اقدارِ ماضیہ تصور کرتی ہے جب کہ بیٹھے کا فرائض  
 کلی تعمیر میں نظر تھا جو اقدارِ ماضیہ کا نہیں ہے  
 اور اس کے لیے سب بھکر کر گزرتے ہیں جہاں ہے۔  
 اقبال کا مراد کائنات انسانی کے لیے رشتہ ہے جو  
 جب کہ بیٹھے کا فرائض انسانی کا تصور ہے جو  
 ہر ہی دنیا کو اپنے پیمانہ پر کچھ اس کا مدائن فراہم کرتی  
 ہے۔ مہاراشی علاقہ میں مرجم نے اپنی کتاب "جہاں



اقبالؔ میں اقبال اور بیٹھے کی تحریروں کے تھپٹل سے دونوں کے ذاتی بعد کو بڑی عمدگی سے واضح کیا ہے۔ (531)

ڈاکٹر ایمن بھری شمل نے اپنے جرمین ہونے کے بارے سے اقبال اور گوگے کے بڑی مہارت سے فکری لحاظ سے ملانے کیے۔ انہوں نے اپنی کتاب ”گجرل رنگ“ جس کا اردو میں ڈاکٹر دہلوی نے ”تھوڑھ چلن“ کے نام سے ترجمہ کیا ہے (544) میں اقبال اور گوگے کا فکری مطالعہ کیا ہے۔

وگوگے کے تصور خدا کو ”خدا سے سرد و سرگراہ کرنا“ سنی اور ایسی عمل میں ہے۔ ”کہ اقبال کے تصور خدا سے ہم ایک کرتی ہے دوسرے گوگے اور خدا نے حیات کے لیے اٹھیں اور شر کے رجحان کو غور کی داتا ہے۔ چنانچہ اقبال بھی شر اور اٹھیں کی نگاہ سے ہر مہاد گوگے ہیں۔ بلاشبہ اقبال نے گوگے کی ایک ایسی شاعرانہ علم شرق کے طالب علم کی حیثیت سے تحقیق کی ہے مگر یہ لکھا ہے کہ غور گوگے کی جب آرزوئی اور فکری غایات کا مرکز اور مشرقیات میں ہے تو پھر گوگے کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک تعلیم کار کی رہ جاتی ہے۔ پھر اقبال کو اس کی ہی اصل مشرق کی طرف لے جاتے ہیں تو پھر اقبال کو گوگے کی بجائے اپنی فکریات اور آرزوئی کو مشرق سے وابستہ نہیں بلکہ خود کیا ہے۔

اقبال تو گوگے کی توصیف ہی اس لیے کرتے ہیں کہ وہ مشرقیات کا خدا ہے۔ گوگے کی مغرب سے ماری اور مشرق کی طرف رہنا اقبال کے لیے اہم بات رہی ہے۔ خود گوگے کے اپنے دماغی مغرب کو ملالوں کی ادبیات کی تاریخ میں ”فکر یک مشرقی“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اقبال کے الفاظ میں

”غریب حافظ کے ہمارے گوگے اپنے تجلیات میں شیخ حجاز سعدیؒ فردوسی اور عام اسلامی کٹرچ کا بھی نمونہ اسیاں ہے (551)۔“

اقبال کے الفاظ میں جب گوگے نے جرمین ادبیات میں انجی مدعا پیدا کرنے کی کوشش کی تو ظاہر ہے کہ گوگے کی فکریات کے سراغ سے بھی اقبال کا واسطہ ہے۔ فکری اسباب میں جرمین خاص طور پر اقبال میں تو اردو کی حد تک شمل کی بات درست ہے۔ اقبال کے فکری سطحوں سے گوگے کا کوئی حلقہ نہیں۔ گوگے کی ادبیات کی تحقیق سے ڈاکٹر شمل گوگے کی فکر کے ساتھ اقبال ہونے کی سند نہیں دے سکتے۔

اقبال کے فکری امتداد میں برگساں کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ جیٹھ برگساں کے عجیب علمی فکر اقبال کی تصنیف میں گہرے اثرات رکھتے ہیں۔ برگساں نے بیسویں صدی میں زندگی کی دینی تعبیر اٹھیں پر ضرورت سے زیادہ زور اور جہد و جد کی حمایت کو رد کر کے اقبال کو تھوڑھ دی۔ کیونکہ برگساں فکری طور پر فکری اور فکریی نقطہ اقبال پر اثر احمد ادرہ جرمین

”اقبال کو برگساں کی جس بات نے فریخت کیا وہ یہ تھی کہ برگساں انسانی شعور کی زیادہ گہری سطحوں کا پتہ زور دے گا تھا۔ دوسرے سطحوں میں جان کیا جاسکتا ہے کہ وہ حیات انسانی کے روحانی پہلو اور وہاں کے اس کام کا پتہ اقبال تھا جو فکری فکر ہے کہ اس میں جدوجہد میں لانا ہے“ (561)۔

”برگساں نے فوس جی آئی کی دنیا میں

پارہا کے اس فخر پہ کی وضاحت کی جس کے بارے میں مغرب کو امید تھی کہ یہ مذہب کے طاقت میں آخری کیل تھی (571)۔“

برگساں سے ملاقات کے دوران جب اقبال نے ”رمانے کو براہمت کو کیونکہ رمانہ تو وہی“ ذاتی حدیث سے متعلق تو وہ حجت زور دے گیا (581)۔ برگساں نے سائنس اور مادیت کے خلاف جو سرچہ قائم کیا اس میں اقبال کے دلچسپ فکر کے لیے بڑی بڑی اثراتی تھی۔ یہ فکری بحث جانور آزاد نے اقبال اور برگساں کے ذاتی قرب و بعد میں بڑی عمدگی کے ساتھ ان فکریات کا سراغ دیا ہے۔ پھر اقبال اور برگساں میں مشترک فکری اسیادوں دونوں کے ذاتی قائلے بھی جہاں کیے ہیں۔ مادیت پرستی سے قائل زندگی کی دنیا کی حقیقت میں تھوڑھ اور زبان کے ہم اثرات سے اقبال برگساں سے قریب ہونے کیونکہ برگساں سے ان کا قریب تھا اور برگساں سے ان کا علمی بعد اقبال کے الفاظ میں یہ تھا کہ

”برگساں کے نزدیک شعوری تجربہ حقیقت شعوری کی حقیقت رکھتے ہیں۔ شعوری جو حال کے ساتھ ساتھ بل کر انہماں پھر حالی ہی میں مل جاتا ہے۔ وہ اس بات کا فکری امتداد کرتا ہے کہ شعوری وحدت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ مستقل کرداروں رکھتا ہے۔ زندگی خیالی کے لیے حقیقت میں آنے کا نام ہے اور بغیر کسی معاشرہ کے خیال کا کلی وحدت میں آنا خود ہی شعوری ہو یا غیر شعوری ناقابل توضیح ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے ہر ایک اور احساس







40۔ جلد ۱، صفحہ ۱۲۱، اقبال، برائے شاہ محمد اقبال، ص ۱۰

38۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، تصنیف و تفسیر، ص ۱۲۱

11۔ اقبال، بارے، ص ۱۴

39۔ اقبال، ص ۱۶۱

12۔ ایضاً۔

29۔ اقبال، کلیات، اقبال، ص 741

13۔ جلد ۱، صفحہ ۱۰۰، اقبال، نگارشات، لاہور، ص 38

30۔ محمد رفیع الدینی، کلیات، ص 87

14۔ اقبال، ص ۱۰۰، اقبال، نگارشات، لاہور، ص 38

31۔ اقبال، ص 741

15۔ اقبال، کلیات، اقبال، ص 348

49۔ اقبال، ص 105

50۔ اقبال، ص 293

51۔ اقبال، ص 293

52۔ اقبال، ص 293

53۔ اقبال، ص 293

54۔ اقبال، ص 293

55۔ اقبال، ص 293

56۔ اقبال، ص 293

57۔ اقبال، ص 293

58۔ اقبال، ص 293

59۔ اقبال، ص 293

60۔ اقبال، ص 293

61۔ اقبال، ص 293

62۔ اقبال، ص 293

63۔ اقبال، ص 293

64۔ اقبال، ص 293

65۔ اقبال، ص 293

66۔ اقبال، ص 293

67۔ اقبال، ص 293

68۔ اقبال، ص 293

69۔ اقبال، ص 293

70۔ اقبال، ص 293

71۔ اقبال، ص 293

72۔ اقبال، ص 293

73۔ اقبال، ص 293

74۔ اقبال، ص 293

75۔ اقبال، ص 293

76۔ اقبال، ص 293

77۔ اقبال، ص 293

78۔ اقبال، ص 293

79۔ اقبال، ص 293

80۔ اقبال، ص 293

81۔ اقبال، ص 293

82۔ اقبال، ص 293

83۔ اقبال، ص 293

84۔ اقبال، ص 293

85۔ اقبال، ص 293

86۔ اقبال، ص 293

87۔ اقبال، ص 293

88۔ اقبال، ص 293

32۔ ایضاً، ص 74

33۔ ایضاً، ص 74

34۔ ایضاً، ص 74

35۔ ایضاً، ص 74

36۔ ایضاً، ص 74

37۔ ایضاً، ص 74

38۔ ایضاً، ص 74

39۔ ایضاً، ص 74

40۔ ایضاً، ص 74

41۔ ایضاً، ص 74

42۔ ایضاً، ص 74

43۔ ایضاً، ص 74

44۔ ایضاً، ص 74

45۔ ایضاً، ص 74

46۔ ایضاً، ص 74

47۔ ایضاً، ص 74

48۔ ایضاً، ص 74

49۔ ایضاً، ص 74

50۔ ایضاً، ص 74

51۔ ایضاً، ص 74

52۔ ایضاً، ص 74

53۔ ایضاً، ص 74

54۔ ایضاً، ص 74

55۔ ایضاً، ص 74

56۔ ایضاً، ص 74

57۔ ایضاً، ص 74

58۔ ایضاً، ص 74

59۔ ایضاً، ص 74

60۔ ایضاً، ص 74

61۔ ایضاً، ص 74

62۔ ایضاً، ص 74

63۔ ایضاً، ص 74

64۔ ایضاً، ص 74

65۔ ایضاً، ص 74

66۔ ایضاً، ص 74

67۔ ایضاً، ص 74

68۔ ایضاً، ص 74

69۔ ایضاً، ص 74

70۔ ایضاً، ص 74

17۔ اقبال، ص 74

18۔ اقبال، ص 74

19۔ اقبال، ص 74

20۔ اقبال، ص 74

21۔ اقبال، ص 74

22۔ اقبال، ص 74

23۔ اقبال، ص 74

24۔ اقبال، ص 74

25۔ اقبال، ص 74

26۔ اقبال، ص 74

27۔ اقبال، ص 74

28۔ اقبال، ص 74

29۔ اقبال، ص 74

30۔ اقبال، ص 74

31۔ اقبال، ص 74

32۔ اقبال، ص 74

33۔ اقبال، ص 74

34۔ اقبال، ص 74

35۔ اقبال، ص 74

36۔ اقبال، ص 74

37۔ اقبال، ص 74

38۔ اقبال، ص 74

39۔ اقبال، ص 74

40۔ اقبال، ص 74

41۔ اقبال، ص 74

42۔ اقبال، ص 74

43۔ اقبال، ص 74

44۔ اقبال، ص 74

45۔ اقبال، ص 74

46۔ اقبال، ص 74

47۔ اقبال، ص 74

48۔ اقبال، ص 74

49۔ اقبال، ص 74

50۔ اقبال، ص 74

51۔ اقبال، ص 74

52۔ اقبال، ص 74



## اقبال اور نیٹشے

فرید گوہر

جب انہیں دل سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ خدا کے  
روح کو سمجھتا ہے۔ انہیں (Spirits) کے پاس  
استقبال نہیں ہے۔

علامہ اقبال "امرو غریب" کے انگریزی  
ترجمے کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ اس کے  
خواب ایک زندگی کی پہلی منزل کا نشان غنیمت ہے جو  
اس کے خیال میں رہ رہا ہوتا ہے۔ دینی طاقت کا حامل  
ہے۔ دوسری منزل کا نشان شرم ہے جو ہم سے عاری  
ہو کر مردان کو کہاں سے ملتا ہے۔ وہ نیٹشے کی  
گاد میں لگی نہیں رہتی ہے۔ تیسری منزل کا نشان ہے  
ہے یعنی "نونی ایلٹر" تھی اور پتی کی حوالے سے  
پتے کی طرح پانا تراور کی قانون کا پانڈا نہیں رہتا۔  
یہ ناخوشی ملامت پر مبنی ہے جو انسانی گروہ کی  
انگل میں تھوہل کر رہتی ہے۔ اور پھر نیٹشے کے خیال  
میں انسانی گروہ تصور محض ہے۔ یہ کائنات اور  
اس کی برتے ہوئے ہر شے کے ساتھ ہے۔ یہ کائنات اور  
اسی حالت میں ہر شے کے ساتھ ہے۔ یہ کائنات اور  
محض بار بار ہوتا ہے۔

وہ اس کائنات میں کسی روحانی مقصد سے  
تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ ساتھ جسے کسی  
اخلاقی اصول کی کاربندی نہیں ہے۔ نہ ہی انسانی  
محبت جیسے اخلاقی تصورات ہے۔ محض جبر کا  
محض انہیں انسانی کی کاربندی کا نتیجہ ہے۔  
ان کی اصول اس بار بار ہوتا ہے۔ یہ ہی محض

lover man) انسان ہوتا ہے۔ انہیں  
نے اسی حوالے سے "نیٹشے" کہا ہے۔ اور  
اسے "محض انسان" کہا ہے۔ اور انہیں  
"لال" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے جبکہ علامہ  
اقبال اسے "مرد سوئی" سے تعبیر کرتے ہیں۔  
اقبال کے اصل ہاتھ پر "تصور مرد سوئی" کو  
مغربی فلسفوں کے انکار کا مرد سوئی سے قراد ہے  
ہے۔

"مرد سوئی" ہی۔ یہ ان کا تھی ہے۔  
اقبال کے تمام فلسفے کی اساس نیٹشے کا فلسفہ  
ہے اور ان کا انسان کا لکھنے کی کوئی فنی ایلٹر کا  
تھی ہے۔ (11)

علامہ اقبال نے "نونی ایلٹر"  
کا تصور ملامت پر مبنی ہے۔ انہیں کے پاس  
lover man) "انسان ہوتا" کا تصور ہے جس  
محض ہے کہ نیٹشے نے یہ تصور اس سے لیا ہے۔ وہ  
ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے یہ تصور اس طرح  
اختہ کر رہا ہے کہ اسے ملامت کے رنگ میں لکھ کر دیا  
ہو کہ نیٹشے نے ملامت کا حامی ہے۔ اس کا تعلق  
ایلٹر" اخلاقی پسند جان کی قید ہے۔ یہ ہے۔ اس  
کے نزدیک وہ تمام کائنات میں نہیں ہے۔ حال میں  
بلکہ قوت کی طرف سے ہے کہ یہ وہ تصور ملامت  
ہو۔ وہ "مرد سوئی" کا تصور اور اس کے بعد  
اور انسانی تصور کے انسانی کردار کی طرف مائل کرتا

اقبال کے لکھنے میں جو کوئی راحت ہے۔  
ہر کوئی کے ساتھ نیٹشے کے لیے انسانی تصور کی روشنی  
چاہے۔ انسانیت اور انسان ہوتی ہے تصور ان کے  
تمام تصور و خیالات کے گروہ ہے۔ وہ نیٹشے  
طور پر ایک فلسفی تھے انسانی کا ذریعہ ایلٹر کا  
مرد سوئی ہے۔ فلسفی انسانی نے اس طرح بھلا کر  
پتے ایک ذرا اس میں اس کی مثال نہیں لکھی تھی۔

"مرد سوئی" اس میں نے ایک دفعہ کہا  
تھا۔ اور اس میں انسانی تصور و خیالات اس طرح  
محض ہے جس کی اس کی مثال کی اور جو ہے  
میں کوئی نہیں دیتی۔ (11)

اقبال نے مشرق و مغرب کے فلسفیوں سے  
استعارہ کیا مگر کسی ایک فلسفی کے ساتھ نہیں رہے  
بلکہ انہوں نے ان فلسفیوں سے دریافت کی ہے جس  
ہو اس کے انسانی ہوتی کے نظریات کو تقویت  
دیتا ہے ہے۔

یہ بات ہے کہ انسانی زندگی ماحول اور  
فطرت و ماحول کے خلاف لانے کے ساتھ ساتھ  
لانے و ماحول حاصل کرتا چاہتی ہے۔ اس دور  
تخلیق کے نتیجے میں انسان اور ماحول کے ساتھ  
ہوتا ہے۔ جیسے کہ طور پر ایک انسان پیدا ہوتا  
ہے۔ یہی انسانی مختلف فلسفیوں کا موضوع تھی۔ یہ  
ہے اور جس فلسفہ نیٹشے کی اصطلاح میں "نونی  
ایلٹر" (Supper man) ہے۔ انہیں اس سے



100

یہاں پہلے سے ٹھکراتے کاروں، مارکس سے  
 ملتے ہیں۔ درحقیقہ اپنی تعمیر کا تصور دیکھنے سے پہلے  
 کہا تھا کہ کاروں کا یہاں کے زیر اثر انقلابی فکر  
 حوزہ فلاح کے ہاتھ میں غفلت ہو کر رہ گیا۔ اس لیے  
 حوزہ دین کا فرض ہے کہ وہ سرمایہ داروں کے ہاتھ  
 سے جڑا جھگڑ لیں اور دیا میں ایک بے معاشرتی  
 نظام کی بنیاد رکھیں۔ کاروں، مارکس کی اشتراکیت کا  
 لب لباب یہی تھا کہ پہلے کا خیال ہے کہ چارنگی  
 عمال کے ذریعہ فرانسیسی رزق افروز کی فوج سے محروم  
 ہو کر رہ گیا ہے۔ اپنا حق واپس لینے کے لیے انسان کا  
 فرض ہے کہ وہ رزق افروز انسانوں کی جماعتوں سے خدمت  
 کرتے ہوئے اپنے کو اپنا مقام حاصل کر سکے  
 علامہ اقبال نے ”حکام شرقی“ بحکم مباحثہ  
 گوئی کے ”سطری“ دہائی کے ”جواب میں لکھی۔  
 اس کے بعد چاہے میں اقبال خود اس رنگ میں شاعر کا  
 اظہار خیال نہ کرتے ہیں۔

”الہ دہان سے آپ سرکاری شہادت لیتی ہے کہ مغرب اپنی کڑواہٹ اور ادا کرتے ہے اور اگر شہرت کے لئے ہے اور اس کا حقیقی ہے۔“ (3)

موسے شروع سے ہی مشرکی تھیلت کی طرف مائل تھا۔ وہ دقاری کو نہیں جانتا تھا تھتہ جس میں کہے گئے تراجہ سے اس نے سہلی اور حادقہ کو پناہ دانی کے قصوراء کو تھیلت سے کو گئی جذب کیا۔  
ہوئے "مشرکی و پواس" تھیلتی حادقہ۔

اقبال گئے ہیں۔  
 ”غلوہم جافا کے علاوہ کوئی اپنے خلیفہ  
 میں شیخ طراز سعدی افروزی اور امام اسلامی عراقی کا  
 بھی تصور سامانی ہے۔“ (4)

مغربی ریاضی کے ترقی پسندوں کے لیے "اسلام شرقی" کی تصویق اور اسلام قبول کے کہنے کے مطابق "اس کام کا زیادہ تر ان اخلاقی مذاہب اور ملی حاکم کو پیش نظر ہے، جسے کائنات پر مبنی اور تمام کی مبنی پر مبنی ہے۔" (۱۵)

”جام مشرقی“ میں جہاں دوسرے مغربی  
 فلسفیوں کے بارے میں ائمہ خیالی کیا گیا ہے  
 جہاں ہٹلے کے بارے میں بھی تجھیں لکھیں گے ج  
 واضح طور پر اقبال اور ہٹلے کے نظریات کے فرق کو  
 ظاہر کرتی ہیں۔ پہلی قسم ”ظہر بن پادشہا“ کے  
 عنوان سے ہے۔

مرنے و آشپاہ میر جان پند  
خداے زشاما گل چ تو باز شعلہ  
برگشت طربت جان روزگار  
از درد غمش و دم دلم و گیسو مجید  
دائے ز خون بکبجے لاله زار  
عقد عظم فخری فریب بیار دین  
کلمت اصدی سرا کہ طاق لاله کج  
سج کہا کہ چہا در و شامہان فنی  
بایہ تا بوسل آں نوا طراز  
لوں کلمت نور و درد و شمشیر فرد کبک

سوز فطانی اور چہ دلی + چہ سے گرفت  
انکس طویل کار زاعمام اور کشید  
انکس کمر سو طویل زہیب لپس ہزار  
گل از شکاف چہ ز دناپ آفریہ  
دلی زود ساز اگر شہت تن شوی  
نور چہ خار شو کہ سراپا چمن شوی (6)  
شروع شد میں پیشے شوی ہار کا مقلد تھوڑ  
شوی ہار خوبیت مقلد کا طہر ہار تھا کہ ہر طرف کہ  
صیحت اور دلویا دلچ کا نور دور ہے۔ انسان

اس پتھر سے نہایت حاصل نہیں کر سکتا۔ فنی طور پر اسے سولائی یا دیگر نمونہ لپٹنے کے ذریعے، جگہ سکون بھرا آ سکتا ہے لیکن ان انگوٹوں سے نہایت صرف صحت ہے لیکن مٹنے کے خیال میں زندگی بچی اس پتھر شایف کے، اور اس قابل ہے کہ اس سے پورا پورا استفادہ کیا جائے۔

لحم میں دیکھ چکے وہ راستے سے انحراف سے  
 کاٹنا چاہ رہا تھا۔ اس پر اس نے دایہ کرنا شروع کر  
 دیا۔ اس کے پاس جو دوا بیٹھا تھا اس نے چٹکی  
 سے دوا کا کمال دیا اور اس کی تکلیف کی طرف زور کر  
 دی۔ دوا میں چمکے سے کی طرح انسان بھی غلب  
 دکھیں اور غلوں میں ساری زندگی گرا رہا ہے مگر  
 جس نے وہ دوا چلی ہے اس نے اس کا وہاں بھی بیٹھا  
 کیا ہے۔ اس لیے انسان کو اس دوا کے چمکے میں  
 "خیر بخار" ہونا چاہیے۔

تیسری نظم "ایکھا" کے نام ہے۔  
 اس کی حاصر اشعار اہل قیاد  
 قر عظیم کی حکم از آفریاد  
 اگھہ در (ریک) صد آشوب (از)  
 دچاد (از) مر چشاد گردید! (از)  
 تیسری نظم "ایکھا" کے نام ہے۔

مرزا غلامی زنجی قورچ  
دے کھن فرج عدرست  
بشتر اند دل طرب قورا  
دختر از خون پیلہا ابر است  
آکر ب فرج بت خانہ ساخت  
قلب و سوزی دافش کا طرست  
خون دل باور بار آن نمود سوز  
زانکہ بدنام طلیح از آذر دست (۱۵۰)  
اس نظم کے فطرت و شہساز ہے۔



”بھلا“ نے بھی فلسفہ اخلاق پر زبردست حملہ کیا ہے۔ اس کا دماغ اس لیے کاٹ رہا ہے کہ وہ خدا کا منکر ہے۔ کچھ فلسفہ اخلاق کی لڑائی میں اس کے افکار مذہب اسلام کے بہت قریب ہیں۔ قلب اوسوں دانش کاغرامتہ کی کچھ جھلکتے ہیں اس قسم کا جہل اسے لکھنے والے صاحب (عرب شاعر) کی نسبت لڑا دیا گیا تھا۔ (۱۹)

دانش اشیاء کا دوسرا کرنے کے طور پر جتے ہیں۔ ایک طریقہ وہ ہے جو اس سرے کے مطابق ہے جتنی دتا ہے۔ اس طریقہ سے کسانے کا حقیقت کا دھوکا دیا جو اس سرے کے بارے ہوتا ہے۔ علم متعلق کا طریقہ یہی ہے۔ عام علوم و فنی اس طریقہ کا دھوکا استعمال کرتے ہوئے حاصل کیے جاتے ہیں۔ ”عام جتنے کو“ ”فہم“۔ ”مطلق“ یا ”مطلق“ کہتے ہیں۔

اس سے جتنے ہیں۔ ان کی سچائی کرنے کا ایک اور بھی طریقہ ہے۔ اس میں حواسِ فہم کا دھوکا دینا نہیں چاہیے۔ بلکہ حواسِ فہم کا دھوکا دینا ہے۔ اس دنیا کے حقائق کو جاننے کے لیے مطابق سے نہیں دیکھنا۔ بلکہ یہ کہنا ہے۔ اسے ”التم“۔ ”مطلق“۔ ”فہم“۔ ”دلی“ اور ”فہم“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی کو ”طریقہ فکر“ یا ”سیرت“ بھی کہتے ہیں۔

اقبال کے نظریات کی اساس ان کا فلسفہ غوی ہے۔ اور فلسفہ غوی کا دماغ وہاں تصور فکر ہے۔ تصور فکر وہی ہے جس سے سب بنتا ہے۔ اور فکر ایک کارفرمیں جب اس پر فکر کیا جاتی ہے تو وہ رہنمائی اختیار کرتا ہے۔ مسلمان میں یہ نشان پیدا ہوتی ہے تو فطرت اور فہم یعنی مادی دنیا میں بگاڑ برپا ہوتا ہے۔ زندگی کے متعلق کارفرما نگہ

دہانہ ہوتی ہے۔ اور مسلمان کا دماغ یہ فکر پیدا ہوتا ہے کہ وہ خدا سے کتنا دور ہے۔ صاحب فکر وہ فہم ہے جو خدا کو اپنے اندر جذب کر لے۔ جس کی زندگی سے قہر کا رنگ جہاں ہوتا ہے۔ جو ہر حال میں قہر کے قہر میں گم کر دیتا ہے۔ جس نے اپنی روح کو قہر کے قہر سے ہمہ جگ کر لیا۔ اور اقبال اقبال

غوی کا سر نہاں لا اہ لا اہ  
غوی ہے تجھ لہاں لا اہ لا اہ  
قہر ایک ضرب کاری ہے جو انسان کی ”میں“ کو توڑتی ہے۔ یہی کارفرما و سوس کی غوی میں امتیاز پیدا کرتی ہے۔ فکر کا فرما دیتا ہے اور فکر سوس دیکھا۔ اقبال نے کہا ہے۔

فکر قرآن! اشباب سست و سرور  
لے باب و مستی و رقص و سرور  
فکر کا فہم طوٹ دشت و صامت  
فکر سوس لڑو بحر و صامت  
زندگی آں داسکون غار و کہ  
زندگی آں راز و مرگ ہاشم  
اقبال کے مردوسوں اور پیشے کے پرہیز میں بھی واضح فرق ہے۔ اقبال کے مردوسوں میں ”فکر“ فکر سمجھ دھوکا دہی کسب حال اور فطرتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی صلاحیت پیدا فرماتی جاتی ہے۔

انسانی سیرت کی پالیدگی میں فتنہ کی بہت اہمیت ہے۔ اقبال لکھتے ہیں۔  
مرد خدا کا عمل فتنہ سے صاحب فرد  
فتنہ ہے اصل حیات موت ہے اس کا خام  
تھوڑے سیر ہے گرچہ زمانے کی وہ  
فتنہ طور اک عمل ہے نکل کو دھوکا لہتا ہے خام  
فتنہ کی تفریق میں عصر رواں کے سا

اور زمانے بھی ہیں جن کا جس کوئی نہ  
فتنہ دم جبرکت فتنہ دل مسخ  
فتنہ خدا کا رسول فتنہ خدا کا کام  
فتنہ کی مستی سے ہے نیک مکی جہانک  
فتنہ ہے سب سے ختم فتنہ ہے کاس انکرم  
فتنہ فتنہ حرم فتنہ اسیر ہنور  
فتنہ ہے ابن اسیرت اس کے فراروں مقام  
فتنہ کے معرکہ سے نور جہانیت  
فتنہ سے نور جہانیت فتنہ سے غلامیت (۱۰)  
انسانی عمل کا کوئی دائرہ محدود کرنا کوئی طاقت  
نہ فتنہ جبرکت فتنہ دہا ہے جو انسان کے قلب کو  
زندگی میں ہر خوشی طاعت سے کیونکہ دہا جاتا ہے کہ  
وہ جو کام کر رہا ہے فتنہ فتنہ کوئی کر رہا ہے اور یہی  
نشان فکر ہے۔ جہاں عمل اس میں مست ہر رات  
ہے۔ مادہ دلی اور مستقل حلالی سے کام کرتے  
ہوئے اور حال زندگی کے ساتھ کچھ فلسفہ اخلاق دہا کر  
معاشرے میں زندگی بھرکتا ہے تو ایک نیا جہاں  
خلق کرتا ہے۔

پیشے اپنی عمر کے آخری دور میں اپنی جگہ میں  
دہا ہو گیا تھا۔ اقبال کا خیال ہے کہ یہ دہا اپنی جذب  
و فتنہ کی فراوانی کا نتیجہ تھی۔ وہ اپنے مذہبی تجربات کا  
دست تجربہ ذکر کا دہا ہر قسمی سے اسے کوئی قابل  
احکام اور روحانی دہا نہیں سمجھتا۔ (۱۱)

اس کا مقصد یہ ہوا کہ انسان کو جذب و فتنہ کی  
مذال میں دہا دلی اور فہم کو حواسِ ان کے لیے  
قابل احکام اور دلی دہا کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ  
انسان کے جبکہ ہانے کا فہم و رہتہ رہتا ہے۔  
یہی بات اقبال کا ایک مرد کمال کی طرف سے کہتی  
ہے جس سے وہ فتنہ کرتا ہے۔ وہ میں حضرت محمدؐ  
خلق کائنات کی علت ”حقیقت محمدیہ“



- ہے۔ آپ جملہ افراد انسانی میں اشرف اور اکمل  
 ہیں۔ آپ ہی کے فیض اور برکت سے دوسروں کو یہ  
 شرف حاصل ہوا کہ وہ اشرف المخلوقات کہلائے۔
- ”انسان کامل“ حضرت محمد ﷺ حقیقت کا  
 مظہر ہیں۔ وہ کائنات کا ایک ایسا انظار ہیں جس کی  
 ذات میں خدا کی صفات کاملہ متکس ہوئی ہیں۔
- حقیقت محمدیہ کائنات کی حقیقی حقیقت ہے۔ نبی کریم  
 انسان جب تک اس سے متعلق کرے و پڑے گے  
 انسان کامل (Super man) بننے کی طرف  
 گامزن رہیں گے۔ کیونکہ انسان کامل حقیقی کائنات  
 کی طبع ہے۔
- روح بھی تو؟ قلم بھی تو؟ میرا وجود ان کتاب  
 گنبد آگیند رنگ حیرے عید میں حساب  
 عالم آب و خاک میں حیرے نمود سے فروغ  
 اور ایک کو دیا تو نے طبع آفتاب  
 حرکت نعر و سلم حیرے جمال کی نمود  
 نعر جید و پایزہ میرا جمال ہے کلاب  
 حیرتی نگاہ باز سے دلوں مراد پا گئے  
 عقل فیتہ تو تمرا عشق حضور و (مضطرب) (12)
- خوالہ جات
- 1۔ اقبال بحیثیت مفکر لایہ میدان ہوا نہ  
 اقبال نمبر 1977، 282
- 2۔ دانش روزنامہ دہلی 147۔  
 3۔ عارف اقبال دہلی چاند شرق۔  
 4۔ عارف اقبال دہلی چاند شرق  
 5۔ عارف اقبال دہلی چاند شرق  
 6۔ عارف اقبال دہلی چاند شرق  
 7۔ عارف اقبال دہلی چاند شرق  
 8۔ عارف اقبال دہلی چاند شرق  
 9۔ عارف اقبال دہلی چاند شرق  
 10۔ عارف اقبال دہلی چاند شرق  
 11۔ اقبال نمبر 1977، 30۔  
 12۔ عارف اقبال دہلی چاند شرق

☆☆☆☆☆



عقل و طبع

مرا سوچہ قیمت ہے اس زمانے میں  
 کہ خاکہ میں خالی ہیں صوفیوں کے گدے





عمل  
صادقین



شعر رنگین نوا طاهر غنی  
غزل او پاهن غنی خاھر غنی

عمل: محی المصنوع



سینہ داری اگر در خود تیر  
 در جہاں شایین جہاں شایین  
 عمل: رسم نکاح



سال اقبال 2002ء کے موقع پر محکمہ ڈاک

کے جاری کردہ ڈاک ٹکٹ  
 تصویر: پاکستان





# علامہ اقبال کا نظریہ ثقافت

ڈاکٹر محمد رفیع

کہ سب تہذیب و ثقافت کا سرچشمہ ہے۔ کسی قوم کے ثقافتی وجود سے انکار ممکن نہیں کہ کسی بھی قوم کی جاس کے ثقافتی وجود میں مضر ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے 20 مارچ 1937ء کو قاتر اعظم کو خط لکھ کر جس کا درج ذیل اقتباس ثقافت کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

”یہ اچھٹی ضروری ہے کہ اقدار ہندو اور یونان ہندو دنیا کو بتا رہا ہے کہ ملک میں صرف اقتصادی مسئلہ ہی تھا ایک مسئلہ نہیں ہے اسلامی نقطہ نگاہ سے ثقافتی مسئلہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے اپنے اقدار پر واضح کام کرنا کی دکان ہے اور کسی صورت سے بھی یہ اقتصادی مسئلہ سے اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ مسلمانان ہند اپنے ثقافتی وجود کو کسی طور پر نظر انداز نہیں کر سکتے۔“ (15)

علامہ اقبال نے ”تفہیم جدید ادبیات اسلامیہ“ کے باب چہم میں طے ”مسلم ثقافت کی روایت“ میں مسلم ثقافت کی خصوصیات بیان کی ہیں، علامہ ثقافت کو ایک قاضیوں سے متاثر کرتی ہیں۔ علامہ اقبال نے منظر کے نظریہ تہذیب و تمدن کی بنیاد پر علامہ کے ان خیالات سے ان کا تصور تہذیب و ثقافت سامنے آتا ہے۔ اقبال کے نزدیک مسلم ثقافت کا منبع وہی ہے۔ اس ایک دستور اور فنی ذریعہ طے ہے۔ اس دینی ہے تفہیم ثقافت ہونے کی۔ قرآن کے نزدیک انسان و آقا کا طے ہے مآخذ ہیں۔ اس

ثقافت نظریہ ہے اور تہذیب کل ہے۔ مغربی ایک دوسرے کے لیے لازمی ہیں اور ایک کے بغیر دوسرا مکمل نہیں ہوتا۔

دنیا میں کل کئی تہذیبیں ہیں۔ اس بارے میں بھی اختلاف ہے لیکن تاریخی بلے نے ہمیں تہذیبوں کا ذکر کیا ہے۔ (2) علامہ دنیا میں بھی تہذیبوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ سوشل میں فکشن نے کئی جاپانی، ہندو اسلامی، مغربی، انجیلی، مسیحی اور افریقی تہذیبوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں کئی اور ہندو تہذیبیں قائم فرمیں ہیں۔ (3) تہذیبوں کی تعریفاتی تقسیم ہونا نظریاتی پر حقیقت ہے کہ موجودہ دنیا کی بڑی تہذیبوں کا منبع تہذیب ہے۔ کہ سوشلرواں نے کہا ہے۔

The great religions are the foundations on which the great civilizations rest. Christopher Dawson (4)

تفہیم اداسپ کی بنیاد پر تفہیم تہذیبیں استعار ہیں۔

ہندو مت، بودھ مت، کنگیز شرم، مسیحیت اور اسلام سب مذہب ہیں اور تہذیبوں کا مآخذ ہیں۔ علامہ اقبال بھی دینی کو ثقافت کا منبع سمجھتے ہیں۔ سورجین ماہرین عرفیات و شریات اور علامہ تہذیب و ثقافت کی اکٹھے اس بات پر متفق ہے

علامہ سہاسی کا مگر میں تہذیبوں کے تصادم کے تصور نے تہذیب و ثقافت کی طے بحث میں خامی گری پیدا کر دی ہے۔ اور یہ موضوع طے مطلق میں زیر بحث آ گیا ہے۔ تہذیب و ثقافت کی جامع قرینہ تو ممکن نہیں ہے۔ یہ الفاظ کم و بیش حروف مفہوم میں مستقل ہیں۔ البتہ تہذیب کا لفظ ثقافت کی نسبت زیادہ وسیع ہے اور اس کی تعمیر زیادہ وسعت رکھتی ہے کہ سوشلرواں Christopher Dawson نے تہذیب کی قرینہ یوں کی ہے۔

A partially original process of cultural creativity which is a work of particular people (3)

یعنی تہذیب ثقافتی تخلیق کا ایک مخصوص اور مکمل کل ہے جو ایک خاصہ نمک نام ہوتا ہے۔

اسی طرح ماہر شریات اپنے دینی نثر نے ثقافت کی قرینہ یوں کی ہے۔ ”ثقافت ایک ایسا وسیعہ کل ہے جس میں طے حقینہ فنی اعمانی قانون زہم و روح اور کوئی دین دینی اسلامیہ اور مذہب جو انسان معاشرے کے ان کی حیثیت سے اکتساب کرتا ہے شامل ہوتی ہے۔“ تہذیب و ثقافت کی حلا کر قرینوں سے یہ خارج ہوتا ہے کہ ثقافت تہذیب کی بنیاد پر کہ اور اگر یہ طے یوں کہ طے ہیں کہ ثقافت باطن ہے اور تہذیب ظاہر ہے



اور ظاہر کے گزرات میں خدا کی نگاہیں مختلف  
 ہوتی ہیں انسان کے باطنی گزرات ظہر کا رویہ ہیں۔  
 اس طرح دنیا بھی ظہر کا رویہ ہے۔ قرآن کے  
 مطابق طہارت اور تاریخ بھی ظہر کے ذرائع ہیں۔  
 قرآن نے افسر و آفاق میں نور و فکر پر زور دیا ہے  
 اور مشاہدے کی تقویت کی ہے۔ مشاہدہ ہی سائنس  
 تحقیق کی بنیاد ہے۔ مسلمانوں نے مشاہدے کی  
 بنیاد پر استقرائی طریق اجتہاد کی ابتدا کی۔  
 مسلمانوں نے پہلی مطلق کو رد کیا اور استقرائی  
 عقل کی بنیاد رکھی جو سائنس ترقی کی اساس ہے۔  
 طہارت کے مشاہدے سے جو نور کی سائنس آتے ہیں  
 وہ ٹھنڈے کو اس فراہم کرتے ہیں اور اسی طرح  
 تاریخ بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ تاریخ ایک  
 مسلسل اجتماعی تحریک ہے۔ وقت کی ایک ناکور  
 عقلی ترقی ہے۔ جن مخلوق تاریخ کو وقت میں  
 ایک مسلسل عقلی عمل سمجھتا ہے جو پہلے سے ہمیں نہیں  
 ہے۔ اقبال کے نزدیک تاریخ انسان کے فعال  
 ارادی اور عقلی عمل کا نام ہے۔ عقلی تحریک کے طور  
 پر مسلم ٹھنڈے کا ناکور کی صورت میں کئی ہے باد  
 نہیں۔ یہ مسلم ٹھنڈے کی نمایاں اور ممتاز خصوصیت  
 ہے جنھن کے خیال میں یہ ٹھنڈے ایک مخصوص  
 حصہ ہے جس کا پہلے اور بعد میں آنے والی مخلوق  
 سے وہاں نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر  
 ٹھنڈے میں چند مخصوص حاسر ایسے ہوتے ہیں جو  
 دوسری مخلوقوں سے مختلف ہوتے ہیں مگر اقبال  
 سمجھنے کے اس خیال سے کوئی زیادہ متفق نظر نہیں  
 آتے۔ اقبال نے سمجھنے کے طہر مطلق ٹھنڈے کے  
 تصور کو رد کیا ہے اس لیے مسلم تہذیب کے بارے  
 میں ہی جنھن کی مجلس آراء سے اختلاف  
 کیا ہے۔ اس ٹھنڈے میں آخری دو ٹھنڈے قابل غور

ہیں۔

1۔ اہم انسان ایک ہیں۔ ان کی ابتدا مابیک  
 ہے۔ سرحدات انسانی کا یہ تصور ٹھنڈے میں بڑی  
 اہمیت رکھتا ہے۔  
 2۔ وقت کے عقلی ہونے کا احساس اور یہ  
 تصور کہ زندگی وقت میں مسلسل حرکت کا نام ہے۔  
 وقت کے عقلی ہونے سے مزاحمتی اور غیر کو قبول  
 کرتا ہے۔ (8)

عالم اقبال نے اس ٹھنڈے میں مسلم ٹھنڈے کی  
 نمایاں اور ممتاز خصوصیات بیان کی ہیں جو مسلم  
 ٹھنڈے کو دوسری مخلوقوں سے الگ کرتی ہیں اور اس  
 کی ممتاز خصوصیات بھیجی کرتی ہیں۔ مسلم ٹھنڈے کے  
 بعد اقبال نے اجتہاد کا غلبہ مثال کیا ہے جس کی  
 ابتدا اس فقرے سے ہوتی ہے۔

As a cultural movement  
 Islam rejects the old static view  
 of the Universe, and reaches a  
 dynamic view (7)

ایک عقلی تحریک کے طور پر اسلام کا ٹھنڈے  
 کے قدیم باد تصور کو رد کرتا ہے اور حری تصور پیش  
 کرتا ہے۔

اس ٹھنڈے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجتہاد کا ٹھنڈے  
 کے چارہ عقل ہے۔ چارہ برزہ اجتہاد ایک عقلی مسئلہ  
 ہے جس کو اجتہاد کا ٹھنڈے سے بھی عقل ہے۔ اس لیے  
 اقبال نے اجتہاد کو اصول حرکت کہا ہے اور اجتہاد کو  
 اختیار کرنے پر زور دیا ہے اس ٹھنڈے میں اقبال نے  
 انسان کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ فخر سائنس کی  
 رو کیا ہے۔ اہم ان کو طہارت کی صورت میں ایک  
 ادارے کی عقل بھی دی جا سکتی ہے جس سے بہتر  
 دنیا کی حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس ادوار عقلی عمل

میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

The transfer of the powers of  
 Ijtihad from individual  
 representations of schools to a  
 Muslim legislation assembly,  
 which in view of the growth  
 of opposing sects, is the only  
 possible form Ijma can take in  
 modern times, will secure  
 contribution to legal  
 discussion from layman who  
 happen to possess a keen  
 insight into affairs. (8)

اقبال نے اس ٹھنڈے کے آخر میں روحانی  
 سمجھوتہ کی بات کی ہے۔ یہی مسلم ٹھنڈے کی روح  
 ہے۔ (9)

عالم اقبال نے آخری ٹھنڈے میں "کھاندہ پ  
 عقل ہے" "ذہنی زندگی کو عقلی حواس میں سمجھ کر  
 ہے۔" "مذہب و فکر اور معرفت۔" (10) "مذہب اور فکر  
 کا عقلی ارتقا فی زندگی سے ہے اور معرفت اخروی  
 ہے۔ اگر عقلی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اعتقاد اور  
 فکر ارتقا کی ٹھنڈے کو تشکیل دیتے ہیں اور معرفت  
 اخروی اور حتمی ٹھنڈے پیدا کرتی ہے جو ارتقا کی  
 ٹھنڈے سے ممتاز نہیں ہوتی بلکہ ہم آہنگ رہتی  
 ہے۔

اقبال اپنے تہذیب و ثقافت کے نقطہ نظر میں  
 مذہب اور ادب کو تہذیب و ثقافت کی بنیاد قرار  
 دیتے ہیں اور اسلام کے حوالے سے وہی اس کا ماننا  
 اور پہنچ ہے۔



Islam. Chapt.V.124-145

Sh.Muhammad Ashraf  
Lahore 1965.

7. Chapter vi 146 Ibidem

8. P 174 Ibidem

9. P.180 Ibidem

10. Chapter.VII.181 Ibidem

☆☆☆☆☆

1997.

2. P.44 ibidem

3. P.45-46 ibidem

4. P.47 ibidem

5. "انقلابات" انگریزی جلد 303 "عصرِ اقبال"  
ادبیاتِ نقد و نثر اسلام آباد 152۔

6. Allama Muhammad  
Iqbal, The Reconstruction  
of Religious Thought in

عراقیات

1. Samuel P.Huntington The  
clash of civilizations and  
the Remaking of world  
orders 1 Chapt. 2  
Civilization in history and  
today p.41 Penguin Books  
(p) India New Delhi



آدمیت

سکندر



# اقبال کا تصور زمان و مکان

رابعہ امجد القیوم

یہاں 1955ء ہے اور اسی طرح بچپن لڑا ہے سے پہلے  
والے لئے کیا کیا کی چیزیں ہوتی ہیں اس قدر مجاہد سے  
تک پہنچنے ہیں اور وہ زبان و بیان اور جسم و شاعری  
اور ہر کی اصل جو ظہور ہے سے گزرنے کی سرعت کے  
ساتھ مقبولیت اور شہرت کی وجہ بن گیا ہے کہ اس نے  
اس ناقابل یقین نظریے سے جماعت کی۔

برگسٹاں نے عاشق حقیقت کے سفر میں  
وہاں کا کمرہ چلنے چلا کر لیا تھا۔

1. وہاں میں حقیقت پر روبرو راست مختلف  
ہوتی ہے۔ اس کے برعکس عقل و فکر کے ذریعہ  
حقیقت کا علم نہ رواد راست ہو سکتا ہے اور نہ چینی کہا  
چا سکتا ہے۔

2. وہاں کسی شے یا حقیقت کی تردید  
کچھ نہ کہتا ہے بلکہ عقل و فکر کسی شے کا عقل و فانی  
طریقہ کرتی ہے۔

3. عقل کے ذریعے ہم ذات عقل تک کا  
دراک نہیں کر سکتے اسی لیے اسے کائنات  
(Descartes) اور جیم (Hume) نے اسے  
کلکتہ خیال کیا اور اس ذات فانی کی وحدت تک اس  
کی رسائی نہ ہو سکتی تھی اس کلکتہ کی فہم ہے۔

برگسٹاں نے عقلیاتی کیا کہ "توہین جیو لکسیائی  
کیلیات اسما سات و احاطہ" تاکہ اس طرح  
منسلک اور جھڑپ کی کہ ان کو ٹکڑے ٹکڑے اور جسم ہی کیا  
چا سکتا ہے اور نہ ماکہ اور چاند کی قرار دیا جاسکتا

اوراک (تکالیف عقل کے ذریعے 2 ذوق اوراک)  
میں ہر دو معادن ہو سکتا ہے۔

خبری برگسٹاں (1850-1941ء) نے  
کلی اہم تصنیف "کائنات اور آزاد ارادہ (Time  
and free will) 1888ء میں لکھی اپنی  
دوسری اہم تصنیف "خلقی اوراک Creative  
Evolution کی وجہ سے 1907ء میں اس  
نے راقوں رشتہ دنیا میں شہرت و مقبولیت  
حاصل کی۔

اپنی خیالی کے دور میں وہ برہنہ پھر سے  
حادثہ رہا مگر اسی مطالعے کے دوران اس نے عقلی  
اہم فلسفیانہ امور پر غور و غفلت کیا پھر اس دور کے  
زندگی جسم اور ذہن اور جبر و اختیار  
(determination choice) تھے۔

یاد رہے کہ اپنی سوانح نگاروں اور بزرگوں  
تجربہات کے بارے میں خود بھی یہ بات نہ کر سکتے کہ  
زندگی غیر زعمہ دہی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح  
سوچ (Thought) اور عمل (Brain) کے  
یہی عقل کے بارے میں کہ وہ ان کے دماغی عقل کی فرہم  
کے بارے میں کہہ سکتے تھے کہ انہی سوچ کے لیے  
عقل نہ ہو جبر اور اختیار کے بارے میں بھی  
صورت حال بنی رہی۔ اگر عقل وادہ ہر سوچ کے  
کو سوچ دے پناہ کوئی عقلی اختیار نہیں رکھتا اور عقل  
طور پر چلنے کے لیے کی حرکت اور بات کی مینا کی

اقبال کے تصور زمان و مکان پر غور کرتے  
ہوئے ہمیں جس قدر عقلی سے سب سے زیادہ رابطہ  
ہوتا ہے وہ عقلی برگسٹاں ہے۔ اس سے یہ مطلب  
ہرگز نہیں نکالنا کہ اقبال نے دوسرے عقلی جیسے کائنات  
نہم اور دے کائنات و غیرہ کا سیر حاصل کیا مگر اس کا  
یاں کے نظریات کا 2 ذوق وادہ عقل کے ساتھ اول و  
دراچیں کیا مگر یہی کہ اقبال نے مختلف مشاہدات پر  
برگسٹاں سے بہت متاثر ہونے کا اعتراف کیا ہے  
اور اسے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم برگسٹاں کے الفاظ  
خصوصاً زمان و مکان کے بارے میں اس کے  
تصورات کا کسی حد تک ذکر کریں اور اس بات کا  
یقین کریں کہ وہ اس حد تک اس کے ہم ادب اور  
کس مقام پر پہنچ کر وہ برگسٹاں کا ساتھ چھوڑ دیتے  
ہیں۔ "اقبال" کائنات اور برگسٹاں کی طرح فلسفہ کا  
مطالعہ کرتے ہوئے صرف عقل کو ہی مشعل رہا نہیں  
جائے

گور جا عقل سے آگے کہ یہ نور  
جوان داہ ہے منزل نہیں ہے  
جس طرح کائنات اور برگسٹاں عقل کی وحدت  
کے قائل تھے اور اس کے تصور پر یقین رکھتے تھے اور  
برگسٹاں تو وہاں کی حقیقت کے قائل اور وہاں کی  
مابینہ اوراک ہاں کائنات کو دیکھنے پہلے قیٹے میں اس  
کے مستقبل کے قائل تھے بعد اقبال بھی وہاں پر  
یقین رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ حقیقت کے قائل



ہے۔ وہ ان کے اور بچے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک مسلسل بہار کا حامل ہے۔ وہ ان سے بڑی زندگی میں یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ بچہ یا اس کا کیا ہے شروع ہوا اور کب شروع ہوا کہاں ختم ہوا اور کب ختم ہوا۔ وہ زندگی کا ایک ایسا بہار ہے جو ایک غیر متعلقہ شکل ہے اور یہ سلسلہ نہ کبھی ختم ہوتا ہے اور نہ کبھی سے شروع ہوتا ہے۔

برگساں اور اقبال میں بعض مقابلات پر ملاحظہ پائی جاتی ہے۔ رضی اللہ عنہ صوفی اپنے مضمون "اقبال کا زمانہ و مکان کا تصور" میں فرماتے ہیں۔

"اقبال متعارف کرتے ہیں کہ عام آدمیوں کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ان مٹائی کے زمان کی عقلی بات کو سمجھ سکیں اگر وہ (اقبال) اسے مکمل طور پر سمجھ جاتے تو ان میں معلوم نہ جاتا کہ وہ سائنس کا نہیں فزکس کے فزکس اور غیر متبادل مفروضہ اصولوں کے لیے کوئی گمان نہیں چھوڑتی حتیٰ کہ فطری حوالے سے بھی نہیں۔ لیکن یہ بارگاہی قرآن کے لفظی ترجمہ کے لیے دیکھا سوانح رچتی ہے۔ کل یوم ہو طی شام۔ جیسے بعد میں برگساں نے اختیار کر لیا ہے۔" نیش کا خیال تھا کہ "مطلق" صحیح اور دینیاتی زبان ہے اندر ہی بچتا ہے اور اپنی مابیت کے اعتبار سے یہ مابیت کے ساتھ لہجہ کی خارجی شے کے تعلق کے بچتا جاتا ہے۔ اسے وہاں بھی کہتے ہیں۔

اقبال کو زمان کے اس نظریے سے اتفاق

نہیں تھا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ زمان اگر ایک ایسا شے ہے جو خود بخود اور اپنی ہی طاقت (مابیت) سے مساوی بہار رکھتا ہے تو بارگاہ میں نہیں سمجھ پاتے کہ کیسے ایک بچہ وقت کی اس غائی میں ادب کر سکتا ہوئی ہے اور کیسے وہ 19 ویں صدی میں ان سے مختلف ہو جاتی ہے جو اس کے (وقت کے کیا) میں حصہ نہیں لیتیں۔ اقبال کہتے ہیں کہ وہی ہم وقت کے آغاز تھا اور اس کی حدود کا تصور کر سکتے ہیں اگر ہم غائی کے استاد کے ذریعے اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ علامہ اقبال نے بارگاہی حرکت یا گذران ہی وقت کی مابیت کے بارے میں حقیقت ہے تو اس پہلے وقت کی حرکت کا وقت مقرر کرنے کیلئے ایک اور وقت ہونا چاہیے اور ایک وقت اس دوسرے وقت کے تصور کے لیے ہونا چاہیے اور یہاں یہ سلسلہ لامتناہی جانا چاہیے۔"

بچہ اپنی وقت کے اس معروضی تصور کو اقبال ہمیں خیال کرتے ہیں۔ وہ وقت کو زمان کی طرح غیر متعلق نہیں سمجھتے اور ہم اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں کہ اگر بارگاہے پاس وقت کے اور ایک کیلئے امتداد ملتی ہوں تو بھی یہ (وقت) ایک طرح کا بہار ہے اور یوں ایک ہی گنگ معروضی اپنی پہلو رکھتا ہے جیسا کہ بچہ کو اٹھ نظریے نے اس کی تصدیق کی۔"

برگساں اور اقبال دونوں کے نزدیک زمانے کا وہ نظریہ ملا ہے جس میں اسے ماضی حال اور مستقبل میں تقسیم کیا گیا تھا یہ مناسب دائروں اور طبعیات کے مابین نے غائی بات کے لیے گزرا

تھا جیسے غائی دلیہ راستے ایک خاص مقام پر کرتے ہیں (یاد رہے ایسی گزیر کے تصور کے سہارے ڈیڑے کے وقت کے تصور کو ہی علامہ مابیت کو واقعہ اقبال نے اپنے طبقات کے سطح 35 سے 37 پر ڈیڑے کے تصور مکان پر سر حاصل سمجھ لیا ہے۔ جس میں ماضی حال اور مستقبل ہے اس طرح حال و مستقبل سوہم میں جاتا ہے جیسے پار کیا گیا ہے اور ماضی ہی کیا ہے اسے پار کرنا ابھی باقی ہے (مستقبل) اور ماضی وہ ہے جو گذر گیا (یعنی ختم ہو گیا) ماضی حال ابھی نہیں ہے۔ وہاں ماضی جاری آئندہ کی زندگی کا تصور کرتا ہے۔ چنانچہ مناسب باتوں کا نظریے زمان اس وہاں کے عقلی برعکس ہے۔

1. فلسفے کی کہانی

2. The story of Philosophy will Durrant Services book club. Pakistan 1985.
3. The story of Philosophy shall Durrant, Services club. 1985 page.
4. Iqbal as a thinker (Erip & Eminent Scholar) SH Muhammad Ashraf Lahore 1944.
- 5 Reconstruction Iqbal Sh. Muhammad Ashraf Lahore 1982.

☆☆☆☆☆



# اقبال کا وہقان

غلام قاسم مجاہد بلوچ

Iqbal and Socialism by  
S.A. Ruhman, Hamdard  
National Foundation Karachi,

”اقبال بعد پاک کے قزاقی پسندوچوں کے  
تجوئے میں“ کوزے انیس سو نوے چھ اکیڑی آف  
سائیکس پائیکس (430.9) ”اقبال کے سماشی  
ظلمات“ از انجینئرس کلنگس اور  
1977ء (412.9) ”اقبال کے سماشی ظلمت  
(عالمی نظمیں)“ اقبال سراج“ سماشی اقبال  
پولیس اسلام آباد (1964ء) (12.0) ”اقبال  
کے ذوقی ظلمت“ از چودہری مظفر حسین اقبال اکیڑی  
1984ء (30.111) اور غیر۔

ظلمت اقبال نے اپنے اور اور قاری مجاہد  
پائے کام ڈاک ڈال جڑیں ضرب بھیم بیاہ  
نامہ اور مجاہد اور سماشی چتر میں اقبال کی ہمتی اور  
کسان کا انھیں مظالم پر تذکرہ کیا ہے جب کہ  
ہر مظالم پر کھٹے چار مقامات پر حوالہ دیا  
مقامات پر کھٹے اور چار مقامات پر کھٹے کھٹے کر  
ہے۔ تذکرہ اور اور سماشی اقبال کی اقبال سے  
انھیں واضح تر ہوتی ہے۔

اقبال اقبال سے اتنا دھت ہے کہ ان کی فکر  
میں اقبال کا نام و گروہی حالت میں زندگی  
گزارنے پر مجبور ہے۔ گویا گھر کا گھر سب

○ نیچے لکھی (مل) کے ساتھ جاری روز  
آرائی ہے کہ اقبال کی بی بی اور بھائی  
چڑ ہے۔

○ لوگ کی طرف سے چلانے کے بعد اپنے چلان  
کو چار بار اہرام کرتے ہیں۔

○ کریم اور پیر کو اپنے چلان کو کھولنے کے  
بعد اٹھائی اور چلان کو

○ چلا جھٹی پر مڑی علی کے چلان سے کھٹ  
(سور اور چلا چلا کر آہ)

○ چلا اور آکر کھٹے چلان پر نظر رکھا۔

○ چلان کو کھٹ کے وقت دبا دھرتے کے لئے  
کھٹ میں لے آ۔

○ میں جب تک برکات اقبال مجھ پر مڑی میں  
یکدم ہر کے لئے سنا ہوں کہ وہ پس انداز  
سایہ ہے۔

بیم بھی اقبال کی فکر اقبال کا اہم حصہ رہا  
ہے۔ اقبال کے حوالے سے ہمیں اقبال کی  
لے اقبال کے کھڑی میں اقبال کی زبان و مکان خودی  
ہے خودی اقبال کے کھٹ اور کھٹ اور کھٹ  
ہے سوسمات پر واقع کھٹ کھٹ کی گرتا ہوا  
”اقبال کے“ اقبال کی اہم صنف فکر ہے جس  
گزار۔ اقبال سے کسی قدر سماشی سوسمات  
صنف کھٹ اور کھٹ کے لئے میں اقبال

جستہ اور دھت کو کھٹ اور کھٹ دھت دھت  
دھت دھت کا کھٹ ہے کھٹ دھت کو کھٹ کھٹ  
کھٹ دھت کھٹ دھت دھت دھت دھت دھت  
دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت

دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت  
دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت  
دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت

ہے نہ صرف کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ  
ہو کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ  
لے اس کی کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ

اٹھنے پر کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ  
بلوچ شاعر کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ  
خوب صورت کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ

دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت  
دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت  
دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت

دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت  
دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت  
دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت

دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت  
دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت  
دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت

لوگ دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت دھت



لکھو، ہے لیکن انسانی قومی اس کی ذات و معیشت کا بے دردی سے انحصار کرتی ہیں۔ اقبال دہقان کو اپنی خود کشاں خدائیں اور خود کھسے کے حلق میں جب کبھو دھوم صورت میں وہ اسے انکسار دہا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

عصر حاضر کا مجبور دہقان

اقبال اچارہ ہے جس دہقان کا اس انداز سیرت کوہ کرتے ہیں کہ

بڑا ہوں دیکھ سے دو خاک میں، ہڈی تلاش کرتا ہے مگر یہ سب کاشت کاری وہ سرواں کی پیش و پشت کے لئے کرتا ہے اس لئے اب اس کی حالت قبر سے لگے ہوئے ایک بے تکی مردے کی سی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کے دروازہ بدن فیروں کے گروں ہیں۔ وہ بے مکان و بے مکان ہے۔

اقبال اپنی نظم ”غلاب“ دہقان سے ”میں غلاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

تو کیا تری زندگی کا ہے دار  
بڑا ہوں دیکھ سے ہے تو خاک باز  
ایک دور دہائی میں فرماتے ہیں کہ

جہاں شمس در دستے تھے چند  
کسان او پہ بندہ جا کسے چند  
بروز دہقان کا دہاں  
کسے خود را پہ پیش کر کسے چند  
اقبال دہقان کی حالت زار کو اپنی نظم ”گلزار“ میں اس حد تک پیش کرتے ہیں کہ

دہقان ہے کسی قبر کا اٹکا ہوا مردہ  
پوسیدہ کھنکھیں جس کا اٹکی زہر زمیں ہے  
جہاں بھی گہر خیز بدن بھی گہر خیز  
انہوں کہ ہائی نہ مکان ہے نہ کہیں ہے

اسی طرح اقبال نے اس ٹھیکری دہقانوں کا بڑے بھر گوارا انداز میں تذکر کرتے ہیں جنہوں نے ملای کمال کھو کر فروخت کر دیا ہے کہ۔

ہامبا اگر پہ بیڑا گداز  
خوف نہ پہ کھنکھیں بقوم باز گئے  
دہقان دکت و دوائے خیاں فروخت  
تو سے فروخت پہ انداز فروخت  
دہقان کچھر کا خوب صورت نمائندہ

اقبال کے نزدیک دہقان ٹھٹھ کا مبینہ نمائندہ ہے۔ ان کا ایک شعر ملاحظہ ہو

ساہو و چور ہے دہقان دہقان کا گیت  
کشتی دل کے لئے تل ہے جو شتاب  
دہقان کے احساسات

اقبال دہقان کے احساسات و دل سے باخبر ہیں۔ دہقان خوش حالی کا آرزو مند ہے۔ ہاں اس کے خیر و مال کے لئے غریب سرت ہے کہ ہاں کاپانی لکھن سے پاک ہوتا ہے۔ وہ اپنی نظم ”بر کسار“ میں ہاں کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ

مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے وہ انہیں ہوتا  
ہوتا شلو دمت کا عادی خواں ہوتا  
لم روانے دل خیر و دہقان ہوتا  
دہقان ہم ہوا ہوا گشتاں ہوتا  
دہقان اور محنت

اقبال کے نزدیک دہقان اپنی محنت کی علامت ہے۔ وہ شب بیدار ہے۔ اپنی خواب گاہ سے الگ ہو کر زمین کو کھول کر مشروبات و نظرات سے بے پرواہ کر کھجوں میں جا کر رہ جاتا ہے۔ جب سپید و سرسبز ہوتا ہے تو پہلے دیکھ کر کھجوں

کے ساتھ ساتھ دہقان کے جذبہ محنت کا بھی تذکرہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی نظم ”جام جم“ میں فرماتے ہیں کہ:

چلایا بھل لکھیں تو کو آستانے میں  
کھارے کھیت کے ٹٹاں لپایا نے دہقان کا  
اقبال کے نزدیک دہقان کی اپنی محنت کوئی ہمارے دھڑا آدھو ہوتی ہے۔ وہ اپنے بیٹے ہادی اقبال سے کہتے ہیں کہ

وہ مگر ہے آدمی کہ جس کا  
ہر قطرہ ہے مگر ٹھکانہ  
دہقان اگر نہ ہو تو آسمان  
بر وادہ ہے صد بزار دانہ  
اقبال کے خیال میں کامل دہقان دہقانی کے معزز نام کا مستحق نہیں، چرائی کھیت کو بدلتے نظر جانے سے ناخوش رہتا ہے۔

موسم ایسا پانی دھڑا مٹی بھی زریز  
جس نے اپنا کھیت نہ سمجھا وہ کیا دہقان؟  
دہقان اور خود کشاکی

اقبال دہقان کو مجبور و محروم رہنے کی بجائے اسے خود کشاں دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کسان کی کامل بھاری کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک وہ دہقان چرائی اصلیت اور حقیقت سے آگاہ ہے اس کی مثال بھولے گھنٹی کی ماٹھ ہے لیکن وہ دہقان خود آگاہ اور خدا کا گھر ہے اس کی دہقانی پر سلطان بھی قربان کی جا سکتی ہے۔ وہ اپنی نظم ”غلاب“ کے دہقان سے ”میں غلاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

اسی خاک میں وہ گئی ب گئی تری آگ  
سحر کی اڑیں ہو گئی ب تو پاک !  
ہم قیامت و شاعر میں فرماتے ہیں کہ

آغا اپنی حقیقت سے جو اسے دہقان زما



## انقلاب اسے انقلاب عوامی کہتے ہیں

- 1- انقلاب ڈاکٹر علامہ محمد ارمغان خان لاہور شیعہ ہندوستان لاہور شیعہ اسلامی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی 1984ء
- 2- انقلاب ڈاکٹر علامہ محمد ارمغان خان لاہور شیعہ ہندوستان لاہور شیعہ اسلامی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی 1990ء
- 3- انقلاب ڈاکٹر علامہ محمد ارمغان خان لاہور شیعہ ہندوستان لاہور شیعہ اسلامی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی 1991ء
- 4- انقلاب ڈاکٹر علامہ محمد ارمغان خان لاہور شیعہ ہندوستان لاہور شیعہ اسلامی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی 1984ء
- 5- انقلاب ڈاکٹر علامہ محمد ارمغان خان لاہور شیعہ ہندوستان لاہور شیعہ اسلامی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی 1984ء
- 6- انقلاب ڈاکٹر علامہ محمد ارمغان خان لاہور شیعہ ہندوستان لاہور شیعہ اسلامی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی 1984ء
- 7- انقلاب ڈاکٹر علامہ محمد ارمغان خان لاہور شیعہ ہندوستان لاہور شیعہ اسلامی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی 1984ء
- 8- انقلاب ڈاکٹر علامہ محمد ارمغان خان لاہور شیعہ ہندوستان لاہور شیعہ اسلامی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی 1984ء
- 9- حسین اختر ڈاکٹر علامہ محمد ارمغان خان لاہور شیعہ ہندوستان لاہور شیعہ اسلامی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی 1977ء
- 10- محمد ارمغان خان لاہور شیعہ ہندوستان لاہور شیعہ اسلامی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی 1977ء
- 11- علامہ محمد ارمغان خان لاہور شیعہ ہندوستان لاہور شیعہ اسلامی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی 1977ء
- 12- علامہ محمد ارمغان خان لاہور شیعہ ہندوستان لاہور شیعہ اسلامی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی 1977ء

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

تم نے کوئی شے نہیں کی تو اس کا  
 تم نے کوئی شے نہیں کی تو اس کا

وہاں کی قوم وہاں کی قوم  
 وہاں کی قوم وہاں کی قوم

خدا آں ہے نا سرور  
 خدا آں ہے نا سرور

انہی مری دنیا کے فریب کو  
 انہی مری دنیا کے فریب کو

انہی مری دنیا کے فریب کو  
 انہی مری دنیا کے فریب کو

انہی مری دنیا کے فریب کو  
 انہی مری دنیا کے فریب کو

انہی مری دنیا کے فریب کو  
 انہی مری دنیا کے فریب کو

وہاں کی قوم وہاں کی قوم  
 وہاں کی قوم وہاں کی قوم

وہاں کی قوم وہاں کی قوم  
 وہاں کی قوم وہاں کی قوم

وہاں کی قوم وہاں کی قوم  
 وہاں کی قوم وہاں کی قوم

وہاں کی قوم وہاں کی قوم  
 وہاں کی قوم وہاں کی قوم

وہاں کی قوم وہاں کی قوم  
 وہاں کی قوم وہاں کی قوم

وہاں کی قوم وہاں کی قوم  
 وہاں کی قوم وہاں کی قوم



# اقبال کا نظام اقدار

پروفیسر محمد فیروز شاہ

اقدار قدر کی حق ہے اور قدر سے مراد کوئی بہا  
 اصولی نظریہ یا کوئی بھی چیز ہے جس کا تحقق  
 عقیدے سے یا روایتی نظام فکر کے ساتھ ہو۔ اعمال کی  
 بنیاد انکار پر ہوا کرتی ہے۔ نہایت اور فکر انسانی سوچ  
 کے حیرانگاہات ہیں۔ حیات انسانی میں فکر کی جہاں  
 ہی سے عمل کو تباہی ملتی ہے۔ غبار کے اس جہاں  
 میں باطنی کیفیات کے اثرات ایک کیفیت اور باطن  
 ترانہ انسان کی طرح موجدار ہے۔ اقدار کوئی  
 زندگی میں ضرور ہو کر اس وقت گہریتی ہیں جب فکر  
 عمل کے مابین رابطہ برقرار رکھنا شروع ہو جاتا  
 ہے۔ اسی سحر و جادو سے مربوط ہو کر زندگی یا زندگی  
 فنی ہے اور حیات اپنے ہر جزو کا اثبات کرتی ہے۔  
 چنانچہ جب ہم کسی بھی چیز سے متعلق اپنے جذبات یا  
 احساسات کا اظہار کرتے ہیں اور اس سے اپنے  
 احساس و عمل کو وابستہ کرتے ہیں تو یہ واقعی قدر  
 کہلاتی ہے۔

اقدار کو ہم اپنی زندگی کے بنیادی عوامل میں  
 شامل کرتے ہیں کیونکہ زندگی کے ہر موڑ پر ہمیں کوئی  
 زندگی مل کر رہتا ہے اور ہر عمل کے پیچھے کوئی قدر  
 موجر ہوتی ہے اس لیے قدر نام ہی ایسا چیز کا ہے  
 جس کے ساتھ ہمارا حقیقی احساس بند ہے یا نہیں کی  
 ہو۔

انٹیکو پیچا بریٹیکا (جلد 22) صفحہ  
 1473 کے مطابق۔

”قدر کسی چیز کی انہی ہے جس میں کسی بھی قسم  
 کی دلچسپی یا محبت شامل ہوتی ہے۔ اس محبت میں  
 احساسات شامل ہوتے ہیں اور آخر کار ان  
 احساسات کے تحت خواہشات اور رجحانات پیدا  
 ہوتے ہیں لہذا قدر ایک احساس ہے۔ قدر یا قدر کا  
 احساس ایک ہی چیز ہے۔“  
 ”علاق اور علاقہ“ انہی میں مولانا محمد  
 عظیم الدین لکھتے ہیں۔ (صفحہ 2)

”قدر کا نظام انسانی زندگی کا ایک مربوط  
 تصور ہے۔ اسے علاقائی نظام سے بھی  
 تعبیر کیا جاتا ہے۔ واسطوں کے  
 جس علم میں انسانی کردار پر اس حیثیت  
 سے بحث کی جائے کہ وہ قوابل یا قدر ہے یا  
 فضا و اثر اور اس طرح بحث کی جائے کہ یہ  
 قوام قوابل و فضا اور غیر بشر کے مرکب  
 کا مقدار کی شکل میں آیا جائے کہ اس کا علم  
 علاقائی کہتے ہیں۔“

اقدار کی اس تعریف کی روشنی میں یہ کہا ہے  
 یا نہیں ہوگا کہ نظام اقدار ماحول کا نظام علاقائی کا  
 دوسرا نام ہے۔ حیات انسانی میں اختلافات کی  
 ایک مسئلہ ہے اس لیے اقدار کو بھی انسانی زندگی  
 میں ایسا ہی نظام ماحول ہے۔ ہر اقدار فکر میں علاقائی  
 مختلف اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہی اختلافات  
 اس فکر کا نظام کی اقدار ہوتی ہیں۔ خطا اسلامی نظام

میں تصور مجرد و شرطی اقدار ہے۔ حق و باطل کی  
 آویزش میں اسلام بھی سہائی کی منزل کی طرف  
 راہنمائی کرتا رہا ہے اور یہ بنیادی اسلامی اقدار میں  
 سے ایک ہے۔ دلائل سے ماننے لے اسی جانب اشارہ  
 کیا ہے۔

تمیز کا رہا ہے اول سے تا امروز  
 چراغ معشوقی سے شرار باطنی  
 نظام اقبال کے نظام فکر میں دستور ہونے  
 دہلی اقدار بنیادی طور پر اسلامی نظام سے مستعار  
 ہیں اور یوں ان کو بنیادی حکیم کا یہ قول صداقت  
 کے اظہار آج بھی میں محسوس ہو کر ہنک اٹھتا ہے  
 کہ  
 ”اقبال قرآن کا شاعر اور شاعر کا قرآن  
 ہے۔“

اسلامی معاشرے کی پختگی قرآن حکیم کی  
 مرہون صفت ہے۔ اس عظیم ترین الہامی کتاب  
 حیات کی روحانی میں اسلامی اقدار اور فکر اقبال میں  
 صداقت کا پانچواں پایا جانے تو یہ حقیقت مددِ حق کی  
 طرح مایا ہو جاتی ہے کہ فکر اقبال کا ہم اقدار میں  
 ان مایاں تک پہنچتی ہے۔

قلب مومن را در باطن قوت است  
 معشوق مطلق اورج ملت است  
 قرآن حکیم کے حوالے سے اسلامی اقدار کی  
 لیاں لگانہ ہی یوں کی جا سکتی ہے۔



”ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کی مدخلی  
جزوں کو بغیر حساب کے پیدا نہیں کیا۔“ (البقرہ  
185)

اقبال کا شعر ہے۔

”میں ہے تجھ کی کوئی فضا نے میں  
کوئی بے انہیں قدرت کے کارخانے میں  
”ہم نے انسان کو بھرتی ہی مخصوص  
سائے میں (معاذ)“ (آئینہ 4)

اقبال نے طبع اسلام کے ہر فرد کو اس کا  
عالم میں پیدا کیا۔

خدا نے تم چل کر دست قدرت تو زبان تو ہے  
میں پیدا کر اسے خالق کو معقب گاہ تو ہے  
ایک بار چمک گیا۔

مروج آدم خاکی سے اتم ہے جانتے ہیں  
کہ یہ نوا ہوا جہاں نہ لال نہ ہی جانتے  
”اور اللہ کی ہی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور  
آگاہی میں لگ کر نہ ڈلو۔“

اقبال کا بیشتر حکام اہل عالم اسلام کا مقصد  
ہو گیا ہے۔

ایک ہوں مسلم قوم کی پاسبانی کیلئے  
میل کے مسائل سے لے کر تاناک کا شعر  
”جان رنگ دلوں کو توڑ کر طبع میں تم ہو جا  
نہ تو دینی رہے باقی نہ اہلانی نہ اللہانی !  
”ہر شخص کیلئے ایک قلم رہا ہے۔“ (البقرہ  
148)

شکر طبع نے طبع ہر کا قلم درست کرتے  
ہوئے کیا۔

”ایک جہاد ہے تو مگرں سمجھتا ہے  
بڑا جہاد ہے دینا ہے آدمی کو کھات  
”مرد شہر وادی کیلئے ہے جہاد کا کات کا

ہے۔“ (الاحقہ 1)

اقبال نے اپنے وہاں تو حیرت کو ہمارا  
پہنایا۔

”مرد اور قوم اور قوم اور قوم  
طبع اور قوم اور قوم اور قوم  
مرد اور قوم اور قوم اور قوم  
زندگی میں ماحول آں ماحول  
اس ماحول کی تفصیل ہر کام اقبال ہے۔

اس ایک مختصر سی جگہ کی تفصیل کا مقصد دعا  
اقبال کے فکر و فلسفہ پر قرآن مجید کے حتمی حکم کا  
اشارہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اقبال کا نظام اقبال  
قرآنی افکار کے انوار سے زندگی بناتا ہے۔ اس  
بنیادی کتب کے بعد اب آئے علامہ کے نظام اقبال  
پر نظر آئیں۔

علامہ اقبال خود کو قرآنی زندگی کے حوالے  
سے جانتے ہو کر لکھتے ہیں اور اس کی بنیاد میں بھی  
یہی حقیقت ہے کہ قرآن میں بھی حکیم اور بے مثل  
کتاب کا موضوع بھی انسان اور انسانی زندگی ہی  
ہے۔ چنانچہ علامہ کے اقداری نظام کی مہاس بھی  
اسی صداقت پر استوار ہے۔ انسان کی تمام جہاد  
کا مقصد خوب صورت اور خوشحال زندگی گزارنے کی  
غرائی کی تکمیل ہے۔ سو اہل انسانوں کے لیے ایک  
بنیادی مقصد کو ہر اس نے کارفرما کرنا چاہیے۔  
”میں زندگی کے تابع ہونا چاہیے۔ زندگی سے کا ہوا  
نہیں رہنا چاہیے اور اسی حوالے سے کسی بھی چیز کی  
قدر کو زندگی کے ساتھ اس کے ہوا کے ساتھ ہر جاننا  
چاہیے۔

علامہ کے نزدیک تمام انسانی قدریں خدا کی  
وہایت کے راستے کو ہی اختیار کرتی ہیں جو مقصد  
کی بنیاد ہے۔ چونکہ اقبال کا فلسفہ بنیادی طور پر

ذہب سے منسلک ہے اس لیے انہوں نے ہر ماہور  
پر ذہنی چابی کو ہی دنیا کی سب سے بڑی قدر قرار دیا  
ہے۔ اقبال کا نظریہ یہ ہے کہ ذہب مکمل اقداری  
نظام کا حصہ ہے۔ اسلام بڑا اہم نظام ہے ہر  
نظام ہے ہر ماہور کی حق و حقیقت اور اس کا قائل قرار دینا  
ہے کہ باقی تمام قدریں انسانوں کی ذاتی ہوتی ہیں  
جو قطعاً ہر ماہور کے ساتھ ہر نظام ہر ماہور میں لکھا  
ہے اور عملی زندگی میں اس کی کامیابی کے تجربے  
ہر بار کے ساتھ چمکتے ہیں۔ اسلام کے اقداری نظام  
کا ماحول اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اقبال ذہب کے  
حقیقی و صحیح اظہار کے تجربہ رکھتے ہیں۔ اقبال انسانی  
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں رہی کی سب کچھ  
دستور اور بے پایاں شفقوں کے طہرہ رہے۔  
طاہرانی اسلی اسانی ”مردی تمام نعمتوں سے مبرا  
ہو کر صرف دینی حق کی راہنمائیوں سے حقیقی ہو کر  
زیست کرنا ان کا شعار رہا۔ ان کے نزدیک ذہب  
ایک ایسی طاقت ہے جو آزادی بخشنے سے قبل نہیں  
کرتی۔ اور علامہ کہتے ہیں کہ اقبال انہیں بخانی۔

”قوم ذہب سے ہے ذہب جو نہیں تو بھی نہیں  
ذہب باجم جو نہیں مکمل اتم بھی نہیں  
علامہ کے فلسفہ اقداری میں اللہ کی وہایت ہے  
انہی تمام ہی اقداری کی ہر اقدار ہے۔

”نور فصل گل و دار کا نہیں ہوا  
ہر ہو کہ لڑاں لا لا لا لا لا  
اقبال انسانی قدروں کا صحیح ماہور پر اسلام  
قرار دیتے ہیں۔ انکی اپنی غیر مہمت انکی اور ان  
اقداری اقدار میں حکیم دینی کی مطلق ہیں۔ اقبال  
کہتے ہیں کہ اسلام دنیا کے ہر گوشے اور شعبے کا  
حقیقت پسند اور نظریہ حیات کا ہے۔ اقداری  
سے کہ ان کی قبر ہوتی ہے ہر اس کے لیے اللہ تعالیٰ



کارنامہ قرآن کی صورت میں ہماری رضائی کیلئے  
موجود ہے۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم  
تحت ہوا جل است و قدیم  
نوع انہا ما حکام آخری  
مال اور رحمت اللطیف  
کر تو سے خواہی مسکن زمین  
نہیت عین ہوا بران زمین  
اسلام میں ملت کا تصور تمام ہم عقیدہ  
مسلمانوں کے اتحاد کا ستارہ ہے۔ یہ اتحاد ایک  
معاشرے کی تشکیل کرتا ہے ایک مسلم معاشرے  
کی اسلام کے نزدیک چاروں دنیا کے مسلمان ایک  
عالمی اسلامی معاشرے کے لئے ہیں۔ اس لحاظ سے  
اسلامی شریعت ہمارے لیے معاشرتی دونوں کی  
قرآن ہے۔

اپنی ملت پر جس اقوام مطلب سے نہ کر  
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول پائی  
ان کی ہجرت کا ہے ملک و نسب پر انھار  
قوت مذہب سے مستحکم ہے ہجرت قری  
"اسرار خودی" اور "مرکز خودی" میں  
طائر فرد کے معاشرے کے ساتھ تعلقات اور  
معاشرتی نظام کے حوالے سے اس کے کردار کا تعین  
کرتے ہیں۔ اس کی معطر یا مختلف ان کے کردار کو کام  
میں لگتی ہے۔

فرد کا کام رہا ملت سے ہے تھا کچھ نہیں  
موجب ہے دنیا میں اور جہان دنیا کچھ نہیں  
انہوں نے اپنے فکر، بات و عملیات سے اپنی  
شاعری کو آراء کیا جو انسانی معاشرے کی تشکیل  
کرنے والی اقدار ہیں مثلاً اخوت، مسابقت، عدل و  
انصاف، عقائد و عادات، کائنات و اوقات۔

۔ سختی چارہ بھر صافیت کا عدالت کا شہادت کا  
لوا جانے کا تھ سے کام دیا کی کائنات کا  
۔ سیاسی قدریں

اقبال کا مثالی معاشرے کا نظریہ ہے جو وسیع  
مطالعہ کا حامل ہے۔ سیاست اس کا جزو ایک  
ہے اور اسی لیے طائفہ کے سیاسی مفکرانہ کو  
دہان رنگ، نسل، طائفہ اور اسی قبیل کے قوم  
تقسیمات سے پاک کر کے ایک ملت کے خلق، ملک  
طائفہ سے آراء کو دنیا چاہی ہے۔

پہان رنگ و خلق کو قوت کی ملت میں کم ہو جا  
نہ قوتانی رہے باقی نہ ایمانی نہ عقلانی  
۔ مختلف ایک ہے اس قوم کی تقدیر بھی ایک  
ایک ہی سب کا بننا دینا بھی ایمان بھی ایک  
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک  
کچھ بنی بات حق ہوتے جو مسلمان بھی ایک  
فرق بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتی ہیں  
کیا زمانے میں پہنچنے کی بجائے باطنی ہیں  
طائفہ کی فتنہ کردہ سیاسی اتحاد کا سرچشمہ  
دین ہے۔ سیاست میں وحدت اور استقامت اور  
اتحاد کو کوئی کی طرف سے ایک بات کہنا ان کے  
اتحادی نظام سیاست کے نام حامل ہیں۔ ان  
عناصر میں کو سیاسی نظام میں کامرانی کی کلید کہا گیا  
ہے۔ شرع اسلام سے بدستور کی ہے تھکا

۔ ہذا و دنیا توحید کی قوت سے قوی ہے  
اسلام خدا دین ہے تو مصطفیٰ ہے  
حکیم امامت کی سیاسی اقدار بھی اقدار  
سے مختلف ہیں اور ان میں دینی اقداروں سے جدا نہیں  
کیا پاسکر

نظام پادشاهی ہو کر جمہوری نظام ہو  
جہاں دینی سیاست سے قوتور ہائی ہے جمہوری  
طائفہ اقبال کے نزدیک سرمایہ یا صنعتی دور  
سماشی برتری کی قدر نہیں رکھیں کیونکہ سماشی  
برتری کو معاشرتی چاہیئے حاصل اسلام کی رو سے  
بہتر ہے۔ اقبال انسان کی معاشرتی اہمیت اس کی  
سماشی حیثیت کے حوالے سے نہیں بلکہ اس کے  
اعتدالی اور معاشرتی کردار کے لحاظ سے نہیں کرتے  
ہیں۔ وہ "کسب حلال" پر زور دیتے ہیں۔ ان کی  
"فرخ جہاں" کہنے کی بدلت کا اظہار کرتے ہیں  
ہیں۔ طائفہ کو کردار انسانی کو مکمل اس لیے دلیل  
کے لئے نہیں سمجھتے کہ وہ غریب ہے۔ غربت یا عدالت  
انسان کو پرکھنے کی کسوٹی پر کر نہیں۔ وہ اس  
معاشرے کو مثالی قرار دیتے ہیں جس میں محنت کی  
حکمت مسلم ہو اور پیداوار زیادہ سے زیادہ ہو۔  
انفرادی سطح سے اجتماعی برتری کیلئے جہاد کی  
چاہئے۔ سرمایہ کی جائز اور معقول تقسیم معاشرے  
میں بہت ملال ہے کی جہاں اتحاد اختلاف کی خوشگوار  
نفاذ قائم کرتی ہے جو انفرادی اور اجتماعی کامرانی  
کی حالت حق ہے۔ سماشی رخ پر اقبال کے نظام  
اتحاد کی کلید اسلام کے بائیس اصولوں کی عطا کردہ  
نویہ سے متعلق ہوتی ہے۔ محنت کی حکمت اور  
پیداوار پر محنت کا راقح قانونی حاکم کرتی ہوئی  
سماشی قدر اقبال کے پاس دنیا میں نمودار کرتی  
ہے۔

۔ جس کیفیت سے دنیاں کو میر نہ ہو روزی  
اس کیفیت کے ہر غوطہ گدوم کو چلا وہ  
سرمایہ داران نظام کی پیداوار کو فرمایاں ہر نظر  
کرتے ہوئے طائفہ نے ہے اور کامرانی معاشرے  
کی پیداوار سرمایہ دارانہ کی جہاں سے محنت اور جہاد







خودی ہے سچے قساں لا لا لا  
 عمار کا تصور خودی بالخصوص جن اقدار کو  
 بنیادی اہمیت کا اعتبار دیا کرتا ہے۔ ان کی تقسیم  
 پر دھرم منورائی عبادتی نے جان کی ہے۔ (تعلیم  
 نظم 67-72)

1۔ سادہ قابل انسان کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ  
 بندہ کا کائنات میں اللہ کا نبی اور آزاد شخصیت کا  
 حامل قرار دیتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں کہ وہ  
 خود کو بچانے اور اشراف شخصیات کی مسند پر بیٹھنے کا  
 حق راہبانت کرے۔

یہ راز کن لگاں ہے اپنی آنکھوں پر مایاں ہو جا  
 خودی کا راز دلیں ہو جا خدا کا ترہیاں ہو جا  
 رتی خودی میں اگر انتخاب ہو بچا  
 جب نہیں ہے کہ یہ چار سو بیل جاسے  
 خودی کو کہ بلکہ اتنا کہ ہر فقیر سے پہلے  
 خدا بندے سے خود چھٹے تا میری رضا کیا ہے  
 خودی کے زور سے دیا چہ چھا جا  
 لکام رنگ و بو کا راز پا جا  
 جب اس انکار شاکہ میں ہوتا ہے یقین بچا  
 تو کر لیتا ہے یہ مال و پردہ لایاں بچا  
 یہ قدر کو بے لجام کے اس اصول کی تکرار میں  
 مروج ہوئی کہ

میر عرفیہ صلفہ عارف رہہ  
 ترجمہ: "جس نے اپنے آپ کو بچکھان لیا۔  
 اس نے اپنے آپ کو پا لیا۔"  
 2۔ سادہ قابل انسان کی عقلی صلاحیتوں کو  
 برسرِ عمل رکھنا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کو  
 لکھنوی کی عقل پہلے برسرِ صوف گلد جاتا ہے۔  
 ہم دہم مشکل کر د آساں گزار  
 دم بہ دم تو آفریں د جہنم کار

3۔ دانے راز کا فلسفہ حیات سہی عظیم اور  
 جہد مسلسل سے مراد ہے۔ وہ انسانی زندگی کو  
 مسلسل محنتوں سے تشکیل داتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔  
 اپنی دیا آپ بچا کر اگر زندگی میں ہے  
 سر آدم ہے صبر کن لگاں ہے زندگی

۔ گرج نکلتی زندگی سے مردوں کی  
 اگر گھست نہیں ہے تو اور کیا ہے گھست  
 تو وہ خود خلق ہے حزل نہ کر قول  
 لیتی بھی ہم نہیں ہو تو عمل نہ کر قول  
 عمار سادہ قابل انسان کو کائنات کے مختلف  
 عناصر کو نظیر کرنے کی عقلیں کرتے ہیں کہ میری راز  
 حیات ہے۔

ایسی آئینہ قدرت ہے یہی اسلوب قدرت ہے  
 جو ہے راز عمل پر کارن محبوب قدرت ہے  
 ۔ حصاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں  
 ابھی عقل کے احساں اور بھی ہیں  
 ۔ راز کا لفظ د باسلسل وہ آہن  
 حیات ہواں اور شیراز است  
 ۔ عمار سادہ تصور ہے کہ انسان کو قن بات  
 پہلے مردانہ وہاں لڑائی چاہیے کہ شہادت کی  
 موت میں حیات ہے۔

۔ دجہاں عواں اگر مردانہ دست  
 ۔ جہ مردان ہاں بہرہاں زندگیت  
 ۔ شہادت ہے مطلوب و حضور مومن  
 نہ مال قیمت نہ مشور عقلی  
 عظیم دست کا قن بات کہے کہ یہ فلسفہ دست  
 ۔ حقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد  
 پاک کی ترویج و اشاعت کا اعلیٰ نمونہ ہے کہ  
 "ہر سلطان کے سامنے کو حق کہنا افضل

جہد ہے۔"  
 4۔ سادہ قابل خدا سے بزرگ و بڑی عقل  
 اعانت کو ہی ایک مرد مومن کی بنیادی خصوصیت  
 قرار دیتے ہیں۔

۔ ازلیام صفتی آگاہ ش  
 ۔ فارغ از مہاب دین اللہ ش  
 ۔ کہ حرف کا لہ از ہرک  
 مانے را گم بہ قرین اللہ کبر  
 یوں سے تھو کہ امیدیں خدا سے لہیدی  
 بکھے تا تو کسی اور کفری کیا ہے؟  
 ۔ عمار کہتے ہیں کہ انسانی کو بھیڑ اپنا  
 حاکم کے مسلسل اصلاح اللہ کی کوشش کرتے  
 رہنا چاہیے اور کوئی شخص خدا الٰہی سے لگنے کی  
 کوشش کرے تو اس پر پچنے کی طرح جھپٹ  
 پڑے۔

۔ مرد مومن زندہ و باخود جنگ  
 ۔ بخود اللہ ہم چہ نہ آہر جنگ  
 ۔ آواز زانی رحمت تمام احوال فخر کی فواد  
 ہے اور اس جذبے کے بغیر اخلاقی تربت و کردار کی  
 تشکیل ناممکن ہے۔

۔ مرد و دینی کا سرمایہ ہے آزادی  
 ہے کسی اور کی خاطر یہ نصاب زندہ ہم  
 ۔ عمار کی دانے میں ہے خونی اور صاف  
 کوئی اہلی کردار کا نام ہے۔

۔ کہیں جو ضرروں حق کوئی دے باکی  
 اللہ کے فیروں کو آتی نہیں روہی  
 ۔ سادہ قابل کا بغیر انسانی معاشرے کی تشکیل  
 کہا جاتی ہے۔ اس لیے رنگ نسل و علاقہ کی جار  
 پر کسی قصب کو بھرا کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس  
 وہ شرف انسانیت کے لگاں ہیں۔



و عالم را نصیحت سے اندک کرتا ہے اور یہی وہ ہے  
 کہ بعد ازاں عبادی نے اقبال کے طبع و فکر کو اسلام  
 سے ہم آہنگ قرار دیتے ہوئے کہا کہ:

تھو پہ اے جناب بڑی ہوں خدا کی دہلیز  
 اسے کہ تو اقبال کی دولت سے ماہ مال ہے  
 ہم نے مانا تو تھیں مسرور تہذیب و رنگ  
 تھو میں سب کچھ ہے اگر اسلام اور اقبال ہے

☆☆☆☆☆

اک فکر سے بچنے ہیں اسرارِ چہا نگیری  
 چہا نگیری کو چہاں آرائی کے حیرانہات میں  
 نشاں کر دیتے دلی قوم اقبال کے گہری سڑکی حوال  
 رہی ہے۔ انہوں نے پیشانی ملت کے جوانوں کو  
 اسلاف کے عظیم ہونے کا اہل خانہ کی کسی منظر  
 کی ہے اور ان کا کام اقدار ان کی اسی گہری بین کی  
 بنیاد پر استوار ہے۔

دراصل اقبال کا انفرادی کام زندگی کے ہر  
 اہم شعبہ کا احاطہ کرتے ہوئے روشنی اسلام کی عاتق

آسمیت ایزام آری  
 آخر شاد کام آری  
 10۔ زندگی بھٹی ہے طاری پہ بھٹی قصیری کو  
 عمار اقبال تھو غری اور فقیر کردار کا سواڑ تریں  
 ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ زندگی سے بڑی مری اور اشتیاق کا  
 دس لکھ دیتے بلکہ جی شہود کے ساتھ زندگی کو  
 ہر پہلو پر شہر کر کے کا سب دیتے ہیں اور شعر  
 کا نکتہ کو شعر کا نال قرار دیتے ہیں۔  
 اک فکر سمجھا ہے سید کا نگیری



عمل عوامی ماہدی







یہ کائنات ایسی جہانم ہے شاید ۱  
 کہ آدمی ہے دامِ مدامے بھی طبعیوں  
 میں تو مضمون کے لیے یہ ایک شعری کافی  
 ہے کیونکہ یہ اپنے اندر عملِ مدامی، مطالب اور  
 امکانات کا ایک تسلسل رکھتا ہے۔ کائنات کا جہانم ہونا  
 اور اس کی شکل کیلئے مدامے "کی تائید" کی کوئی  
 مادی دینا ایک جی ویل ہے۔ اس کی تھوڑی سی  
 وضاحت ہم یوں کریں گے کہ چاند کائنات کی  
 تشکیل کی اور مادی رب کائنات کے ذریعہ ہے اس  
 لیے یہ ایسی کائنات کہ مداموں کے تحت مدام پڑے  
 ہوئی ہے اور اس کے امکانات کے تحت وہاں مدام  
 ہے۔ اس لیے جب وہ کہتا ہے "کی" ہو چکا  
 'طبعیوں'۔ "نہیں وہ ہو جاتا ہے"۔ جہانم کی کام کے  
 لیے امکانات کا چادی ہوتے رہتا اس بات کی دلیل  
 ہے کہ مدام تخلیق چادی ہے اور مدام اس بات  
 کے تحت ہے مدام پر کی ایک نیا بات اور مدام کا حوالہ  
 دیتی ہے جن کی مدامات آگے نہیں کی۔ جیسا کہ  
 پہلے کہا گیا یہ شعری ذات میں خود ایک عمل مضمون  
 ہے جسے چار بھی ہم اقبال کے دیگر شعری حوالوں  
 سے بھی کام لیں گے اور ذریعہ بحث نہیں گے۔ اس  
 سلسلہ میں گفتگو کو ہم ۱۰۰۰۰۰۰۰ میں لیتے ہیں۔ ایک  
 وہ گفتگو ہے مدامی زمین پر ہو رہی ہے یعنی انسان  
 مدامی مدامات و مدامات کی گفتگو کا کارآمد سلسلہ اور  
 دوسرا کائنات کی علاقے پہلو میں مداموں اور دیگر  
 اور مدام کی گفتگو مدامت اور مدام، گفتگو۔

اول و آخر فلا مدامی و ظاہر  
 خلق کہن ہو کہ فلا منزل آخر فلا

ہے مگر اس شکل میں رنگ ثابت مدام  
 جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام

اقبال کے ہیں مدام کا ذکر ہے۔ اگرچہ فلا  
 بھی اپنی جگہ سلسلہ ہے مگر اس کا کوئی نہیں بلکہ گفتگو اور  
 سلسلہ گفتگو کی ایک کڑی سمجھا جاتا ہے جسے مدام  
 قمریوں کے حوالے سے ثابت کرتی ہے۔

"حقیقتِ خطباتِ اقبال" (مجموعہ انکسیر  
 مہاند) میں مضمون "اقبال کا قصہ" دہائے  
 مدام" میں لکھتے ہیں "چنانچہ خطبات میں  
 خطبے Maudslayi کے طرز پر مدامات اور مدامت پر  
 مدام اقبال کے قصے کو مدام سے چڑھا جائے تو  
 ظاہر ہو گا کہ وہ درحقیقت انجی نجات کی مضمون  
 وضاحت پر مشتمل ہے لہذا ان نجات کی روشنی میں  
 مدام اقبال کے مدامات کا خطبے کے مدامات سے  
 قدامی مدام مطلب ہوگا۔

(۱) مدام اقبال قدامی کو خدا کی گفتگو مدامت کا  
 ایسا مضمون قدامی کرتے ہیں جو مدامت ہی ہے اس  
 لیے آپ کے نزدیک یہ کائنات مدامت  
 پڑے ہے۔ خطبے ایک ہے خدا کائنات میں  
 قدامی کی مدام کو مدامی قصہ کرتا ہے جس  
 میں کی پیشی کا کوئی امکان سرے سے ہے ہی  
 نہیں۔

(۲) مدام اقبال کے خیال میں تخلیق (مادی مدامی  
 کی ایک مدامی حالت ہے جس کا قصہ وہ  
 ایک خاص مدامی مدام (Parasade)  
 کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ ایک ایسا قصہ  
 جس میں قدامی مدامی مدامات آپ کے نزدیک  
 پہلے سے سمجھا ہوا تھا جس بلکہ اس کی تشکیل  
 چادی مدامی ہے۔ تاکہ زندگی کے امکانات  
 ظاہر ہوتے رہیں۔ اس کے برعکس خطبے

زمانے کو مدام (Circular) اور  
 (Periodic) اور ایک مدامی حقیقت کے

مدام پر مدام ہے۔ جس میں قدامی کے تمام  
 مدامات اور مدامات مدامی آجکے ہیں۔ اس  
 لیے کائنات کوئی مدامی یا مدامی نہیں ہے بلکہ وہ  
 دہائے مدامی ہو چکا ہے ایک مدامی کی  
 بار مدامی مدامی مدام رہے گا۔

(۳) مدام اقبال کے نزدیک "مدامات کا قصہ" یہ  
 ہے کہ زندگی کے گفتگو امکانات کی کوئی مدام  
 نہایت مدام اسے وضاحت مدامت کی صورت  
 میں تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے خلاف خطبے  
 کے نزدیک مدام مدامت اور مدامی ایک  
 لامتناہی عمل ہے

(۴) مدام اقبال کے نزدیک آرزو کا خاصہ ہے۔  
 جہات آخری اور خوب سے خوب تر کی مدام  
 جن میں خطبے جس مدامی مدام مدامت مدامی قدام  
 دیتا ہے اس کا قصہ قدامی مدام ہو چکا ہے اس  
 لیے کسی مدام اور مدامی مدام کی آرزو کی اس  
 میں سرے سے کوئی مدامی نہیں پائی جاتی لہذا  
 آرزوئے مدام اور مدام مدام مدام مدامت  
 ہیں۔

(۵) خطبے کا مدام کائنات ایک ایسی کڑی  
 مدامت پر مدامی ہے جس میں مدامات کی  
 ترتیب پہلے سے مدام ہے۔ مدام اقبال کا  
 تہل۔ اس لیے مدام اقبال کے نزدیک یہ  
 ایک ایسا قصہ ہے جو مدامی مدام کو مدامت کر  
 دیتا ہے۔

اور جس کی وجہ سے خودی اپنا مدام کو مدامت  
 ہے۔

یہاں بھی اقبال کا خطبہ مدام ہے کہ کائنات  
 میں زندگی کے امکانات کو لگا کر ظاہر ہوتے رہتا  
 ہے اور زندگی مدامی گفتگو کی کوئی مدام ہے۔ جہاں



کبھی بھی یہ سلسلہ رک جائے گا وہاں زندگی کا اہتمام ہوگا۔ دوسری طرف سائنس بھی اس بات پر اپنے تجربات کی بناء پر قائل ہے کہ کائنات کی وسعت جب تک کبھی اپنے اقصائی سطیے پر جا کر رک لگی تو یہ اصل اس کا اہتمام ہوگا۔ اسی کو کائنات میں انسان (Stephen Hawking) نے Big Crunch کہا ہے۔

عشاق کی تقویم میں چار عصر ہمارے کے ساتھ اور زمانے بھی ہیں جن کا کبھی کوئی نام اگر عصر حاضر میں اور زمانے میں تو یقیناً ان زمانوں کے حوالے سے ایک تحقیق بھی ہوگی۔ یاد رہے کہ وقت طواریک بہت بڑی تحقیق ہے جو ہمیں دھماکا (Big Bang) سے شروع ہوا اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

سب سے پہلے ہم زمین کی حیثیت کے بارے میں سائنسی تجربات جانتے ہیں کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ ہمارے نظام شمسی میں زمین قدرے چھوٹا چاند ہے اور اس کا قطر اندازاً (3000) آٹھ ہزار میل ہے۔ زمین سورج کے گرد اپنے مدار میں کاٹھنڈہ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گھومتی ہے۔ یعنی ایک صحت میں ایک جواہر (10800) میل کا قطر طے کرتی ہے اور اس طرح ایک سال میں اپنا پورا گھر گھول کر لیتی ہے۔ اپنے محور کے گرد گھوم کر دن رات پیدا کرتی ہے اور اپنے مدار میں سورج کے گرد گھوم کر سال کا موسم عمل کرتی ہے۔

زمین کی تاریخ کا مطالعہ کر کے باہرین ارضیات اور باہرین طبقات نے اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ زمین پر شہاب آفتاب کے کی تصادم (Impacts) ہوتے ہیں۔ ایک اندازے کے

مطابق تقریباً چالیس لاکھ (40000000000) سال کے موسم میں کی شہاب آفتاب کا زمین سے تصادم ہوا جس کے نتیجے میں زمین پر بڑی بڑی آتش فشاں پیدا ہوئیں اور زمین پر بڑے بڑے گڑھے بنے۔ یہ ایک بہت بڑا تحقیقی سلسلہ ہے۔ اگر کوئی بڑا تحقیقی شہاب زمین سے تصادم کے نتیجے میں 1/4 میل کا گڑھا پیدا کرے تو زمین پر بہت بڑے گڑھے یا انڈی دھماکے سے کم نہیں ہوگا۔ اس سے بڑے تصادم بھی ہو سکتے ہیں جو زمین کی اوپر والی سطح کو بالکل بدل دالے۔ اس سے بڑے تصادم کے نتیجے میں زمین پورا طور تبدیل کر سکتی ہے اور اس پر ہمارے ہونے والی آتش فشاں بھی بڑے پیمانے پر بدلتی ہیں۔ اسی کو مسلسل تحقیق کا نام دیا گیا ہے جو کہ آج تک جاری ہے۔ زمین پر جہاں ہمارا وجود ہے اسے لٹھہ کہتے ہیں اور یہ (2000) گھوٹیلو زمین سے نو پر تک ہے۔ اس لٹھہ کی مختلف وجہ بندی کی گئی ہے جو ہمارے مضمون کے دائرے سے باہر ہے۔ زمین پر تھیں جسے پانی اور ایک حد تک گیس ہے۔ حرارت کے پانی کی کل مقدار جو زمین پر موجود ہے اس کا تخمینہ تقریباً 1.33 بلین کیوبک کلومیٹر (1.33 Billion Cubic Km) لگا گیا ہے جو کہ زمین کی سطح پر تقریباً 1/4 کلومیٹر فیصد (71%) تک پھیلا ہوا ہے۔ اس پانی کا تقریباً چوتھو فیصد (97%) سمندروں میں ہے جبکہ باقی صرف ٹھیکیدان زمین کی صورت میں موجود ہے۔

یعنی سمندروں کے علاوہ زمین پر پانی کی کل مقدار زمین فیصد ہے۔ اس میں فیصد میں سے نباتات کی صورت میں تبدیلی شدہ پانی بھی شامل ہے جو سٹارٹ زمین سے بارش کی شکل میں آ رہا تھا۔ اسی لیے پانی کی اس تقسیم کو درج ذیل طریقے سے جاس کیا

۱۔ ۲۰ ہے تاکہ مجھے میں جزو آسانی ہو اور تحقیق کے بارے میں آسانی سے سمجھا جائے۔

- ۱۔ سمندروں میں پانی کی مقدار 97.000%
- ۲۔ ٹھیکیدان اور ٹھیکیدان 2.1%
- ۳۔ زمین پر پانی 0.001%
- ۴۔ سمندروں میں پانی کی صورت 0.2%
- ۵۔ سمندروں میں پانی کی صورت 0.001% (Atmospheric Water)

یہاں قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ زمین پر موجود پانی کی اتنی بڑی مقدار میں سے انسان کی ضرورت صرف 0.000 فیصد ہے جس پر انسان زبرد ہے اور حیاتی کر رہا ہے۔ ہر دو مصلوہ تحقیق کامل جاری ہے اور ہر بار اس بڑی کائنات کی تحقیق کیلئے امکانات جاری رہتے ہیں۔ زمین کے بارے میں اس طرح کی گویاں گویاں معلومات (مقام کی جاسکتی ہیں مگر اب لیب بھی رہے گا کہ زمین پر تحقیق کا وہاں کے ہی نظام شمسی system کے حوالے سے "سورج" کی بدولت ہے۔ سورج کی گرمی ہی سے نباتات بنتے ہیں۔ پانی اور بارش جتنی ہے اور ہوا اس زمین کو ایک ہی زندگی عطا ہوتی ہے۔

۱۔ ہندی سے لے کر ہاں بلچیں ہر اور کوہاں ہیں گل پانی ہے دامن ہر ایک صراحتی طور پر ہے ممکن ہر شہر و دیہات ہر ملک ہر علاقہ میں ہر کسی دامن میں جو حضور ہو رہا ہے کہ جزا کوہ سے قتل کا پھانسی ہر کوہ کو قدرت نے نکھلا ہے وہ انڈیا ہوا ہر شہر و دیہات کا صلی خواں ہوا



فلم زندے ملی فطرتہ اچان ہوا  
 راتنی بزم جہان گشتان ہوا  
 بن کے گیسو رخ استی پہ کھر چتا ہوں  
 شاد صبح سر سر سے سحر چتا ہوں  
 یہ چند اشعار نظم اور کہوہار سے ملے گئے ہیں  
 تاکہ عمار اقبال کی سائنسی سوچ اور شاعری کی ہم  
 آہنگی کا اندازہ لیا جاسکے۔ اس طرح ان کی اشعار  
 ہادوں اور دانش کے واسطے ہمیں عمار اقبال  
 کے کلام میں ملتے ہیں۔ ان اشعار میں جن نکات کا  
 ذکر ہے وہ ہمیں دانش اور ہادوں کی باتوں پر موجود  
 اور سحر اور گشتان خرو اور انوں میں رہتا۔  
 بزم صبح چلوں چلوں چلوں گھلا طرفے سے رخسار کا  
 ان کا حسن مستطیل تھا۔ یعنی سوچوں کی طرح دائرہ  
 دائرہ ہو کے زمین پر گرتا اور زمین کو زندگی عطا  
 کرتا۔ یہاں ہمیں سوالات کے بعد اشعار کے  
 ساتھ ساتھ ان کی سائنسی سبب بندی کی جاتی ہے۔

1۔ پانی جب ہادوں کی صورت میں فضا میں  
 موجود ہوتا ہے تو یہ قطراتیہ ہوا پر ایک برف کا قورہ  
 بن کر کیوں زمین پر نہیں گر جاتا خصوصاً ان  
 جسموں پر جہاں درجہ حرارت قطراتیہ ہوا سے  
 پائیس (300) ڈگری مئی گریڈ سے بھی نیچے  
 ہوتا ہے۔ مثلاً سور سے اس سیاقی کے امیوا  
 میں درجہ حرارت برف کے قطروں کی صورت  
 میں کیوں رہتا ہے۔

2۔ ہادوں سے دانش بن کر یہ قطرے اچنی  
 اور پھٹنی سے کسی طرح ایک خاص دائرہ اور  
 ایک خاص سائز میں اترتے ہیں حالانکہ  
 امکان موجود ہے کہ ہادوں کے قطرے ایک  
 ایک دور گھومنے کے بعد زمین پر گر گئے  
 اور چلی جاتے مگر یہاں نہیں ہوتا۔

3۔ ہادوں سے دانش کا زمین پر اترنا اور مردہ  
 زمین کو زندہ کرنا جس کے لیے اقبال کہتے  
 ہیں کہ

بن کے گیسو رخ استی پہ کھر چتا ہوں  
 ان سوالات اور اشعار کی سائنسی تشریح ہے۔

حقائق کی روشنی ہمیں یہ بتاتی ہے۔ پانی کے قطرے  
 جب وہ ایک ہوں یا ہادوں کی صورت میں ہوں تو  
 یہ قطریہ پائیس (400) ڈگری مئی گریڈ۔ (400)۔

تک نہیں جھکتے۔ بے شکر (Schaker) ایک  
 امریکی سائنسدان ہے جس نے ہادوں کی طبیعت  
 (Cloud Physics) تحقیق کی ہے۔ اس نے  
 ثابت کیا ہے کہ ایک طرف پانی قطریہ پائیس ڈگری  
 پر نہیں جتا اگر وہ خالص ہو لیکن دوسری طرف یعنی  
 پانی مضر ڈگری مئی گریڈ پر جم جاتا ہے جب یہ  
 خالص ہو۔ ہادوں زمین پر موجود کی حالت کے  
 باعث پانی کی علامات کی صورت میں تبدیل سے  
 بنتے ہیں۔ جنہیں ہم پانی کے باریک ترین ذرات  
 کہہ سکتے ہیں۔ یہ قطرے حتیٰ کہ تیس ڈگری مئی گریڈ  
 (300) سے پہلے بھی ٹپک نہیں جھکتے۔

یہ قطرے باجرات کا کائناتی اصل بن کر فضا  
 میں موجود ہوتی ہے۔ کے ذریعے کے گرد وچ ہو کر

ہال ڈالتے ہیں۔ یعنی پانی کے باریک ذرات  
 ایک کھپ مئی پھلوس تقریباً ایک صوب کی فضا میں  
 ہوتے ہیں۔ یہ قطرے ذرات و ذرات میں ہوا میں اترتے  
 ہیں جب ہادوں زمین کے نزدیک ہوتے ہیں۔  
 یہاں فطروں کی جماعت تو بدھ جاتی ہے مگر ہوا کی  
 دگر ان فطروں پر ہی صحت کا کام کرتی ہے اور  
 فطروں کی رائی کو کم کرتی ہے۔ اور یہ قطرے نہایت  
 عالم انداز سے زمین پر اترتے ہیں۔ ہم ان کی  
 حیوانات کے لیے فدا کی طبیعت کی وجہ سے

صداقت میں نہیں جتا چاہتے اور نہ ہی یہ ہوا سے  
 موضوع کے لیے آسانی پیدا کر سکتے ہیں  
 ہر حال میں نکات کا ہم کے نظم کے حوالے سے ذکر  
 کیا تھا، کی تشریح کی حد تک اندازے کے لیے نقلی نقل  
 ہے۔

فلم زندے ملی فطرتہ اچان ہوا  
 راتنی بزم جہان گشتان ہوا

یہاں یہ بات اخصاص طلب ہے کہ کسی  
 طرح دانش زمین پر راتنی کا سبب بنتی ہے۔  
 سائنسی حقائق کے مطابق زمین پر ایک گرم مئی میں  
 کھروں کی فضا میں درجہ حرارت موجود ہوتا ہے۔  
 جب دانش نہیں ہوتی تو یہ درجہ حرارت زیادہ حالت  
 Incubation State میں چلے جاتے  
 ہیں۔ جب دانش بنتی ہے تو یہ درجہ حرارت زمین کی  
 مدد سے ذبح ہوتا فطروں پر اترتے ہیں اور کیڑے  
 نکوڑا ہر سے اور یہاں کی صورت میں نمودار  
 ہوتے ہیں۔ یہاں اس بزم میں راتنی پیدا ہوتی  
 ہے اور ایک چیل آواز بدھ جاتا ہے۔

اس طرح ایک سلسلہ تحقیق جاری رہتا ہے۔  
 عمار اقبال نے نابالائی ہی کی سائنسی فکر کے تحت  
 سورج کے بارے میں کیا ہے۔

اے آفتاب دانا دانا دانا یہ تو  
 شیرازہ بند دفتر کن و نکاں ہے تو  
 قائم یہ حضور کا کاشا تجھی سے ہے  
 ہر شے میں زندگی کا کاشا تجھی سے ہے  
 ہر شے کو جی جی جی جی سے جنت ہے  
 تیرا یہ سوز و سار سار جنت ہے  
 نے لقا کوئی نہ کوئی اچھا تری  
 آواز تیرا اول و آخر فناء تری  
 یہ تمام اشعارات زمین و آسمان سے تمام شمس



میں گفتگو اور کار و اسل مسلح گفتگو کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔ سورج کی شعاعیں ایک خاص شرح سے زمین میں جذب ہوتی ہیں اور ایک خاص شرح سے زمین حرارت چھوڑتی ہیں۔ ان دونوں کے عمل میں ایک توازن موجود ہے جسے شاعر اس جہاں کے لیے سورج کی روح دہاں کہتا ہے۔ جس طرح شہابِ جنوب سے زمین پر تہ لپٹاں آنیں اسی طرح سورج کی کرنیں بھی ایک طرح سے مسلسل گفتگو کی طرف قدرت کی صنعت گری میں مدد دیتی ہے۔ چارے کا رنگ انسانی آکسیجن جذب کرتے ہیں اور آواز آکسیجن چھوڑتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ہوائی زندگی کا پانچ سو فیصد انسانی آکسیجن حاصل کرتی ہے اور پانی کو آواز آکسیجن دیتی ہے۔ اس عمل میں فوسفسیٹس سمندری کائی کا دل بہتا ہے اور اس سمندری کائی پودوں کا حریف ہے۔ پل ایک سو پانچ فیصد انسانی کاربن اور کھجور میں انی پانچ سو فیصد کھجور کے پانی میں آکسیجن چھوڑتا ہے۔ اس سے حریف باریک اور چھوٹی گرہ لہات ہے اہم جز کی مثال بھی یہاں انکی ہی ضرورت ہے جتنی کہ وہ پانی شندہ وہ ہے زندہ چیزوں میں جاندار اور اجسام کی ساخت۔ جس کا پانی ضرورت ہے۔ یہ پانی ایک تریزی ذرہ ہے جسے خوردبین کے بغیر دیکھنا ممکن ہے۔ مگر یہ ذرہ اپنی ذات میں ایک عمل جان ہے۔ اس میں پودوں کے نیچے اور جانوروں کے نیچے شمول انسان ایک دوسرے سے تلف ہیں۔ ان نظیوں کی ساختی خصوصیات میں جاننے سے مضمون ذرا حاصل اور گھٹے میں مشکل تر ہو جانے کا اس لیے اہم اتنی ہی بات یہ آگیا کریں گے کہ یہ نیچے طور پر اپنی ذات میں

نہیں... ہر پختہ ہیں۔ مثلاً ایک طیارہ اپنی زندگی مکمل کر کے لوٹتا ہے تو اس سے دوسرے نیچے علم لیتے ہیں۔ جلیوں کی انسانی جسم میں گفتگو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک انسان کے جسم کے عمل نیچے تقریباً سات سال سے سوال کے طور پر تھکتے ہیں ہو جاتے ہیں اور اب جو انسان نظر آتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ عمل تھکتے ہو چکا ہوتا ہے۔ یہ نظیوں طور پر وہ گفتگو نہیں جو سات سے سو سال پہلے تھی۔ یہ مسلسل گفتگو کی باریک اور پیچیدہ مثال ہے۔ اگر مسلسل گفتگو کی زمین پر ایک چھوٹی سی مثال انکی جڑی بوٹی کی لکھت کے بارے میں طیارہ اقل کے وہاں کا ساختی میدان میں کیا نظام ہو گا۔ حارے کے حوالے سے اقل کے ذرا انکی تہ لپٹ کر ان کی جان کا ہے۔

ایک رات یہ کہنے لگے شمیم سے حارے اور شمیم سے تھک کر ہر ہیں طیارے یہ بات بظاہر شاید بہت قوی اور چھوٹی ہو مگر مڈان کی گفتگو اور نہ لپٹ کوئی کر کے لکھت ہو مگر ساختی انداز ہے۔ کی لکھت بات انھیں اور صبح خود اپنی گفتگوات ہیں کہا یہ ان کے اثرات کے تحت دیگر گفتگوات بھی عمل پذیر ہو رہی ہیں۔

اس طرح حارے اور رات سے اہم یا مکمل کہہ رہا ہے تو یہ اس کی شاعرانہ وسعت فکر کا کمال ہے۔ زمین اور سمندری حوت کی خصوصیات میں ہم نہیں ہائیں گے کیونکہ ایک چھوٹا سا انی جگہ بہت بڑے مضمون کی حیثیت رکھتی ہے اور دوسرے کہ کم کا لکھت کے اس چھوٹے سے بارے میں ہم کی نہیں ہوتا ہے۔ لہذا ہمیں حارہ اور اس میں مسلسل گفتگو کے عمل کے بارے میں جانتا ہے کہ حارہ اقل کے مذکورہ اہل شعری گنج ساختی توجہ کچھ نہیں آسکے۔

فرماتے ہیں۔

صبح ازل ہو مسن ہوا دستانِ خلق  
آواز کن ہوئی تجھ آسوز جانِ خلق  
یہ غم تھا کہ گفتگو کن کی بہار دیکھ  
اک آنکھ لے کے خواب پریشان گزار دیکھ  
اگر ایک بار اس مضمون کی ابتدا کو فور سے  
پڑھا جائے تو فحشہر کا لکھت کے بارے میں قرآنی حوالوں سے انسان کو حیرت کیا گیا ہے۔ یہاں شاعر اپنے علم و خیال اور علم و ادب کا کام میں آتا ہے اور "میں لکھوں" کے لکھوں کی طرف انسان کی تہ لپٹ مہذب کر رہا ہے۔ یہ وہی سلسلہ ہے جس میں قرآن اور سائنس دونوں کی مابین میں فحشہر کا لکھت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ محقق دامن حاشا اور محقق کا نام ہے۔ جس کی بدولت کا لکھت کو فحشہر کرنا مقصود ہے اور یہی فحشہر میں حرکت زور کرتی رہتی ہے۔ طیارہ اقل کی مظلوم "علم" محقق اور سموت "جو کہ تھی" (Tennyson) کی کسی لکھ سے ماخوذ ہے۔ اپنے اندر مسلسل گفتگو کی طرف بہت واضح اشارات دیتی کرتی ہے۔ چند اشارہ ملاحظہ ہوں!

سہانی نمود جہاں کی گزری تھی  
تجسم لکھن زندگی کی کلی تھی  
کھن ہر کو چاہا ذرا دل دیا تھا  
مٹا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی  
کھن شاربِ اہنی کو گلتے تھے چنے  
کھن زندگی کی کلی پھوٹی تھی  
ریش کو تھا دہانی کہ میں آہاں ہوں  
مکان کہ رہا تھا کہ میں مکان ہوں  
ہوا سن کے گویا تھا کا فرشتہ  
اہل ہوں مرا کام ہے آہاں



آزادی ہوں میں نہت ہستی کے بندے  
 بچتی ہوں میں زندگی کا شراب  
 عمر ایک ہستی ہے دنیا میں انکی  
 وہ آئین ہے میں سامنے اس کے پار  
 شراب ہی کے ہستی ہے انہیں کے دل میں  
 وہ ہے نور مطلق کی آنکھوں کا تابا  
 سنی مطلق نے کھنکھ رہا تھا کی  
 ہستی اس کے لب پر ہوئی آفتاب  
 مری اس جسم کی بجلی نعل پر  
 اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزرا  
 جا کو جو دیکھا تو ہو گئی وہ  
 تھا حتیٰ ظہر تھا ہو گئی وہ  
 جب خواہستہ ساتھی اتار دیں ہے کہ  
 انعام کو روک دیتی رہی ہے۔ مکان بھی سوچا اور  
 لاساں بھی۔ اعلیٰ بھی ہے اور سلسلہ تحقیق بھی اور  
 آفرکار جانے دوام۔ چاہے بارہا مذاہد اور ہے یا  
 توانائی میں قبول ہو جائے۔ چاہے بدن کے نیچے  
 ٹوٹے رہیں اور نئے بنے رہیں بہر حال یہ ایک  
 سلسلہ ہے جو ہادی ہے اور ہادی رہے گا۔ ستار  
 ہم ارتقا کو رہیں یا جائے دوام تو کوئی فرق نہیں  
 پڑے گا کیوں کہ خدا موضوع سلسلہ تحقیق ہے جس  
 کو یہ قائم نظریات اور اصول تسلیم کرتے ہیں۔ یہاں  
 مختلف نظریات کے حوالے سے نظام اندھ پروج کے  
 مطالعہ میں انہوں نے (Darwin) کا نظریہ  
 ارتقاء کا مشاہدہ کیا ہے۔

”نظر یہ ارتقا کے مابین جن کردہوں میں  
 مقسم ہیں۔ پہلا گروہ (Mammalia) کا ہے جس کا خیال یہ ہے کہ  
 زندگی اور شعور سب مادہ کے ارتقا سے پیدا ہو گئے  
 اور اس سب کا ”سلسلہ مطلق“ کے پیکان کی قانونی کی

دستی میں کبھی جا سکتا ہے۔ دوسرا گروہ  
 (Vitalism) کا ہے۔ جن کا عقیدہ ہے کہ زندگی  
 مادہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس کے اپنے اصول  
 ہیں۔ حیات اپنا الگ وجود رکھتی ہے۔ تیسرا گروہ  
 Vitalists کا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ تمام  
 کائنات خدا کے شعور کو ہی دیگر اس کے مطابق ایک  
 خاص مقصد کے تحت شعور میں آئی اور ارتقا پذیر  
 اس منزل کی طرف بڑھنے کے ذرائع ہیں جو پیکان کی  
 طور پر پیش آئیں ہو گئے۔“

دوہا خانہ رنگ سے ہیں کیا کیا  
 چرائے مانگد کو کیا خیر ہے  
 جن تمام جانوں کا مقصد صرف ایک ہی ہے  
 کہ اس کائنات کے اندر انہیں ارتقا حاصل ہوا ہے  
 ایک خصوصی انداز میں پیدا ہوتے ہیں اور پیدا  
 ہوتے رہتے ہیں چاہے انشاء مادہ سے پیدا ہوئی  
 ہوں یا کسی اور توانائی سے۔ چاہے مادہ کثافت قائم  
 رہتا ہے یا توانائی میں تبدیل ہوتا ہے۔ بہر حال  
 سلسلہ تحقیق کا عمل ثابت شدہ ہے۔

سور جاز و مغل نہیں میں  
 نکلن چاہو ہوں منزل نہیں میں  
 میری نظیر ہے خالاک سوزی  
 فطرتی ہوں میں حاصل نہیں میں  
 اصل سامنے کھینچے ہیں کہ کائنات جھٹکتی  
 جا رہی ہے۔ یعنی کائنات کی سلسلہ تحقیق کا عمل  
 جاری ہے اور ہادی رہے گا۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے  
 کہ یہ کائنات ایک ایسے تک جھٹکتی جانے کی اور  
 آج کی صدی کو کوشاں کر کے یہ سائنس (27) ملین  
 سال بعد ختم جانے کی۔ اس کے بعد کائنات میں  
 سکڑاؤ آجائے گا اور یہ سکڑ کر ایک جلد سطری مادہ  
 ہو جائے گی اور 27 ملین سال بعد یہ کائنات اپنے

انفجار تک پہنچ جائے گی لیکن یہ افکار ہمیں ہر گز  
 اس میں تحقیق سلسلہ رک جانے کا ہر تحقیق کے سے  
 مراحل شروع ہو جائیں گے۔ اگر یہ جانداروں  
 (Black Holes) میں قبول ہو جائے اور  
 Big crunch کی صورت میں ختم ہو یہ سلسلہ  
 بہر حال جاری رہے گا۔ ہمیں شاید اس کا ارتقا درک  
 نہ ہو۔

یہ کائنات چھپتی نہیں ضمیر اپنا  
 کہ درد درد میں ہے ذوق آفتابی  
 لہذا یہ تحقیق اور اس کا اصول نے جانوں پر  
 آفتاب ہوا اور دم گرم ہیں۔ اگر انسان نے ”کینا“  
 کی تعلیمات میں جانا ہے اسے اپنے شوق کو بھلا  
 رکھنا ہو گا۔ اپنی عقل اور قریب کو دور رکھنا ہو گا اور اگر  
 ایسا ہو تو کائنات کے بار بار تکرار ہو سکتے۔

کچھ اور سی نظر آتا ہے کاروان جہاں  
 تھو شوق اگر ہو شریک چھائی  
 جیسے کہ کڑوا ایجاب میں تابا گیا کہ عظیم  
 دھماکے سے کائنات کا آغاز کیا جاتا ہے اور ارتقا  
 Crunch ہے اس کا اختتام اور دوبارہ جھٹکتی کا  
 سلسلہ لیکن سلسلہ تحقیق کے حوالے سے ایک نظریہ  
 یہ بھی ہے کہ جب کائنات سکڑ جائے گی اور سب  
 جانوں میں قبول ہو جائے گی تو ارتقا ہو گا۔ کیا یہ  
 سلسلہ رک جائے گا ختم ہو جائے گا اس کے بعد  
 کچھ نہ ہو گا یا عظیم کی طرف ارتقا پڑے گا۔  
 اس کائنات کا حتمی اختتام نہیں ہو گا اس لیے کہ  
 فرائض ہوتا بلکہ اپنی عقل قبول کرے جاتا ہے۔ اس لیے  
 اس بات کا امکان موجود ہے کہ دوبارہ ارتقا حالت  
 میں پہنچ جائے جہاں عظیم ہو کہ ارتقا ہو یا کائنات  
 دوبارہ پھیلے گی داخل ہو جائے اور ممکن ہے نئی  
 کائنات ارتقا میں طرے نہ ہو۔ یہ سچ ہے اور کچھ نہیں



اس طرح نہ ہوں۔ ہم ہماری کائنات کا خیال ہے کہ ہر کائنات کی تخلیق کا دور پچاسواں (500) بلین سال ہو سکتا ہے۔ جبریت کی بات یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ کائنات سیکڑ کر ایک نفلے پر آ جاتے گی۔ One Hundred of a Billionth of a Centimetre یعنی ایک نفلہ۔ اور اسی نفلے سے کائنات دوبارہ جنم لے گی۔ گوکہ یہ دانشمندانہ وقت سوانے اضطراب کے پیکٹوں میں کتنے جنم ہمارے پاس ایک بے پناہ زندگی باوجود پیدا ہونے کا تصور موجود ہے۔ جس سے یہ وہی سلسلہ ہو۔

مذہب دلی بہت عقل منکر اپنی نگاہوں کو کیا ہر وہ عقل سے نہ جبریت آشکارا کرتے ہو

الطاف سے آتا ہے ہاں کا جواب آخر کرتے ہیں طباطبائی آفرائیت ہیں جواب آخر یہ بات فراموش ہے کہ طالع اقبال نے کائنات کے بارے میں جو حقائق بیان کئے ہیں انہما حدیث ہے ان کا آج بھی تو آنے والی خبر و احوال کر کے گائیڈ و ہفت کے ساتھ ساتھ شاعرانہ راہنمائی انسانوں پر تجربات کی مدد سے ممکن ہوتی ہے۔ مختلف ادوار میں مختلف لوگوں نے کام کئے اور انے واسطے انہیں حیرت آگے لے کے چلتے رہے اور تجزیہ اور تجزیہ کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر شخص ہر شعر سے اپنی طبیعت استطاعت کے مطاب طالع کرتا ہے اور وقت و قدر شعر کے بارے میں طالع اقبال نے خود کہا ہے کہ

رقعت شعر کی اور حقیقت ہے کیا حرف قضا ہے کہ نہ سخی نہ بد ایک اور جلد ہر پارہ تخلیق (Recreation) کا نظریہ قائم کرتا ہے۔ جس

نظر سے کائنات میں یکجہلی ہوئی نکلا کی ذات خود ایک طرح سے بنی ہوئی بنائی گئی ہیں۔ ان میں تخلیق کا تسلسل اس طرح سے قائم رہتا ہے کہ کھٹکنا (Khatkhat) کے اندر خود حیرت انگیز مہر پرانی کر کے قائم ہو جاتے ہیں اور ایک عرصہ تک قائم ہی رہتے ہیں جبکہ اس دوران کائنات کا باقی سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے۔ اب اس کھٹکنا کے اندر چند کرداروں کے ہونے کی بات (حضور) ہو کر رہا ہو چکا اپنی عقل و صورت میں دوبارہ زندگی ہو کر شروع ہو جاتا ہے۔ ہم اس کی سائنسی تفصیلات میں نہیں جائیں گے لیکن یہ بات ہر مال و ہر شے سے ہے کہ اس طرح سے کھٹکنا کے اندر یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جسے طالع اقبال نے حیات و موت کا نام دیا ہے اور یہ سلسلہ اس خوش اسطوئی سے جاری ہے کہ ایک کھٹکنا میں ہونے والی موت و حیات دوسری کھٹکنا پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ بارے کہ ایک کھٹکنا میں گمراہی کے طالع سے حیرت ہے اور ان کی کھٹکنا میں گمراہی میں ہیں جو ان کی کائنات میں یکجہلی ہوئی ہیں۔ ہر کھٹکنا کے بارے میں اقبال کا یہ مصرعہ صاف ہے۔

عقل قدرت کا آخر ثبوت جانا ہے سکتہ دینی ہے ہر چیز اپنی زندگی کا ثبوت نظریہ تخلیق تسلسل کے سلسلہ میں طالع اقبال کے حوالے سے جانتا ہے کہ اس

ہمیں عالم میں حرکت حیات کا عمل غلط اس کی مسلسل صورت میں جاری ہے یعنی کپڑے اتارنے اور ہار پہننے کی طرح کہ آئی ہو روز کپڑے پہنتا ہے اور ہار اتارتا ہے ہر پہنتا ہے ہار اتارتا ہے۔ اس عالم کی برائے حال بھی رہی ہے اور سائنس بھی ہے (جس طرح ہم اپنی زمین پر

سائنس ہوتے ہیں اور ان کی ہر بات سے کچھ حیرت ہوتے ہیں)۔ نہ چلنے کے آثار کا پتہ چلتا ہے نہ ٹھہرنے کے احکامات۔

بہشت خلق و علق جہنم است اگرچہ موت عرض مدح است ہر موجود اپنے فنا سے اور اس فنا سے بھر جاتا ہوتا ہے۔ (عالم برکت و برکت میں ہے اور ہر بھی اس کے اندر ہر ایک شے حیرت ہے اور اس سے ایک دوسری شے پیدا ہو جاتی ہے۔) (ماخوذ از حقائق طباطبائی اقبال)

یہ وہ سلسلہ اپنے حقیقت میں جنہیں حیرت اور استحسان و تجزیہ اور تجزیہ کی بنیادوں پر پرکھتا ہے اور وہ ان کے کام میں ہے کہ جس میں ان کے اندر اضطراب اور جھنجھوکا اور افسانہ اور اس کا ظاہر ہونا ناگزیر ہوتا ہے۔ حیرت کی ہر تخلیق کی تخلیق کی بنیاد پر ہوتی ہے اور طالع اقبال کے پاس تخلیق کی فراہمی اور بیان میں سائنسی اختراعات موجود ہیں اور طالع نے اپنے تخلیق مخلص رہا ہیں۔

کتابیات

- 1۔ قرآن کریم۔
- 2۔ پاک و ادب طالع اقبال
- 3۔ بانی جہنم طالع اقبال
- 4۔ ضرب بکلم طالع اقبال
- 5۔ ارمغان ہزار اور ادب طالع اقبال
- 6۔ حقائق طباطبائی اقبال کا انگریزی مہر
- 7۔ تخلیق و حیرت طالع اقبال
- 8۔ علم کے سائے افسانہ۔ ای۔ ایم جہا حیرت سید کامر
- 9۔ مہر کی انکشاف۔ بیانی رقی
- 10۔ انسان نے کیا سوچا؟ نظامہ ہر روز



11۔ اسلام کیا ہے؟ کلام اللہ پر	Stephen Hawking	19۔ بڑا بگ بگ سے بگڑی 25 فروری
12۔ وقت کا سفر آخر ہم جہاں پہنچیں گے	Black Holes & Baby	2001ء
13۔ کائنات اور اس کا الہام پر حضرت اکر فیض	Universe	20۔ بڑا بگ بگ سے بگڑی 24 جون
14۔ In Search of Ancient Gods	Guide to the Stars and	2001ء
15۔ Brief History of Time	planets	21۔ بڑا بگ بگ سے بگڑی 12 جولائی 2001ء
	Moon	22۔ "The News" 12 جولائی
	National Geographic	2001ء
	TV Channel	☆☆☆☆☆

*Certificate of authenticity*

**Lincoln's Inn.**

These are to Certify that *Shahid*  
*Muhammad Iqbal* a *Trusly* being  
a *honest* man in *London* the  
a *honest* man of *honest* *honest* *honest*  
honest.

was admitted as a *honest* *honest* *honest* *honest*  
the *honest* *honest* *honest* *honest* *honest*  
was *honest* and *honest* - and *honest* to the  
a *honest* *honest* *honest* *honest* *honest*  
a *honest* *honest* *honest* *honest* *honest*  
a *honest* *honest* *honest* *honest* *honest*  
a *honest* *honest* *honest* *honest* *honest*  
a *honest* *honest* *honest* *honest* *honest*

The *honest* *honest* *honest* *honest* *honest*  
a *honest* *honest* *honest* *honest* *honest*  
a *honest* *honest* *honest* *honest* *honest*  
a *honest* *honest* *honest* *honest* *honest*  
a *honest* *honest* *honest* *honest* *honest*

*honest*  
*honest*  
*honest*

*honest*



محمد علی جناح کی یاد میں



## علامہ اقبال کا تصور تقدیر

پروفیسر محمد رمضان ساجد

طوفان کے کھڑا ہو گیا اور جانک دلی دہائی تقدیر  
پرتی کی لگی کر دی اور اپنے تصور قدروں کے آیات  
قرآنی سے حریف کیا جن کا مضمون یہ ہے کہ انسان  
اپنے اقبال کا جاب وہ ہے نہ اگلی دن لوگوں کی بد  
کرتا ہے جو اپنی دعا آپ کرتا ہے کہ میں۔ اس کرد  
کے نزدیک انسان اپنے ارادہ عمل میں باطل آزاد  
ہے خبر اور شر اس کے عمل کی کیا بات ہیں۔ طبع  
آزاد ہے اس تصور قدس کی تائید کرتا ہے کہ اگر  
احساب کامل نہیں تو پھر طبع آزمائی کیا مضمون  
رکتا ہے آخر قیاس آفرین حقیقت ہے تو احساب  
کامل انسان کے ارادہ عمل کی آزادی کو ظاہر کرتا  
ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس تصور پر زور دیا گیا  
ہے۔

علامہ اقبال مسلسل مل اور ہر جہد کے حامی  
ہیں۔ انسان کو بجز عمل جس جگہ جہاد کا انشاء  
میں دیکھتے۔

تو اپنی سرشت اب اپنے ہم سے تھ  
خالی رہی ہے جسے حق نے تری جبین

عمل سے زندگی اپنی ہے نہ اگلی جہم ہی  
یہ خاکی اپنی طرقت میں نہ کوئی ہے نہ کوئی ہے

جن جن جن عمل جہم جہم جہم جہم جہم  
جہا زندگانی میں ہیں تو مومن نہ شہید

حیثیت الہی ہی سے جوتا ہے لہذا اس میں ان کا کیا  
تصور ہے؟

علامہ اقبال نے پہلی قسم کی کھڑی کی گھر پر  
قسمت کی ہے۔ ان کے نزدیک اس تصور کی ہدایت  
انسان کو شرف انسانی سے کر جاتا ہے اور عمومی طور  
پر انسان اور خاص طور پر مسلمان سے مخاطب ہو کر  
انہوں نے فرمایا

فرمیں کیا ہے نام اس کا خدا فرمیں کہ خود فرمیں؟  
عمل سے قریب ہوا مسلمان کا کے تقدیر کا بیان  
ایں کہ وہ کہ دوسری گمراہی کے کاغذ میں جس  
میں انسان رہا نہ ان اختیار کر لیتا ہے اور ایسے  
مخاطب کو حوزہ ہاں ڈالتا ہے جو اس کے خالق کو  
ناہمہ میں اور جس سے نکال دینی اختیار کر کے دی۔  
شرف انسانی اور کھلی ہوئی منزل حاصل کر سکتا ہے۔

اقبال نے انسان کی اس بے راہ روی کو طبع طبع  
جہر کی ہر سے ظہور دے رہی ہے کہ انسانی عظمت کی  
کافی قدر دیا ہے اور وہ کی زبان میں فرشتوں کے  
ساتھ اس انسانی کائنات کو کر دینی جہنم خیال کو کھلا  
جوتہ کرنے کو سے فرمایا ہے۔

کافی عجز نے سنبھلائی ہے جہت اسے  
کہا ہے جہی حیثیت میں نہ تھا میرا کرد  
۔۔۔ رہا ہے اپنی آزادی کو مجھ کی کا نام  
۔۔۔ وہ شہ سوزش کو خود کہا ہے اور ا  
فرما جہر کے مقابلے میں فرقہ قدس یہ لم

لہذا ہم ہی سے تقدیر کے تصور کو بڑی  
اہمیت حاصل رہی ہے خاص طور پر قرآنی آیات  
کے حوالے سے امت مسلمہ واضح طور پر دیکھ سکتی  
میں جہم ہو گئی اور یہ کردہ بڑی کا شرف انسانی  
دور میں نکلتا ہے جس کی آزادی شادی سر پتی میں  
کی گئی۔ جہاں اور جہت سے فتنوں نے اپنے لئے  
اس دور کو زنجیر پلاہاں مسک جہر دہائی اہمیت  
اختیار کر گیا بلکہ مضمون نے ان مہوں انہوں کو  
ایک دور سے کفر پر لانے کی بڑی کوشش کی اور  
وہ اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے مگر  
اس کے باوجود غالب حیثیت تصور قدس کی کامیابی  
رہی جسے صرف عام میں تقدیر پر پتی کہا جاتا ہے یعنی  
انسان بجز عمل ہے۔ سب کام اللہ کی مرضی و رضا  
سے ہی ہوتے ہیں نیز جہاں کے لہذا قدس میں  
ہے کوئی چاہی اس کی مرضی کے بغیر نہیں سکتا۔  
حیات ذاتی کے جہم میں ہے۔ بجز وہ جہر۔  
تقدیر پر پتی کے ان دہائی تصور کی ہدایت  
مسلمانوں میں ملتی ہے۔ وطن کی فضا میں ہے اور  
نہیں جہاں تک جہاں دہائی ہیں۔ جہاں لوگوں  
نے اس تصور کی ہدایت عبادت و عبادت ترک کر  
دی کہ جہنم و دنیا تو خدا کے لئے چاہئے ہیں  
ان لئے ان کا کیا کام؟ اور وہ اس کھلی ہوا کہ  
لوگوں نے خود کو بجز عمل ہو کر نہ ان اقبال کو اپنا  
شہادہ دیا کہ کھلی ہیں کے۔ یک یہ سب جہم کی تو



محبت مجھے ان جوانوں سے ہے  
 حصاروں پر جو ڈالے ہیں کند  
 بلاشبہ انہوں نے عملِ حکیم پر بہت زور دیا ہے  
 اور سچے عمل کو تقویٰ سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ان کے  
 نزدیک احکام خداوندی سے بے نیاز ہو کر صرف  
 تقویٰ کو سب دیکھ گئے یا پہچانی نہیں کیا کہ جو کچھ ہے  
 یہ بات واضح رہے کہ انسان کے تمام افعال  
 اگر وہ احکام خداوندی کے تحت ہیں تو وہ سراسر  
 عبادت ہیں۔ حضرت علیؓ کی بہت سی احادیث اس  
 امر کی وضاحت کرتی ہیں۔

جیسا کہ درج بالا طور میں ذکر کیا جا چکا ہے  
 کہ اقبال مسلسل جدوجہد اور عملِ حکیم پر یقین رکھتے  
 ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس بات کے بھی حامی  
 نظر آتے ہیں کہ کلمہ تقویٰ پر بنی انسان اور انسانیت  
 کے لئے چاہے کچھ ہی جیسا کہ وہ اظہارِ خیال بیان کرتے  
 ہیں۔

یہ وہاں گھٹے نامیں رہا سب  
 کہ نام تکھڑی نامیں فراگیر  
 کہ ہر قوم پیدا ہو کر خود  
 تو تھکے وہاں راستہ تھوڑا  
 ”ہم میں ایک بولے نامیں نے مجھ سے  
 کیا کہ نامیں لوگوں کی چاہی اور حلال کا ایک تکھڑ  
 مجھے معلوم ہے وہ تکھڑ ہے کہ ہر قوم اپنی موت کا  
 سانس خود پیدا کر لے گی ہے چنانچہ مسلمانوں کو تقویٰ  
 نے چاہا ہے اور میں (سب دلوں کو) انسانی  
 تھوڑے۔“

جبروت کا مستطابلی تمسیر نامیں سے گزرتے  
 ہونے پہلے اسلاف میں بھی کہیں نہیں نہرِ بحث رہا  
 جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ خلیفہ المسلمین

حضرت علیؓ نے کسی نے ہم چھاکر یا صبر المومنین یا  
 انسان نکلا خود رکھنا ہے اور کچھ مجھ۔ حضرت علیؓ نے  
 اس میں سے ایک ناکہ پر کڑے ہوئے لکھا تھا اس  
 نے اپنی ایک ناکہ لٹائی۔ آپؓ نے پھر فرمایا کہ  
 دوسری ناکہ بھی اٹھاؤ۔ وہ عرض کرنے لگا۔ یا  
 حضرت اس طرح تو میں گر ہوں گا آپؓ نے  
 فرمایا جس انسان کا یہی خود رکھنا ہے۔

بھوسہ خانے اسلام نے (جو ظلم کو ہی مورد  
 رکھتے تھے) مستحقِ رحمہ کو بھٹانے کے لیے ہم کو کھینچ  
 کی ان مصطفیٰ کے سرخیلِ امام احمد فراخی ہیں۔  
 جنہوں نے فرقی جبرے اور تقدیر کی انتہاؤں کے  
 درمیان کی رادھا قیام کی جو اسلامی تہذیب کی اصل  
 دار ہے۔ ان کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کی  
 قدرت اور انسانی خود ارادیت ایک دوسرے سے  
 متضاد نہیں بلکہ دونوں ایک حقیقت ہیں کیونکہ ارادہ  
 تو مطلق اللہ تعالیٰ کا ہی ہے لیکن اس ارادے کا کچھ  
 حصہ انسان کو عطا کر دیا جاتا ہے جس کی مدد سے  
 چاہے اپنے افعال اور کردار میں خود رکھنا ہو جاتا ہے  
 لیکن انسان کی یہ خود رکھائی اللہ تعالیٰ کے کامل  
 ارادے میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتی۔ گو انسان کو  
 اپنے ارادے اور عمل میں ایک خاص حد تک اختیار  
 عطا کر دیا گیا ہے لیکن اس کا یہ اختیار محدود ہے اور  
 اسی حد تک ہے جس حد تک اللہ تعالیٰ کے کامل  
 ارادے میں اس سے نقص پیدا نہیں ہوتا۔

ام فراخی کی حد وہ بلا خیالِ آخری کا تقویٰ  
 ہائے دل کی بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کو جو  
 ارادہ عمل کی خود رکھائی حاصل ہے وہ اللہ کے کامل  
 ارادے میں سے کچھ عطا کر دیا جاتا ہے کہ انسان کی  
 صلاحیت کہہ سکتے ہیں انہی صلاحیتوں کو اپنی کوشش  
 سے بڑھانے کا ارادہ کر کے عمل کا کام لے لے۔ اگر یہ

عمل ثابت اور خارج انسانیت کے لئے ہو گا تو ”خیر“  
 ہے اگر اس کوشش کے نتیجے میں الگ انسانیت اور  
 شرف انسانی سے کم تر نہ ہو گا بلکہ وہ اس کے ”خیر“  
 ہے۔ لیکن ”فیروزش“ انسان کے لئے موجبِ ہزار  
 سزا ہیں۔

انسان اگر خیر اور شرف انسانی کی طرف اپنے  
 ارادے اور عمل کا رخ کر دے تو اقبال کے نزدیک یہی  
 خودی ہے جس کی پہچان اور احکام پر اقبال نے  
 زور دیا ہے چنانچہ اقبال کا نظریہ یہ ہے کہ انسان  
 اپنے ارادہ عمل میں اپنی طرفِ آزاد ہے مگر یہ کوئی  
 ایسی مادی قوت نہیں ہے جو انسان کو خالص اہل  
 کرنے پر مجبور کرے اور نہ ہی انسانی اہل پہلے  
 سے یقیناً اہل میں پائیدار ہیں بلکہ حقیقت میں تقویٰ  
 اور انی صلاحیتوں اور ناقابلِ حصول امکانات کا  
 نام ہے انسان کا عمل اپنی آزادی سے بخود میں  
 آتا ہے جس میں جبر کو کوئی دخل نہیں۔ انسان کے  
 سامنے بہت سے امکانات ہیں اور وہ انہی  
 صلاحیتوں کے مطابق ان میں سے منتخب کرتا جاتا  
 ہے جو عمل کی صورت قرار پائے ہوئے ہیں۔ اب  
 ان اہل کے ”خیر“ یا ”فیروزش“ انسان کے  
 انتخاب اختیار ہے کیونکہ ارادہ اختیار کی قوت عطا  
 کرنے والے نے تو دیا ہے کہ وہ عطا  
 المصلحت (اور ہم نے اسے ان دونوں واسطے نام ہے  
 ہیں) اگر اللہ کا قانون ہے اور اس حق ہے تو احتساب  
 کی نافرمانی صرف اسی صورت میں انسان پر مالی  
 جا سکتی ہے کہ اسے اپنے ارادہ عمل میں خود رکھنا  
 جائے تاکہ اپنے اہل کو خود بخود کرے اور اپنے  
 اندر احکام کی قوت پر نہ کرے کہ وہ خود احکام  
 حاصل ہو جائے کہ ہارے وہاں پکا ہمارے۔

خود کو کر بلکہ اتنا کہ ہر تھکے سے پہلے



لہذا یہ ہے کہ خود کو کھٹے قابو گیری دنا کا ہے !  
بے شک خدا نے علم دیا کہ کمال ہے مگر  
اس نے انسان کو یہ سعادت نصیب فرمائی کہ اس  
عالم کی آزادوں میں شریک ہو اور اپنی ایک انگ  
کا کات تشکیل کرے جس کی اس کے لئے لازم ہے کہ  
وہ اپنے اندر ہی کوئی پادہ پستانہ میں چھل کرے تو  
مگر خدا بھی اس کے اندر اس کی تشکیل میں مددگار ہو  
گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لن الله يلعبن باهلوم حسی بصروا  
مادہ ص ۳۳۳

اقبال نے اس قرآنی خیال کو کچھ یوں بیان  
کیا ہے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی  
نہ وہ جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا  
گویا انسان کے لئے صوبہ ہی ہے کہ وہ  
دعا کر، صلاحیتوں کا پرہیز استعمال کرے جس  
سے وہ اپنی نفسی تبدیلی کے ساتھ کائنات کو بھی بہتر  
صورت دینے کا باعث ہو گا چنانچہ اقبال فرماتے  
ہیں

تری خودی میں اگر انکسار ہو بیجا  
جب نہیں کہ یہ چار س بول جانے !  
اقبال کے نزدیک انسان اس کائنات میں  
انسانہ طور پر حرکت ہے اس کی وجہ سے وہ اپنے افعال  
میں آزاد اور امداد ہے اور یہی آزادی اس کی  
خود کی نشوونما کرتی ہے۔ لہذا وہ فرماتے ہیں۔

تاری جیوں ۔ ۔ ۔ ہدایا ترے آگے  
وہ عالم مجھ ہے تو عالم آزاد !  
اقبال انسان کو مسلسل حرکت دیکھنا چاہتے  
ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انسان اپنی کائنات و حیات اور  
وہاتہ تکمیل کرے۔ لیکن ان کے نزدیک کائنات

مردود ہے نہ عقل۔ فرماتے ہیں۔  
یہ کائنات ابھی ناقص ہے شاید  
کہ آ رہی ہے صدائے کئی لہجوں !  
اقبال کے نزدیک اسی خودی کے ساتھ ضمیر  
کائنات کے لئے گامزن و بنا ہو رہا ہے اور مگر وہ  
دعا میں اپنی کوششوں کے نتیجے میں سرگرداں مگر اس  
ہو اس کی تشکیل خودی کا ثبوت ہے کہ کنگا اقبال کے  
دیکھتے تھے وہ اختیار و جدوجہد و جدوجہد میں ساتھ  
ساتھ چلتے ہیں۔۔۔ تاہم حیات تک وہ انہیں جیسا کہ  
انہوں نے اپنی منظوم نظم "نور انسانی آدم کا استقبال  
کرتی ہے" میں فرمایا۔

خوشیہ جہاں جب کی خود میرے خرد میں  
آباد ہے اک جزو جہاں میرے بحر میں  
پتے نہیں نکلے ہوئے فرداں خرد میں  
جستہ تری پہاں ہے ترے غول ہجر میں  
اے بیکر گل کاشف ہجیم کی جزا دیکھ  
جیسا کہ چیلڈ کر چکا ہے کہ اندھو عقل  
ہے اور فیصلہ لہرائے میں عمل اختیار دیکھتا ہے مگر یہی  
اس نے تمام انسانوں کی تھوڑا ایک بھی نہیں جانی  
اور انسانوں کو حلقہ دوپ میں بیجا فرمایا ہے اور  
امداد دہاں میں نہیں۔ شاید گواہ میر و لریب آزاد  
تمام مظلوم و غلام اور مسک و گروہ و خیر و اور ساتھ ہی  
اپنی تھوڑی بولنے کی خواہش اور جتن کا اختیار دیا۔  
اقبال کے نزدیک اگر انسان اپنی تھوڑی بولنے کا  
خواہش ہو تو اسے قوی مراحل کے ساتھ عمل بھی  
کرنا چاہیے مگر یہی کہ ما کے ساتھ وہ اپنی بھی نہیں  
سے اور خالق تھوڑا چاہتا ہے کہ انسان کس تھوڑ  
کا صاحب ہے؟ چنگوہ آزاد ہے اس لئے وہ اس  
خواہش میں بھی آزاد ہے۔  
تج کا ہر لکھ حجام لہبت

عظم کا ہر لکھ فی مرگ مطایات ا  
دل کی آزادی شہید ہی عظم سناہ موت  
فیصلہ میرا ترے افعال میں ہے دل اظہار  
اقبال انسان کو یہ پادہ آزاد نہیں سمجھتے۔ اور  
فی مجرور عقل۔ وہ انسان کو بولنے سے اختیار کا حکم  
انہیں کا پندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

تھوڑے کے پاندہ حیات و سعادت  
سوسن فتنہ انعام الہی کا ہے پاندہ  
اقبال کے نزدیک جو نفس تھوڑ پرتی سے  
بے نیاز ہو کر انعام الہی کا پاندہ ہو اور وہ اس حالت  
میں اس کا گروہ حیات سے لہجی حیات کی طرف  
عقل ہو تو غافل تھوڑ پکارے کہ پاندہ میں نے  
کس نفس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

چتاں جہاں کہ مرگ تست مرگ ہم  
نہاڑ کرہ خود خرمسار تو گد !  
جیسا کہ اقبال شاعر چاہتے ہیں کہ اقبال کی  
یہ حالت دہی کہ جب بھی کوئی اپنی مشکل مسئلہ  
اور چش ہو تو وہ اپنے دماغی مرشد مولانا دہی سے  
رجوع فرماتے۔ اس اقبال کی ہدایت مسئلے میں بھی  
انہوں نے ہماری دماغی ہی اعانت میں فرمائی۔ وہ  
اپنے مرشد سے دعا کرتے ہیں "مرشد! میں سوال کرتے  
ہیں اور مگر مرشد کی جانب سے جو جواب دیا ہوتا  
ہے اقبال کا مسئلہ ہر قدر میں وہی مسئلہ ہے۔  
اقبال اپنے مرشد مولانا دہی سے عرض  
کرتے ہیں۔

اے شریک صحتی خاصاں ہد  
میں نہیں سمجھا صوبہ جبر و قدر  
وہی وہی جواب دیتے ہیں۔  
بال ہدایا ما سنے سلطان ہد  
بال ارغاس با مگر حجان ہد



"قدرت نے باز اور گئے کہ باز دعا کے  
 ہیں اور ساتھ ہی انہیں اختیار بھی دیا ہے کہ وہ ان  
 بازوں کو جس طرح چاہیں استعمال کریں چاہے ہر  
 گناہ کی پاداش کی کوئی پرچہ بچا اور گنہگار کی خواہش  
 میں غرضوں میں مائل دیا۔ عرض بازوں کے  
 استعمال کا اختیار انہوں کو تھا۔ اسی طرح انسانی کو بھی  
 بہت سے اختیارات دئے گئے ہیں۔  
 منہج ۱۶: ۱۷ سے یہ تجویز اٹھ جاتا ہے کہ

اقبال نے "بحرین" میں لکھا ہے کہ ان کا  
 عقیدہ یہ ہے کہ  
 ان کے درمیان ہر قدر است  
 اور ان کے اسلام کے گورنر کے لئے کہ  
 اسی تجویز پر چکا ہے کہ انسان مجبور نہیں ہے نہ ہے  
 مگر آزاد بلکہ کامرانی اور کامرانی کے کامرانی کا پابند  
 رہے ہوئے وہ مستقل حقیقت اختیار کرنے میں ہے  
 چاہے اقبال لکھتے ہیں۔

کی طرف سے وہ تو نے تو ہم میرے ہیں  
 وہ جہاں جے ہے کیا لوگ وہ ہم میرے ہیں  
 اور ہمیں آکر اقبال کا فرورسوں میں اختیار  
 کرتے ہیں کہ مسلمان تو خود تھے جانتے ہے۔  
 کافر ہے تو جانی ہے تھے مسلمان  
 مومن ہے تو خود آپ ہے تھے اہل  
 ☆☆☆☆



جاپان کے تحت ریکی کی اصلاح و ترقی کے لئے اسلامی لائبریری



# اقبال کا تصورِ اجتماع

فائل کا کرام

میں وہ کہاجا کر رہی۔ مخصوص اجتماع سے مراد ہے کہ صاحبِ فکر میں اس کی قانون کی طرح نہیں کی گئی تو ہر جہت میں انہیں اجتماع استعمال کر کے اجتماع کرتے ہیں۔

اقبال کے قلم کا موضوع "قانون سازی کا عمل اختیار" ہے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ کتب و سنت کے مطابق قانون بن دیا جائے۔ صاحبِ اقبال کی رائے یہ ہے کہ اسلام کا قانون ایک بندہ کلام نہیں ہے کہ جس میں کیا سوچی رہے گا بلکہ اس میں مسطور ہوا غرض ہوتا ہے۔ جیسے جیسے سنت بدل رہا ہے اور حالات بدل رہے ہیں شرعی کی روشنی میں اسلام کا قانون نکلتا ہے۔

اسی قسم کے خیالات کا اعجاز اقبال سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، مولانا ابوالخیر محمد اقبال دہلوی، مولانا ابوالخیر محمد اقبال دہلوی نے بھی کیا۔ جمال الدین افغانی نے کہا کہ

"اجتماع کا اور مفہوم نہیں ہے۔ یہ فرض ہی نہیں ہے کہ اگر قرآن کے اصولوں کو اس طرح سے سمجھ کر اس کے مسائل پر لکھ کر دیں۔ اس بات سے اسلام دراصل دوبارہ تخلیق کا مرتب ہوتا ہے۔" (۱)

اقبال اجتماع کا کوئی دوسرا تصور نہیں دیتے ہیں بلکہ ان میں تخلیق کے بھی حاکم تھے۔ جب وہ اجتماع کی بات کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد عملِ قانون سازی ہوتی ہے۔ وہ طرزی اجتماع کی بات کرتے ہیں اجتماع کے قائل تھے۔ اجتماعی اجتماع کے بارے میں مسلم لک کے ساتھ ساتھ اس میں کہا کہ "میں جو چاہتا

تھے صرف ایک بار سوچ کر ہی یہ قلمبند کر دیتا تھا۔ بلکہ شروع سے ہی اجتماع کے مسئلے سے دلچسپی رکھتے تھے اس خطبہ میں انہوں نے مختلف طرزِ فکر و افکار کی کئی مثالیں دی ہیں۔ (۱۳)

اسی قلم میں اجتماع کی تعریف کرتے ہوئے اقبال سب سے پہلے اسلام میں تحریک کے اصول کی بات کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہاں اسلام ہوا کے اصول پر نہیں بلکہ حرکت کے اصول پر قائم ہے۔ زندگی کا بنیادی اصول بھی حرکت ہے یعنی اسلام کو اس حرکت کا ساتھ دینا چاہیے۔ اقبال نے اجتماع کی نہیں فرما بلکہ ان کی ہیں۔

1. اجتماع اسلام میں اصولِ تحریک ہے۔  
2. اجتماع آزادانہ رائے اور فیصلے کا نام ہے۔ اور یہ آزادانہ رائے تحریک کی روشنی میں قائم کی جاتی ہے۔

3. عملِ قانون سازی اجتماع کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ یعنی دینے والے نے ان کے قانونوں کے مطابق تدبیر کو کی جاتی ہے۔ اور ان کے اصول کے نزدیک اجتماع کے شعور رہے ہیں۔

1. تحریک کا قانون سازی  
2. اجتماعی اختیار  
3. مخصوص اجتماع  
تحریک سے مراد شریعت کے مطابق شرع کرنا اور اس شریعت کے مطابق قانون سازی کرنا۔ اجتماع کا اضافی اختیار ہے کہ کوئی مخصوص شخص

اجتماع کا اقتدار سے نکلے۔ جس کے سامنے کوئی نہ ہو۔ اجتماع کا اقتدار ہر وقت ہر وقت کے لئے چلتا ہے۔ (۱۱) اصطلاح میں اجتماع کے بہت سے مفہام ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی بھی مسئلے کے بارے میں کوئی رائے دے۔ دوسرا فہم کہ کوئی چیز ماننے سے ہو تو ان رائے کے بارے میں قائم کرنا۔ تیسرا حقیقت پر مبنی اجتماع کا ایک مفہوم عقلی استدلال بھی ہے کہ عقلی استدلال کے بارے میں کسی مسئلے کا حل۔ چوتھا اجتماع کا مطالبہ ہے۔ آپ دیکھیں کہ اجتماع کی بنیاد کن شرائط پر رکھی۔ اس خطبہ میں میں فرماتا ہوں ہیں۔ قرآن و سنت کو اس اور اجتماع۔

جب اقبال نے اپنے دور پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ علماء کے نزدیک عقلی طور پر اجتماع کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بھی غیر حکومت آئے کی وہ اپنی مرضی کے تحت لے گی کہ کون خطا کا دہرہ تھا۔ علماء نے خیال کیا کہ خطا کا دہرہ میں تخلیق ہی ہوا ہے۔ اگر عیناً نہ کیا گیا تو وہ سب میں لگی ہوئی ہیں اور اختلافات بینہ انہوں نے اقبال نے بھی اس بات کی تائید کی کہ عقلی کے دور میں اجتماع ممکن نہیں۔ اس صورت میں تخلیق ہی بہتر ہے۔

1. اجتماع مال دنیا کم فکر  
2. اجتماع دفعات معلوم  
3. اجتماع دفعات معلوم  
اپنی کتاب انسانیت کی تشکیل میں اقبال نے ایک طبقہ اجتماع کے بارے میں بھی دیا۔ (۱۲) اقبال



ہوں کہ علماء کی ایک مجلس تشکیل دی جائے جس میں مسلم قانون دان بھی شامل ہوں جنہوں نے جدید قانون کی تعلیم پائی ہو۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی قانون کی حفاظت اور ترمیم کا ادارہ ضرورت ہو جائے۔ اس ادارے کی مدد میں اس کی ترقی ہوگی جسے اس میں اس ادارے کے قریب رہا جائے۔ اسلام کے پیروی اصول میں کارفرما ہے۔ اس مجلس کو ان کی تحفظ حاصل ہونا ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کے نفسی قوانین کے سلسلے میں کوئی غلطی اس وقت تک اس میں پیش نہ ہو سکے جب تک کہ وہ مجلس کی تقریر سے گزر نہ جائے۔ (15)

اس وقت اقبال اپنے حالات کے مطابق بات کر رہے تھے۔ اقبال اسٹیج کو بائیں آکر دو مجلس کرنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ فیصلہ اسلام کی روشنی میں ہونے چاہئے۔ اس لیے کہتے ہیں۔

”علماء کو قانون ساز اسمبلیوں کا لازمی حصہ ہونا چاہیے تاکہ وہ قانون سے متعلقہ سوالات میں آزادانہ بحث میں مددگار رہ سکیں۔ میرا کرشمہ۔“ (16) اقبال یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اسٹیجی صاحب مجھے تو وہ علماء کی ایک انگلی کھنٹی بھی دیا سکتی ہے جو کسی مسئلے پر اجازت کر سکتے ہیں۔ اس طرح اقبال اپنی اپنی دھند کے قابل نظر آتے ہیں اور یہی اس دور کی ضرورت بھی تھی۔ اقبال کی تجویز کے بعد ترکی میں حکومت اسلامیات کی مجلس مجلس اقبال ان پر بھی مطمئن دکھائی نہیں دیتے۔ اس لیے فرماتے ہیں۔

”صحیحی نہ رضا شاد میں ہے نور اس کی کہ وہ ہن مشرقی دین کی تلاش میں ہے ابھی اگرچہ پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں بھی اس دینی رجحان کے خیال کو حمایت تو حاصل ہوئی اور اکثر علماء نے بھی اس قسم کی تجویز دی ہیں۔

اس کی کئی کئی کاپیاں بھی لکھیں۔

## حوالے

- 1۔ جامعہ اسلامیہ ص 223۔
- 2۔ پختہ خلیفہ اور جدہ کی اسلام قریب ذریعہ ترقی ص 223۔
- 3۔ طاہر قوسوی۔ اقبال اور سید سلیمان ندوی ص 84-84۔
- 4۔ ماحولیات عالم الدین اقبال ص 161۔
- 5۔ ڈاکٹر جاکر مسعود۔ اقبال کا تصور اللہ ص 223۔
- 6۔ تشکیل دوس 176۔
- 7۔ اشعار کے حوالے۔ اقبالیات۔ اقبال۔



کلمہ کفر



○

مرے خالق طلب نے کہ ہے صبیح طلب  
چاہا ہے شرق و مغرب کے قاصدوں کا کلام  
مر و نجوم کے اس دلدادہ بھروسے میں  
بہت بات بہت حقارت ہے قیام مقام

○

مری ہمیں محبت جو میرے چہرے پہلے  
تو آجانی نے تیرا کر اسے سنبھال لیا  
حریف طور پر میرے دل کی چڑکی  
ترے خیال کو جب میں نے دل میں پال لیا

○

مرے قلم نے تری یاد میں لکھائے وہ بھول  
کہ گفتگو کے لٹاڑے بھی دھکے کرتے ہیں  
مجھے وہ اونچا ہے ترے فخر کے عقل  
کہ جس پر پادشاہی بھی دھکے کرتے ہیں

○

ایسے بہت عقلی بھی ہوں میں وہ بہت گمراہ  
کہ بہت بات کے میں اس سے اُلجھ بھی جاتا ہوں  
مری ہے گھر ذرا سی جیسا خیال عظیم  
کبھی جو ان کے قصاص کو آزماتا ہوں

○

کرے ہے بھری جس طرح کہ پر پلوار  
بکہ اس طرح سے ترے پاس اڑ کے آتا ہوں  
عجب بات ہے یہ عالم عذاب عشق  
عجب کیفیت اضطراب پاتا ہوں  
صدا یہ آتی ہے اتناں خود ہے ایک سوال  
ای صدا کہ جو رات طلب پاتا ہوں

وہ فقیر ہے عظیم و بھار فکر و دل  
وہ گدائے ہے نوا و چادر فکر و دل  
اس طرح رہائیں لے دس خودی دیا  
مست طواریہ کو احساس چہاری دیا  
بے بسی جاری تھی جس پر ان کا دل گر دیا  
بے دلی پر پہلے عزم و عمل پورا دیا  
میں سے پہلے وہ لاکھ چرواہا اس نے کیا

بے کسی ہے وہ کہ سرگرم فدا اسنے کیا  
نکلت ہے آپ دیکھ کر ہنر کمال عقل و دل  
سست رہو جوں کہ چوڑائی کی پہلے عقل و دل  
جزوہ دے سے لنگ دریاؤں کو طوفانی کیا  
فخر کو گری مٹا کی دامن نورانی کیا  
اس کے طرفہ ہائیں سے آن لگے دھار دہار  
اک ہوں چہرہ تجوڑی کے دیوار دہار  
ارتقاء آدم خانی کے گن کا تھا وہ  
عجز انکسار دہی کے راز سمجھاتا تھا وہ  
خاک کو ہم ریت اٹاک کرنے کو کہا  
دھن چوڑی کو بھی صد چاک کرنے کو کہا  
تعلت و داخل کو پادشاہی زنجیر میں  
پہلیں بندو دیں اس نے خاک کی تاشیر میں  
اس نے سورج کو پہلا خالق و مقلب و بام  
ضرورت کاری لکھائی فکر و بام  
و امکاں ہے عمل کو کجا نہاد اس نے کہا  
دیجے طاقی کھیل طے کار اس نے کہا

روشنی عشق پر شاداب دہیں کھول دیں  
دستا فکر کی ہے غیب آہیں کھول دیں  
آہ اس کے خواب کو ہم اک نئی تعمیر دیں  
سامان چہرہ ہم کو جرات فقیر دیں  
مشترک چہروں سے ہمارے کی تاپانی کریں  
خاک کو سدا کریں سونے کی اڑانی کریں  
گرم صوفائی جہ سورج مہا ہونے کو ہے  
خاک صبری میرے حق میں کیا ہونے کو ہے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆ ☆ ☆



جب غر طر لب طرغ کا ق  
 جب حق صو لب طرغ کا ق  
 جب سوخ طرغ لب طرغ کا ق  
 لے طر کی تی رہ دکھانے آیا ق  
 اک ایک کھو سزا دکھانے آیا ق  
 کھان حلقہ اشان آری کیا  
 دوز دہر کی بچان قلقل کیا  
 حق قوم جسم تو وہ جان ابھی کیا  
 لڑنے غر و مل کے لڑنے آیا ق  
 لب غر دہا دکھانے آیا ق  
 دکھا کے راست طرغ بھی بدلے کا  
 طرغ اس نے سکھای بھی سمجھنے کا  
 لے طر پ لے راستوں پ پلنے کا  
 وہ رادہ ہی تو قہا دکھانے لیت بھی  
 مرانہ دور اخوت حکیم راست بھی  
 ہنگ لکے قہا دکھانے سوان حزل کے  
 ہا میں اس نے جانے چارغ حزل کے  
 لوں سے ہم نے لگائے لڑائ حزل کے  
 خام اس کا ہمہ جہاں کے لے  
 ہے جس کا ہم بہت زب رادہاں کے لے  
 میرا کر گئے شیون میرے پناؤں پ  
 ہوئے ہائ تو بیچے ہیں آہوں پ  
 میرے جب انہیں سہلت لی نہاؤں پ  
 لے ہوئے ہیں میرا دوزم کرکوں کے لے  
 ہمارے ہاتھ میں ہر جس اب ہاؤں کے لے

کیا جو حق ہمارے اسے دہاں کہاں  
 دفعی کا نام میری مثال کہاں

غرغ وہ مرا قلندر غرغ وہ مرا فتح  
 غرغ وہ میں کا نہ جانی نہ کوئی میں کی نظیر  
 غرغ کرکوتے ہو دیکھا تھا ایک خواب میں  
 مرا دہن ہے اسی خواب کی میں تصویر  
 چار سمت ترا غرغ ترا گویا  
 دکھایا غرغ دہن کو پہ سوز "ہانگ دہا"  
 بڑا دہن سال بھی کرے کھان دہے رنگ  
 نہ ہوگا قہر ما زانے میں ادھ وہ پیرا  
 ترے پیام سے دہن ہونے ہمارے دہا  
 ہمیں بھی حزل تم کھو کا قہا ہے سوان  
 ہگر کے خون سے ترے کیا اسے دہن  
 دگر ملت مسلم کا بھر چا قہا چارغ  
 ترے غن کا غر پھل پھل کیا آخر  
 وہ میرا خواب حقیقت میں اصل کیا آخر  
 لول ہو کے دہی جری آہ ہم بھی  
 چہ راست کا سفر بدل گیا آخر  
 جہاں میں دھو دہے گا سا کام قہا  
 دہے گا ہر دل مسلم میں احرام قہا  
 ایسا چلے رہیں گے ترے غن کے چارغ  
 ہمیں وقت پ کھو دہے گا ہم قہا  
 دہے گا دھو تو ہم تک ہے پ دہن دھو  
 دہے گا دھو تو ہم تک ہے پ دہن دھو  
 ہمیں گے تاج ہو میرے گرد و غن کے چارغ  
 دہے گا تاج ادھ تو قہا غن دھو  
 ترے غن کو ترے غر طرغ دہن کو سلام  
 اسے آقاب خوی جری ہر کرن کو سلام  
 دی بھیج پ میں سوچ کی جس کو سلام  
 ترے طرغ حقیری کے ہاتھیں کو سلام

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

ہن کے پہلے سوا میں  
 جہا غر ہانگ دہا ہے  
 غر و حلقہ کھر پیر  
 نور ہر کا رہ لہا ہے  
 دھو ہر اس دھو کا  
 ایک لی حزل کا قہا ہے  
 دوز و مل انہیں دھو کا  
 ہر مصرع اک سرپنہ ہے  
 کھو دہن کی اس دہا میں  
 سن و غر ترا قہا ہے  
 اس شرق کے ہوتاں ا  
 جہا پتہ ہمہ را ہے  
 کل اور ہے دھو دھو  
 قہر قہر اک دھو ہے  
 دھو دھو دھو دھو  
 اہل اہل شط شط ہے  
 اہل غرغ کی اس دہے میں  
 سارا شرق ہانگ دہا ہے  
 ہانگ دہا ہے پاک دہن بھی  
 ہر سن اہل قہا ہے  
 ہر دھوکی ہے قہا دھوکی  
 : دھو دھو دھو  
 : دھو دھو دھو  
 میرے غن کی دھو ہے  
 اس شرق کے ہوتاں ا  
 جہا پتہ ہمہ را ہے  
 ☆☆☆☆☆



تیرگی پر سو مسئلہ عالم امکان پہ جھی  
ہے جس کا اک نمونہ تھا مسلمان کا شعور  
یوں گئی ہوتا تھا جیسے زندگی مطلق ہو  
کاروان زیست بھی شک کر ہوا تھا پھر پور  
ہوش مصی کی توقع آدمی سے حتی فضول  
شاعری محبوب سے کرتی تھی انکباب و قنول  
عشق کی نیرنگیوں میں خون دل شامل نہ تھا  
دوست غر و نظر ہمارائی حال نہ تھا  
شعر میں ضرب گیسو لائے وہاں نہ تھا  
یوں تو تھے مرزا و مومن دیر کمال نہ تھا  
کوئی مرید نہ تھا نہ حریف تھی نہ قصور مباح  
اپنے حق کے قول میں دیکھی تھی اپنی ذات  
حق صدہاں سے مسلمانوں پہ جاری تھا مجبور  
دعیم کے سناں میں خواہید تھے امراء مباح  
جنم انسانی سے دہمیل تھا مدام انسان کا  
اپنے عالم میں نکالی سے کہاں حق نکالت  
تو نے ہی اے شاعر خطر دیا "ہانگ ورا"  
تو نے ہی ذاتی تین کارہاں کو بے دیا  
شاعر مشرق صاحب تیرا تھ سے لے کر  
میرزاں کی طرح راجی وہ خودی کرے  
میرزاں کی ہر اس میں عشق ہو لہاں ہو  
مسعودہ کہ دہیں پہ دہیں کی چاندی کرے  
شاعری و نظیری کا جز تھ سے ہی بی  
چند دہاں میں ہے کچھ نرے کی فانی  
شاعر وہاں مہاک ہو تجھے "ضرب کلیم"  
ہے خودی جس کی مفرح ہے خودی جس کی ضم  
جیسا تیرے اشعار میں پوشیدہ دہانے ضم  
واقی ہیں بیت تیرے نیت خلد ضم

عبد خواہد میں کج سرلوہ سا رہنا اقبال کا  
ہے کہیں شب کے افق پہ نور کا پھوٹنا اقبال کا  
دست کے درجہ حرکی دیکھیں دیتی رہی اس کی صفا  
ہے گل لہوں میں تازہ حوصلوں کا تھدا اقبال کا

اس کے شعروں میں محبت کی جھلک نے ہاواں بکھیرے  
لکھنؤ ملت میں منگلی خنجر پادشاہ اقبال کا

اس کے لکھنؤ کی لکھ سے زندگی جھلکی جاتی گئی  
روشنی تحسیم کرتی شاعری کا مٹھا اقبال کا

اس نے ہی فیروز اپنے دہے کے پر بکھڑے میں ہی داس  
تا ابد زندہ صداقت کی صدا کا ہم نوا اقبال تھا  
☆☆☆☆☆

ہے عمل کا فلسفہ ہے شک بھانے زندگی  
درحقیقت ہے بھی حسن قدسے زندگی  
تو حدیث دہری کو مات دے کر چل رہا  
اپنے ہی دہار کو صداقت دے کر چل رہا  
ہم تو تیری خودی کا ہے جزا ہی بانگزا  
کھل گیا ہے گل دہیں قوم مرہٹا ہوا  
اے عظیم المرب شاعر تو جنت میں رہے  
آسمان جی ہی لہ رہے ضم المصطفیٰ کرے

☆☆☆☆☆

انہما دہانے حقیقت ہے دعا  
دست دہرے صرا طریقت نہیں رہا  
شولان شان حضرت اقبال ہو بھلا  
کیا میں ہوں اور کیا ہے جو میرا کھٹا ہوا  
میں نے بچھا نہیں ابھی عرفان کا جزا  
کب کر سکوں گا میں یہ حقیقت کا حق ہوا  
میں جانتا ہوں یہ ہے بڑا خفہ مرط  
ہے اچھلنا ذاتی ظن ہے بہت کرا  
اقبال شہو مکتبہ شعر و فلسفہ  
اقبال آگہی کے کاروان کا راستہ  
اقبال دستہ وقت میں احساس کا عصا  
جاریک جنگوں میں بساات کا آسرا  
اقبال شب گزردہ سرافت کا مانتہ  
اقبال خاموشی کا نام لکھیں تو  
اقبال اک پھیر خودی و دہا  
اقبال ایک عجبہ فکر کا خدا  
حاکم نیرف سے جس کو فی فکر کی جا  
جو فیض بابہ دہیں کہہ ہو علم تھا  
میں رہے تھا ہاتھیں کرم کلام انجاء  
قصیل کر دہر خودی و ز کردہ  
نفس رسول و صاحب آل مصطفیٰ  
دہوں کو اس نے مطیع خلق حق کیا  
اقبال کا کلام ہے احساس کی صدا  
میں سے ابھی اک ایسا شعور نظر آتا  
میں نے لہاسی فکر کو چھل کر دیا  
میں نے خودی پہ اہل دی شکر کی دہا  
میں سے صواب شعر کو ہانگ دیا  
دہوں کو جس سے شہ کا لکھا ہے انک  
ابن شاپ بیچا نہ اس کا نیکو



اے خالص ذات سے جو خود کو آگیا  
جس کا لہر بچپن لے کر دھوا نکلا  
یعنی وہ ہے کہ جس میں غوری کا سرور تھا  
جو حتیٰ کہ عید عید نکلا کر پڑا  
اُس جھکے کا ساتھی غریب غریب غریب  
جس نے نکلا دیا کثرت ہر ہے کیا  
جس نے کہا کہ حقیق کی مستی ہے دنیا  
وہ دھواں سرور کے دکھایا کشیدہ  
جس کی نہایت ہے یہ کہانی دہی سدا  
کا اہن جہاں دلیر حکیم کا دھند  
کا اہن پڑگانا نفس کا سدا  
کا وہ غیر تخی جہاں وہ خدا  
کا یہ صفت حرم و یقین کا مظاہرہ  
اس کا طبع ہر ہم حکمت تھا  
عکاس روشن داری اسلاف کا معنا  
عید شباب خلعت رفتہ کا آئینہ  
گم گئیہ سطوتوں کی شہادت کا مرثیہ  
تہجد سرفرازی حق کا مطالبہ  
وہ جس کی لفظوں میں اک مسجد سدا  
عظم سوسوں میں جہر کا لفظ  
آزادی ہر کی نہایت پڑا  
یہاں خلعت حق سے نبرد آزما رہا  
جیسے شب سدا میں تارے کا حوصلہ  
شاہین ملت تھا اس کی اڑانوں کا سلسلہ  
آئے صدمہ دشت میں کیا اس کی اہوا  
ازلا کے اب تو فکر کا بھیجی بھی شک کیا  
پہاڑ ہے بھی مرغ غیب کی تا کہا  
ہے ست بل پڑا سرے لکھن کا چاند  
ہے رف ہر د جانے یہ سچوں کا سلسلہ  
وہ جانی قلم کا پھیند ہے شرم کا

یقین اور بھی ہیں گماں اور بھی ہیں  
دش اور بھی آہیں اور بھی ہیں  
میرے راستے میں نکلیں اور بھی ہیں  
یقین اور بھی ہیں گماں اور بھی ہیں  
صفت میں سدا دہیں اور بھی ہیں  
نہا تم نہیں مہراں اور بھی ہیں  
یقین اور بھی ہیں گماں اور بھی ہیں  
دش اور بھی آہیں اور بھی ہیں

ظہر مشرق صبح عظیم آہم ہے تو  
قہر کمال فکر دلی ہے ظہر اہم ہے تو  
آہستہ کی تا کا ترماں جہاں جوں  
دھبہ نعلت روز زلیخا کا عزم ہے تو  
اوسے لکھن کو ترے اوساں نے بھائی وہی  
صاحب اہل و عرفان اے دھور آگئی  
آہاں دلی دھت کے جو ہم روز  
چوہہ فنی میں بھری تو نے لو سے تازی  
تو غوری کا ہے جہر غریب غریب  
آنکھ خلق کو سے اٹھا جہاں غیر  
اے نوکر مراد کالہ فوٹاں دھورنگ  
سوز و سدا خلق جتنے میں رہے میرے امیر  
ہر عرفان کے تھار تو وہا سے آگیا  
تو اہن فکر چہاں اہن تیرا لفظ  
جہر کی کے دشت میں بٹکے ہوئے انسان کو  
دش دلی دھت کے کی تابو جہر تو  
عکس کے دشت کو چرا ترے اٹھارے  
دش بھتی ہے انسان کو ترے اٹھارے

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆







طا نے اس کو دیا تھا وہ اختیار تھی  
اسے دل تو تھیں کی آزاد کر  
کہ یا گیا وہ طام و دہار تھی  
اور وہ بھی طرد کے دودھ کر

زبان لڑا، بھام اس کی صحت سے  
یہ بھی ہے نہال خبر اس کی  
زبانے ہر پہ ہے مادی وہ شہسار تھی  
وہاں خواہش صبر کر

خدا میں وہ کے بھی اس کا نہیں سے رشتہ تھا  
آہستہ حق کا تھی کہ  
وہ ہے طوی میں بھی رکھتا تھا اختیار تھی  
قرعاس و ظلم کو سرک کر

کسی کا طوٹا ہوا راجہاں نہیں ہوا  
آنکھوں میں برائے زمین کا  
تجیوں آیا میں دیکھ کر ہمار تھی  
دھسے بے میں گنگو کر

جنہوں نے حسرت حرف و صدا کو بچانا  
تھ کوئی عزیمت پھری  
انہی کے ہوش پہ رکھا گیا ہے ہر تھی  
مت گھڑے ہواں کی جھو کر

اس نے حرف کو بھی ہے زندگی ہتر  
ہم نے جو مٹی زمین اقبل  
اس کے نام سے مٹی ہے اعتبار تھی  
دیکھا ہے بھڑوں کو چھ کر

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

☆☆☆



۱۰ چھائے دم داد کتاب  
 کہ دچہ امرا طورت ہے خوب  
 سر آدم بد غلی کاہنوز  
 تو نے کھلے سارے "امراہ" ہون  
 اسے صدائے قوشہ "انگہ" سہ  
 کاہن طشت جس سے ہاک اٹھا  
 آہیت بد تصور، حکیم  
 ضرب کاری تھی تیری ضرب حکیم  
 داغوی پند سوز و گداز  
 ارجاں تھا جیوا اک ساد سوز  
 فکر تو ہو تو اسے "دوہ" ہو  
 جس جگہ تیرنگل کے پلنے ہیں  
 شعر تو ہو تو پہنچا  
 منزل مقصود "مسافر" پا گیا  
 رہ پیغام "غوی" باہر و شرق  
 خالق و مخلوق میں راہیں ہے فرق  
 بس یہ بلکہ کہ اسے اقوام شرق  
 آسمان پر گری چاہی مغرب کی رہی  
 شد وہاں خلق تو ہے خوب  
 عقل کو بپ تو نے بھرا کیا تاب  
 اور انی حقیقہ را شرمندگی  
 خوب کو اسے دی ہے تو نے زندگی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

غیر مطلب، ادب ہے شر  
 چارہ کچھ حقیقت ہے  
 اٹھا ہے کچھ کردار  
 وہی اقبال کی ضرورت ہے

ہم ، حکمت کی کہان تھا اقبال  
 شامی کا چہاں تھا اقبال  
 اس کے شعروں میں ہے جال ، جمال  
 بے کوسے میں اذان تھا اقبال

دی جا انوار کی، عقلت کو شرمندہ کریں  
 غفلتوں کو ہوش بخشن، مردہ دل زندہ کریں  
 آدہ شیخ غر شاعر شرقی سے ہم  
 راہ ہستی کی ہر اک منزل کو جانندہ کریں



مصلحت میں رہا ہوا کی وہ قدرتی جلا دے  
جو فرقہ پرستی کے اندھروں کو مٹا دے  
ان کو صحیح فہم میں ڈرا بندہ مومن  
لازم ہے کہ سنی ہوئی دھڑوں کو چکا دے  
دھل چاہئے گا یہ خاص مشرق کی دہاں میں  
اس کو کچلے زمانے کو ذرا ہانک دے  
پہن کے حق و دھار کو بلیں غوری کا  
بکری ہوئی تقدیر سسائیں کی بنا دے  
پہن ہی کے صہت کا زمانے پہ بھی جا  
کھلت شہادت کے نہ مٹلوں کو ہوا دے  
اچھڑ دکھا بھر د صہت کا جہاں کو  
ایمان نگر کے در و باہم گرا دے  
اب دل کا لہو بے اندھروں کی زمیں میں  
اطلاس و مردت کے در و سر اگا دے  
پہ فرضی مہیں قرض کی مانند ہوا کر  
اقبال کا نظام زمانے کو بنا دے  
ٹھٹھے کا ہن ہوا کے چھریا ستر کر  
ہوں اپنی تھپاک خوبیت کو سرا دے  
نکلا ہے ابھی اڑی ہوئی سانچ کی مصلحت  
اقبال کے افکار سے جانوں کو چا دے

☆☆☆☆☆

شادیں سر غوری! اسے دانی غر عظیم  
قلم جیوا ہے تھیر مراد معقیم  
کر گیا وہ سورتیاں سے بھی روشن جیوا نام  
کہا "ہیت ہارگا حق سے خلی قلب سلیم  
گرمی قور سے وہ دہری ہے نطق میں  
قلب بلیں گدگدائے جس طرح ہا صمیم  
جس غوری کی جلوں میں بولائے کبریا  
آج کی ان ظلوں میں صفت دعا کریم  
جس غوری کے قلم میں ہیں رموز زندگی  
خود خدا قرآن میں اس کو کہے نور عظیم  
آج وہ مسلم غوری نہیں ہے عزم صفا  
ہو ہے بیضا صفاے نور یا نور عظیم  
ہاں! اگر شایین جیوا ہے ابھی پہاڑ میں  
لمت ریشا کا شاکی قافی آباد میں  
مرد مومن زندہ دل جیوا کہیں روپوش ہے  
نور دن بلیں بھی گل کے جہر میں تاسوش ہے  
ہو کا عالم ہے وطن میں زندگی خمیری ہوئی  
غم کا سماں ہے کہ ہر مشکل میں زیب دوش ہے  
ہے پہلو بھی اداں میں صفا حاکم آج  
اور مشکل میں فکدہ جو ہر تن کوئی ہے  
ہے صدی خواہوں کی لے پہ مست ہر کاماں

☆☆☆☆☆



شاعر شیری غنن اسے علم و فن کے بادشاہ  
اسے دھیم ملک و ملت اسے فقیر جنگجو  
شاعرانہ پاک میں جیوا الگ ہے مرتبہ  
جیسے جیسا کوئی بھی شاعر نہیں پیدا ہوا  
تو نے ڈالی ہیں کندیں دھشت الماک ہ  
رکھتے ہیں علم کے سوتلی غنن و خاشاک ہ  
تو رموزِ تافروزی سے کس قدر آگاہ تھا  
ظلمتِ شام و صبح میں اک چراغِ راہ تھا  
دامنِ قرچاس ہ تو نے وہ رکھے ہیں کمر  
تیرے اشعار حقیقی دل پہ کرتے ہیں اثر  
سلیجِ اسلامیت کی آگہ کا تارا ہے تو  
ہلِ عقل و ہوش کا کیا جگر پادہ ہے تو  
تیرے افکار ہمیں سے روشنی ملتی رہی  
زندگی ہر زندگی کو زندگی ملتی رہی  
جر و استہزاء کی زد سے بچایا قوم کو  
اک سٹے دستے پہ تو نے جب چلایا قوم کو  
تو نے وہی ہے سامراجوں کو خلیجِ آخری  
پھر زمانہِ لامتناہی ہے تیرے جیسا آدمی  
ہے چراغِ فکر و فن کی ضلالتیں کھیر تو  
دامنِ فتنان کے لیے ہے اک نئی نعرہ تو  
جیری فکر تو کے اندر زندگی و وطنی رہی  
ہلِ عالم کو بیخِ آگہی ملتی رہی  
تو نے امریکی نظامِ زندگی کو چھوڑ کر  
رکھ دیا ہلِ پستوں کی کمر کو توڑ کر

اسے غودی کے زانواں تیری کیسی ضرب سے  
سرخسود ہو گئے المرقبانِ وقت کے  
تو نے دکھایا ہے ہم کو وہ غودی کا راستہ  
جس سے ملتا ہے براہِ آگہی کا راستہ  
تو رقم کرتا تھا جب آزاد یوں کے باپ کو  
جیری آگہیں دیکھتی تھیں اک دہن کے طوط کو  
تو چراغِ آگہی تھا براعظم کے لیے  
تو لوہے روشنی تھا ہلِ عالم کے لیے  
زندگی تھے کو خراجِ برتری اسے کی سدا  
جیری تھے کو خراجِ روشنی اسے کی سدا  
تو سراپا انھار و عاجزی تھا سرسبز  
تیرے دور سے روشنی پاستے رہے ہلِ فکر  
کاروانِ وقت کو بانگِ دہا سے آواز مل  
مل رہی ہے گراہی میں روشنی ہی روشنی  
دامنِ دہل کے پردہ پہنے میں اٹھال کر دیا  
جیری کی کو مسلح افکارِ اعلیٰ کر دیا  
ہلِ دہاکو نہیں ملتی تری امثال پھر  
اس صدی کے بعد پیدا ہو تو ہو اچانک پھر  
تو اپنا ک کٹر گنجن سے اٹھ کر ہلِ دیا  
اک چھراغ نورِ آخرِ جیری میں داخل کیا  
☆☆☆☆☆

حبیب دہن تھے مری لکھنوالے ہونے  
گزردہ تھی حبیب سے رسالہ ملی ش  
حیات تھو گزراں تھی ان کی حیات سے فنا  
دخود سے دھار اٹھانکا کائنات سے تھا  
تھیں صدائے عقلِ ماحول میں زندگی  
کوئی نہیں تھا چہرہ سامانِ حال میرا  
مرشحہ روزِ کمال میرے ماری تھا  
غنن جڑاں تھیں تھیں خیالِ فردا سے  
تری تھان تھی تو ذی ہے چند صدیوں کی  
تری صدائے بجایا ہے خوابِ ظلمت سے  
دیا ہے تو نے جامِ حیات دھاک  
مری غودی سے لکھا کشا کشا تو نے  
صدائے نیرِ ذی کی گنجن ہے حیران میں  
تھیں منزلِ ملت ہوا نئی تیرا  
خدا نے عقل نے لکھا ہے جو نظام تھے  
کے حبیب تری مصری کا دہائی ہو  
زمانے تیرے حقد پہد لکھ کرتے ہیں  
ترا چارہ غنن تھیں کٹر دہوں کے لئے  
سرانے گنا شمر تو لیر کا حوالہ ہے  
سوجھنے لکھ کا پادوں طربا ہوا ہے



میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے

جدا دہلیز ہے یہاں پہلے دھڑکتا ہے  
بخت و فتنہ میں کشت و کشتہ ہے  
خواب میں رہا ہے یہی آدمی کہ

میں خود غافل کر رہا ہے  
وہ نہ لگتا ہے وہاں کوئی فتنہ  
سخت ہے یہی کچھ دیکھا ہے  
معاذ و تیرنہ قرار دیا ہے  
دھاکہ دیا ہے آدمی کو  
انہی نے ہی است و عاشق

میں براہ راست نہ دیکھا ہے  
یہاں پہلے دھڑکتا ہے  
بخت و فتنہ میں کشت و کشتہ ہے  
خواب میں رہا ہے یہی آدمی کہ  
میں خود غافل کر رہا ہے  
وہ نہ لگتا ہے وہاں کوئی فتنہ  
سخت ہے یہی کچھ دیکھا ہے  
معاذ و تیرنہ قرار دیا ہے  
دھاکہ دیا ہے آدمی کو  
انہی نے ہی است و عاشق

10-11



حضرت امیر علیؓ نے یہ سب کچھ دیکھا ہے  
میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے  
میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے  
میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے

میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے



# ”اقبال‘ ایک محرک“

حیدر اقبال، جامعہ برکی

بھی مسوں کرتے ہیں کہ مسلم قوم کو ان کی بے محلی اور کالی کی کیفیت سے نکال کر میدانِ عمل میں لانے کی شدید ضرورت ہے۔ اقبال مسوں کرتے ہیں کہ اپنے اصناف کے برخلاف آج کے دور کے مسلمان اپنے عقیدے کو عقیدے کی حد تک ہی قبول کرتے ہیں اس پر عمل ضروری نہیں سمجھتے۔ اقبال تو سمجھتے ہیں بحراپی اندکی کو اس ایمان کے مطابق ذہان نہیں چاہتے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ آج کے دور کے مسلمان ان مسلمان چاہوں سے باہل مختلف ہیں جو اسلام کی عظمت کو بھلا دیا، گاہ عالم میں پہچاننے کے لئے سرسبز کی بازی لگانے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اقبال کے تصور میں بے بید مسلمانوں کی واضح تصویر موجود ہے۔ قندہ الہی شاعری میں بھی ہے، گاہ اعتراض اور بھی اپنی خصوصیات و استعدادات کے بارے میں پیش کرتے ہیں یا شعرا کا تذکرہ۔

محبت مجھے ان جانوں سے ہے  
جانوں پہ جو ڈالتے ہیں کشتہ  
جانوں کو مری آؤ سر دے  
میر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے  
بھی اے نوجوان مسلم قہر بھی کیا تو لے  
وہ کہا کروں تھا تو جس کا ہے اک نوجوان جارا؟  
تجھے اس قوم نے پاہ ہے آغوشِ محبت میں  
نکل ڈالا تھا جس نے ہڈی میں تاج و سرور دیا

غزل آگئی ہے جہاں کو تھکری میری  
مگر بہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے  
جو بات دل پا دینے والی ہے وہ کرب و  
البت کی وہ کیفیت ہے جس میں اسلام کی محبت و  
زہوں حالی و کچھ کر اقبال جتنا نظر آتے ہیں۔ اس  
کے خاکِ فیتہ میں جتنا ہر نے بغیر اقبال وہ بکھود  
نظر سمجھتے جو انہوں نے لکھا ہے۔ ان کی شاعری ان  
کے ان پیغامات و احساسات کا اہل ہے جو اسلام کی  
کسوٹی ہوئی عظمت و شان کو کچھ کر اس شان و عظمت  
کو بحال کرنے کے لیے ان کے دل میں موجود  
تھی۔ اسلام کی بے شکاد جانوں کی شاعری کا اولین  
مقصد ہے۔ اقبال کو یقین تھا کہ اسلام کی کسوٹی ہوئی  
عظمت کا دنیا و مسلمان قوم کو بڑا سرفراز کرے گا۔ بغیر اس  
ان میں دعا اسلام کو بڑا سرفراز کرے گا۔ بغیر اس  
فہم۔ مسلمانوں کو کچھ اور باطن مسلمان خانے بغیر  
اسلام کے نہایت ادا تصور خواب سے زیادہ حقیقت  
نہیں رکھتا۔ عظمتِ ہدایت کو پانے کے لیے محض  
ان ان کو نہیں ملے گا۔ نہ چاہے کہ خود ہی سمجھتے ہیں  
وہ کہتے ہیں۔

عاجز ذہنی نہاں ہے ترے خونِ جگر میں  
اقبال کا تعلق برصغیر کے ان مسلمان علماء و  
فطاحلہ و مصطفیٰ کے سلسلے سے تھا جو امتِ مسلمہ  
کی موجودہ زہوں حالی پر دل کڑھ بیٹھے تھے۔ یہی  
سربلند خان اور ان کے بھتیجے۔ ان کی طرح اقبال

اقبال کی شاعری پر زور اور حرکت و عمل  
پیدا کرنے والی شاعری ہے۔ اس میں ہائوں کی  
شدت سمجھنے کی وجہ سے انسان کی ذہانت موجود ہے  
اور یہ شاعری اسلامی جذبہ کے دھڑکنے والی میں  
پیش ہے۔

اقبال کی بنیادیت شاعر عظمت کا راز ان کی  
شاعرانہ اور ذہنات و صلاحیتوں اور کمال میں آتا  
وہ مظهرِ نبی ہوتا ہے حرکت و عمل کے لیے محرک  
کرنے والے پیغام میں شعر ہے جو ان کی شاعری کا  
خاصہ ہے۔ اقبال کی شاعری مقصدی شاعری ہے  
اس شاعری کا محرک ایک عظیم مقصد اور بلند ترین  
اور وہ کامصل ہے۔ وہ اور وہ ۱۰۰ خاص نہاں  
کے قطعاً ہیں نظر نہیں۔ اقبال، نبوتِ شاعر اپنے  
آپ کو خود انہی نہیں چاہتے۔ شاعری کو انہوں نے  
اپنی پیغام رسانی کے ذریعے اور اڑے کے طور پر  
استعمال کیا ہے۔ شاعری اپنی ذات میں الکا مقصد  
حصول نہیں بلکہ اپنے مقصد عمل کے حصول کے لیے  
ایک طریقہ کار ہے۔ یہ مقصد عملی قابل اور باری و  
ناسیامتِ مسلم ہے جس دعا میں مل کر سمجھنے کا مقصد  
ہے۔ یہ اپنی جگہ ایک عظیم کام تھا۔ سرِ اقبال  
کے لیے کسی شبہ و گری ضرورت تھی۔ اقبال نے یہ  
شعبہ کر دکھایا۔ پانے انہیں شاعر ہی نہ، وہ کہتے  
ہیں



اقبال نے مسلم نو جوانوں کے تصور کا ایک جامع فلسفہ پیش کیا ہے۔ اس فلسفہ میں زندگی ایک جہد مسلسل اور عملی کام کا نام ہے۔ ایک ایسی زندگی جس میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ سال ہی نہیں، انسان مسلسل حرکت و عمل میں مصروف نظر آتا ہے۔ اقبال کے نزدیک زندگی ایک ایسا سفر ہے جس کی کوئی منزل نظر میں نہیں۔ یہ ایسا سفر ہے جس میں نصف سڑی جھڑا نظر ہے۔ حریف کا ایک دوسرا بھی نظر نہیں آتا۔ یہ گاہ اور موہن کی بھی نشان ہے کہ وہ عجم حالت سفر میں ہی نظر آتے۔ عجم وہاں وہاں منزل کو پا لینے کی طلب اس کے دماغ میں نہ ہو۔ کہتے ہیں۔

یہاں وہ راحت منزل سے ہے نکلا نہیں  
حیات ابدی سفر کے سوا کچھ اور نہیں  
یہ وقت ذوق پہاڑ ہے زندگی  
اقبال کے لیے ہے جہد و جدوجہد  
کے ساتھ اسلام کے افق و ارفع نقطہ کو سامنے رکھتے سے زیادہ وقت طلب کام ان میں احساسِ نیاں یعنی اپنی ذات کی جگہ کا احساس ہے اگر کچھ اس کے لیے وہ از حد کوشش کے مسلم نو جوانوں کے حریف کا ناموں کی طرف ان کی توجہ مبذول کرتے ہیں۔ سوانہ حانی کی طرح اقبال بھی آج کے دور کے مسلمانوں کو تاریخ کوشش کے آئینہ میں اپنی نگاہی ہوئی مسخ صورت کا نگاہ کرتے ہیں۔ وہ عقلی مصوری سے آج کے مسلمان اور از حد کوشش کے مسلمان مجاہدوں کے کشادہ کو نگاہ کرتے ہیں۔ چلو اس فرق کو بچانے کے لیے منزل کا دور کیا کریں  
رہے تو آباد وہ قہار ہے ہی مگر تم کیا ہو  
ہاتھ بے ہاتھ دھرے منتظر فرما ہو  
یہ گئی رسمِ قاتل دماغِ بالائی نہ رہی

فلسفہ یہ کیا تحقیق غرضی نہ رہی  
مسیحی مرثیہ خواں ہیں کہ لہری نہ رہے  
یعنی وہ صاحبِ اوصاف چاڑی نہ رہے  
یہ کوئی مست سے ادنیٰ تہ آسانی ہے  
تم مسلمان ہو؟ یہ انداز مسلمان ہے؟  
تم ہو انہی میں غلبہ اور ہو انہی میں رجم  
تم غلام اور غلامی وہ غلام ہیں و کرم  
ہاں سب جہد کہ ہوں ادنیٰ شہا پہ عجم  
پہلے دینا کوئی عدا تو کرے قلبِ سلیم  
تختِ حضور بھی ان کا قہار سرے کے بھی  
ہاں ہی بائیں ہیں کہ تم میں وہ صیت ہے بھی  
مسندِ عالی کے انداز میں از حد کوشش کے  
مسلمانوں کے کارناموں کا ذکر اور وہ حاضر کے  
مسلمانوں کی ذراں دہلی کو رہے گلے پر اقبال نے بھی  
اپنی نظم ”شکوہ“ اور ”عجب شکوہ“ میں آفسوہا ہے  
ہیں۔ اول الذکر میں وہ اقبال غلط فہمی سے غلامی کا  
ہے کہ اس نے اپنے سامنے وہاں کو کھڑا اپنی ذات  
سے علیحدہ سمجھ دیکھنا ان کی نظر انداز کرنا  
ہے اور نہ چاہیں ان کی رسوا کرنا ہے مگر غرض اقبال  
میں اقبال خود آج کے دور کے مسلمانوں کا اس وقت  
دکھت اور اپنی جہاد عقلی کا باعث قرار دیتے ہیں۔ وہ  
جاتے ہیں کہ ان فہمی کے ہم در کم تہود و جہت کے  
دور سے اب بھی دینے ہی کئے ہیں۔ جیسے پہلے  
کئے تھے فرقہ پر ہے کہ آج کے مسلمانوں میں وہ  
چند چمچ اور دینچن ہیں اور جو پہلے دور کے مسلمانوں  
میں تھا۔ اقبال کے نزدیک ایک لوہا جو اسلام کا طرہ  
انہما ہے وہ ہے کہ وہ اپنے ایمان و عقیدے کے مطابق  
میدانِ عمل میں سرگرم ہو اور وقت اور زمانہ کے  
تکلف کو پار کرے اور نہ چاہے کہ شرط کو قبول  
لے

راج بھی ہو جو رجم کا لہاں عدا  
آگ کر سکتی ہے انداز گستاخ عدا  
اگر خواہی حیات اور غلامی  
اقبال اس بات کا ہمہ گیر خاکہ کھینچتے ہیں کہ  
عمل احساسِ نیاں کا ہی نہیں سب تک چند چمچ  
کے اور یہ اس شخص کی حافی کے لیے سرگرم عمل ہے  
ہو اہلے اور اپنی کوئی ہوئی تھوڑا کچھ حاصل نہ کرنا  
جائے۔ اقبال اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انسان  
خود اپنی تھوڑے جتنا ہے۔ تھوڑی کوئی ایسی نہیں جو  
نی جاتی اس پر نازل کرنی جاتی ہے۔ انسان اور  
اقوام وہاں ہی رہے تھوڑی کی تعمیر خود کرتے ہیں  
۔ مہم ہے شکوہ تھوڑے ہیں  
تو خود تھوڑے ہیں ان کی فہم ہے  
۔ حیات کیا تری تھوڑے کی طرف دے گا  
وہ خود غرضی خاکہ میں ہے غلام و نیاں  
یہاں آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی  
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا  
اقبال ایک ایسی زندگی پر یقین رکھتے ہیں جو  
مسئلہ جہد و جدوجہد کا کشش سے عبارت ہو۔ ان کے  
دور تک زندگی بذاتِ خود ایک جہاد ہے ایک عین  
جہاد جس میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ جہاد کا  
حصول اور سطحِ نظر کا پائیدار عینیت نہ رکھتا ہو یہ  
جہاد حقیقتہً دیکھنا ہو چونکہ ان فہمی کے دور تک  
آپ کے تہذیب و ادب سے کیا عینیت ہے جس کی جہاد  
ہے۔ مقصد کا حصول اور انداز وہاں ہی عطا  
خواہی ہیں جس سے صرف وہی فوٹا ہے جانتے  
ہیں جو جگہ مست میں کوشش کرتے ہیں۔ قرآن مجید  
کے الفاظ ہیں:

لنصلن الايمان الاسلامي

انسان کو وہی دیتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا



انہی قبائل کی ذات پر حکم یقین رکھتے ہوئے  
تیار فرض بھی کرتا ہے کہ ہم سب ملکر کریں اور  
دوست مفید کی طرف آگے بڑھیں۔ اور انعام کو  
عاطف میں دلائیں۔ ہم جہاد و کوشش سے ہی  
حکمت نکالیں گے۔ اس سے حاصل کردہ منافع اور  
دوست ہمارا منبع فخر نہ ہو!

یہ زیادہ دانت منزل سے ہے لکھنا مشکل  
اقبال کے ہر ایک کانکٹ کی دستوں  
میں بزم اضافہ ہو۔ ہر انسان کی کوششوں کی  
کوئی انتہی نہیں  
یہ کانکٹ ابھی قائم ہے تاکہ  
کہ آ رہی ہے وہم صدائے کئی لکھوں  
ایسی روز و شب میں اہل کہ نہ جا  
کہ میرے زمانہ و مکان اور بھی ہیں  
پلیسیور کے خاندانوں زندگی ایک دہچکے ہے  
جس میں سے آپ یہ نہ پہنچیں یا معلوم کیا کہ بڑھتی  
گھٹتی نہ ہم ہوتی بزم نہ کہنے بھری صورت  
دیکھتے ہیں۔

There is an arch where through  
Gleams that untrammelled  
world which fades for ever and  
for ever as we move)

انسان کا ناقابل شکست جذبہ ہی ہر اصل کثرت  
تاریکی کی دھار ہے۔ انسان کے لیے عقل کی کوششوں  
اور درختوں کا اور آبیہ کا موسم ہر وقت کانکٹ  
کے اگلی سریتہ رازوں کی دریافت میں لگا  
ہوتا ہے۔ مسلمہ جو جس طرح اس کا اصل اقبال کا  
قالب ہے اور اس کی امیدوں کا مرکز ہے۔ اقبال  
کی تمام آواز میں تنہا میں اور دعائیہ مسلمہ جان

کے لیے ہیں جو گنگا جہاں کیانی سے سرشار ہو۔  
لو جو ان کی کسی طبقہ انسانی کا فعال حصہ ہے۔ اس پر  
کسی قوم کے مستقبل کا بار دار ہوتا ہے۔ لیکن ہے  
ہر اپنے اسلاف کی روایات کا حصہ بناتا ہے آگے  
لے جا کر آئے انہی انہوں نے مضبوط باتوں میں  
ضمنا ہے۔ اگر کوئی نسل کا یہ فعال طبقہ ہو جو  
ہائے تو قوم ختم ہزیمت سے رہ جا رہی ہے۔  
چنانچہ اقبال مسلمہ جان کے کردار عقل کے بارے  
میں عجیب و غریب کہتا ہے۔ اقبال کو یقین ہے کہ اس کے  
پیچھے ہر فکر کے لئے جانے والے یہ مسلمہ جان  
ہی ہیں گے چونکہ اس کا پیچہ مگر عقیدہ ہی اصل  
اسلام اور اسلامیہ اسلام اس کی شان ہو شکستہ دنیا  
میں قائم کرنا چاہتا ہے چنانچہ اقبال ان لوگوں کو  
جوابوں کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ کے  
سچے ماہر مصمم عقلی نظر بند رکھنے والے اور  
بلکہ مقاصد کی طرف آگے بڑھنے والے نرم مزاج  
محبت کرنے والے دل رکھنے والے انہوں کے لیے جسم  
بہرہ دہی و آشتی شکر خیر اور خائف کے لیے نور اور  
جبر۔

ہر حلقہ راز تو برہم کی طرف نرم  
نرم حق و باطل ہو تو فوہ ہے مومن  
۔ گردہ ہاں کے تل نہ ہو گا وہ جہاں سے  
گستاخ راہ میں آئے تو جوئے غمخواری ہو جا  
۔ مصافحہ زندگی میں سیرت فداہ پیدا کر  
شہتہاں محبت میں حریر و پانیوں ہو جا  
اپنے آدھن کی تکلیف کے لیے اقبال ایک گنگا  
کا تھوڑے۔ رہا کی موج کی گردنیں خبروں کی گھٹے  
ہیں تھے انہوں نے استعاراتی زبان میں اپنے  
اشعار و قصوں میں مختلف تہاں سے پکارا ہے  
دہل عقیم عقل عقیم زمانے دلاں ہاں ہاں حرم

مرد کال نہر بکھرا، خبر،

اپنے کا تھوڑے ملا جلیوں سے متعلق فکر کا  
تصور اقبال نے پیش کے Supernatural سے کیا  
ہے۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ کیا فکر کی گنگا قوم کے  
لیے نجات دلا رہی ہے۔ یہی فکر ہزاروں سالوں  
میں ایک بار صحت شعور میں آتا ہے۔ اس کا تعلق  
اگرچہ عام اناس سے ہوتا ہے مگر ان میں خاص  
انکس انہاں ہونے کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ اس  
کی اور بھی فکر عقل کے رازوں سے بے خبر قوم کے  
مورخوں کا عقل سے آگاہ رہا نہ تھا نہ ملا جلیوں قوم کو  
آگے ہی آگے ترقی و رفعت کی بلکہ حوصلوں کی طرف  
لے جانے والی ہوتی ہیں۔ اس کا قزم بلکہ مصائب  
اور مشکلات کے پہاڑوں کو سر کرنے والا اور قوم کو  
تمام حالات اور ناموزوں حالات سے گزار کر  
کا رہائی و کاروائی کی روشنی رفتوں تک لے جانے  
والا ہوتا ہے۔ اور عقل و فکری جبر صحت ملا جلیوں  
کے ساتھ ساتھ مقصد سے گئی اور عقل کا وہ جبر  
اپنے اندر رکھتا ہے جو کاساپنی کا خاصیت ہوتا ہے۔  
اس میں خود اعتمادی عزت گھس گھس اور انسان کی بڑائی  
کا احساس دہی اہم ہوتا ہے جس کی وجہ سے کہ تمام مسلم  
لوگوں جناح پائی پاکستان کا وہی اس عقلی کردہ  
چرکے میں پہرا اتر اتر اور دوسرے مسلمانوں کی  
رضائی کرنے ہوئے اپنے عقیم مقصد کا پانگہ۔  
ابن اقبال کی نظر میں جب انہوں نے یہ تصور قائم  
کیا کہ ناقابل و راز سوزن تھے۔ اقبال اصل  
ہر مسلم لوگوں کو اسی پائے استقامت و قوت و  
مناہیت و کردار کا مالک دیکھنا چاہتے تھے جس کا  
نمونہ وہی تھا تمام عقل و راز ہوتا ہے۔

انہو شعرا کی طرف اقبال بھی عقل کا رشتہ  
اور تخیل طلب دیکھنے والے ایک شاعر تھے۔ فرق یہ



ہے کہ وہ اس طواغیت کو حقیقت میں بدلنے پر یقین رکھتے تھے اور محض اس میں شک سے رہنے کے کا کئی نہ تھے۔ انہوں نے امت مسلمہ کے طواغیتوں کو انسانی کے مستقبل کا سنہری خواب بھی دکھا رکھا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اسلام کی تباہ کاریاں میں اسلام کے عالمی پیغمبر کا اور آئے گا جب تک عالم میں اسلام کا کسی بول بالا نہ ہوگا۔ شیخ کے اہلاد میں ان کا تصور غلبہ اسلام کی بنا پر تھا

Another Athens shall arise  
And to a remote time  
Bequeath like sunset to the skies  
The glory of its prime  
اقبال کے پاس بھی انگریز شاعر انکب قیصر کی طرح یہ پیغام بکھپاتا تھا

There is a good time coming  
boys,  
A good time coming.  
We may not live to see the days

But the earth shall gliden with  
the rays.

Oh the good time coming  
اقبال امید کا یہ پیغام بریت غورہ مسلم قوم کے دلوں تک پہنچاتا ہے یہ کہ کر کہ

مصلطی مجاہد کا آنا ہے زمانہ  
جو تھیں کہیں تم کو نظر آئے گا  
جہاں تازہ کی لہار تازہ سے ہے مسور  
کہ تنگ دہشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا  
اپنے قصبات کی تھمیل کے لیے اقبال ایک  
اپنے ماحول ایسی فضا کی موجودگی ضروری سمجھتے  
ہیں جہاں اہل ایمان اپنے عقائد اور تہذیبات کے  
مطابق آزادیات زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن کئی تعلق کے  
تجربہ میں اہل اسلام کا کہنا اور مردِ عملِ آزادی کی اس  
برصغیر میں نہ پانپ کا نہ اپنے جوہر دکھایا۔ جو  
مسلمان اس خطہ ارضی میں بحیثیت نحران آئے  
تھے بلا خرہ ظلم بن کر رہ گئے۔ اقبال کے نزدیک  
برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایسا ادھکا تھا جس کے

سبب ان کے جوہر نہ کھل سکے۔ چنانچہ اقبال نے  
برصغیر کے مسلمانوں کو نہ صرف انگریز کی تھالی سے  
بلکہ ہندوستان میں بسنے والی کسی قومیت و جمہوریت  
سے بچانے اور ان کی تھالی سے چھوٹا دیکھنے کی  
کوشش کو ضروری سمجھا۔ برطانوی استعماریت کے  
خاتمہ کے بعد ہندو اکثریت سے اکثریت اہل کا  
تصور اقبال کے لیے قابل قبول نہ تھا۔ اقبال کے  
دور ایک یہ محفل آوازوں کی تہ تیہی تھی۔ انگریز کی  
تھالی سے نکل کر ہند کی تھالی تھی۔ مسلمانوں کے  
کہنا کہ اہل کی آزادیات و قومیت کے لیے اور اسلامی  
ظلم زندگی کے قیام کے لیے ضروری تھا کہ  
مسلمانوں کی ایک علیحدہ آزادی اور خودمختار حکومت  
ہو۔ اسی تصور نے مسلمان برصغیر کی جدوجہد  
آزادی کو سمجھ رکھا تھا اور بلا خرہ ایک آزادی خواہ  
علیحدہ مملکت کا قیام پاکستان کے نام سے کھینچا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆



## اقبال شاعر عہد نو

ڈاکٹر مس صحت جڑ

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اقبال نے جذبات کو اظہار کی جگہ کارٹی ہے یا مگر حسن و عشق کو دل کی دھڑکن اور غراں یا عہد بہار ہے۔ بہر حال جو انگ بکھڑا اور سوخرا ہے۔ یہاں ایسی جگہ بکھڑا ہے کہ اقبال نے اپنی شاعری اپنے جذبے اور لہریں تھوڑی جگہ میں مصرعوں کے علاوہ زمانے کے اس مسلسل عمل سے کہاں تک کام لیا ہے اور صوفیہ کے چلنے میں وہاں افرا کو کہاں تک لپکا ہے۔ وہ کالم دہش ہی رہے ہیں یا فکر لہریں ایسی لہجہ لہجہ ہوتی ہیں، انہوں نے مصرعوں کے استعمال کی بھی کوئی تھیر و تھیر کی ہے یا نہیں؟

کیونکہ اقبال کی شاعری میں دہش سے لگاؤ کی جڑی اہماد کیفیت ملی ہے۔ اس سے مجلس عواظت میں بکھڑا ہے کہ وہ دہش پرست ہیں اور ماضی و موجود سے بڑا ہیں اور وہ ماضی کی تہذیبی روح کے ساتھ مخالف ہیں اور مصائب ہمیں کے ساتھ اس کے خلاف اعلان جنگ پر بھی اتر آتے ہیں لیکن وہ دہش کے نکتہ ذات کی پرستش نہیں کرتے بلکہ ان کی دہش میں وہ مصطفیٰ کے اس ذات کو ضمیر کرنا چاہتے ہیں۔

اور بچھے کی طرف اسے گزرتا ہوا  
کا مطلب ہی ہے کہ وہ ان کے اپنے میں  
روز و رات کا چاند لایا جائے اور زندگی کو خوب سے  
خوب تر جانے کی جستجو کی جائے گرا لے جائے۔

طرح طرح کر کے اسے رقص و مہر دیا گیا۔  
یعنی یہ کیا جاسکتا ہے کہ شعور و احساس میں ہم  
اور اک سحر حائل و شگفتہ و تحقیق کیلئے لازمی اور  
ضروری ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ شاعری کے اس  
بھی ارتقا کے عمل میں ایک انسانی کی صورت شعرا کی  
ہے کیونکہ دہش حال اور مصطفیٰ میں عالم روزگار  
میں مادیات و انفرادیت قوی ہو آگے جا سنا یا  
عمل ہے جس کو شاعر اپنے وہاں کی حد سے بکھڑا  
ہے اور اس کی ماضیت اور اس کے سرور و سرور کھیلے  
کی کوشش کرتا ہے اور اس کی کوشش میں وہ بھی  
اپنے ذاتی و مادیات کا شعور اور بھی کر لیتا ہے جسے  
بھی اہم کام دیا جاتا ہے اور بھی جذب و تعلق  
کی کیفیت کا نام دیا جاتا ہے اور یہ غلط بات بھی  
شاعروں کے ساتھ فلسفیانہ اور صوفیانہ کے سے  
میں بھی آتے ہیں مگر حسن الحاقی سے انہوں نے اسے  
صلح خاص سے اقبال شاعر بھی ہے اور صوفی بھی اور  
فلسفی بھی ہیں۔ ان کی محسوسیتوں میں جگہ جگہ  
ہے وہ روزی و مفرور، چاند ہے وہاں انہوں نے صوفیہ  
نور بکھڑے ہیں کہ

مری آواز سے ہر چہ کو شاعری نہ سمجھ  
کہ میں ہوں غم باز و دل سے غم  
یعنی آپ اپنے سامنے مقصد حال اور  
منہائے مصطفیٰ رکھتے تھے لیکن دہش کا شعور  
ساتھ رہتا تھا کیونکہ شاعری کے بارے میں ہم شعور

تکان بھی ہے زمانے میں زمانہ قوموں کا  
کہ گنج شام بکھڑا ہیں ان کی شعوریں  
خون و لب میں شاعری کی ہر گز تھیر کو ہر  
مہم میں تسلیم کیا گیا ہے۔ شاعروں نے قوموں کی  
اطراویں اور لہریں جہاد پر جہاد لکھا اور اسے صوفیہ  
کے ہیں۔ کیونکہ شاعری انسان کے فکر لہجہ ہے اور  
تجلی کو کہاں طور پر جگہ کرتی ہے اس میں  
فردی شعور کی روشنی اور مادیات کے ساتھ اسے کھلیں  
و لہجہ کا بھی لپکا جاسکتا ہے اور زمانہ جاہلیت عرب  
میں شاعری کا مضرب ہوتی ہے اور وہاں بھی شاعری  
عکس حیات و تھیر ہوتی ہے جس کی تھیر ہوتی ہے  
اس لیے تاریخ انسانی کے بعض علم حضرات کے بھی  
مضرب میں شاعری کے ساتھ دکھائی دیتی ہے لیکن یہ غلط  
بہت کم ایسے شعراء گذرے ہیں جنہیں ہم دہش  
ماضیہ مصطفیٰ کا شعور بھی لکھ سکتے ہیں اور اقبال  
کیونکہ شعور اقبال نے صوفیہ شعور میں  
برصغیر پاک و ہند میں جو گھر سے افراط و تفریط  
اور صوفیہ ماضیہ و ماضیہ کی دھڑکن اور ماضیہ کی تھیر  
میں جو اہم اور ماضیہ کی گزرتا ہے اس کی تھیریں  
غلاب نہیں تو کیا ہے۔ ہیں۔ اقبال کا فکر و فکر  
تا آج تک ہے اور اب یہ کہاں اثر لگتا رہتا  
ہے۔ آپ نے شاعری میں تاریخی شعور کو داخل کر  
نے کی اور شاعری انہوں کے ذاتی کو جگہ تھیر

کیونکہ شعور اقبال نے صوفیہ شعور میں  
برصغیر پاک و ہند میں جو گھر سے افراط و تفریط  
اور صوفیہ ماضیہ و ماضیہ کی دھڑکن اور ماضیہ کی تھیر  
میں جو اہم اور ماضیہ کی گزرتا ہے اس کی تھیریں  
غلاب نہیں تو کیا ہے۔ ہیں۔ اقبال کا فکر و فکر  
تا آج تک ہے اور اب یہ کہاں اثر لگتا رہتا  
ہے۔ آپ نے شاعری میں تاریخی شعور کو داخل کر  
نے کی اور شاعری انہوں کے ذاتی کو جگہ تھیر



جہاں محمد بنو بصری خاک کو اکسیر ہے  
 ہوا باغی بصر سے استقبال کی قہمیر ہے  
 سامنے دیکھتا ہوں اس دور کا افروز کو میں  
 دیکھتا ہوں دہائی کے اپنے میں فردا کو میں  
 اقبال کے نظریہ حیات میں مستقبل کی بھینٹ  
 بہت لیا وہ ہے کیونکہ صاحب سوجا رکھنے والا شخص  
 مستقبل اور کل کی حقیقت سے بے غم ہی نہیں کر سکا۔

اقبال نے اپنے اس نقطہ نظر کو اپنے ایک انگریزی  
 خطبے میں بڑی اگلی طرح واضح کیا ہے کہ کہلاتے  
 ہیں۔ "قوم اپنے وجود اور انکا مجموعہ ہی نہیں بلکہ اس  
 سے بہت بگڑا کر ہے۔ اس کی مہارت ہے اگر نظر  
 اتلی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ غیر جمہور اور انسانی  
 ہے اس لیے اس کے اگے اگلے درجے میں وہ کثیر  
 اعداد آئے والی نفسیں شامل ہیں جو عمرانی نظریے  
 انکی بہت دور ہیں۔ علم حیات کے آثار کو بدو  
 نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ جو لوگ اگلی دنیا  
 نہیں جاتے ہیں وہ بدو ہی انہو ہیں۔ ان کی وجہ  
 سے سیاسی اور تمدنی ترقیوں کو رکھا جاتا ہے۔ اسی  
 لیے میں اپنی قوم کی موجودہ حرکت کو اس پہلو سے  
 دیکھنا چاہتا ہوں۔" (۱)

اقبال نے جس دور میں ہم لیاؤ ایک ماحیر  
 سیاسی اور انقلابی جدلیوں کا دور تھا۔ ایک صدی نظم  
 ہو رہی تھی۔ خصوصاً صدی کا آغاز تھا۔ عالم انسانی پر  
 جنگ کے دہان چھڑے تھے اور ہر جگہ کے بے وقوف  
 تحریک کاری کے بے جا کھڑے ماحضر تھے اور ساتھ ہی  
 عمرانی قہمیر کے ساروں دور ہے تھے مختلف گریہیں  
 شروع ہو چکی تھیں مگر ہر ایکوں کے ضم ہونے کا  
 کوئی چارہ کار نظر نہیں آ رہا تھا بلکہ دوسری ماحیر  
 جنگ کے آثار نے سارا رخ دور ہے تھے کہ اپنے میں  
 آپ نے داخلی اہل کو ایک کیا۔

یعنی جو داخات آپ کی نظر سے گزرے  
 آپ ان سے حائر ہوئے بخیر و بد شکستہ اور اس  
 تمام داخات کے بھرپور دیکھنے اور اس کے فوری دیکھ  
 دینے استعداد تھے جنہوں نے مجھ کو لہا سے  
 اواز دے ہوئے تھے اور اپنے مکر فریب سے لوگوں پر  
 غور حیات تک کر رہے تھے۔ دوسری طرف یہ  
 مشرقی کے دہانہ داخات کا دار باندھ۔

اگرچہ مشرقی و مغرب کے تقاضا کی ابتداء  
 صلیبی جنگوں سے ہوئی لیکن آہستہ آہستہ مشرقی  
 میدان صرف اور مغرب میں مغرب سے ہوئی طرح  
 گفت کا مینا اور اس طرح تقاضا کا راسخ میدان  
 جنگ سے بہت کر اب اندرون خانہ یعنی تہذیب و  
 معاشرت کی طرف ہو گیا۔ نہایت ہی اہم بات ہونے  
 لگیں تھیں کہ اگر کلاسیکی جمعی اور مسلمانی جمعی اعتبار  
 سے شکست کھانے گئے اور اب ان میں قوت  
 داخات بھی کم ہو رہی تھی اور اس طرح بعض لوگوں  
 نے فوری اغراض و مقاصد کی خاطر بدو جگہ جاکوں  
 نے امیران قہم کو سدھانے کیلئے اپنے تمام وضع  
 کرنے شروع کر دیے اور ایسے میں ہی ان کو  
 آہستہ لے آواز افغانی مگر فخر خانے میں ان کی  
 آواز بہت کم لوگوں نے سنی مگر علامہ اقبال نے ان  
 کی آواز کو بدو سے قرار دیا تھا کہ کہلاتے ہیں۔

شیخ مرموع کا قول اب مجھے یاد آتا ہے  
 دل دہان جا نہیں گئے قہمیر ہل جانے سے  
 اس طرح ایک نئی نسل وجود میں آ گئی اور  
 مغرب کا وہ مقصد جو محمدیوں کی جنگ سے حاصل  
 ذکر کرتے تھے وہ مغربوں میں ہوا ہو گیا مگر اقبال کا  
 دیکھیں بعض مصرعہ مغرب میں یا اس کی خبریں سنیں انہو  
 نہیں دیکھتا کہ وہ مصرعوں میں مستقبل کے امکانات پر  
 بھی نظر ڈال لیتا ہے۔ جیسا کہ انہو نے کہا تھا کہ۔

اور بھی دور ملک ہیں اٹلی پر آنے والے ہیں  
 جزائرتہ کریں ہم کو مٹانے والے ہیں  
 اقبال نے آنے والے اگلے کو اپنے دیکھ دیکھ  
 لکھوں سے جان لیا تھا اسی لیے مصرعہ کا استقبال  
 آپ کے وہ جان و شعروں میں یقین کی صورت  
 اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ اقبال کا مہد ایک لہا  
 سے ہیں ان تمام مقاصد کا مہد ہے۔ آپ نے داخلی  
 تصویرات پر نگاہ رکھی اور اس طرح آپ بعد صالح  
 سے اگلے کر ایک وسیع دور میں داخلی ہوتے  
 ہیں۔ آپ نے مغرب کی جدوجہد کو دیکھا جس  
 کے نتیجے میں انکی تہذیب وجود میں آئی جو ظاہر  
 خوشنظر بہت چریک کرتے اور واضح مذاک پر اس  
 کا اشتیاق تھا۔ دوسری طرف جمہوریت کے لہاں  
 میں آسمانیت اور ولایت کے مہد تصور اور تہذیبی  
 فوٹا یا داخلی حسد و کاکایت نے دنیا کو ایک دوسرے کا  
 فریب بندھا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ عالم اسلام میں جو  
 کرد تھی یا اتحاد اسلام، پان اسلام کی جو  
 تحریک تھی اس کا اثر بھی آپ نے غور کیا۔ ترکی  
 مرد تیار تھا اور عرب کے گیارہوں میں اور مغرب  
 کے جنگوں میں سخت نئی گریہیں قائم لے رہی تھیں۔  
 شیخ عبدالوہاب، اسعوی، جمہوری سوانی، امیر  
 اور سیکس وغیرہ انکی شخصیتیں تھیں جو سید بدل  
 اور یہ انتہائی کی تحریک کے بعد اقبال میں ایک سے  
 رنگ و طرح نظر آتی ہیں اور کبھی جلدی ہنگامی راجی  
 ہیں کہ۔

انہو کہ خلقت ہوئی عیا افق خار پر  
 بزم میں شطرنج لڑائی سے اہل کر دہی  
 باہر میں گویا ہوتے ہیں۔



جدا ہوا کوش خطر کو چار کی غامضی نے آخر  
جو ہمہ صحرائیں سے بے ہوا تھا قلعہ استوار ہو گا  
فل کے سحر سے جس نے وہابی سخت کو امان دیا تھا  
سابقہ سہارا سے میں نے وہ شیر بھر ہو شیر ہو گا  
امداد کے آئیے میں طرد کی صورت دکھانے  
کے ساتھ اقبال ایک دائرہ عمل بھی چاہتے ہیں اور کہتے  
ہیں کہ:

میں ملت شب میں لے کے گلوں کا پتہ نہ دے گا  
شرارتوں ہو گی آہ میری غمیں میرا شعلہ بار ہو گا  
اور میرا اس دائرہ عمل کی روشنی میں خود سانس  
کے بل بوتے پر آپ نے اپنے آنسو دھوا دھوا شعلہ کی  
غیر ہو گی۔ آپ اپنے ہمہ کے واقعات سے سنا  
ضرور ہوئے مگر غور زیادہ تر عقل کے امکانات پر  
رہی۔ طرباں اور بھان کے اضطراب کا شعور کرنے کا  
انہیں حق فکر جواب ملنے لے ایک نیا نظریہ اور  
زندگی ملی اور آہستہ آہستہ غوی اور بے غوی کے  
امراورہ دوا لگے۔ کیونکہ جنگ کا اور راجا ہیں اور  
رہائی کے ہولناک حاضر بخیر ہے اور جو آج ہیں اور  
سبکیاں چلنے جی جی میں سے ہی نئی زندگی کی  
راہیں نکالی جاتی ہیں جدا اقبال نے بھی آفرینے  
اشتراکیت سرمایہ داری وغیرہ کو خطرناک دیکھا اور  
انہیں کے مضمرات کو بھی بچاؤ طلب کرتے دیکھا ان کی  
چشم جہاں نے حال کے آپ دہاں کو اپنے دیکھا اور  
مگر اس خوب غیبیوں کو سمجھنے ہوئے دیکھا۔ ان  
حالات میں انہیں ملت اسلام کی بے حسى خطرہ  
چاہی کرتی ہے مگر ساتھ ہی آنے والے اور کی عمر  
بے خواب کو سمجھتے ہیں اور لے ہیں۔

آپ دہاں کبھر تیرے کھارے کوئی  
دیکھ رہا ہے کئی اور زمانے کا خواب  
عالم نو ہے ابھی پردہ کھڑے ہیں

پوری نگاہوں میں ہے اس کی سر ہے جاپ  
میں میں نے نہ انتخاب سمجھ ہے وہ زندگی  
روح ہم کی حیات عقل انتخاب  
صورت شمشیر ہے دست تھا میں قوم  
کرتی ہے جو دہاں اپنے عمل کا صاحب  
شاور مشرق کی حقیقت میں لگا نے جو سر ہے  
جاپ دیکھی مکی جنگ عظیم کے بعد دہری جنگ  
عظیم نے اس خیال کو حقیقت میں بدل دیا۔ قوم  
مغرب کو اپنا اہم ٹھکانے لگا اور آج دنیا اگر کسی  
مائیکر لہرام سے محفوظ ہے تو اس کی وجہ یہ کہ وہ  
اس کی ہولناکیوں کو کچھ کچھ جاننے لگے ہیں اور نہ  
انہوں نے لہرام کو تحفہ کی شکل میں دیا دیکھا  
ستاروں پر کھڑی ہیں انہیں مگر برقی پر بکھر زندگی نہ  
دے سکے۔ قلب انسانی کی تعمیر کو ایک طرف  
دبے ہوئے دیکھے ہیں اور ماضی کا انسان پاکستہ و  
رہائی کے کوار سے بے کرا ہے کہ

بے غور نے وہ ستاروں کی گزر گاہوں کا  
اپنے انکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا  
اپنی سخت کے خم و چوچ میں الجھا ہوا  
آج تک غلط طبع و غور کر نہ سکا  
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتہ کیا  
زندگی کی شب چریک سر کر نہ سکا  
اور اب یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آگئی  
ہے کہ سائنس کی ایجاد برقی انسان کی فلاح و بہبود  
کے کام اس صورت میں آنے لگی جب روایت و  
روایت کو ہم آہنگ کر کے جس روایت میں ایک  
طرز پر تو ان کا نام کیا ہے کہ سائنس کو اس وقت  
لاہری سیاست میں کھنڈ ہے کہ روایتی اور اسلامی  
کی اشد ضرورت ہے۔ انسان اس طرح سے  
سچے سادہ پر بھی چل سکتا ہے اور اتفاق پر پرداز

بھی کر سکتا ہے۔ وہاں انسان کی حدیں بے انتہی  
ہیں۔ مشرق و مغرب ان عالمی پسپائی کی انسانی  
اصولیات میں کر رہے ہیں اور وہ کام لاپتہ پہلے  
قیامت میں ہیں۔ مشرق و مغرب کو چکا اور شاور  
مشرق نے بھی اپنی حوالے سے کہا تھا کہ  
مشرق سے جو چیز نہ مغرب سے چور کر  
فطرت کا انکار ہے کہ ہر شب کو سر کر  
اسی لیے کہا گیا ہے کہ

"اگر تختہ خاویں ایران کا لڑے ہو کہ  
اور رطافوی تاج کی شان و حرکت کا  
سب سے بڑا قیام اقبال لہاکے ہر ملک کے  
دور شاعری کی زیب و زینت  
ہے۔" (2)

اسی لیے انہیں زمانہ حقیقت اور عظیم  
امت کہا جاتا ہے کہ آپ نے رطافور پر قوم کو  
قالب کر کے صورت ماضی کی تھی کہ

کھول کر آنکھیں میرے آئینہ مختار میں  
آنے والے اور کی دھنکی سے تصویر دیکھ  
یادگاروں کا ہاسکا ہے کہ

جہاں چارہ کی ہے افکار تازہ سے سہرا  
کہ تنگ دشت سے جاتے نہیں جہاں بیا  
آپ نے مسلمانیت کو جو چھام دیا جو اولاد  
جو خواب دکھایا لڑا اسی وجہ سے قاسم عظم نے فرمایا  
تھا کہ

"اگر میرے پاس کوئی سلطنت ہوتی اور  
مجھے کہا جاتا کہ اقبال اور سلطنت میں سے  
کسی ایک کو جان لو تو میں بقیہ اقبال کو منتخب  
کرتا۔" (3)

جہاں یہ کہتا ہے جانتے ہو گا کہ بیسویں صدی میں  
اقبال کے افکار نے جس قدر امت کے دہاں کو



اُردو کی سند حالی اس طرح بہت کم بھرا کر رکھتے ہیں اور امت کا یہ دور اور اقبال مندی ہے اور سادہ اقبال شاعری کی طرف مہم جو رہے ہیں۔ اسی لیے حکیم علیہ فیضی نے اس طرف اشارہ دیتے ہوئے ایک خط جو کہ مسما اقبال نے ان کے نام لکھا تھا میں لکھا ہے کہ مسما فرماتے ہیں کہ ”وہ خطابات جو کہ میری روح کی گہرائیوں میں طغیانی برپا کیے ہوئے ہیں اگر عام پر غلبہ ہو جائیں تو گھٹے فیضی ہے کہ میری موت کے بعد میری پرستش ہوگی۔“ (۱۹۱۰ء)

یہ صریح اقبال کی یہی اصل ایک بھلائی کی بات ہے کہ جس طرح سے آپ نے قوم کی سیدنی کا فریضہ انجام دیا ان کے بعد افسردہ مردہ میں ایک نئی سنگ اس طرح سے پیدا کی کہ ان کا کارواں بھر خزل کی طرف کا حزن سونے کیلئے چل نکلا۔ ایسے ہیچند رنگ و قوسوں کی زندگی میں عداوت بد پیدا ہوئے ہیں لیکن ان کا تصور ایک غری انتساب کا پیش قدمی ہی جاتا ہے اسی لیے یہ کہنا ہے ہمارا دعا کرتا ہے اپنے دور کے ہی نہیں بلکہ آنے والے ہر دور کے بھی شاعر ہیں۔ آپ کا پیغام محدود نہیں ہے بلکہ آفاق ہے۔ اس میں رحمت ہے اور ای رحمت کے باعث آپ سدا ایات مسما بھی ہوئی قوم کو تھکائی دینے اور محدود روایت کے گرد گھومنے والی عقل پرندہ رویت سے نکال کر کچھ اسے ہی شعور بخلا اور شاہ ماحول بھی ایک فرد و فرد کا کے تصور میں پھر شعر و شاعری کے گہر اور ہم قدری کا رازوں اور جہد میں عصر کا کوئی آئینہ ہو جو لوگوں میں خودی کی قدرتی روایت کرے اور زندگی کی عمال قدروں کو ہمارا کر کے۔ آپ کی بھلائی ہے اور روحانیات تھے ظلم آپ کی رحمت تھے آپ کی نگاہ دور رہی تھی آنے والا دور آپ کی نگاہوں کے

سامنے تھا لیکن اس کے ہر دور فرماتے ہیں کہ اصل چٹا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں اور یہی بات آپ اپنی قوم کو کھاتا چاہتے تھے کہ ”اے دلہن کے قصوں کو کھاتا چاہئے اور قرآن کے قول کے مطابق ”ایمان دلوں میں اترا چاہئے۔“ (۱۹۱۰ء) انھیں سوچنا پڑ رہا تھا چاہئے۔ کیونکہ کچھ مسلمانوں میں طغیانی وقت خفا ہے جب یقین کے ورے کو کھاتا ہے اور افسردہ دلی اور بیرونی حقیقت اور کیفیت ایک ہو جاتی ہے۔ بلکہ ایک بات ہو جاتی ہے۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ اقبال کا پیغام جو نوجوان نسل کیلئے تھا جو ملت اقوام طرب کیلئے تھا جو ملت مسلم کیلئے تھا تہذیب و ادب اس کے خطرات تھا جو ہر جہاں کی عداوت اور ہم پر غلبہ تعلیم اور تصائب تھا جو ہر جہاں کی سکھانے پر تھا سب بکھیر دینا ہم لوگ بھڑے ہیں۔

ہم زندگی کے حقائق سے دور ہو رہے ہیں اور داخل ہو چکے ہیں انکسوی صدی میں آج آج کے چتر خصوص میں ہمارا ہم سماجی اور روحانی کرپا دکھ رہے ہیں۔ ان کی تہذیب ایک بکھیرا ہوا نسل پر حاوی ہو رہی ہے۔ تنقیدیں غلط رہیں ہے۔ ہمارے کچھ سے تعلیم نہیں اسے پار ہے جس کا ایک اقبال نے فرمایا تھا کہ

ہمارے عمل کو آزاد تو کرتا ہے مگر پھنسا جاتا ہے خطابات کو ہے راجا و نظام احرام آدمیت اور احرام انسانیت اپنی جا رہی ہے خود کشی کی اور اس میں عقل و اجزائی کی انکسوی کے دھتات عقل سماجی خصوص اور طبقاتی کششوں کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ بے مقصد ہمارے ہر تہذیب اور بے زانی اس کا سبب ہے اور زندگی

کے حصول ہونے کے احساس نے آدمی کو بے اختیار کی طرف کھینچ لیا ہے اور آدمی کو کھینچا آدمی خود اپنی نگاہوں میں ہے قدر ہو کر رہ گیا ہے اور بات امتحان تہذیب ہے کہ اقبال نے بہت پہلے کہا تھا کہ ”ہے انداز میں پاکیزگی تو نہیں مہمرب پاک و خیال بند و ادب اعلیٰ باہر اس خطرات کا تہذیبی و فنی مصائب کو آپ نے اچھی طرح کھانا تھا اور ان کو بکھار کیا تھا کہ

بہر طریقی ہے خدا یں مکر و تدبیر سے مجھے فرک دیکھ کر تلے پتہ میں ہے آج اس صدی کے آغاز میں مذہب و تہذیب سے دوری بہت عام نظر آ رہی ہے۔ مشرقی کے لوگ طرب کا سراغ کر رہے ہیں اور طرب کے لوگ سکون کی خاطر مشرق آ رہے ہیں اور آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک خدا پسندی اور بے یقینی کی کیفیت عام معلوم و محسوس ہوتی ہے۔ حالانکہ اقبال نے یہ کیا تھا کہ۔

”ہے زندگی تجھی بھی اسی خاک میں پڑنا ناگہ ! تو نہ صاحب ادراک مجھ سے اور آپ نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا تھا کہ یورپی اقوام و علوم کی بدعتی ہے کہ ان کی قدرت حاصر پر تو بدعتی ہمارے ہے کہ غلبہ حاصل ہوتا جا رہا ہے۔ اسی لیے ان کی تعلیم کا سراغ بھی درست نہیں ہے اور انھیں معاشرے میں کوئی بھر نہیں ہے اور علم کا مقصد ہمارے علمی میں بکھیرا ہے فقیر کر رہا رہی ہے جیسا کہ صاحب کشف الکھف نے کہا ہے کہ

”علوم سے کوئی عی مر نہیں ہے“ سے مراد حقائق سے آگاہ ہونا اور افاقہ حاصل کرنا



تجلی کی کرنیں کہ آج اساتذہ بھی تاجید ہیں  
پہلے وقت کے دریا میں جہاں فرائض سے ناواقف  
ہیں، انہیں بھی جہاں بڑی ہیں انگریزوں کی حکومت  
ہیں انہیں تمام ہمارے مگر تعلیم و تربیت بہت کم فکر  
آ رہی ہے۔ ہمارا تہذیب صرف انھوں سے نہیں  
ہوتی بلکہ فیضانِ فکر کا بھی کمال ہوتا ہے۔ استاد کا  
کردار بھی ہوتا ہے کہ

فیضانِ فکر تھا کہ کتب کی کرامت تھی  
نکمائے کس نے اساتذہ کو آدابِ فرائض  
یعنی فیضانِ فکر کے ساتھ کتب اور استاد بھی  
احیاء کے مال ہیں اور خود کے ساتھ ساتھ فکر بھی  
ہو ضروری ہے، اور نظر اور فکر دونوں میں ترجیح دینا  
کہ۔

کہہ کے پاس فکر کے سوا کچھ اور نہیں  
ترا مانی فکر کے سوا کچھ اور نہیں  
لہذا اگر علامہ اقبال اہلِ مدرسہ سے پہلے  
تھے تو اس کے لیے جو جہاد موجود تھی۔ پانے  
دنائے کا سہارا کر دیا ساری بھی کرتا تھا فقیر دینا کا  
فرائض کی سرانجام دینا تھا مگر آپ استاد الگ بات  
ہے، فقیر بات الگ بتاتی ہیں۔ دوسری کی ترقیات  
فیضہ ہیں، جہاں صرف استاد ہی نہیں بلکہ دیگر محاسن  
نے بھی استاد کی حیثیت کو کم کر دیا ہے تو کیا اس سر کی  
ضرورت آج پہلے سے نہیں زیادہ نہیں ہے کہ ہم  
اقبال کے پیغام کو عام کریں۔ شاہین چاہیں کو کج  
نیا ہے یا کہ قبیلہ کی آگ کا جہاد ہو۔ فیاض کو  
ستار دیں۔ والدین کو ان کی ذمہ داریاں سے آگاہ  
کریں۔ محاسن کی ترقیاں بن کر نظر رکھیں۔ فقیر دینا  
کے ساتھ دیکھیں۔ روحانیت کا ہندو کریں کہ آج  
ان بہت ضرورت ہے۔ علامہ کی فریاد جہاد، نہ

آنحضرت کی خدمت میں پہنچ کر تھی کہ

”مسلمان اسلام کی راسخ سے ہٹ گئے ہیں  
تو میرا دامن چھوڑ دیا ہے کتنی غم نے  
انھیں دینے سے دور کر دیا ہے یا رسولِ صلہ  
آپ ہی میرا غم ہے۔ آپ ہی میرا سہارا  
رنگ ہیں۔ میرے قلب و دماغ کو بھر  
دے، تو میرا دامن بھالو کہ میں صبر و دل  
بھی دلوں دکھائیں اور دلوں پر خوش کی پیدا  
کر دو، ہر گھنٹوں کا بھی دور کر سکیں۔“ (۱۱۲)

علامہ اقبال کے عظیم دانشور کے اس لیے  
خلاف نہیں تھے کہ وہ ہیں بلکہ ان علوم کی داری  
بنا دیا اور اس میں نہیں اور داری تعلیم و تہذیب کے خلاف  
تھے جس سے فقیر آدمی اور باخدا کا انکار ہے تو  
”فقیر سے سائنس آسان اور بھی ہیں بلکہ کہ  
سے چھانوں کی فوج دینے ہیں اور کہتے ہیں  
کہ آگے بڑھنا اس طرح ہے کہ

۱۔ وہ خود شوق ہے منزل نہ کہ قول  
یعنی بھی ہم فقیہ ہو تو عمل نہ کہ قول  
ہر لکھ بنا خود تھی برقی گئی  
صلہ کرے مطر شوق نہ ہو ملے  
علامہ اقبال نے محسوس کیا تھا کہ اقوامِ عالم  
جس طرف جا رہی ہے وہ جہاں کا راستہ ہے اور  
انسانیت کو رات دن جہاں کی جانب گھوم رہا ہے۔ آپ  
نے بے دلوں کو جہاد سے جس میں بدوں کو قتل  
نہیں ہیں کہتے ہیں۔ سراپا داری کلام ”غریب“  
جس سے بڑے وسیع داری کلام کسان کی اہمیت خود  
کی طاقت انھیں کی ضرورت ”علم کی قوت“ اسلام کی  
حیثیت ”خدا بھی ہو، چاہیں کی حیثیت“ ان کے فرائض  
کلام سیاست و حکومت، قوموں کے زوال کی  
وجوہات، بدلتی کی خواہش، کلام تعلیم، سماج کا

نوجوان نسل، نئی نسل، ماسوں مغرب، اور مشرق کی تہذیب  
فلک، تاریخ، مذہب، سائنس، طبابت اور سیاست  
سماجیات اور آپ غریب، جو مضمون پر ایسا واضح  
مطالعہ پیش کر کے ایک ایسی سرگرمی حاصل کی ہے  
کہ ان کا کہا ہوا جہادِ فکر آج ہے۔ آج ان کی وفات  
کے ۱۱۱ سال بعد بھی سائنس دینے ہی انھیں ملے ہیں  
تو یہ کچھ باطل، درست ہے کہ اقبال کے پیغام کو ہم  
چاہے کہ یہ کچھ صدی کا پیغام نہیں ہے بلکہ ہمیں  
حالت سے مطابقت رکھتا ہے اور آئے دینی صدی  
ہیں۔ انسانی کا فرائض سرانجام دینے کی چار دینی طاقت  
رکھتا ہے، کیونکہ اقوامِ متحدہ جہاں طاقتوں کا اکٹھا ہونا  
گیا ہے۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ کہ آپ اپنی من مانی کر رہے ہیں۔  
چھوٹی قوموں کو قرضوں کے چنگل میں بکڑا چکا رہا  
ہے۔ ان کے باقی تقاضات ٹھونڈا رہا ہے ہیں۔  
کا سلاہ کو بے نیازی آج بھی دانی ہے۔ سراپا  
داری پہلے سے نہیں زیادہ ہے۔ مغربی تہذیب کا  
ہا اور سرچہ کر لیں رہا ہے، علامہ کے تقاضات انھی  
بھی زندہ و پابند ہیں، عالم اسلام کا اقتدار بھی قائم  
نہیں ہو سکا ہے۔ مسلمان کلام میں مجبور ہیں۔ علم  
حکم و بادشاہت کر رہے ہیں۔ آمریت آج بھی کام  
دکھائی ہے۔ انسانیت آج بھی ذلیل اور سادہ داری  
ہے۔ فیاض نے کلام کو بے ہمتی ہے۔ بڑوں کو  
فرائض سے آگاہ نہیں تو بچوں کو اس کی یاد دینا  
فلسفیانہ، علمی، دینی آزاد نہیں ہوئے۔ وسط ایشیا اور  
افریقہ کے اندر نسلی فسادات ہو رہے ہیں۔  
اختلافات میں انھی مطر حکومت سے نہیں پار رہا ہے  
اسلام سے۔ دینی ہے تو ان میں جاگتے نہیں ہے  
داعشی دھڑے ہیں۔ حالت انھیں کرنے سے ان کی  
بے جا خود فرائض عام ہے۔ سیاست میں صرف  
انھیں کے ابو کھٹکتے کر داری کی صورت میں



ساتھ آئے ہیں۔ بل ماکان ابھی بھی حردوں پر  
 بند کرتے ہیں۔ ابھی بھی درجنوں دہشت کی دہلی  
 کیلئے ہے۔ قرآن مافوق میں ماحول ہے۔ سر  
 فوری عقل نظر آتی ہے کہ شب پر جی بہت ہے کہ  
 کس لیے۔ تقریبات کیلئے بزرگ اور جیس کہانے  
 پتے اور دکان پر فیس اور دے کے لیے ابھی بھی شمشیر  
 اسٹار آفر ہیں اور خافس اور باب دل ہیں زانی  
 بات کرنے والا اور اندر سے بھی کافکار ہے۔  
 لسانی اور مافوقی خصوصیات عام ہیں۔ مسلمان مسلمان کا  
 دشمن ہے مسابہ میں ہم مادہ سے جانتے ہیں شمشیر  
 سنی فسادات کے لئے دہلی کی دہلی کی دہلی کی  
 فرسے ترک کرنا پڑی بات کہہ رہا ہے۔ صور مذاکرہ عام  
 ہے۔ تو کیا پتے میں کہہ سکتے ہیں کہ اس صدی میں  
 ہم نے اپنے خاصہ حاصل کر لیے ہیں۔ جس پر کر  
 نہیں سکتے آج بھی کام اقبال کا کام کرنے کی  
 ضرورت ہے۔ اس کی خصوصیات کی ضرورت ہے۔  
 ایکویٹی صدی میں اس کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ  
 ہے کہ ہم اس صدی کا نتیجہ کریں گے تو خود کو جی کا  
 دہیں کھڑا کریں گے۔ عمار کے تصور میں ملت کو  
 عام کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ذرا سے خاصہ کے  
 اجلاسوں سر پر اس کی کافورنوں اسلامی بنکر لیتے  
 کی موجودگی کے باوجود قرطمانی ہی کہیں بد حال  
 کافکار ہیں ملت زیادہ اسلامی مالک اور امیر و کبر  
 ہونے کے باوجود کہیں ہم ہر نامہ جی ہر نامہ ہیں۔  
 صرف اسی لیے کہ ہم نے اظہ اور اس کے دہلی کے  
 پیغام کو چھوڑ دیا اس پر غور کر چھوڑ دیا ہے اور اقبال  
 کا پیغام ابھی قرآن کی تعمیر و ترقی ہے۔ آپ نے  
 ابھی اسلام کی خاصیت کو ثابت کیا ہے۔ اس پر عمل پیرا  
 ہونے کی تمہیں کی ہے۔ قرآن کو سمجھنے کی دعوت دی  
 ہے۔

قرآن میں لحاظ ان ہوا ہے مرد مسلمان  
 اظہ کرے پچا تھ میں برأت کرہ  
 آج بہت زندگی کے بہت سے ذرا ہے کی  
 صورت میں ملو کر ہو رہے ہیں قرآن کی بہت  
 ضرورت ہے کہ اقبال کے افکار کو فی صدی میں  
 اقبال کی فکر اسلامی اور اسلامی اور ان کی روحانی  
 اور اخلاقی فلسفہ زندگی کی روشنی میں پیش کیا جائے  
 کیونکہ آپ کا پیغام حق ہے۔ آپ کے مغرب و مشرق کو  
 چلا دیا تھا اور آج بھی پوری دنیا میں اقبال پر جو  
 عقلی کام ہو رہا ہے جس طرح سے آپ کے افکار  
 کی خصوصیات ہو رہی ہیں اور آپ کا اثر و نفوذ عام ہو  
 رہا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا پیغام زمان  
 و مکان کی بدشعوب سے آزاد ہے۔ آج عصری دنیا  
 اسلامی باک انہیں نہیں کہہ سکتے کہ یہ ہے کہ اگر انہیں  
 سائنس اور انسانی فوٹو لینڈ خود کوئی غوی ہے  
 غوی کا جوہر یا ہوتا ہے اقبال نے بہت پہلے ان  
 خصوصیات کو چھوڑا اور ان کا بھی کھلی کھلا  
 لہذا یہ کہتا ہے جات ہو گا کہ اقبال کا پیغام  
 عالمگیر ہے۔ اس کا نصب العین وسیع و عریض  
 ہے کیونکہ جس پیغام دعوت کی اس قرآن ہوا  
 اقوام و ملت کی حدود سے نکل جاتا ہے۔ ”ب  
 انسانین کی طرح انسانیت ہو جاتا ہے۔“ (81)  
 اقبال کی زندگی کا نصب العین زندگی کی  
 گرائیوں میں انتخاب چھ کرتا ہے۔ پہلے وہ  
 انسانوں کے ضمیر میں اپنا ”نام“ کو تشکیل کرنا  
 چاہتے ہیں اور انہیں سمجھتے ہیں کہ ان کے انھیں  
 نظریے اور سوز و درد ان میں زانی ہوئی آواز فاست  
 رہا کر دے کہ انہیں ان کے آئینہ دل سے نکل  
 ہوئی پھر جاں فاش و عاشاق کو جا کر مل نظری  
 آگھیں کو خیرہ کر کے اپنا اصل رنگ دکھانے کی اور

بہر حقیقت اپنے اصل رنگ میں ملو کر ہوئی کیونکہ  
 آپ کہتے ہیں۔

”یہ وہ آج اپنے دلم کو چننا کر کے چھوڑوں گا  
 اور وہ کے مٹل کو گھٹاں کر کے چھوڑوں گا  
 جاتا ہے لکھ پر شمع دل کو سوز چننا سے  
 جی غلط میں میں دانی چننا کر کے چھوڑوں گا  
 اور آج ہم دہلی کے ساتھ فی صدی میں  
 اقبال کے پیغام کو کام کرتے ہوئے جا رہے ہیں کہ  
 سکتے ہیں کہ۔“

نہیں ہے علامہ اقبال اپنی نکتہ دہ اس سے  
 ارا تم ہو تو یہ عمل بڑی ڈیڈر ہے سانی

حوالہ جات

1. ملت چھاپہ ایک عمرانی تقریر (تقریر عمرانی)  
 خان (1956)۔
2. جواب ذوالفقار (صداۃ مشرقی) (1958)  
 Voice from the East
3. اقبال اور قائد اعظم (انڈین نیشنل آرکائیو)  
 63
4. خطوط اقبال (جام حکیم علی نقوی)۔ سال 1954  
 اقبال (1952)
5. انقران بالکریم۔ سورۃ 44: 34
6. انقران (تفہیم قرآن) 19: 144
7. ”ماخوذ“ (نہیں چاہیے کہ)“
8. اقبال کا پیغام اسلامیت (پروفیسر محمد سرور)۔ ص 132۔

علامہ انیس علامہ اقبال کے شعراء خیرہ کے  
 حوالہ جات مختلف کتابوں سے لیے گئے ہیں لیکن  
 مشہور و معروف ہونے کے باعث ان کا حوالہ نہیں  
 دیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆



علامہ اقبال کا تنقیدی شعور..... تحقیقی و تنقیدی جائزہ



کیا جاتا ہے کہ بے شمار عورتوں کی  
بے شمار ہوتے ہیں لیکن انگریزی ادب کے  
حوالے سے انگریزی ادبی - فن - لطیفہ اور ادب  
ادب کے حوالے سے اعلیٰ ترین مقام پر  
اقبال کو کہہ کر یہ نظریہ داخل ہوتا ہے۔ بھول بھڑ

”سید الدہلی عقیدہ ہے کہ بیعت بڑا شاعری  
 بڑا مذاکرہ ہے۔ ہوتا ہے خوب دودھ کا تھنہ، اولیٰ و  
 عقیدہ، مذاکرہ، کئے کئے خواہ نہ کئے۔ اسی  
 حوالے سے میں غالب اور اقبال کو عظیم  
 شاعری نہیں کہ شاعر کا عظیم خدا بھی  
 سمجھتا ہے۔“

ذکر وہاں چاندی کا نام نہ ملتا مگر کچھ اور  
جسے نکال لی اور میں نے حاتی کے نو پتھار  
پا ضابطہ اور سرب و انوار میں اپنے تھنیدی ٹھکڑے  
چل کے جو تھنیدی شمع و شمعری کی لکھی میں تھارے  
ساتھ ہی۔ اس وقت کے اگرچہ پتھار و شمع ہر تھنیدی  
شمع سے تھنیدی ٹھکڑے کی لکھی کے تھنیدی  
کے کام و شمع اور بعض تھنیدی ٹھکڑے کی لکھی  
کے مطالعے سے ان کے تھنیدی شمع اور تھنیدی  
ایہی کا انشاء و انشاء میں ہوتا ہے خطا و غلط  
تھنیدی کے نام اپنے ایک تقریبی کتاب میں اور  
ذرائع کے بارے میں تھنیدی

”میرے عزیز دوست طلحہ صاحب“

”میں نے آپ کے ترجمہ کتاب ”سنگین کھین“ معزز برہت پبلشر کا ایک حصہ دیکھا ہے۔ سال گذشتہ جب مولانا فضل نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ آیا پبلشری سہولتیں (عقود تھیں) کے بعض حصوں کا اردو میں ترجمہ ہونا ممکن ہے یا نہیں؟ تو میں نے ان کو کھواہا تھا کہ اس ادارے میں زیادہ تر اس حد سے کامیابی (ناکامی) ہوگی کہ (اردو کا) حروف اس قدر گھٹے ہے کہ اس میں مغرب (مضامین خیالات) کے لیے کچھ کچھ نہیں ہے۔ مگر آپ کے مترجم نے یہ بات میرے ذہن میں گہرائی کی گہرائی میں ڈالنے کی بنا پر اس امر پر حتمی کہ مجھے مطمئن تھا کہ اس نہایت ہی خوب صورت اور ترقی کرنے والی زبان (اردو) میں ایسے مضامین کے ادراک کرنے کی قوت کہاں تک موجود ہے اور جو یہ کہ کہانی میں مثل دیگر اہل ترقی کے ادارے مطالب کی پسلی کا تاج اور مرکب الفاظ میں کہ اپنے کی جیب و خراب فائزہ موجود ہے؟ نام صرف طلحہ کے جو ترجمے آج کل عربی زبان میں ہوئے ہیں ان میں بعض

ہوا کے ٹھنڈے اور صاف کی ہو پانی پانی ہے  
مگر جب اس بات پر غور کیا جائے کہ  
ہماری زبان انکی ترقی کے پہلے ہی رہنے  
پر ہے تو آپ کے ترقی کی بنیاد  
معاذی اللہ باطل سمجھنے پر ہے۔ اگر ہر  
پتھر ہوا کی ہوا تو وہ بھی (مادہ میں)  
اس کے علاوہ تو یہ سمجھنا کہ کون  
بات کہ مادہ میں ہی ترسہ نہیں ہے اس  
سے نہ صرف آپ کی لافقت اور قدرت  
جاننا ظاہر ہوتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا  
ہے کہ اس باوجود ہوا کا مادہ میں ادا  
مطالب کی کس قدر قابلیت موجود  
ہے۔" (۱)

اس کتاب سے خلا ساقبال کی اسرارِ انوار کی  
 قوتی اور علمی صلاحیتوں کے بارے میں سامنے  
 سامنے آتی ہے۔ نذرِ ہدایت بھی اعظم ہوتی ہے وہ  
 ادب میں مختلف اور فصیح کو کچھ نہ کرتے ہیں اور ادب  
 میں اپنی نفاذات کو کچھ اور نفاذاتِ اعلا میں ہوا  
 کرنے پر زور دیتے ہیں۔ مگر اس زمانے میں  
 حواسے "مرزا غالب" کے حواسے سے ایک علم  
 تخلیقی کی قسمی جو ادب میں شامل ہے۔ علمِ ادب  
 غالب میں ایک ایسا گرس بھا طرازی ہے جو کوئی  
 دوسرا شاعر نہیں دے سکا۔ (۱) اس علم میں حواسے  
 غالب کی شاعری کو زندگی سے جلا بخار کیا اور



اے انکار کچھ نہیں میں یہاں سے تھک چکی ہوں اسی نظم کے پڑھتے بند میں انہوں نے اردو زبان سے معلق یہ شعر تخلیق کیا۔

گیسوئے اردو انہی صفت پندہ شاد ہے  
شعرا یہ سودائی دلی سوزی پر داند ہے  
اقبال کہتا یہ جانتے ہیں کباب ہندوستان کی  
سرا میں میں غالب جیسا شاعر موجود نہیں جہاں کہ  
اردو کا پھر لے مکمل کے لیے ایسے ہی شاعروں کی  
ضرورت ہے اور یہ شعرا ایسے ہی پڑھانوں کی طلب  
گار ہے۔ اسی طرح یہ شعر عمارت کی اردو سے  
معلق دانے کو خارج کر دیتا ہے کہ اردو زبان کو  
غالب ایسے شاعر آ کر مزید ترقی دے سکتے ہیں۔

بات صرف اسی شعر تک آ کر ختم نہیں ہوتی  
بلکہ ان کے کام میں ایسے شعراء تعداد کے لحاظ سے  
بے شمار ہیں ان سے ان کی ہفتادہ شخصیت مسلم ہو  
جاتی ہے انہوں نے نہ صرف فن سے معلق اپنے  
تخلیقات میں کیے بلکہ ہند کی اس شاعری پر بھی کڑی  
تقدیر کی جو انسان کی روحانی تعمیر کی بجائے اسے  
تخریب کی جانب سلے جاتی ہے۔ عمارت کو انہی  
شاعری پسند تھی جو مردم قوم کو بیدار کر سکے اسے  
چاہئے اور جہد جہد کی نصیحت دے اور اس میں اپنی  
قدار بیکار کر سکے عمارت کو ہر اس غصے اور فحش سے  
غیرت تھی جس سے انسانوں کو ظلم قبول جانے  
سختی ہذا ہمت کی طرف راغب کرنے اور اپنی انسانی  
قدار سے محروم کرنے کی قریح میں ملے جو اس حوالے  
سے ان کی نظم "مہروادین ہند" میں شعر سے معلق  
بہت ہی جامعہ و وسیع اور جامعہ و وسیع ہے  
حق و سچ کا جانا ہے عقلی ان کا  
ان کے اندر تاریک میں قوموں کے حور  
سوت کی عقل گری ان کے ضم خاں میں

زندگی سے جز ان برسوں کا بڑا  
ظلم آدمی سے چھپاتے ہیں شجاعت بلند  
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ جان کو بیدار  
ہند کے شاعر و صورت گرد اقبال تو نہیں  
آہستہ آہستہ کے اعصاب پر غصہ ہے سوار  
غالب اقبال شعر و ادب میں ان کی آزادانی کا  
روایتیہ کے کمال نہیں جو سنی پرستی یا فطرت پرستی  
کے نام پر سختی اور سختی ہذا ہمت کو تخریب دے سکیں  
اپنی قدروں کا نظم دے۔ اقبال کا مقصد تخلیق اپنی  
قدروں کا نظم دینا ہے اس لیے اپنی انسانی قدروں  
کو ادب ہی کے وسیلے سے قبول کرتے ہیں۔ اقبال  
جس عہد میں حسب شعر پر فخر ہوئے وہ عہد جہد تھی  
اور انھیں کباب کا عہد تھا اس لیے اس عہد میں صرف  
دلی شاعر کا کباب ہو سکتا تھا جو روح مصر کا شعور رکھتا  
ہے اور اپنے میں فن کا بھی اردو کی دیکھتا ہو اور دم  
کھینچے ہیں کہ اقبال کے پاس روح مصر کا شعور اور مرن  
میں قوم کا درد جو دنیا ظلم موجود تھا اس لیے ان کے  
ذریعہ عقلی بصیرت اپنی اور مصلحتی دنیا کا بھی روح  
فنی کے حافی ہے۔ اقبال ایک نظریہ Violon کے  
شاعر ہیں اور مقصد تخلیق کا فضول اور وقت کا ضیاع  
کھینچے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہر اس شاعری  
کو تنقید کا نشانہ بنایا جس میں اپنی قدوری پیدا  
کرنے کی صلاحیت نہ تھی اردو ادب میں شعر کو اپنے  
تخریب کے تابع رکھتے تھے اور اسی تخریب کی باہما  
تجلیں بھی کرتے تھے۔ اس بارے میں میں ایک  
نقد دیکھیں۔

مرد و شعر و سیاست کتاب دوم و آخر  
کہہ رہی ان کی گرو میں تمام یکہ داد  
عصر ہذا خاکی سے ہے نمود ان کی  
بلکہ تر ہے حصاروں سے ان کا کائنات

اگر خودی کی حفاظت کریں تو میں جانتے  
نہ کہ تخیل تو سرپا فسون و افسانہ  
ہوتی ہے ذمہ فک انہوں کی روحانی  
خودی سے جب ادب دہی ہوئے ہیں بچانہ  
ان اشعار سے اقبال کے نظریے کا اظہار بھی  
ہوتا ہے۔ وہ اپنے فن کو اپنے تصور خودی کے تابع  
رکھنا چاہتے ہیں اور یہ تصور خودی خود آگئی اور  
خود انسانی کا تصور ہے لہذا اپنی فحش پر انہوں کو ذات  
کا نظم و شعور دے۔ وہ شعر بکثرت کا ضیاع نہیں تو  
اور کیا ہو گا لہذا اقبال اپنے شعر و ادب کا تصور کی  
روحانی کے صدائق سمجھتے ہیں کہ خودی سے بچانہ  
ہے۔

اقبال اپنی فنی زندگی میں ایک دوسرا اور  
فرض شمس انسان تھے جو کے بعض دیگر شعراء کی  
طرح کا بالائی یا پڑائی اور بے فکر سے رہنے میں اپنے  
آپ کو کھینچتے کرتے تھے۔ ان کی شخصیت کا یہ عکس  
ان کے شعروں میں جو کہ بکثرت آتا ہے اور وہ بھی  
اسی اس انداز کی ہر شعر میں دیکھا جاتا ہے جس میں  
لے جہاں انہوں نے تنقید پر رنگ بڑائی کا کمانہ  
ذہنیہ صلاحیت اور بے غیری پر کڑی تنقید کی ہے  
وہاں گرو اور بے اور شعراء کو بے غلام بھی دیا ہے۔  
شاعر کی خواہش ہو کہ مطلق کا شمس ہو  
جس سے ہمیں ہمارے ہو وہ یاد کر کیا  
اقبال اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ  
قوموں کی شخصیت کا نظم و ادب کے ذریعے ہی بچہ  
عصر پر سوار اور چاہا جا سکتا ہے اس لیے انہوں نے  
روح مصر کو سمجھنے کو اپنے اہل صرف نظریہ "خودی"  
پیش کیا اسی نظریے کے تابع غیر تجربات نہیں اور  
ہند کے شعراء کو بھی ان کی ہی مقصد شاعری کی  
جانب راغب کرنے کی کوشش کی وہ جانتے تھے کہ



امت مسلمہ کے سرکار و قائد تھے۔ ان کی فکر تعلیم و تربیت کی وجہ سے یہاں چڑھے ہیں جنہیں اب باصفائی ہی کے واسطے بدلا جا سکتا ہے۔

اگرچہ اقبال نے اپنے کام میں فن شعر سے حوصلہ کوئی خاص شمار سے جان نہیں کیے لیکن ان کا فن شعری اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ فن شعر پر بھی ہندو نظر رکھتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے اپنی اردو شاعری کو نظم و نثر کے درمیان سے برکھانے سے مراد کیا اور اسے زبانِ ادا کے ادبی مقام پر جوڑ دیا (اور میرے خیال میں اقبال کا مقام عالی ادبیات میں اگر کے مقابلے میں زبانِ ادا کے لحاظ سے زیادہ بلند ہے) کیونکہ ان کی اردو شاعری نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک جوش و جذبہ کاربانی پیدا کرنا تھا اس لیے ان کی اردو شاعری کا حراج انتہائی اور درجہ و درجہ سے بالا ہے اور یہ مطلب ان کے انداز بیان اور زبان کی وجہ سے ہے جسے اردو کے مقابلے میں ان کی فارسی شاعری زیادہ اعلیٰ درجہ میں ہے۔ جلال مرید لکھتے ہیں:

”کافی میں اقبال کے نظم سے شوق نہایت اس وقت تک اٹھی ہیں“ ”اسرار غری و سوز ہے مولوی مر“ ”چشمِ شرقی“ ”ایک سے ایک بہتر نکلی کتاب سے دوسری میں زبان زیادہ سادہ اور عام فہم ہو گئی ہے اور تیسری دوسری سے زیادہ سلیس ہے۔ جو لوگ

اقبال کے اردو کام کے دلداد ہیں وہ فارسی نظموں کو دیکھ کر یہاں جاتے ہیں کہ اگر انہیں یاد رکھنا چاہے کہ فارسی نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا“

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اقبال اپنا شعر زبانِ فکر سے ”مولوی“ بنائی کرنا چاہتے تھے اور ان کی زبان میں جو اردو کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ عام فہم تھی اس وقت تک ان کی زبان پر فریاد ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ بہتر اور سہجہ زبان ثابت ہوئی اور اقبال کا یہ انداز شعور کیسے کہ وہ اپنے قصود میں کامیاب ہوئے اور پوری دنیا میں دیکھتے ہی دیکھتے ”ترجمانِ حقیقت“ کے لقب سے جانے پہچانے گئے۔

کہا جاتا ہے کہ ہر تحقیق کار کے افسوس میں ایک ہند چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اپنی تحقیق سے پہلے وہ خود اس پر قانع اور نظر ڈالتا ہے تاکہ وہ غیر جانبدار اور طوریج کا نگار نہیں اس کی ہر تحقیق اپنے معیار کے لحاظ سے ایک خاص مقام و درجہ کی حامل ہو گئی اس فکر سے ان کی مدہوشی میں اگر دیکھا جائے تو اقبال کا ہر شعر اس گنا سے بے نیاز ہے۔ ان کی ہر لکھی ہوئی کتاب سے اس کو کمال تک آج پہنچا ہے اور یہ اندکان ہو سکتا ہے ”بدشہ“ ”اقبال“ ”بے غلو“

حوالہ جات

1۔ علامہ اقبال کا یہ کتاب سارا ادبی کے لحاظ سے

یعنی طویل عام انجمن ہائی پٹی کوکھتا تھا یہ کتاب اگرچہ بڑی زبان میں تھا یہ کتاب ہر دہائی انگریزی شعیر کتاب ”ایک نیشن“ کا اردو ترجمہ کے مقابلے میں لکھا گیا تھا اس کے حوصلہ خیال کے کہ یہ ترجمہ بھی طویل عام انجمن ہی سے کیا ہوگا۔ راقم نے اس سدا کا روح انتہائی ”خیر تحقیق“ سندھ محمد رفیٰ جام شہود سے حاصل کیا ہے۔

2۔ علامہ رسول محمد صلاب بانگ درا کا سوز شیخ علامہ علی ایضاً سوز 18، 1982ء۔

3۔ ایضاً ص 19۔

☆ دیکھیے دیباچہ بانگ درا از مرید لکھتے ہیں کہ اقبال اردو کا سوز شیخ علامہ علی ایضاً سوز 16، 17، 1979ء۔

مآخذ

1۔ اقبال علامہ گہیات اقبال (اردو) کا سوز شیخ علامہ علی ایضاً سوز 1972ء۔

2۔ جعفر طابع (مترجم) اشعارات از اردو دارالکتاب کیراٹھ مارکیٹ اردو بازار لاہور 2000ء۔

3۔ نظم الاسلام۔ مدیر اور مضمون نگار مضمون اقبال کا ایک کتاب اور اس کا مآخذ ”خیر تحقیق“ شہرہ خاص جام شہود سندھ محمد رفیٰ شہرہ کر شہرہ 1979ء۔

☆☆☆☆☆



# کلام اقبال

اعظم نمونہ

دہر۔

خداات کی بے پناہ آغلی نہایت و عافیت  
انکسار کی برحق اجماع چاہن کی سوزویت اور بحر  
دہروں کی باطنی لطیف آمیزش جس قدر زیادہ  
کامیاب ہوگی۔ اسی قدر شاعر کا کمال اور شاعری کا  
معیار بلند ہوگا۔

اقبال کے مجموعہ کلام اردو "بانگ درا" میں  
سے اخذ خطبات صوبہ سے چند اشعار لے کر  
بحث کی جائے گی۔

ایک مشہور نظم "نہ آواز آتیں شاعر خدا سے  
یہ دعا انگاہے کہ اسے خدا سمجھے اس شاعر فانی کی دنیا  
سے الگ ایک مکان پر سکونت دیا جائے۔ یہاں  
کی فضا نہایت دلکش ہوا پہلا میں نہی ہو سبز و زار  
ہوں اور طغرت کی لہر دھری وہاں موجود ہے اور اس  
کے علاوہ

صرف ہمارے خداوں چاہتے ہیں کہ ہرے ہرے ہوں  
نہی کا صاف پانی قصور لے رہا ہو ا  
ہو دلیر یہ ایسا کسب کا کفارہ  
پانی بھی سونچا ہن کے اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو  
پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی نعلی  
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو  
نہی کے کہاروں کا جو عکس چاہتا ہے اس کو  
نہرے کی خود سمجھتی رہے نعلی سے جان کر ادا  
ہے۔ پانی کی سمجھوں کے بندہ ہونے کا باعث پانی

اور پانی میرا اور معمولی آواز سے میں جو فرق ہے  
وہ ظاہر ہے۔ اس کا سور و شکر کے پاس مانی اور  
بڑی کی طرح سو گم اور رنگوں کی جانیں دھری نظر  
نہیں آتی ہیں لیکن اس کے استہرہ اور تھیں  
کے رنگ ایسے خوشنما ہیں کہ ایک بات میں مضمون کو  
شرح کر کے ال چکا کہ ہے۔ اخیر یہ پانی اس  
میں الے ایک حق بات میں لے آیا کہ وہ ہے کہ  
کسی باریکی بھی ٹھہری ہی نہیں لیا بھیج بھیج گاوی  
رنگ دکھاتا ہے کہ کچھ کرتی خوش ہو جاتا ہے۔ اسی  
طرح کا قصوں اور رنگ اور ہمارے چاہتا ہم رنگ  
اس کے سرخ آگھوں کا دل کے رستے سے دیا  
جہاں کے دلوں کو تازہ کرتے ہیں۔ اپنے مال کی  
کچھ شے پیش کرنے کے لیے اپنی صورت کو جن  
ضروری امور کا لٹا کر تاج پہنا ہے ان کا یہاں ایک  
مختصر سا تذکرہ پیش کرتے ہوئے ہوگا۔

اسے اس امر میں خاص احتیاط سے کام لیتا  
چاہتا ہے کہ اس کی زبان اس قدر نکلے اس کے  
لہرے اس میں ہر لمحہ مستعمل ہوں اس کے استعارات  
و تعبیرات اس صحت اور تازہ کاری ہوں کہ کہنے والے  
کا اور اس شخص لفظی بول بچوں میں کو کہہ جائے  
اور اصل مطلب تک پہنچا اس کے لیے جو ہے غیر  
لانے کے محذوف ہو۔ لیکن تو اس کی قصوں دھنی  
اس کے نکلے بے رنگ اور اس کا زبان بے لطف ہوگا۔  
اس کے خطبات اور اس کے طرز زبان میں انہیں

اقبال ایک فطری شاعر ہے۔ اس کے فلسفہ  
نے مذہب اسلام اور اس کی مقدس روایات کی گور  
میں پردہ نہیں پائی ہے۔ اس کے نکلے کی روایات  
سرد میں جاز کے دہانوں کی آہاری کی شرمندہ  
احسان ہیں۔ اس کے کلام کا اثر ہر لمحہ خاص  
اسلامی نقطہ نگاہ کو پیش کرتا ہے۔ وہ ہر شے کو مذہب  
کی عینک سے دیکھتا ہے اور اپنی پابندی میں روح کی  
آزادی کے خواب دیکھتا ہے۔

اپنی ہر اقبال کے کلام میں ہر اپنی خواہاں  
ہیں اور وہ حاضر کے دوسرے شعراء کے حصے میں کم  
آتی ہیں۔

ایک مصرع کے لئے اقبال کمال سے ہے کہ وہ  
جس چیز کی تصویر کھینچے ہو وہی اس کی شکل پیش کر  
دے۔ اگر ایک طرہ پر جان کی شے دیکھتا تو اس کے  
کھینچہ "مست" لکھتے ہوئے اسے جان پہنچنے سے بچنے  
چنے مستعد گردن اور قوی ہاتھ پائی اس کی خاص  
دشمن کی راہیں ہر لمحہ زخمی اور اس کی خاصیت تک  
کا پر اور اچھی مصلحت تو اس پر ہوتی کہ وہ۔ قصور کو  
دیکھ کر وہی دھب اور اثر دیکھنے والے کے دل پر  
سوز دیتی اور اس ایک غور و تدبیر سے جان کے کھینچے  
سے ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی انکسار زیادہ۔

کو روایتی کا فلسفہ ہو تو اس میں ہر وہ چیز  
دکھائے جس سے ایک حقیقہ انجان پیدا کی صحت  
اور روایتی کی فکر دھری میں سرسبز قیامت ہے۔



کی کہہ سار کے تھوڑی دھڑکی کو دیکھنے کی خواہش  
 قرار دینا صنعت میں تعلیم کی اہمیت ابھی مثال  
 ہے۔ شاعر نے اس شعر میں بھی خوبیاں لکھ دی ہیں۔  
 اس طرح بھول کی غمی کے سوا آپ پر چلنے کو ایک  
 حید کے آئینہ دیکھنے سے تعبیر کرنا کمال شاعری اور  
 ذرا کٹ تھپکی کی سحران ہے۔ واقعی اس ایک تھپکی  
 سے معلوم ہو سکتا ہے کہ شاعر کا سراغ کتنا عدت  
 آفریں اور جہت پسند ہے۔

بازگ اور ابھرنی تجھ بہات ایک اپنی مصور  
 کے لیے ایسے ہی ضروری ہیں جیسے ایک مصور کے  
 لیے مختلف موٹیم۔ ان ہی سے اس کے کلام کا رنگ  
 جڑا ہے اور کلام حقیقت سے زیادہ ذرا یک آجاتا  
 ہے۔ جس قدر تجھ بہات ایک صبح کی نسبت دلی  
 جانیں اس کی اصلیت اتنی ہی واضح ہو جاتی ہے۔  
 اقبال کے شعرا میں ابھرنی اور بازگ تجھ بہات کی  
 کہ قدر فرمائی ہے یہ بات بالکل بیاں ہے۔ اس  
 سے اس کی رسائی زمین کا پتا چلتا ہے۔

بھو کی دھڑکی ہے کاٹھ جہن میں  
 لا طبع ہل رہی ہے بھولوں کی انجمن میں  
 آتا ہے آسمان سے اڑ کر کوئی ستارہ  
 لا جان چ گئی ہے جہاب کی کرن میں  
 لا شب کی سلطنت میں دن کا مسافر آتا

فریت میں آ کے چکا کھام تھا وطن میں  
 عمر کوئی گرا ہے جہاب کی قہر کا  
 زادہ ہے لا نراواں سورج کے بھون میں  
 ایک بھوکے لیے بھولوں کی انجمن کی شمع  
 آسمان کا نور ہوا ستارہ چاند کرن جہاب سیر روز  
 پہ سلطنت شب جہاب کی قہر کا گھر زادہ بھون میں  
 آتلا ہے اتنی تجھ بہات لا ریب اقبال کو کھینچ  
 تجھ بہات میں کمال ہے۔

تجھیں انسانی دھڑکی میں بھی ایک ہارنی مصور  
 کے کمال فن کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اقبال اس میدان  
 میں بھی کبھی کبھی شہب قلم کو ایک آدھ جو لائی دیتا  
 ہوا نظر آتا ہے۔

اپنے استاد داغ کے مرثیہ میں سہر جھلکی کی  
 رفاقت پر ان الفاظ میں ماتم کرتا ہے  
 توڑا اسی موت نے غربت میں جٹائے امیر  
 جہنم کھل میں ہے اب تک کیف صبرائے امیر  
 دیکھنے اقبال لڑائی کی تصویر کو غریبی سے کھینچتے  
 ہیں کہ کھٹکھٹ میں کاہان ہزار کی لڑی بڑھ کر لڑی کا  
 نقشہ کھینچ جاتا ہے اور یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساتے  
 لڑاؤ چھوڑے ہیں۔

آگیا میں لڑائی میں اگر وقت لڑاؤ  
 قبلہ وہ ہو کے دشمن ہیں ہوئی قوم لڑاؤ

ایک ہی صفت میں کھڑے ہو گئے محمود و لڑاؤ  
 نہ کوئی بندہ رہا اور نہ بندہ لڑاؤ  
 بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے  
 میری سرکار میں پہلے تو گئی ایک ہوئے  
 اٹھ اٹھ مدرس کے ٹیک بندش ایک تصویر  
 کھینچنے کے دکھا رہا یہ کمال مصوری نہیں تو اور کیا ہے؟  
 اور اگر کوئی مصور بھی لڑاؤ کی ک تصویر ہو یہ کھینچ  
 دے اور اس میں محمود لڑاؤ تک بھی دکھا دے لیکن  
 اس حقیقت کا جان "تو کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ  
 لڑاؤ اس کے موعظ کے ساتھ لکھائی سے بھیج دو گا۔

ایک خاص بات جو اقبال کے کلام کو اور ادبی  
 مصوروں سے جدا کرتی ہے یہ ہے کہ اس کے کلام  
 میں سوچنی کو بوجھ لگایا ہے۔ اس کے کلمہ شعرا پڑھ  
 کرنا پڑے کوئی جانتا ہے اور یہ صفت کبھی اس کے  
 کلام سے غلوں "سہرا غری" کے جذبہ کھل میرا  
 شکم مضمون ہی کیوں نہ ہو دل اہانت نہیں ہوئے  
 دلی ما قبل شعرا میں کھینچ کر تپا ہے اور وہ ادبی کا  
 سخی رہتا ہے۔ ٹپا سوز گدا کا ظہور رہا ہے۔

اس کے ذریعہ حیات کھینچ کا نام ہے۔  
 ☆ ☆ ☆ ☆ ☆





والہد ماجد انامی لی



والہد ماجد انامی لی



مستقل دستہ انامی لی



انامی لی کے لئے شہداء کے لئے شہداء کے لئے شہداء کے لئے



اقبال اور احترام آدمیت

100

[illegible]

☆ 1915ء میں پروفیسر ٹھکرسن نے "اسرارِ خونی" کا ترجمہ SECRET OF THE HEART کے عنوان سے کیا۔ 1975ء تک اس کے اس ایڈیشن کی شائع ہو چکے تھے۔ اب اس کی تعداد گیارہ سو چالیس ہو چکی ہے۔ یہ سولہ گیندواں چھٹی جلد جس کے ذریعہ رب میں قبول و درگزر قبول کا عرفان عام ہوا۔

[illegible][illegible]

1960ء کے عشرے میں ہمارے کچھ اہل نظر کو یہ باتیں معلوم ہو کر غریبوں کے عالمی معاملہ میں اقبال کو صرف مسلمانوں کا ترجمان اور ان کے قلمروں کو صرف اسلام اور سنت قرآنی کی تبلیغ قرار دے کر محدود کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ بعض اہل علمی علمی حلقہ میں اس پر تنقید ہوئی اور ایک سلسلہ نوادہ مفسرین نے کراچی کے ایک ممتاز ادبی جلسے کے 1967ء کے اقبال فیس میں اس موضوع پر ایک عربی مقالہ بھی شائع کیا۔ ہمارے بعض اہل نظر کی یہ باتیں غرضات کی جگہ حقیقت پر انداز نہیں۔ ان لوگوں نے یہ جیسے اور سی جیسے دلائل، چاروں، پنجوں سوا کے کامیاب مشرق اور

فہم کوئی بھی ہو اگر اس کی مسودہ اعلیٰ ترین جگہ سے جوتہ ہو، مقامی علاقائی اور قومی سطح پر جوتہ ہو، جتنا بڑا بڑا قومی اتحاد اور عالمی اتحاد بن جاتا ہے۔ لیکن سب سے بڑا تصور ہی انسانی نوعیت کی تعمیر مسودہ اور عالمی سمیت تمام انہماجوں کی بنیاد پر ہے۔ انسان کی حدود کو توڑ کر انسان کو کھینچ کر انسانی نوعیت کی تعمیر کر کے بنانے پر ہے۔ عالم انسانیہ کا مشترکہ اور یکساں جوتا ہے۔ فہم کی اس آکاہیت کا سبب یہ ہے کہ اس کا جائزہ دینا اور مطالعہ نہیں کوئی مخصوص علاقہ گروہ یا قوم نہیں ہوتی۔ اس کا مطالعہ پوری نوع انسانی کے لئے ہوتا ہے اور نوع انسانی ایک ہی واحد ہے جس کو بے شمار امتیازات اور تفریق و حیاتیاتی تبدیلیات کے باوجود موصوفہ انسانی میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ یہی حقیقت کوہنہ ان ہیچمن نے لکھتے ہوئے منظر قرار دیا اور وہ اس منظر پر مسودہ نے اور اس منظر کا کہ

فی آدم اخصائے یکہ دیگر کہ  
کہ در انقضای زیکه طور کہ  
چون حضور ہے ہند آورد سداور  
در عصر پان نہ مان قرار  
اس نامزد توشیح کو جانج فریض نظام کی  
صورت میں دیکھ تصور ہو جسی ضابطہ کے  
برقی خطبہ یوں ابلاغ کا چاقوس بہت کافی ہے کہ  
تمام مانی ہوا آدم جی اور آدم علی سے گفتنی کے  
کے لئے یاد کی عربی کو کئی پر کی گئے کہ وہ کالے ہر  
کالے آگے رہے ہر کوئی طبیعت حاصل نہیں ہے۔  
طبیعت کا سوا صرف تو ہی ہے۔



نہ فراموش میں حضور اور نبی و کلام خاتونِ نبی  
 منجانب سے فراموشی زبان میں اقبال پر مدح کا کام کیا  
 اور ”جادو بزم“ کا مضمون فراموشی پر تحریر بھی کیا۔  
 ”جادو بزم“ کے کام سے حیرت ہو کر  
 اسے ہے آری نے جو 1969ء میں فراموش ہوئے  
 ”جادو بزم“ ”زبورِ نظم“ ”روزانہ غزلی“ اور ”بزمِ حیاتِ  
 شرقی“ میں شامل قصیدے کے تراجم کیے۔  
 ”جادو بزم“ ہے کیرن نے اقبال کے منتخب کام  
 کے مضمون انگریزی تراجم کا مجموعہ POEMS  
 FROM IQBAL کے نام سے مکمل کر کے  
 شائع کیا۔  
 ”جادو بزم“ کے نام سے مکتب اور اداروں اور نبی و  
 دانشور و انکر اساتذہ و یونانی نے ”جادو بزم“ اپنے  
 دھندلے اسکول بوسانی کے نام سے کرتے تھے ”سالمہ“  
 سال تک اسلامی زبان میں اقبال کے گزراؤں پر کام کیا  
 اور ”جادو بزم“ کا اسلامی ترجمہ بھی شائع کیا۔  
 ”جادو بزم“ میں دانشور اور محقق اور ادیبوں نے اقبال  
 پر انگریزی میں جانتے بوجھتے کر کیا ہے ان میں اقبال  
 شاعر اقبال کے گزراؤں پر دھندلے کی شہادت  
 ”شہادتِ آفاق“ ایرانی محقق اور مسلم سیر محقق  
 دانی علی الاسلام نے 1928ء میں ایک طویل اور بے  
 حد جانتے بوجھتے ”اقبال و شعرِ فارسی“ شائع کیا جو اقبال  
 پر ایمان میں ہونے والے کام میں ہے۔ بعد ازاں  
 جاتا ہے۔  
 ”جادو بزم“ میں شریعت نے اقبال پر جو تحقیقی کام کیا  
 اسے حاشیہ شہادت حاصل ہوئی۔ انہوں نے اقبال کو  
 غزلی جانی قرار دیا۔ اس عنوان سے ان کی کتاب  
 شائع ہوئی جس کا ترجمہ زبانوں میں ہوا۔  
 ”جادو بزم“ میں دانشوروں نے جن میں وسط  
 انگریزی و ریاستوں کے دانشوروں نے شائع کیا اور  
 میں بھی اقبال پر مدح کا کام کیا اور اب بھی اسے جاری  
 ہے۔ تاہم ان ”ادبیات“ ”ادبیات“ اور ”ادبیات“

ریاستوں میں کام اقبال صاحب میں شامل ہے اور  
 ”جادو بزم“ کی کتاب میں کی گئی ہے۔  
 مالی سطح پر اقبال کام اقبال اور قمر اقبال  
 ہونے والے مدح کا کام کا یہ شعر ذکر وہ امر کی  
 شہادت فراہم کرتا ہے کہ اقبال کے گزراؤں میں 10  
 حاشیہ شہادت موجود ہے جو عالم انسانیت کی ترقی  
 اور احترامِ آدمیت کی طہارت ہے۔ غلط اقبال کے  
 لہذاں عنوانیت یعنی غزلی شہادت اور مردوں  
 اور حقیقت صرف اسلام اور اسلامی فکر ہے۔ انہیں  
 بلکہ ان حقیقت کا تذکرہ کرتے ہیں جو انسان کے  
 دامن میں شعور و آفاق اور بصیرت سے ہوتا ہے  
 ہے۔ وہ حرکت دلی طور پر دلی اور دلی مسلسل  
 دلی گزری اور دلی حقیقت اور شعر کا کلام کے مستطیل  
 ہیں۔ وہ مسلمان کو ترقی دلی کے مسلمانوں کے  
 افکار و کردار کا وارث دیکھنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں  
 میں جذبہ جہاد کا ایک مسلسل زور دلی کی صورت میں  
 کار فرما دیکھنا چاہتے ہیں جن کو بے غصہ دلی اور  
 جہاد جہاد کے خلاف ہیں۔ اپنے ایک خط میں وہ  
 اپنا نقطہ نظر ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں کہ  
 ”سب ایک قوم کو ترقی و بصیرت کی راہ میں دلی  
 جہاد دلی جہاد دلی جہاد دلی جہاد دلی جہاد دلی جہاد  
 پر ایک کیماس کا فرض ہے جن میں دلی کام دلی کو  
 مرد دلی جہاد دلی جہاد دلی جہاد دلی جہاد دلی جہاد  
 میری ہو۔“ اس قسم کی جگہوں کے حوالے سے شعر  
 کہ دلی کا ذکر وہ دلی جہاد دلی جہاد دلی جہاد دلی جہاد  
 دلی کے کسی طاق میں امر دلی جہاد دلی جہاد  
 خاکسار اسکول دلی جہاد دلی جہاد دلی جہاد  
 حضرت آدم کے حوالے سے ان کے اور اور  
 دلی کام سے انصاف و شعور دلی کے جانتے ہیں جن  
 میں صرف جہاد دلی دلی دلی دلی دلی دلی دلی دلی  
 ”جادو بزم“ ہے  
 ان کی ”علم“ ”سلاطین“

نورہ زہد حق کہ غزلی جگہ ہے جہاد  
 حسن لہذا کہ صاحب شعر ہے جہاد  
 قدرت کی صفاتی دلی دلی دلی دلی دلی دلی دلی دلی  
 حقیقت جہاد دلی دلی دلی دلی دلی دلی دلی دلی دلی دلی  
 حوالہ ہے۔  
 ”جادو بزم“ ”زبورِ نظم“ ”روزانہ غزلی“ اور ”بزمِ حیاتِ  
 شرقی“ میں شامل قصیدے کے تراجم کیے۔  
 ”جادو بزم“ ہے کیرن نے اقبال کے منتخب کام  
 کے مضمون انگریزی تراجم کا مجموعہ POEMS  
 FROM IQBAL کے نام سے مکمل کر کے  
 شائع کیا۔  
 ”جادو بزم“ کے نام سے مکتب اور اداروں اور نبی و  
 دانشور و انکر اساتذہ و یونانی نے ”جادو بزم“ اپنے  
 دھندلے اسکول بوسانی کے نام سے کرتے تھے ”سالمہ“  
 سال تک اسلامی زبان میں اقبال کے گزراؤں پر کام کیا  
 اور ”جادو بزم“ کا اسلامی ترجمہ بھی شائع کیا۔  
 ”جادو بزم“ میں دانشور اور محقق اور ادیبوں نے اقبال  
 پر انگریزی میں جانتے بوجھتے کر کیا ہے ان میں اقبال  
 شاعر اقبال کے گزراؤں پر دھندلے کی شہادت  
 ”شہادتِ آفاق“ ایرانی محقق اور مسلم سیر محقق  
 دانی علی الاسلام نے 1928ء میں ایک طویل اور بے  
 حد جانتے بوجھتے ”اقبال و شعرِ فارسی“ شائع کیا جو اقبال  
 پر ایمان میں ہونے والے کام میں ہے۔ بعد ازاں  
 جاتا ہے۔  
 ”جادو بزم“ میں شریعت نے اقبال پر جو تحقیقی کام کیا  
 اسے حاشیہ شہادت حاصل ہوئی۔ انہوں نے اقبال کو  
 غزلی جانی قرار دیا۔ اس عنوان سے ان کی کتاب  
 شائع ہوئی جس کا ترجمہ زبانوں میں ہوا۔  
 ”جادو بزم“ میں دانشوروں نے جن میں وسط  
 انگریزی و ریاستوں کے دانشوروں نے شائع کیا اور  
 میں بھی اقبال پر مدح کا کام کیا اور اب بھی اسے جاری  
 ہے۔ تاہم ان ”ادبیات“ ”ادبیات“ اور ”ادبیات“



## کلام اقبالؒ اور انسان دوستی

المجلة

یہ ہندی، عربی، فارسی، یہ افغانی، یہ تورانی  
 تو اسے شرمندہ سائل اچھل کر نکلاں، وہ جا  
 انصافیت کی افتاد کو کھتہ کرے اور اس کی  
 تہذیبی روحانیوں کا ایک باہمت ٹولہ وسط ایشیا اور  
 استعماری کوششیں بھی ہیں، جس کے ہوں کاروان  
 ہندوستان نے انسانیوں کو انسانوں کے خلاف ایک  
 طویل جنگ کے فصول میں جھونک دکھایا ہے۔ اقبال  
 نے اپنے صہ حیات میں کوئی جنگ عظیم کی چار  
 کاریوں کے غلوں کو انجام حاکم کو دیکھا اور وہ  
 تہذیبوں کی اس عقل اور فطرت کی سلیبس حراست  
 کو بھی سمجھ کر رہے تھے۔ عالم اسلام کی شہرت  
 سے استعماری قوتوں کی طاقت ٹھنڈی کا مرکز بنایا  
 تھا یہ سب اسباب و عوامل ان کی نگاہ میں تھے۔  
 دوسری صدی میں علوم و فنون کی صورت انگیزہ ترقیت  
 کے باوجود استعماری ٹھیکیداروں میں چارہ و ساری رہا  
 جس میں محرومت انسان مستقل گھڑے کا بھائی  
 تھا۔

ابھی تک آدمی صبح ازین شہر یادی ہے  
 نماز ہے کہ انہیں فوج انہیں کا خلائی ہے  
 طائر اقبال کی فکر اور شاعری میں احترام  
 آدمیت کا موضوع بہت اہمیت رکھتا ہے۔ قادی  
 اور بات کے مطالعے سے ان پر خلائی عظمت کے  
 بہت سے پہلو آشکار ہو چکے تھے۔ مطالعہ قرآن  
 سے وہ آدمی کی حالت و حالت کے تصور سے آگاہ

مگر کچھ نیکل رہی تھو ہزاروں  
دنگن تھو ان تھو یہ اداں  
اس کا کات میں حکام انبیاء اور صلوات الاحرام  
آہستہ کا سختی لگاتے ہیں۔ سلامہ اقبال جو  
ایک لکڑی کے اقدار سے اچھ نظر ہو مصلح ہیں وہ بھی  
بوسہی مدعی میں احرام آدم کی طہیات چائی  
کرتے میں سرخروست دکھائی دیتے ہیں۔ اقبال  
شاعر اسلام ہیں۔ اسلام دینے فطرت ہے اور دینے  
فطرت کا کافیا ہے کہ انسانیت جو روح کی حامل  
نسلی نوعی انسانی اور فطنی تنظیم سے ہلا کر تھرا لے۔  
طالع اقبال بھی انسان کا مذکورہ نوعیت کے حکام  
اقتدار سے بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ اقبال اس  
سلسلے میں صحت کی فطرت انسانی اور اخلاص کی بجا گیری کا  
مقلد دیتے ہیں۔۔

یہی قصہ حضرت نے بھی دہر سلطان  
 اہل بیت کی چھانگیری صحت کی فریادیں  
 تاج رنگ و خوں کو قدار کرخت میں گم ہوا  
 نہ قزاقی نہ سپہ ہائی نہ ایرانی نہ افغانی  
 "طرح اسلام" کے ایک دھڑے بندہ میں  
 نوع انسان کو نہ چٹیل اس دہائی کے جذبات کو کہاں  
 چٹیل کیا کہتا ہے۔

انہوں نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انسانی کو  
انہوں کا یہاں ہو جائے محبت کی نہیں ہو جا

یہ کائنات دانگ رنگ اور پاملس لٹوئی اور  
تکڑو جات سے آراستہ دیوانہ ہے جس کی  
سب سے بڑا عیب کج خلقیت انسان ہے جس کی  
خلقیت کے بارے میں قرآنی شہادت ہے کہ لفظ  
خلقنا الانسان فی احسن تقویم ”” ہم  
نے انسان کو بہتر ہی صورت میں پیدا کیا ہے۔““  
ایک جگہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں پرستے علیحدہ اور اپنا  
نائب بنا دیا ہے۔ اسے ان کا کمالی علم دیا گیا ہے۔ ہر  
اسے سکھایا گیا ہے۔ اس کا کائنات کی  
خلقیت انسان اس کے پیدا کی گئی ہے۔ اس کا کائنات  
کے مرنے اور پھر مرنے پر اس کے کسوف اور  
استعمال میں دینے کے ہیں۔ اس علیحدہ انسانی ہیں  
انہما اور تشریہوں جیسے کہ یہ انسان پیدا کے  
کے ان میں سے ہے بے تحکم اور ہذا تعلیم عقلی  
اور قانون اور عالم اور عظیم شاعر اور ادیب اور  
مستعجب و نظریہ کی بہت بڑی ماحصل پیدا کی گئی  
تکڑو جات میں انہما اور انہما اور انہما میں وہ  
کردار ہیں جو ہر لحاظ سے تکڑو جات ہیں جن  
کا جیومیٹریک اور طرز عمل معاشرتی دوسروں کا  
تکڑو جاتی کرتا ہے۔ جن کی قادیانیت کلاسیک  
فرہنگ اور فروغ ہے اور انہما میں تکڑو  
آپری کرتی دکھائی دیتی ہے۔

آدمی	زادہ	طرف	محلان	است
از	فرشتہ	سرشتہ	وہ	قیماں



تھے۔ منظر بہت سے وہ انسانیت کا اعلیٰ اخلاقی  
 فضیلت کا حامل دیکھا جاتے ہیں۔ مولانا رام کی  
 عشقی معنوی میں انسان کی عظمت کو جس پہلو سے  
 سے اظہار کیا گیا ہے وہ اس تصور انسان کے طور پر  
 تھے۔ عبدالکریم اہلی کے نظریے انسان کا دل ہے وہ  
 اپنی زندگی کے عقول شباب میں انگریزی زبان  
 میں ایک بحر، حلقہ ہر گم کر چکے تھے۔ انہیں  
 اپنے گمراہ اور اس ماحول کے باطن معلوم تھا  
 کہ صرف اخلاق کے طریقہ میں منظر اخلاق کے  
 جو اسباق بتائے گئے ہیں ان کے واسطے سے انسانی  
 عظمت کے بہت سے پہلو مختلف ہوتے ہیں۔  
 منظر اقبال نے اپنے دل میں قاری شعری گو سے  
 سرور غوی "1915ء کے سرحدوں کے بطور  
 مولانا جمال الدین دہلوی کی ایک غزل کے یہ ہیں  
 اشعار اور ان کے یہاں جس سے اس تصور آدمیت کی  
 حدود کو بڑھ چکا ہے، ان حدود کے مرقع میں  
 ذہب کو حلقہ کی زندگی کو تلاش کرتا ہے۔

دی شیخ یا چارباغ میں گفت گرد شہر  
 کرام و علم و انشام آرزوست  
 زنی مہربان مست حاضر کلم گفت  
 شیر خوار رحم و حلم آرزوست  
 کفتم کہ پخت ی شود جنت ایم با  
 گفت آنکہ پخت ی شود آلم آرزوست  
 قرآن مجید کا تصور مردمان میں یہ پائیدگی کا  
 نظریے انسان کا دل مولانا رام کا عرفانی انسان  
 اقبال ان سب تصورات سے باخبر تھے۔ وہ اپنے  
 عہد کے ہر انسان میں وہ خصوصیات دیکھا جاتے  
 ہیں جو ہر آدمی کی تحریر سے نکل کر اخوت و محبت  
 کی راہ میں بنا شروع کر دی۔ اپنے روحانی قاری  
 شاکر "بلند پایہ" میں انہوں نے احزاب آدم کے

مضمون کو جانجامیج اور نمایاں کیا ہے۔ اپنے اس  
 مجموعہ کام کے "لفظ طوطا" والے حصے میں وہ  
 فرماتے ہیں۔

آجی وہ آدم کچھ عالم است  
 آجی وہ عالم کچھ آدم است  
 ہر از گروں عالم آدم است  
 اصل تہذیب احرام آدم است  
 اقبال کے نزدیک احرام آدمیت اصل  
 تہذیب ہے مگر اس کے عہد کی سب سے بڑی  
 تہذیب جو مغرب میں اپنے علم ہاتھوں اور نیچا کوئی  
 کی ترقیات کے باعث ایک استبدادی قوت میں  
 داخل کر رہی تھی۔ اس تہذیب کی قوت میں  
 سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسانی شعور کو گنا  
 رکھا کہ اخلاقی شعور اور عرفانی تصورات اس باطنی  
 تہذیب کے ذریعہ آدم کو زلزلے دکائی دیتے ہیں۔  
 اقبال "مغربی علم" کی ایک خطرناک "سائنس" کا خطرناک  
 انسان "میں اپنا شعور بچا کرتے ہیں۔

دھڑلے والا شعور کی گونجاہوں کا  
 اپنے فکر کی دنیا میں سرگرداں  
 اپنی حکمت کے علم و چٹا میں الجھا لیا  
 آج تک فیصلہ نیک و ضرر کر نہ سکا  
 جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا  
 زندگی کی شب تاریک سرگرداں  
 شہسویں صدی نے بظاہر انسان کے لیے  
 آسائشوں کا ایک سیلاب بہا دیا ہے۔ فاسطہ اور  
 سافینا سن گئی ہیں انسان ایک کھیل دنگ کے  
 تصور سے متاثر ہو رہا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر  
 بڑے بڑے امور اور جمعیوں و جمعہ میں اسی  
 ہیں انہوں نے آدم کا شعور اس اور درماں دکھائی  
 دیا ہے۔ "مغربی علم" ہی میں اقبال نے ایک نظم

نکار و بجا کے فنون سے کھینچ ہے۔

اس دور میں اقوام کی محبت بھی ہوئی عام  
 پوشیدہ نگاہوں سے دہی و صحت آدم  
 تفریق ملن حکمت ہر گم کا حضور  
 اسلام کا حضور تھا ملت آدم  
 کے نے دیا خاک دنیا کو یہ نظام  
 محبت اقوام کر محبت آدم  
 شہسویں صدی میں و صحت آدم کی اس اہم  
 ناک صورت حال اور روح آدم کی اخلاقی عظمت پر  
 تبصرہ کرتے ہوئے اقبال نے "بال جبریل" میں  
 "انسان (خدا کا حضور ہے)" میں ایک عجیب  
 تبصرہ کیا ہے جس میں اس صورت حال کا تحلیل و  
 تجزیہ بھی شامل ہے، یہ تہذیب مغرب میں آدم کی  
 روحانی کی مکمل تصویر بھی ملتی ہے۔

اک بات اگر تھو کہ اجازت ہو تو پہلوں  
 حل کر نہ سکے جس کو تخیل کے حقائق  
 وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا بے معنی؟  
 وہ آدم حاکم کی جو ہے ذرہ سدا؟  
 ہوپ میں بہت ماضی علم و ہر ہے  
 حق یہ ہے کہ بے پناہ میں ہے یہ حقائق  
 یہ علم یہ حکمت یہ غنہ یہ عفت !  
 پیچے ہیں لپٹا دیتے ہیں تعلیم سدا  
 وہ قوم کے لیجان مادی سے ہو محروم  
 وہ اس کے کلمات کی ہے بانی و بھارت  
 ہے دل کے لیے صحت مٹیوں کی حکمت  
 وہ اس صحت کو نکل دیتے ہیں آواز  
 تو ہر حال ہے مگر جسے یہاں میں  
 ہیں گنج بہت بڑا حور کے افق  
 "جام مشرقی" 1923ء میں شائع ہوئی۔  
 علامہ اقبال نے اس کی ابتدا میں ایک غزل میں



لکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یورپ میں مشرقی دنیایت کی تحریک کو کیسے قویات اور فروغ حاصل ہوا۔ علامہ طرب کی سرورہ صاحت کو مشرق کے ہندوستان سے طبعی باب کرتا چاہتے ہیں۔ وہ مشرق و مغرب کے درمیان جاگن پرہوں کو اظہار پہنچتے ہیں۔ ان کے ہاں عظمت آدم اور تکریم انسانیت کے دونوں پہلو نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں سے علامہ کا یہ انگہ اس موضوع کی مرکزیت اور سہولیت پر ایک اہم پرکھ نکتہ قائم کو پیش کرتا ہے۔ اس میں علامہ کے انسانی احرام کے

قصور پر گہرہ روشنی پڑتی ہے۔ اس حوالے سے وہ قرعہ ان مشرق ہونے کے ہمارے ایک عالمی مظلوم عالمی عیب دکھائی دیتے ہیں۔ آدیت احرام آدمی باختر شہاد عظام آدمی دنیا کے تمام تر خرابی میں ایک خصوص انسان دوستی کا قصور دکھاتا ہے۔ مگر میں اور صوفیاء کے ہاں بھی اس پر واضح اور نیم واضح اشارات پائے جاتے ہیں مگر علامہ نے عظمت انسانی کے حوالے سے تکریم انسانیت کا جو دسی اپنی اور دور قاری

شاعری میں اچا ہے اور اپنی اور دور اگر جی ہی نثر میں اس کی جو خوبصورت نکلی ہیں ان سب کے مطالعے سے اقبال کی انسان دوستی کا قصور نہ صرف یہ کہ گہرا گیا ہے بلکہ آج کی عالمی ہی صحت اور قوامی ہی باہمی راہیت نے جو قیامت خیز ماحول پیدا کر رکھا ہے۔ اس سے اہمات کا واحد راستہ فکر اقبال میں وحدت آدم "عظمت آدم اور تکریم آدم کی تعمیرات ہیں۔

☆☆☆☆

THE IMPRINT FOUNDATION  
AUGUST 1999, 11, FORT STREET, COCHIN 682001

# OTTONIS BAVARIAE REGIS

CURIAE PALATII AD IMPERII SUPPLICA BAVARIAE ET IN OMNIBUS REGIBUS  
IN OMNIBUS IMPERIIIS SUBORDINATIS BAVARIAE

MAXIMILIANO ENDRES  
HERMANNO WILHELMUS BREYHANN

HERMANNO WILHELMUS BREYHANN  
PUBLISHED BY THE IMPRINT FOUNDATION, COCHIN 682001  
PUBLISHED BY THE IMPRINT FOUNDATION, COCHIN 682001

SHEIKH MUHAMMAD IQBAL  
IN OMNIBUS REGIBUS

HERMANNO WILHELMUS BREYHANN  
PUBLISHED BY THE IMPRINT FOUNDATION, COCHIN 682001  
PUBLISHED BY THE IMPRINT FOUNDATION, COCHIN 682001

DOCTORE PHILOSOPHIAE GRADUI  
PUBLISHED BY THE IMPRINT FOUNDATION, COCHIN 682001  
PUBLISHED BY THE IMPRINT FOUNDATION, COCHIN 682001

IN OMNIBUS REGIBUS  
PUBLISHED BY THE IMPRINT FOUNDATION, COCHIN 682001  
PUBLISHED BY THE IMPRINT FOUNDATION, COCHIN 682001

انگریز کی آمد



# کلامِ اقبال اور انسان دوستی

کریم بخش خاں

5۔ ساری زمین خدا کی ہے۔ خدا کے حلقے میں سب فقیر اور محسوس ہیں اور خدا کی اور ہے باز ہے۔

وہ انسان کا دامن سارا کرنا دین ہے اسی سحر کے قصبہ مذہم قتل ہے۔

7۔ زندگی میں مذہب "سیاست" سمجھو۔ عورت کے اصول اس وقت کا سیلاب ہو سکتے ہیں جبکہ ہرے کی دنیا ایک نئی انٹرویو طلب اور عورت پر قائم ہو۔

8۔ عورتوں کی آزادی بھی ایسی ہی قابل احترام ہے جتنی مردوں کی فضیلت۔

9۔ انسان "انکسٹ" کے نام سے ملنے کا جذب ہے اور وہ بھی انکسٹ کی تصویر کی قوت رکھتا ہے۔

10۔ بڑوں کی عقل میں سادگی، ظہورِ حیات کے ساتھ کھلم کھلا حقیقت ضروری ہے۔

11۔ ہر ملک، قوم کے درہمروں سے چاہیے کہ گمراہی کے راستے کھول کر بتا دیتے ہیں۔ سب قوموں کے عقائد چاہتے ہیں کہ وہ ان کے بزرگوں کی تعلیمات کو زندہ کرنا چاہتے۔

12۔ انسان کی زندگی کا انجام عمل و ملامت ہے۔

13۔ اللہ کے بندوں کے درمیان "مساوات" انصاف اور حیرت کا نام کرنا چاہیے۔

14۔ اللہ کی رحمت سے ہمیں ڈرنا چاہیے۔

15۔ خاکینِ گلش اور ریاضت سے انسان کے

اور وہ نہایت واضح اور عقلی دنیا پر پہنچے ہیں جن کو انہوں نے باضابطہ عرب کر کے "مستقل نظام کی صورت میں" پیش کیا۔

لیکن اس کے ساتھ بعض اعتراضات بھی آئے۔ مثلاً 1۔ اقبال میں مادیت ہے 2۔ فراریت 3۔ گرجا اور عیسیت ہے 4۔ "ظہورِ حیات" کی تخلیق ہے اور ان اعتراضات کے حلقے میں گہرا استدلال نکلتا آتی ہے۔ میں یہاں اس بحث میں الجھتا ہوں چاہتا ہوں کہ ان کا اقبال نے

بھی "سیاست" کی تخلیق کی ہے نہ کہ وہ اپنے مطالعہ تجربہ کو یہ مفکر اور استاد کے نتیجے میں اس حقیقت کوئی سہارا دے گا اور سچے سچے انسان کی فکر اور صلاح

اسی دائرے کے اسلام ہی ایک فلسفہ "مباحثہ" قرار دے گا کہ وہ مذہب نہیں بلکہ "ادبی فطرت" ہے جس کے بعض اصولوں پر غور کریں تو آج کے موضوع، "کلامِ اقبال اور انسان دوستی" کے حلقے میں کافی مسائل پیدا ہوں گے۔

1۔ ساری کائنات کا ایک لفظ "آواز" ہے اور مرکزِ گفتنی ہے۔

2۔ ساری انسانیت کی فطرت میں پھر سادگی ہے کہ مرکز کے ساتھ ہے۔

3۔ سارے انسان بے اختیار رنگ و ذہب ایک دوسرے کے پہنچتی ہیں۔

4۔ غریبوں، فقیروں، مسکینوں، نکسروں کی اللہ کی برکت سے ان کے دل میں ہر قسم کی

اقبال "سوائی" کا ایک مسند ہے جس کے ساتھ ساتھ ایک دوسری کی کم بختی ہو رہی ہے۔ اس کے کام پر بڑا غور رکھنا چاہیے۔ پہلے چند سالوں سے تو اس قسم کے خیالات کا بڑا اشتہار کیا جا رہا ہے جس سے لگتا ہے کہ ان کی زندگی میں "مساوات" محسوس کی جاتی "اب اقبال کو حکومت اور ایک Ethnic نالی کی طرف سے "ہر شخص درپہ" اور ایک قسم کے "ادبی فطرت" انسان کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے جس پر ان کے کلام کے لفظوں کو سمجھا دیا گیا ہے۔

اقبال کو مسلمان مسلمان سے مل گیا ہے چاروں طرف لگن ۔

حقیقت یہ ہے کہ نئی نئی بات کے اصولوں سے کہ فوجہ آج بھی نئی نئی بات کے اصولوں سے ان لفظوں میں ایک نئے "مساوات" ہے۔

جنہوں نے اقبال کی عظمت کا بڑا بڑا اشتہار دیا ہے اسے اس کا کہہ سکتا ہوں کہ اقبال کی عقلی حقیقت میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ان کی سادگی کی دنیا ایک خاص نظام فکر پر قائم ہے۔ ان کے خیالات میں درجہ "تسلیم" استدلال اور نتیجہ فکر آتا ہے اور ان کے اسلوب میں بھی ایک بڑا جذبہ

ہے۔ اقبال ان لوگوں میں نہیں جوسنی سوچ کر رہا ہے بلکہ وہ کچھ کر رہا ہے اور وہ زندگی کے آگاہ

مسوختوں سے بچنے کے لئے کوئی علمی انداز اختیار کرتے ہیں۔ ان کی یہی زندگی پر مبنی بنی ہیں



تخلیف مسامات چاہتے ہیں۔

کلام اقبال میں "کھڑیت" کی تخلیق کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ فرط جوش نے دالے ہیں لیکن قومی اپنی آنکھوں سے اس لیے اپنی زندگی کو دھاتی بنا گئی ہیں۔ کوئی قوم اس وقت تک اپنی زندگی میں استحکام پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اپنی تاریخ کو محفوظ نہ کرے۔ اسی واسطے اسلام نے کل جو عقائد جوئے ہیں ان سب کو اس حد تک کہ اسے زور دیا گیا ہے تاکہ یہ ثابت ہو کہ برقی تہذیب کسی نہ کسی پرانی تہذیب کی توبہ پر اپنی تہذیبی اور اس کی بنیاد پر اپنی امارت کھڑی کرتی ہے۔ یہ ایک نہایت اہم نکتہ ہے جس کا اقبال نے "انسان دینی" کے حوالے سے "رموز بھنوی" میں خوب اور تفصیلی تفسیر سے بیان کیا ہے۔ (۱)

دوسرے اہم تاثر صرف ترقی پر بعد ازاں لکھا: "ہاں نوں مس اور قاب کے پرچار پر دھیر ہو چلی تھی" جنہوں نے بھارتی انگریز ملت زدہ "اسٹریٹج" دیکھی" (دسمبر ۱۹۷۲ء) میں ایک تنقیدی مضمون شائع کر دیا جسے پروفیسر اسٹوب اہم تصانیف نے غلط دہائی لکھ دیا، یعنی اور اسے دہائی کے خلاف سے اقبال پر تنقید میں ایک سبب تسلیم کیا ہے۔ پروفیسر ہول نے مضمون کے شروع میں تین اہم خدمات قائم کئے ہیں۔ اول اقبال مادی اور ادبی معانی اور اس کے کل اور ارتقاء کے لحاظ سے ایک ادبی اور فکری کا کوئی احساس نہیں رکھتے چنانچہ وہ بڑا خام رکھے ہو سکتا ہے؟ دوسرے یہ کہ اقبال نے مسلمانوں کی زبانوں میں اور اصول اور ارتقاء کا جو جوہر پیش کیا، اسے جاری کیا دہائی حالات سے متعلق نہیں کیا اور تیسرے یہ کہ مسلمانوں کے ذہن کا سب سے بڑا کیا ان کے عقائد میں کمزوری آگئی ہے تاکہ وہ کرنے کے لئے قرآن مجید کی تعلیمات کی طرف رجوع کرنا چاہے۔ گویا

پروفیسر ہول کی رائے میں اقبال کی یہ کتابا ہے جو کہ اپنے ذہن کا دھاتی بنانے کے لئے مسلمانوں کو سائنس کی طرف اور اس کے ذریعے افسانہ و تخیل پر تھیر حاصل کرنے کی جانب توجہ کرنی چاہیے۔ مسلم ہوتا ہے کہ انہوں نے اقبال پر تنقید کئے وقت تو اپنے استدلال کی غائی اور عناصر پر غور کیا تو مسلمانوں کی تاریخ اور ان کا سامان اور ان کے عقائد پہلے اعتقاد کھار اور دینی اقبال کے انگریز کی تعلیمات (The Reconstruction of Religious Thought in Islam) میں غور سے پڑھنے کی خدمت گوارا کیا۔

اقبال سب مسلمانوں کو قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتے ہیں تو وہ انہیں عقلی مہمات کی طرف نہیں دلاتے بلکہ اس سائنس و تاریخ کی طرف بھی توجہ دیتے ہیں جو انسانی تعلیمات سے روامست اخذ ہے۔ گویا ملاحظہ ہو گئی ہے اور جسے مسلمانوں نے لامحدود عقلی کے ذریعہ مٹا دیا ہے۔ اقبال کے خطبات کا بڑا حصہ حاصل ایک مؤثر کوشش ہے۔ اسلام اور جدید فلسفہ سائنس کے درمیان ایک پلی تعمیر کرنے اور حیات و کائنات کے بارے میں اس ترکی تصور کو پیش کرنے کی اہمیت کو اسلام کی بہت بڑی پیشکش ہے جس کے لئے قوی تاریخی شہود ملانے ہوئے یہ فرام کر دیا گیا کہ عرب کو جو بھائی ملیم اور استغفری اقبال سے آشنا کرانے والے وہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے قرآن و حدیث کو اپنا اور دینا چھوڑا دیا تھا اور اپنے "علم" وہاں دینا آگئی کی دہائی میں کائنات پر مبنی اور مذہب کو اپنا دینی عقائد بنا دیا تھا۔ (۲) اس لحاظ سے اس کی عقلی بحث کا یہ شروع نہیں۔

اقبال کے جتنی ہی نے ان کے کردار کے بارے میں اگلی کالی کہہ کر اور لکھا ہے اور قیام

الکتابین (۱۹۰۵-۱۹۰۸ء) کے زمانے کی ایک "علم" مانتی ہو جاتی "کا حوالہ دیا ہے اس علم کے" جسے ہیں۔ پہلے جسے میں دوست استاد ہر مضمین ان کے بارے میں جو کہہ چکے تھے تھے اس کا ذکر ہے۔ بلکہ استاد ہیں۔

یہ سب مجموعہ اندو لے اقبال تو دینی بلکہ عقلی بھی ہے تھا بھی ہے میں عقل سے میں پیشانی ہے تیری جہاں دیکھ کر دے سک میں رنگ شرب چاہی ہے

میں تھوپی ہے غلی تیری غلوت کے لیے ہر جب یہ ہے کہ میرا عقل ہے بڑا بھی ہے میںوں میں دہا تا آشنا میرا خطاب اسے کون کھلی تو مشہور بھی دہا بھی ہے دوسرے حصہ میں اقبال بڑی حد تک ان اعتراضات کو قائل کرتے ہوئے اندر کی بات بیان کرتا ہے۔ مثلاً

گو صمیم تازہ ہے ہر لحظہ حضور نظر میں سے مضمون بیان دہا دیکھتا ہوں میں جلو گل کی لیے بھرتی ہے ازداد میں مجھے حسن ہے ہواں ہے اور دہا دیکھتا ہوں میں ج اگر پادشہ تو اگلیس جنگل ہے دہا دل میں ہر دم ایک نیا محضر پادشہا ہوں میں (۳) اور آخری مصرعہ کی ایک بے باقی ہے۔

غوی کی غلطوں میں گم رہا میں خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں نہ دیکھا آگہ اٹھا کر جلو دوست قیامت میں تھوپی میں کیا میں یہ اور اس قسم کے شبیں اشعار جتنی اور



مصر میں کچھ عرصے تک مقیم رہے تھے۔ اصل  
اقبال ایک مکمل انسان تھے اور انسان کا تمام حسن اور  
جوہر ان میں موجود تھا جس کا ان کے وجود میں ہر طرح  
اعتماد ہوا۔ اور جب "اقبال" میں یہ سب تھا۔ یہ کوئی  
میب کی بات نہیں۔ انہوں نے اگر کسی خاتون کو چاہا  
کسی سے محبت کی کسی کے لئے اپنے دل میں جذبہ  
خلق میں کیا اور کھاتہ کیا۔ یہ انسانی جبلت ہے۔ اگر  
ایک سر ملے یہ وہ اپنی ازدواجی زندگی سے ناخوش  
ہوئے یا انہوں نے اپنے گرد و پیش کے دم و دماغ  
کے خلاف بغاوت کرنا چاہی تو یہ ان کی صحت قلب  
فطری کی دلیل ہے۔ اس میں برائی کا پتہ کہاں لگتا  
ہے؟ اور کسی کو غور نہ ہے اور سرت حاصل کرنے کا حق  
ہے۔ لیکن اور وہی داری غلطی اور سرت کی بعض  
فصلیں۔ اگر بعض لوگ یہاں کہتے ہیں تو یہ ان کی سمجھ کا  
بجور ہے۔ مذہب انسانی فطری میں سماں نہیں۔ قرآن  
نیکم نے تو یہ ان باتوں کی نشانی ہی بتائی ہے کہ ان  
کے دل خوف اور وحش سے پاک ہوتے ہیں اور جس  
دل میں خوف و وحش ہے وہ وہاں سرحد و حدود دینی ہی تو  
ہوگی۔ (۱۹)

اقبال تمام انسانوں کو اپنے لئے مانتے ہیں۔ وہ  
کسی ایک فرقہ یا ملت کے ٹائٹل نہیں بلکہ تمام انسانیت  
کے نام پر ہیں۔ دہلوی کی فریاد کی تکمیل اس لئے چاہتے  
ہیں کہ جماعت کا کاندہ ہو اور ہمچیت جمعی جماعت  
اور اتحاد کے میدان میں اس کے تمام جہاز لئے اقبال کہتے  
ہیں کہ انسانیت کی ترقی میں خفا باقی ہے جس کی تکمیل  
کے لئے ایسا روحانی نظام اختیار کرنا ضروری ہے جو  
میں لغت ہے اور اس کی بنیاد حق پر قائم ہے۔ اس  
نظام کی بنیاد پر ان خصوصیات اخراج و سدا ہے۔ جس  
دل و رنگ و نسل کے محدود خصوصیات سے وہ بلند ہیں  
کیونکہ یہ انسانیت کے درجہ میں آگے ہوتے ہیں۔  
ان بات سے کوئی انکار نہیں کر سکا کہ انسان

عاشقِ سنا ہے ہی اس کو شش میں مصروف ہو گیا کہ  
اپنا اور کائنات کا راز معلوم کرے۔ ہر دور میں  
سائنسدانوں اور فطریہ سے اس عالم چاہتے رہے کہ کچھ  
اور اس سے انسان کی فطرت کے تحقق کے بارے میں  
فلفل نظریات پیش کئے۔ مثلاً اقبال کے کام میں  
احترام انسانیت اور ہر طرح انسان کے مصلحت پر بلکہ  
فانہاں بشمول لئے ہیں۔ "انسان" کے عنوان سے  
"باک" وہاں میں ایک دلچسپ نظم شامل ہے جس میں  
ظہور کے کی حکایت کا مقابلہ اور سوز و گداز کے بعد  
کہتے ہیں۔

حکیم کی فکر ہے ہر چیز ہے دنیا میں  
انسان کی ہر وقت سرگرم نگاہ ہے  
چاہے تو ہل دلیں جنت جہنم کی  
یا حتی دہا ہے چاہے قہا ہے  
"ہر گم" میں اقبال کہتے ہیں کہ کائنات  
کا خالق خدا انسان کی قوتوں کو بظہر احسان دیکھتا ہے  
اور اپنی اس فطرت کے بظہر مصلحت کاربہوں کا فائدہ اور  
ناظر ہے۔ جس طرح خلق باری فطرتی کے ہر چار کی  
طلب اور فائدہ دیکھتے ہیں اسی طرح اللہ انہیں بھی  
انسانوں اور خاص طور پر مہاجرین غریب سے ملتی  
آواز دے۔

مغرب آہم اور حوالے دانا، مصلحت اور کمال تھا۔  
اقبال اس انداز گفتگو اور تجربہ کا عمل سمجھتے ہیں اور اس کو  
شعور اور ارتقا انسانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اپنے  
انگریزی خطبات "اسلام میں دینی فکر کی تکمیل" میں  
تیسرے خطبے میں لکھا ہے کہ اس تجربے کے نتیجے میں  
آدم کو اپنے وجود کے فانی کے بارے میں شعور پیدا  
ہوا۔ "باک" وہاں میں اس کا ایک شعور شعر ہے۔  
گل نہ بھری طبیعت، دماغی جنت میں  
چا شعور کا بپ جام انھیں میں نے

اقبال نے کہا کہ انسان خدا کا بیج و شامیں کم  
ہے اور فطرتوں کے کہنے کے مطابق "فطرتی اور فطری  
روح" ہے جو بظہر مصلحت اپنے وجود سے نکلتا۔ کائنات  
اور دھڑھ مصلحتوں کو گل کرنا چاہتی تھی کہ وہی کام  
ہے۔ اس کے مقابلے میں عالم خدا اور ایالات جنت  
کا یہاں بظہر فطرتوں کا یہاں ان کے اعمال میں قرار  
اور یکساہت ہے۔ جذب و مشق آدنی ہرگز اور نور  
آخری سے عالم حق پر مرم ہے اور یہ اس کا ایک حصہ  
انسان سے ہی مخصوص ہیں جو کائنات کے حسن اور  
وہم کے لئے ان دولت محبت و شفقت گردا ہے۔  
اقبال "ہل جہنم" میں جہنم کو طالب کرتے  
ہوئے کہتے ہیں۔

نہ کر عقید اے جہنم میرے جذب و مشق کی  
حق آساں عرضوں کو ذکر و شمع و طوف عینی  
کہتے ہیں کہ شخصیت کا راز کے خیالات پر لگا  
پڑتا ہے۔ اقبال کی زندگی اور کام مصلحتوں میں انسانی  
شخصیت کے ارتقا کی داری کی ہر پر بلکہ فطرتی  
ہے۔ اور ان کی فطرت و کائنات میں کمال میں یکسا  
چاہتے ہیں اور اس کا تمام کھلے کا نام ہے۔  
اقبال کہتے ہیں کہ انسان کو ہر بلکہ ہے جس کی  
ترکیب دہا اور دماغ سے جاتی ہے لہذا اور وہ نظام  
حکومت جو کمال انسان کی ہوسانی یا مادی ضرورت یا  
چراگے انسان کی فطرتی نہیں کر سکا اور وہ انسانی  
اس نظام کے پیش کردہ مانتے ہیں کہ ان کو کر کو فطری  
مادرج سے بہرہ ور نہ کرتی ہے۔

چنانچہ کام اقبال میں انسان ہی سے خطاب  
ہے۔ آدمی آئندہ ہے آپ دلی کہ اقبال نے مختلف  
زبانوں سے اردو میں 1925ء اور ہندی میں 1929ء  
آدم آدنی اور انسان کا ذکر کیا ہے۔ اس میں لفظ  
"بندہ" شامل نہیں۔ ان کی ذہانت اور صلاح و طاعت  
کے حوالوں میں کمال نہیں بلکہ حسن و اعلیٰ اور قدر







"اسلامی جلا" (1983ء) کی اور کھولیں میں تفسیر اور مسلمانوں کی تفسیر کا ماحول بیان کیا ہوا ہے۔ ان میں تفسیروں کا تہذیبی و فنی طریقہ پر از رویہ حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ جب پچھتے لگتا ہے تو اس کی لہ اور زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ پانچویں کے نظریے کے مطابق جسم بہ ضعیف ہوتا ہے تو دماغ قوی ہو جاتی ہے۔ "اسلامی جلا" کی کھولیں اور رہنماؤں کا یہی حال ہے۔ "بڑے سے بڑے کی صحبت بننے کا" اس کی ایک مثال ہے۔ اس مصرعہ (اور) میں جتنی گہمیں ہیں سب بندہ پر خوش دہلہ تیز اور شرفِ انصاف کو ہارنے اور انسانِ دوستی کے اوصاف سے سحر پار ہیں۔

سماجی و اخلاقی میں اصلاح و ترقی کا فقدان اور کرب و غمِ غریب کی صورت حال اقبال کی اور بہت سی کھولیں میں ملتی ہے جو ان کے جذباتِ انسانِ دوستی کی قوت ہے۔ "تورمِ گم" میں اقبال کا یہ جذبہ "انسانی کسمپرسی کے احساس سے نوازے گئے ترشیں چھلے ہو جاتا ہے۔"

نوبیہ ترقی یافتہ ملک جو مادی و مادیات کا  
از بخائے وہ خدا کیان کھلے درختانِ لراب

انتخاب!

انتخاب! اسے انتخاب

میر و سلطانِ فردا کچھیں نشانِ دخل

جانِ مگوں از حقیر و دہنگہاں خواب!

انتخاب!

انتخاب! اسے انتخاب!

اقبال کے حکام سے ملکر ملنے سمونہ و ملو مارے چند عہدوں کے بعد "ان کے تیزی سے پادوں کو بھی دیکھتے ہیں۔ ان کے ایک حوالے "قوی زندگی" (1904ء)، "ملت بچاؤ پر ایک عربی نغمہ" (1910ء) اور تصانیف "سظم و اقتصاد"

(1913ء)، "تفکیرِ جدید و طبیعتِ اسلامیہ" (اور) فرہر 1958ء میں انسانِ دوستی کے حامل فکر ملتے ہیں۔ "ملت بچاؤ" میں دوسرے سماجی اور فکریوں کے ساتھ اقبال نے مسلمانوں کو حکومت دی کہ "دوام کی اقتصادی حالت سدھارنے کے مسئلے میں بیاداری عمل کا تجربہ کریں اور معلوم کریں کہ وہ کون سے اسباب ہیں جو مادی معاشی و مادی کا باعث بنتے ہیں۔ ان کا یہ بھی فرض ہے کہ معلوم کریں کہ ملک کی ملکی حالت کے اسباب میں کس حد تک این بڑی اقتصاد کی قوتوں کا ہاتھ ہے جو آج کل کو پائش اپنے اثر و رسوخ کو پھیلا رہی ہیں اور کس حد تک ملک کے باشندوں کی اپنی تاریخی روایات و مادیات قوت ہوتی اور اخلاقی کمزوریوں کا دخل رہا ہے۔ یہودی نما ملک سے اثر و رسوخ کی روایت و روا "تخلیفِ ہند" کی قوموں میں ہو گئی کا سبب شاید یہ کہ ملک کی اقلیت سک کے مصلحت حکومت کے قائم کردہ ماحول تھا ہیں، ایک نئی ملک اور ایک صنعتی ملک کے درمیان تجارت کا سلسلہ قائم کیا گیا ہے" (5)

انہوں نے سماجی زندگی کے بارے میں مسلسل تصنیفات لکھتے رہے کا اعتراف نہیں کیا بلکہ انہیں "میں نے اپنے خیالات سے مطابقت دینی تہذیب جہاں بھی جلیں گئیں۔ مثلاً غلبہ قانون ساز کونسل کے ممبر (1927ء۔ 1930ء) کی حیثیت سے دکن فوج، جو تیار نہیں اور صوبائی خود مختار پر ترقی کے دوران عملی تہذیب جلیں گئیں کہ وہ انسانی اور درسِ زندگی کی حامل تھیں ان تہذیب کا مقصد معیشت کے کارخانہ و فروغ کے لئے ایک بنیادی و حاجی مینا کرنا تھا جس سے غربت بھارت اور بے روزگاری دور کرنے میں مدد ملتی اور حکومت کی پالیسیوں کا زور زیادہ اور شعبوں میں بسنے والے غریب و دیوار لوگوں کی خارج و سیر کی طرف حر جاتا۔ اس کے علاوہ انسانوں کے دھنوں

انسانوں کے اجتماعی کی مختلف شکلوں کے ساتھ کہ انسان بھی پیدا ہو جاتا۔ پہلچو اپنے زمانے کے گی واپس آئے تھیں۔ ان کے لئے مصر کا یہ ہزار سالانہ دور آج اپنی حکومت کے لئے اچھل قبول تھیں 1900ء لیکن آزادی کے بعد نصف صدی گزر جانے سے ہاتھ رکھا تھا ان میں کچھ نہیں کیا گیا۔

دورِ قریب 7۔ دسمبر 1925ء کو انہیں خراسانی اسلام آباد میں "طریقت اسلام میں مرا اور عورت کا رتبہ" کے موضوع پر خطاب میں خوشی کی مادی مشیت "سواشرے میں ان کے کردار اور رعایت لعل ہندی ماحول کی تشکیل میں طوائف کے منصب کے بارے میں خیالات کا اعتراف کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ "میرا یہ عقیدہ رہا ہے کہ کسی قوم کی تہذیب و روایات کا تحفظ بہت حد تک "اس قوم کی عورتوں کی کتنی ہے۔ اگرچہ اصطلاح کے اندر میں امرت کے خلاف سے بے پردگی ہوئی" مسلمان مردوں نے مسلمان عورتوں سے کھانسی رہا لیکن امرت، جو اس خلی میں کے اپنا منصب پر کرتی رہی کوئی ایسا گھٹن نہ ہو گا جو اپنی ماں کی تربیت کے اثرات اپنی طبیعت میں نہ پاتا ہو یا جنہوں کی صحبت اس کے دل پر اپنا نشان نہ چھوڑتی ہو۔ وہ خوش نصیب شہزادہ کی ایک بی بی بنتی ہیں خوب جانتے ہیں کہ امرت کی ذات امر کی زندگی کے ارتقاء میں کس حد تک اس کی بھرپور مدد ہے۔ گھٹے پہاڑ کی خدمت نہیں کہ اسلام میں مرد و عورتوں میں نفسی مساوات ہے۔ میں نے قرآن پاک کی مشہور آیت "المسرحان قواصوں علی النساء" (نساء۔ 34) سے بھی سمجھا ہے۔ بعض علماء امر کی فوقیت کے قائل ہیں لیکن عربی علماء کے لئے اس کی پیہر کچھ معلوم نہیں ہوتی کہ امر و امرت پر فوقیت حاصل ہے۔ عربی کا امر کی زور ہے "قائم" کا مطلب "علی" ہے "قائم" یعنی مخالفت کے ہو جاتے ہیں۔













عبدالرحمن چغتائی

## خرقہ پوش

عالم ہے فقط مومن جاں باز کی میراث مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے





## سلطان شہید

جس بندہ حق میں کی خودی ہو گئی بیدار  
شمشیر کی مانند ہے برندہ و بڑاق

## شرف النساء

آن فروغ دیدہ عبدالصمد  
فقا او نقشے کہ مایہ تا ابد

















# بلوچستان میں اقبالؒ

پروفیسر ڈاکٹر اعجاز الحق کٹر

مردمیں بلوچستان میں اقبال شاعری کی روایت کی شکافتی کوشش سترہ سال پیش سے ہوئی ہے۔ عارف ایرانی یا کوئی لکھتے ہیں

”کوئی 1935ء کے تارہ بریاد کرنے والے زلزلے سے پہلے بلوچستان میں ”اشکاب زلزلہ“ اور ”قمر و نجمہ“ کا کوئی گروہ یا گروہ دیکھ رہا نہ تھا۔ یہاں کی قانون کی نئی اور عام لوگوں کی بھڑائی کا اعجاز اس ایک بھڑنے سے واضح ہے کہ ایک دفعہ یہاں ”قمر و نجمہ“ کے عارف سولہ یا پندرہ سال سے اس ایک شاعر نے جو علامہ اقبال سے بہت سڑتے تھے اپنی نیت میں اشکاب کا عظیم گروہ 11 برس سے روز اس شاعر کو پھینکے کے بغیر اس میں شاعر کا لفظ کے معنی سمجھنے نہ سہ۔ اس لفظ کے استعمال کا سبب کل تیار ہوا اپنی معافی دینی کرنا چاہی۔ مگر بھی کوئی کے ایک خان بہادر صاحب کی سفارش پر اس عداوت کا پھلکارا ہوا۔ وہ شاعر 11 برس سے یہاں موجود رہے۔“

پروفیسر ڈاکٹر فخر محمد علیہ عرفانی جنہوں نے ایران میں علامہ اقبال کو عارف کرانے کے لیے گرفتار ہوا۔ تاہم فراموش خدمات سر انجام دیں مئی 1931ء میں عمر طویل بلوچستان سے کبھی سترہ اگلی نچر دہشت ہوئے۔ بعد میں پاکستان وکس ایران میں رہیں اپنی اور گھر آجائی۔ ہے۔ آپ کوشعر ہی سے علامہ اقبال کے

کلام سے گہرا لگاؤ تھا۔ ڈاکٹر اعجاز مراد سابق صدر شعبہ فارسی کراچی یونیورسٹی کا کہنا ہے کہ 1923ء میں عرفانی علامہ اقبال کی اسرار و رموز پمپل اپنی سکول کے بزم اقبال کے جلسوں میں اپنی مخصوص نے میں بھی سنایا کرتے تھے۔

فخر محمد علیہ عرفانی غور خواہ کرتے ہیں ”کوئی میں عظیم چند اعلیٰ علم و ادب دوستی لافانی میں ایک ہر صافی شاد“ فخر محمد علیہ فاضل کراچی سید انور حسین رضی اللہ عنہما ازبکستان رضوی تعلیمات ملی تحریک پاکستان کے معروف شاعر شاعر فارسی ”یک ہر باغی بلوچستان کے“ ”خان“ اور ”مسان“ صوفی شاعر و محقق رضوی گری داروں بارہ رہی ہوا آئے جانے کا دور انکلام شاعر سید آقا صافی حسین کے نام قابل ذکر و احترام ہیں۔ ان کے قلمدان سے 1931ء سے قائم شعبہ بزم اقبال اور اور فارسی زبان کی خاص طور پر علامہ اقبال کے اسرار و فارسی کلام کی فروتنی اور تخلیق کی خدمت انجام دیتے رہی۔

بزم اقبال کے قیام کے بعد میں نے بہت سی نیک شعر کہاؤں کہ گروہ یا اور سادہ طور پر اپنے بھائی اور طوطی شاعروں میں اقبال کے اور اور فارسی کلام کو طویل جانے میں کوئی تھا۔ میرے شاگردوں کے لیے یہ بات غور خواہ تھی کہ اس ادب کو کوئی کہ برصغیر ہند میں سب سے پہلا فارسی ادب کا مرکز تھا اور سب سے معروف شاعر، ادیب

نقد ادبی تھی۔ اس کا مطالعہ عرفانی کا کل ہوا اور میں فارسی کی حیثیت سے آج بھی ہر گز اور قرات میں فارسی شعر دیکھنے والے سب سے اور بہت سے علماء کی مدد سے زبان فارسی تھی اس لیے علامہ اقبال کے فارسی کلام اور ان کا مطالعہ ان علماء میں بہت بلند حیثیت حاصل ہونے لگی۔

اقبال پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر ”عرفانی کی گنج نہایت کا اعجاز و مستقبل کا سرسبز کا نیکے کا جو تفصیل اس بحث کا ہوا۔ نے کو کہ اگر عرفانی ایران نہ پہنچتا تو پاکستان اور اقبال کی گنج نہایت کا اس امر میں میں بے گناہ کچھ نہیں تھا۔“ ڈاکٹر عرفانی کی ایک اور جگہ سے زانو کتابیں تیار ہوا کراچی سے شائع ہوئی ہیں اور پاکستان ایران کے حکم دیا گیا کا باعث بنی ہیں۔ ڈاکٹر عرفانی پہلے بھی ہیں جنہیں حکومت ایران نے دے دے تری اعزازات سے نوازا اور حکومت پاکستان نے بھی۔ خطاب دے کر ان کی قدر و قدر کی۔

بلوچستان میں سیاسی زندگی کے فخر ہوا اور مراد علیہ میر سب مل خان مزید 1930ء تا 1935ء علامہ اقبال سے دے سڑتے۔ میر نے انہی خان کو سر اپنے ”مضمون“ بلوچستان کے کوئی انتہائی دانا ”میں“ لکھتے ہیں

عزت مزاج نے اعلیٰ بلوچستان کو اجاڑے کے لیے فکھ طریقے اختیار کیے۔ کراچی سے



مختلف المذاہب (الجمعیۃ المذاہب) اور چستان اور چستان  
 جدید اور چستان (چستان) اور چستان اور چستان  
 دیگر سے پیدا ہوئے گئے۔

قید و بند کی صورتیں بھی برداشت کریں۔  
 قید خانے میں پیام شرقی کا مطالعہ کرتے رہے جو  
 کوپلہ امن کے ذریعہ مطالعہ و تعلیم کے بعض مقامات پر  
 اپنے خطابات کو بھیج کر کیا ہے۔

مئی 1933ء میں یوسف عزیز نے "بلوچستان کی آواز" کے نام سے ایک پمفلٹ طبع کرنا شروع کیا۔ یہ پمفلٹ انگریزوں کو گھبراہٹ دینے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ انگریزوں نے اسے "بلوچستان کی آواز" کے نام سے ایک پمفلٹ طبع کرنا شروع کیا۔ یہ پمفلٹ انگریزوں کو گھبراہٹ دینے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

انکار حسین کا یہ کہنا عجیب ہے کہ حسین علی  
عزیز کی شاعری کے ذریعے بلوچستان کے سیاسی  
ظہور کا اس وقت کے بلوچستان کے اسی محرک  
سیاسی ظہور سے اشتراک ہوتا ہے جو کچھ اس  
کا نام اس لحاظ اقبال مولانا غفر علی خاں اور  
دوسرے اس نکتہ چسپی کے ذریعے شاعروں کے  
واسطے سے اظہار ہوا تھا۔ اور جس کی بنا پر اس  
بلوچستان کی تحریک آدھی اورا کے بلال کو قریب  
پاکستان کی زبان بن گئی۔

1943ء میں مکمل بار بار اقبال پوچھا  
میں نہ تھا تو نہ تھا کہیں (نوبل انٹرویو) نے  
تھے۔ آپ نے (برہان علی) جی سے دینی مضمون  
کوٹ لکھی، اور اپنی فہم ہوتے ہوئے راستہ

سرفراز منظر دیکھ کر ڈیوہ راجہ ستر کیا تھا۔ کیونکہ وہاں آپ کے بھائی صاحب ایک مصیبت میں گرفتار تھے۔ اس کی تفصیلی ”طائر اقبال اور لہجہ تان“ میں مداح کی ہے۔

کمال اللہ بھائی کو اسے لکھا ہے کہ علامہ اقبال  
1927ء اور 1929ء میں دو مرتبہ کوئٹہ تشریف  
لائے۔ آپ ہشت تنگہ میں چار عید الحق جو  
زیر دست دین نظر اور گھوڑا اٹھایا کرتے تھے اور  
فضل الہی جن کا یہاں پیدا منڈوں کی مرست کا  
کارخانہ تھا کے پاس مقیم ہوتے۔ یہ دونوں علامہ  
اقبال کے عزیز تھے اور علامہ یہاں صرف تین چار  
دن مقیم رہے۔

1933ء میں نادر شاہ کی حکومت پر غلام آزاد کو محمد اقبال، غلام سید سلیمان، غلامی اور نادر شاہ کو سرحدوں کا مال (افغانستان) تکریف کرنے کے تھے۔ چار روز کے بعد 2 نومبر 1933ء کو بذریعہ مجسمہ کوئٹہ انجمن آئے تھے۔ جہاں میں شہر کے سردار نے یہی مسئلہ پیش کیا اور اقبال نے اس کا استغاثی کیا اور ایک رستہ ان میں بنا کر خواب میں انجمن شہر کا خاکہ بنا کر اقبال اور سید سلیمان غلامی ایک شب جہاں میں قیام کرتے اور اس وقت کے سامنے فکر پوری کر لی تھیں اور ان حضرات نے حذر دے گا۔

یہاں سے کوئٹہ آتے ہوئے علامہ اقبال نے  
 بتایا تھا کہ طالب علم کے زمانے میں ان کے والد  
 محترم نے کہا تھا: ”بہت جلد تم یہ دیکھو کہ قرآن  
 نہایت قلب پر بھی اسی طرح اترا ہے جیسے محمد  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اقدس پر نازل  
 ہوا تھا۔ صحت کا حشر نہیں۔“ ڈاکٹر صاحب نے  
 یہ بجا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ جب نبی، اسے  
 ان کروٹوں سے سنتا ہے گا۔ آپ نے جب یہ اسے

پاس کر لیا تو ان کے والد محترم نے ان کو بیکوٹر چنے اور حاکمیتیں کیں والدہ جان چیتے سے عبد لیا کہ وہ بکھڑا اپنے زبان و قلم سے ملت محمدی کی خدمت پہنچا رہے تھے۔

فائل صاحب کی شاعری میں کے والد مرحوم کی زندگی میں ہی **سید محمد علی شاہ** کی شکل تھی اور ایک عالم ان کے غزل سے مرعوب و مست تھا اور مسئلہ ان میں وہ قیامت انگیز تاحیر پیدا کر دیا تھا کہ بلا لڑکاپ اپنے بچے کی اس مٹی تھکی سے سرور ہو کر اس دنیا سے جدا ہوا۔

میر محمد اسحاق گمراہ کا شمار ملوث چٹانوں کی فہرست  
آزادی کے چند ممتاز رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ وہ  
قوات بھنگی پارٹی مسلم لیگ کے صدر رہے۔ انہوں  
نے 1933ء میں حضرت علامہ اقبالؒ کے ملوث چٹان  
کے مسائل کے بارے میں واقعات کی۔ ان کے  
معاہدہ ان کے ایک مضمون پر مبنی تھا کہ جو حسین ملوث بھی  
تھے۔ انہوں نے اس واقعات کی تصدیق اپنے  
مضمون "قلبِ عالم بارگاہِ حق حضرت علامہ اقبال  
رحمۃ اللہ علیہ" (مجلد روزنامہ "مسائل" اور اقبال  
فہرست 1933ء) میں بیان کی۔

وہاں محققو حضرت علامہ نے متعدد شعروے دیکھے جن میں ایک یہ تھا کہ مغرب سے آئی ہوئی اصلا مات سے چارہ سوں کو لقا حاصل نہیں ہو سکتی اس لیے آپ شریعت اسلام کی طرف رجوع کریں۔

میر محمد امجد کو نے آخر میں عرض کیا  
"فواکھ صاحب! آپ کی تعلیمات نے ملت  
مسلمہ میں گہرا ہلچل مچا رکھی ہے۔ آپ نے ہم  
کو دکھا ہے کہ ہم جس آپ سے بے فائدہ ضرور  
ہے کہ غلطی ہو رہی ہے آپ نے کوئی کام نہیں کیا"



اس پر حضرت علامہ نے فرمایا: ”چنا! کیا میرا یہ عمل تمہارا ہے کہ میں نے آپ لوگوں کو ایک گہری نیند سے جگا دیا ہے اور تمہارے سامنے ”کرار و قیام“ کا ایک راستہ چار کر کے دکھا دیا ہے۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ اس راستہ پر چلو اور میری تعلیمات پر عمل کرو۔ میرا کام تمہیں درس دینا ہے۔ آگے یہ تمہارا کام ہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر مردانہ جہاد کرتے ہو۔ پناہیں آج تک کوئی ایسی ایسی پیدا نہیں ہوئی جس نے غوری ایک گھر پر قلم کیا ہو اور غوری اس پر قلم کیا ہو کہ اس کو پانچ پچھل تک پہنچا دیا ہو!

ایک اور واقعہ کے بغیر سلسلہ کام کو جاری رکھتے ہوئے اس مرد باخدا نے فرمایا: ”ہاں ایسا ایک ایسی ضرورت الکی گزری ہے جس نے خود ہی ایک نظریہ چیل کیا اور خود ہی اس کو پانچ پچھل تک پہنچا دیا۔ جانتے سمجھتے وہ کون تھے اور کون کرتی تھے۔

”غور علی“ کا ہزاروں عارف کامل نے ایک ایسے پر سوار اور ہاداک لکھے جس ادا کیا شدت تاخیر سے میری آنکھیں بند ہو گئیں اور جب میں نے آنکھیں کھولیں تو حضرت علامہ اقبال کی ناچیں ہمارا ہاتھ اس طرح سے لے رہی تھیں جس طرح ایک ڈھاری اپنے ڈھار پر تیر چھلانے کے بعد ہاتھ لیتا ہے کہ گناہ ٹھیک بیٹھا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا: ”یہاں یہ جناب امیں قائل ہو گیا ہوں۔ آپ نے مسلمانوں کو یاد دلا کر دعا کی ہے بہت بڑا عمل کیا ہے۔ ایک ایسا عمل جس کی ٹھیکر کوئی نہیں۔“

ملاچان کے ایک عالم باعمل اور روحانی ہستی حاکمی تمام سرور پادکر کی علامہ اقبال کے عقیدت مندوں اور پرستاروں میں سے تھے۔ ان عقیدت مندوں کے باعث انہوں نے مستحکم

(کو کہ سے نہیں مل اور قیامت اور جن کا حضور شہر اب فطرتی صمد حاکم بھی ہے) اسے انور کا ستر کیا تھا۔ وہ علامہ موصوف کو ایک نظم کی مراد ایک دلی اظہار تھے اور ان کی تخلیقات کا ”مست قراں اور زبان اور ادبی“ سمجھے تھے۔

حاکمی سرور کے ”السلام علیکم“ کا جواب حضرت علامہ نے ”مرحبا و السلام“ دے دیا تھا۔ ملاچان حاکمی سرور نے علامہ اقبال کو یہ بھی یاد دہرایا کہ وہ سمجھتے تھے۔ حاکمی سرور نے علامہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ قوم کو یاد کرنے کا بیڑا مقرر ہے یہ ہیں جنہو جن کے سچے و خالص اور ناصح اس پیغام سے فائدہ ہو سکیں گے۔

یہ کہ علامہ اقبال نے فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ میری یہ خدمت قوم ضرور چاک اٹھے گی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میری قوم کا مستقبل روشن ہے۔ صرف وقت دیکھ رہا ہے

میں نے تو کیا یہاں سرور کو بھی چاک دیکھ رہا ہے میرا عرض کہ حاکمی ا جب حاکمی تمام سرور پادکر نے دلی دلوں کو ملے تو علامہ اقبال نے سرور پر ہاتھ رکھا اور اپنے۔ جتنا انکار کیا انکا ہی صبر بڑھا۔ حتیٰ کہ حاکمی موصوف کو پچھنے پچھنے پر۔

نہ تاج و تخت میں نہ فکر و سپاہ میں ہے جو بات مرد فکد کی بارگاہ میں ہے ملاچان کی ایک اور سحر صرف قصیت سرور یہاں جواب امین اللہ خاں دیرستانی (سرور ان کے سرور امین سرور اور سواض خاں کے پاس سے جواب میر محمد خاں کے کواستے ساجد ریاست قیامت کی کوسل کے کہہ کر اعلیٰ تمام ملاچان کے لاکھوں اور جناب ساجد ریاست قیامت لاکھوں میں

ان کو ”کلیت مسلم“ کے لقب سے جواب کیا ہوا تھا) بھی علامہ اقبال کے پاس آ رہے تھے۔

ملاچان حاکمی سرور نے اپنا مجموعہ کام ”ذیلی کوہ“ کے عنوان سے 1934ء میں کراچی سے پہنچایا۔ اس میں وہ انہیں موزوں ہیں۔ ایک مرزا ہوا اور مرزا راجہ علامہ اقبال کے نکال دیے ”مرزا مراد مرزا“ ”مرزا“ بھی لگی۔ دوسری مثال چھوٹی میں زبان فارسی علامہ اقبال کی نظم تحت فرنگ (پیام شرقی) کے جواب میں تحریر کی گئی۔

چاہیں پاکستان کے بعد اس سرور کو ادیب ملی جلی کی پہلی عمر جو کہ میں بھی لکھی تھی۔ اس کا عنوان تھا ”علامہ اقبال کی یاد میں۔“ اس میں ہندوستان کی شدت کے ساتھ ساتھ دعویٰ چوٹی کی بلندی و جاذبہ اقبال کی تصدیق اور انشاء کے دکھانے اور کہنے نظم میں ایک ہتھیاری۔ آج یہ کہہ رہا ہے۔ سب سے بڑا کہ اس میں وہ اہمیت سمجھتی ہے اور ادبی میں نام لگتی۔

چند شعر یہ ہیں  
ہاں تیر کی سونگ تھے دیکھ تو ملے  
اپنے جہاز شہیدوں کا بو لایا ہیں  
تیری آواز کی تاثیر تھی یا ضربِ ہکیم  
میں نے پھر طرقت اسلام کا در کھل دیا  
قرطبہ جا کے لائے تھے یہ آسمان تو نے  
میرا رس میرے کراہی میں درخشاں ہیں آج  
فرط غم یہ ہے کہ حجاز پر حاکمی کہہ کر  
سور ہے ملی تھی ہم تو سلیماں ہیں آج  
کھول دے ہزاروں غوی کے صدفے  
اپنے دیرینہ یقین کی بہاروں کو تو دیکھ  
دیکھ سلیمہ کی دلی میں مجسم اپنا



سرکھ مراد بھاپ کی کتابوں کو تو دیکھ  
وہی مثال میں قیام کے دوران شیشی لے  
طاسرا اقبال سے حلقی اور تھیں اکی نہیں۔ "طاسر  
اقبال کے حضور" کا آخری بند ہے

وہ بے نصیبہ وہ اوجھل فاقہ کش جس نے  
ہر ایک رات گدوم کو کر دیا گوہر  
وہ اک جرب جسم کے ساتھ ہاکے کا  
بڑے گا ہاتھ میں مشعل لیے ہ موم دگر  
ترے کام کی پھیل کر کے چھوڑے گا  
ترے پیام کی پھیل کر کے چھوڑے گا  
نہ پھلی "ادبی نو" میں کسی خواہش کو  
میں سے طاسر اقبال کے اثرات کا نقشہ پستان  
میں نگاہ ہے۔ آخری نہیں بدلا چکے

۔ "کا۔ج" کا ہم پاش پاش  
یہ انا کی بھین بھین مدانی  
بہار کے اے کی آرزو ہے  
ہے جذبہ دل کی اک کہانی

یہ موسم گل ہے نہ - جلے  
جلے ہے تمام چہ خون کے  
اسے وہائی مثال آج - قریں  
ہم کو بھی یہ پانچیں سک دے

ہم کو بھی یہ رنگ و بو عطا کر  
یہ حور آرزو عطا کر  
اس نیکو زمری سے  
صدقے ترے اک سحر عطا کر  
پردہ پر نور و ان کا اہم ترین ادبی مقالہ تھا  
"پاکستانی ادب" (اس کا مضمون قریب اور اس کی  
زیر داریاں) مطبوعہ نثران کا ہزار چھٹے جلد ۱۱ء

اپریل ۱۹۴۹ء (دو قسطیں) خلافت  
35 صفحات۔

اس کے دوسرے حصے میں مصنف نے  
پاکستان کے قومی نغمہ پاکستانی ادب و ادبیات  
فکار و فطرت کے سامنے یک طرفہ اقبال کی قیام  
انہیں پاکستانی ادب کا حقدار ہے۔ ان کی قیام  
میں سرگرمی اقبال شاکس ہے۔

اقبال شاکس کے لیے وہ باقاعدہ ایک ہاں  
کی ضرورت ہے وہاں ہے جسے

1۔ ان کے کام کی ترقی و ترویج - ان کے  
مطاب کواری زبان تک پہنچا جائے۔

2۔ دہا سمیت کے لٹا سے ان کی نگاہ کی جائیں  
اس لیے سرگرمی قدم مضبوطی ہو۔

3۔ تیسرا قدم ترقی ہے۔ پہلے ان کی جا  
ہائے نیک پھلے دوسری کو چھ کر بھران کو  
چھنے سے اقبال شاکس کی دعا رخ ہو کر وہ  
ہائی ہے اور خود ان کی فکر کو دہا ہے۔

مضامین اور "مصنف شاکس" اور "مضامین  
گرمی کوئی" 1957ء یہ ایک طویل علم ہے جو

مضامین اور "مضامین اور طاسر اقبال کے اہم اور موزی  
طراپ گھسی گا ہے۔

برہانی حوا - مصنف پر دھیرا آقا صادق کا ہزار  
1962ء۔

یہ ان کی ترقی اور ان کی ترقی اور ان کی ترقی  
کا مجموعہ ہے۔ طاسر اقبال سے حلقی "آخری  
تقریریں کے عنوان ہیں "اقبال ایک فکار کی  
حیثیت سے "کود" اقبال کے نفس سے ہے۔ اے کی  
آگ چلے

دلم و ساہ از پردہ پر آقا صادق کوئی  
1968ء۔

یہ طاسر اقبال کے چالیس غزلیات  
مطبوعہ پانچویں طاسر اقبال کا مجموعہ آخری قیام  
ہے۔ تحصیل ہاں ہے بانگ واد 14 "اقبال" قیام  
21 "مغربی علم" 3 "مطاب" 2 - پردہ پر آقا  
صادق نے طاسر اقبال کے چالیس سالہ سفر  
تحصیل سے لکھنا شروع کی تھیں۔ وہ قیام پاکستان  
کے بعد بعد ہی ان کی کتابت میں پھیلے گی  
تھیں اور ان کی کتابت میں اقبال کے کام اور طاسر  
کا ہزار ہاں اور وہاں ثابت ہوئی تھیں۔

تیسرا قیام "تیسرا قیام" میں لکھے ہیں کہ "اقبال  
کے کام کو ہر پاکستانی کے ہاں تک پہنچا دیا  
اور ان کی ترقی ہے۔ یہ مجموعہ ہے اور ان کی ترقی  
کرنے کا کام باقی ہے - مجھے امید ہے کہ اس  
کاوش کو اور ادب میں ایک قابل قدر اضافہ کیا  
جائے گا۔

آقا صادق کے بعض اہم اور طاسر اقبال  
کے ادب اور طاسر اقبال کا خلاصہ ہے۔

۔ "کود" میں ہیں "بلیاں" ہوا ہاں کی ترقی  
نظر لڑا کون ہے "موز" دوس کے سار میں  
قریب کا اقدار ہو گا "قریب" اب تابا ہو گا  
تمام آقا کا ہزار اقبال اب تار تار ہو گا  
آقا صادق کی تحصیل سے میں سے ہند بند  
طاہر ہے

۔ "کود" میں ہیں "بلیاں" ہوا ہاں کی ترقی  
نظر لڑا کون ہے "موز" دوس کے سار میں  
قریب کا اقدار ہو گا "قریب" اب تابا ہو گا  
تمام آقا کا ہزار اقبال اب تار تار ہو گا  
آقا صادق کی تحصیل سے میں سے ہند بند  
طاہر ہے

آقا صادق نے "کود" اقبال کے قیام میں  
1968ء۔



ابھی قصصیں لکھی ہیں۔ آپ نے اپنے قاری مجبور  
کا ہوش غلامی کا انتساب کا عر مشرق طاسا قبال  
کے نام کیا ہے۔

علامہ اقبال سے تعلق رکھنے والی ملاحی نثری میں بھی شائع ہوئے جو ان کی مطلوبہ کتاب "آج کل شیراز" میں 1972ء میں موجود ہیں۔

سید صدر حسین چند سال تک لاپرواہی  
(مستحق کوڑے) میں بحیثیت لکچرار فاضل تعلیم  
رہے۔ طائر اقبال سے متعلق ان کے یہ مضمون  
جوشِ ذکر ہیں۔

1۔ اقبال بھٹائی کی ہرگز کیفیت پشیمان  
 لاہور، اپریل 1968ء

2۔ فکرِ اہل کی بھڑائی: سیاہ (1968ء)

1977ء میں طالبان اقبال کے ہم چھ انٹرن کی  
صدور اور تقریبات کی مناسبت سے پراڈیو اور  
رومان نے انگریزی میں ایک ناول لکھا۔

"Iqbal, A Hero and His  
Heroes"  
نقشہٴ پہاڑ کا سرسبز پہاڑ "نقشہٴ پہاڑ"  
شمارہ نمبر 24، اکتوبر 1977ء، ستمبر 1977ء  
(1980ء)

اسی ماحول سے ”مرکز تحقیقات قادیانی“ اور ان کے پاکستان اسلام آباد“ نے جو کتب شائع کیں اور جن کا مقصد عسکریت خلاصہ کے نام کیا گیا۔ ان میں ایک کتاب ”شعراء دی دروہ چستان“ اور دیگر اشعار

اسی سبب سے ”جے کے کوثر“ اور ”اکثر انعام“  
 ایچ کوثر اور H. K. J. 1978ء، شائع ہوئے۔ جس کا  
 اختراہ طبرہ اقبال (1977) اور قائمہ اعظم محمد علی

جناب (1976ء) کے حضور مجلس اے دینی کے اس شعر کے ساتھ کیا گیا

ایک مومن کا خواب، کھل، ایک مومن کا کام  
جس کو دیکھا ہے دنیا نے یوں چمکتے پہاڑ  
چراغِ پاکستان

مرد و زن، ناکمل انعام، اپنی کورت کھڑے

1978ء۔ اس میں پانچ مضامین ہیں جو علامہ  
اقبال کے نظریاتی مضامین کرتے ہیں۔ اس کی  
مباحثہ مئی 1977ء کی مباحثہ سے ہوئی۔

دسمبر 1977ء میں کہ وقت ڈگری کالج  
نورمائی کے سیکڑے ”رنگ سبک“ کا خصوصی شمارہ  
کاغذ اعظم و اعلیٰ جبر ہارنیا نوس (اردو انگریزی)  
غری (پتھر) میں شائع ہوا جس کے سر پر مست تھے  
ڈاکٹر اعظم الحق کوڑھ نور مدی اعلیٰ پندرہ ٹوشید  
نورمائی۔

ڈاکٹر جسم کاٹھیری نے اپنی کتاب اقبال  
نصرتِ قومیت اور پاکستان (1977ء) میں  
ڈاکٹر انعام الحق کوڑا کا حوالہ "قومیت اور اقبال"  
(ص 141 تا 23) مثیل کیا ہے۔

فخر مرزا نے علامہ اقبال کے ”شکوہ اور جواب شکوہ“ کا برصغیر میں ترجمہ کیا جو ”اسلم“ مسٹونگ کے 19 مئی 1965ء کے شمارہ میں شائع ہوا شروع ہوا۔ یہ ترجمہ خاصا پسند کیا گیا۔ (اکثر بعد ازاں برصغیر میں برصغیر نے اقبال کے کتابچے ”علامہ اقبال“ ”تحریر کیا۔ 1978ء میں کوئٹہ سے شائع ہوا۔

جو گھڑیوں نے علامہ اقبال کی بعض شخصیات کا بچپن اور بڑھاپی میں ترسہ کیا ہے جو کون سے 1978ء میں پھیلے انہوں نے انہیں جاننا کبھی گھڑی میں ترسہ کیا جو ابھی تک غیر منسلک ہے۔

بھرمشا کا سرکاری حواس اقبال پر لکھی گئی تھی ایک کتاب دنگل اقبال (مضامین ۱۹۵۵ء) کوئی ۱۹۵۲ء) لکھی گئی تھی جو حواس اقبال کی زندگی اور افکار پر مبنی ہے۔ اسی سال فرانسے میں سارے تھے حواس سے حلقوں میں جو علم و ادب کے ایک کتاب کے لکھی گئی تھیں ترجمہ میں اور نوٹ لکھی سارے حواس اقبال کے حلقوں کے ایک اور کتاب "کالی" میں لکھی گئی تھیں ہے (۱۹۵۶ء) میں اقبال کا کوئی پاکستان کا دورے سے چھاپ دی ہے۔

1977ء کی مباحثہ سے اکثر انعام الحق  
کوڑے گئے تھے۔ انھوں نے ان کے گھر پر  
اور ان کی شہریت ختم ہو گئی۔

مکلی "ڈاکٹر محمد اقبال جی انصافی کانگریس" اور سنی و خلف بنیادی کے ذریعہ انتظام 2 دسمبر 1977 کو منعقد ہوئی۔ اسی میں ڈاکٹر انصافی نے اپنے حوالہ جات "خامہ اقبال اور تحریک پاکستان" پر حوالہ دیا کہ متنازعہ مسئلہ کیا۔ پروفیسر یحییٰ عیسیٰ صاحب بلوچستان کو لے کر ایک مضمون انصافی اقبال کے بارے میں پیش کیا۔

علامہ اقبال اور انگریزی ۴۳ 6 نومبر 1977ء کو دہلی میں منعقد ہوئی۔ اس میں ڈاکٹر ابرار الحق کوڑے نے مقالہ بعنوان "علامہ اقبال اور لہجہ بنگالی" پر بحث کی۔

خطابہ اقبال اور ان کا تفسیر محمد رفیع اعجاز  
 میں 1877 نومبر 1977ء کا اضافہ ہے۔ نئی۔ ایک  
 سیشن میں ان کا اضافہ اس نئی کتاب سے خطاب اقبال اور  
 ان کے ساتھ 'پڑھا گیا' آخری سیشن کا اضافہ  
 ہے۔

جانوری، اعلیٰ جانوری، فقہی، صحت اور امور کے ذریعہ  
اجتہاد علماء اہل سنت سے جھڑپیں ایک اہم مذاکرے















جس قوم نے خودی بچانے کی وہ چار آخرت کے عذاب سے کھاتے پائے گی۔

انھوں اس دنیا میں خودی کے پیغام کو بکھارے۔

تاکہ دنیا میں زندگی کی ایک نئی لہر اٹھے۔

زیرانی نے دل کی حقیقت کو جان بچانا ہے

اگر انسان دل کی حقیقت کو پا جائے۔

قوت وہ چاہی وہ سارے پر قابو آجاتا ہے۔

اور مشق سے غم گھیر کر مٹا ہے۔

دل میں عقل سے بڑا اور طاقتور ہے

دل اس حد تک پہنچا کر حاصل کرتا ہے جہاں

عقل پہ نہیں ہو جاتی ہے۔

دل یا کر چاہے نہ ہو تارک لٹے ہے۔

مگر اس میں وہ طاقت ہے کہ رنگ خارا کو

چمکا دے۔

دل صد سال کی گمشدگی اور دہائیوں کا مکان کی

تہہ سے کھودا ہے۔

اسی تیز بڑھتی زبان کے پاسو شاعر

ہیں۔ براہوی قول کوئی میں ان کا ایک خاص مقام

ہے۔ ان کی ایک نظم ”دل اور آسمان کا مکالمہ“ کا

ترجمہ دیکھ لیں۔

دل آسمان سے منگنے کے لیے گھر پھاڑ ہے۔

اور گھر گھر کر دسوں سے ہم کلام ہے۔

اور کہتا ہے اے ملک نیلگون انسان کی

ہیں انکل کا مقصد کیا ہے؟

کیا وہ جیسا دیکھ و اہم برداشت کرنے

آ رہا ہے۔

یا پھر جیسا و معرقت اس کی زندگی کا مقصد

ہے۔

انسان یہاں تک پہنچا ہے اور خود بخود نہیں

ہے۔

یہاں وہ کس حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

آسمان سے بعد آئی کس بند گردن۔

یہ سوچتے اور گنگتے کیا نہیں نہیں ہیں۔

عقل کا بندہ نہ رہے کس عشق میں خاموشی

انتظار کر۔

ہوشیاری اور بے ہوشی کے درمیان ایک حد

فاصلہ ضرور ہے۔

ان کا کئی کو پانا آسان نہیں۔

اسی تیز تیز کے ان اشعار سے انتقال کے فکر

کی نشانی ہوتی ہے۔ عشق اور عقل کی حدود کا فیصلہ

ہوتا ہے۔ جس مقام پر عقل کی راہیں مسدود ہو جاتی

ہیں۔ وہیں سے عشق کی منزل شروع ہو جاتی ہے۔

سوز شاعر سے قاصد ہو کر کہتے ہیں

اے شاعر شریک یہاں اپنے احوال کا مشاہدہ

کرتی کا حاصل ہے اور تو کم تر تعجب ہے تو

اسرار حق کا حاصل ہے اور تو کم تر خدا ہے۔

زندگی کی رفتار کو بھی دیکھ اور اپنی قوم کی

حالت پر فکر ادا۔

تو قوم کی فکر کیا ہے تو قوم کی حالت پر فکر

دل۔

تو قوم کی فکرم کیا ہے۔ تو قوم کے لیے مشعل

رو ہے تو شعور بانی سے قوم کی رہنمائی کر۔

میر میرا لڑتی کہ براہوی زبان کے پلے پائے

شاعر اور ادیب ہیں۔ ان کے شعروں میں ”دھاتی“

حرکت اور لہریں ہے۔ تو جوانوں کو غائب کر کے اسی

کی طوفانی کے لیے آگے بڑھنے کا درس دیتے

ہیں۔ آج ہم اس جہاں پہنچے ہیں۔

پھلنے والی گری ہو یا قصہ و عرف و اداس

ہو۔ جس کو دیتے دھاتی ہوائیں مٹی دی ہوں یا

مصائب و آلام کے پہاڑ سر کرتے ہوں  
ہم بلا خوف و خطر ہر مصیبت کا مقابلہ کریں گے۔

کیونکہ ہمارا دین محنت کا دین ہے۔

اس لیے دھاتی کی تعمیر و ترقی کے لیے ہمیں

جدہ جہد کرنی ہے۔

یہ شعور الفاظ پر بندھی خیال اور عمل جہم کا

اداس اقبال کا ہے۔

ادیب و شاعر ہر قوم کی ایک آزاد

براہوی کی نظم ”میر تقی“ کا ترجمہ دیکھ لیں۔

ایک مرد و قندار یا اس نے نگاہوں

خود کی کا بیٹھا ہوا۔

اور کیا میں نے اپنی خودی بچانے کی

دی ہو میں کامل بننا چاہتا ہے

اقبال کے اس پیغام کی کوئی

کوہ دستہ صحران اور چٹانوں میں بنگل

مندی

اس نے زندگی کے سر راستہ اپنے اور کیا

صوت کی آنکھوں میں جس نے آنکھیں

دائیں

در حقیقت ہی زندگی کو کھاتے کا سستی ہے

زندگی اور اسل شریک ہے چاہے وہ ایک لے

کی ہی کہیں نہ ہو۔

وہ ایک لہر طوفانی کی چوڑی سالانہ زندگی پر بھاری

ہے۔

بھیر اور کڑی زندگی کو دل مت کر۔

اگر بھیر کی طرح ہے جس آہ کھینچے بھیروں کا

ظہار ہو چکا ہے۔

اگر کھڑی کر زندگی بسر کر گئے شایع کے

لے لے کر تھیں چاہے گئے۔







جان سولہ نام فریقہ (اکثر شیعہ) ہوتی ہے۔  
فصل دوم: اربعہ کا ذکر ہے۔

1947ء کے آخر میں گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں "بزم اقبال" کا افتتاح ہوا۔ اس کے دوران وہاں پروفیسر غلام عبدالغنی عرفانی تھے۔ ان کا ذکر پہلے بھی اس مقالہ میں آیا ہے۔ ان کے ایوانِ جامے کے بعد پہلے پروفیسر آغا صادق اکیچے اس بزم کی آبادی فرماتے رہے۔ پھر دو سال (1958ء تا 1959ء) تک اس کی سرکس میں کی گمرانی لیکہ کھلی کرتی رہی۔ جس میں آغا صادق سعید احمد، مفتی زبدہ احمد اور انعام الحق کوڑ شمال تھے۔ پروفیسر آغا صادق کے جہول ہونے پر (1959ء سے مارچ 1970ء) تک بزم اقبال قائم الحروف (انعام الحق کوڑ) کے زیرِ گمرانی مباحثہ اقبال کی تعلیمات سے ملنے کو کام کرتی رہی۔ جسوں کے علاوہ علامہ اقبال سے متعلق مختلف افراد کے مقالات پر مطالعہ کے مقابلے بھی کرائے جاتے تھے اور ان کا تعداد و لحاظ کا بندہ درست ہوتا تھا۔ چنگ جسوں کا بھی انکشاف کیا جاتا تھا۔

اس بزم کی یاد گزریاں میں یہ دھڑکتی تھی  
 یہ دھڑکتی تھی اور وہاں یہ دھڑکتی تھی  
 عجب اس دھڑکتی "مولانا عبدالحکیم چودھری صاحب"  
 یہ دھڑکتی تھی کہ "میرزا تقی" ڈاکٹر اعظم قریشی  
 ڈاکٹر اکبر حسین قریشی، "غیر الحاقی" سانی "اسٹیٹ" مفند  
 حسین مفند یہ دھڑکتی تھی "میرزا تقی" ڈاکٹر اعظم قریشی  
 وغیرہ بھی حصہ لیتے رہے۔ متعدد ملاقات اور طلبہ  
 اس بزم کے سرگرم رہے۔ جس کی تفصیل  
 "نورِ اقبال" اور "نورِ اقبال" میں موجود ہے۔

راقم الحروف (انعام الحق کوثر) مدق  
1970ء میں کوئٹہ سے تھریل ہو کر مستطک چلا

گیا۔ جون 1972ء تک وہاں مقامیات کے مسئلے میں ملکی وادائی کام ہادی رہا۔ میرے ساتھ تھا جس سید خانہ سید اعجاز حسین، حیات علی محمد خلیفہ، نور خان شیخ خورشید اور سلطان اہناف علی وچیرہ شامل تھے۔ بندہ نے 1972ء، 1974ء تک گورنمنٹ آف آری کالج اور کئی میں اس ملکی قومی وادائی لڑنے کے سرانجام دیا اور واقعہ کے سے علامہ اقبال کے بارے میں مجلس کا انجام کرلیا۔ میرے ساتھ تھا میں خورشید افروز محمد خلیفہ، سید بادشاہ سید احمد رشید، انجم سید حسین احمد، خدمت خان محمد و سلطان عامر، پاشا بیگم، کاشی خیر عالم، محمد علی منصور اور وکیل شیخ نظام صادق اور ڈاکٹر نصیر الدین محمد کئی وچیرہ شامل تھے۔ 1974ء اور 1980ء میں بندہ گورنمنٹ آف آری کالج میں رہا۔ وہاں بھی یہ ملکی سرگرمیاں ہادی رہیں۔ میرے ساتھ تھا میں کیب الزمیں بی بی سمیں، لدی خانہ علی محمد اور ڈاکٹر شمیر وچیرہ شامل تھے۔ 1980ء میں وہاں کو کھا گیا۔ بفضل وادائی اس وقت سے لے کر اب تک کو کھ کے علامہ مارے صوبے میں ملکی وادائی سرگرمیوں کی رہتی کا سوا قابل رہا ہے۔

1941ء میں جو "ایم اقبال" کی شہر میں قائم ہوئی تھی اور قریب تک سے پہلے تک اس کا نام "ایم اقبال" تھا۔ 1955ء میں اس پر سچ خوں کی کشمیر صحرائے اچھوت اور انا کی کڑھ کشمیر۔ ایم صادق تھے۔ صدقہ علی انصاریاب لاولیٰ نائب صدر صادق شاہ اور آغا صادق جرنل بیکھڑی ہے۔ ایچ دھوا جوائنت بیکھڑی انعام اکی کوڑ" جوائن عبدالحزب ملک اور بیکھڑی شہر و شامہ، محبوب کو بختی تھے۔ (جو بعد میں کراچی کے لیے تھے اور ایم اقبال کونسل کے اعزازی بیکھڑی دے اور

۱۹۶۸ء کا پہلا سیشن ۲۱ جولائی ۱۹۶۸ء سے ۲۷ جولائی ۱۹۶۸ء  
کے درمیان منعقد کیا گیا۔

تجربہ سال تک یہ مذہب اچھا لگتا ہے یہ ہم اقبال کا وہی خیال ہے کہ نظام کرتی رہیں اس کے اندر سے پھرنے کے لئے یہ بھی انسانوں کا بندہ ہے کرتے ہے۔

ہادی مثال کی بعض جہری ادویہ انسانوں  
 جیسے مقلد رباب ادویہ کوئی جسم ٹھانے کو کہہ (کاظم  
 صفحہ 30، مارچ 1961ء)۔ ماہرین گند کو کہہ (براق  
 اقبال) چھ کوئی گند کو کہہ (برق) ہمیں کوئی گند  
 روئے (نور) کو کہہ (اداس) نہایت دیر کو سچ تعلیم  
 کو چھتیاں کو کہہ (1985ء تا 1991ء)۔ انجمن  
 فوری کو چھتیاں کو کہہ (1992ء)۔ اعظم قرین ادبی  
 ٹرسٹ کو کہہ (1979ء)۔ میرٹ اکادمی  
 کو چھتیاں (میرٹ) کو کہہ (1994ء)۔ پاکستان  
 پلڈرز اکیڈمی کو کہہ (1978ء)۔ سے اعلیٰ قلم نگار  
 کو کہہ (برق) چھتیاں کو کہہ (تعلیمی اداروں کے تحت بھی  
 ہم اقبال ملے کا کاظم فواد) انتظام 50ء مارچ 1994ء

وفاقی حکومت نے بلوچستان میں مختلف مقامات پر فیکٹری سکروں، بازار، پمپنی، آرگنائزیشن کے مراکز قائم کیے تھے۔ ان میں بھی علماء اقبال کے پارے میں بکھر چکے تھے۔ ۱۹۵۶ء کا انتخابات دیکھ کر انھیں گھبراہٹ ہوئی۔ ۱۹۵۶ء میں انھوں نے ایک قرارداد منظور کی جس میں انھوں نے کہا کہ بلوچستان میں بے شمار تحریکیں ابھرنے لگی ہیں۔ بلوچستان میں ان کے کالوں کے نوجوانوں میں علماء اقبال سے فیکٹری ملازمین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی تحصیل اقبال میں ہے اور بلوچستان کے کالج بھکرین (جلووال) دوم ذرا کٹر انجمن الحق











# سندھ میں اقبال کی مقبولیت کے اسباب

مرزا کاظم رضا بیک

کے ادبی ہی طاقتوں میں آئے تھے۔ انہوں نے سوانحیہ اور تاریخی کے لیے بھی ان لوگوں کو ہی ذمہ دار ثابت کیا ہے۔

بہر حال پنجاب اور سندھ کے درمیان پرانے زمانے سے دو بائے سندھ بھی باہمی میل ملاپ اختیار اور اس کی کاربہر رہا۔ بڑی شخصیتوں کے ذریعے تجارت ہوئی تھی اور اس کی پہلی وسط ایشیاء اور چین تک وسیع تھی۔ سکھوں کا جنوبی حصہ سندھ واریت کا ایک حصہ تھا۔ پنجاب کے لیے مصداقی بن گیا۔ گراچی تھا، بلوچ رہاں کے دور میں پہلے انیس سو اسی ستمبر میں شروع کی گئی انیس سو ۱۸۵۹ء میں وہ بڑی کے متصل رہاں کے سندھ پر لیاؤٹاؤن بنی قیصر کا کیا اور ریلوے کی توسیع کے سبب باہمی تعلقات میں اضافہ ہوا۔

زبان کے معاملہ سے بھی یہ تعلقات قدیم معلوم ہوتے ہیں۔ سندھ سے ذریعہ اسامیل خاص تک زبان اور رسم و رواج میں معمولی فرق نظر آتا ہے۔

تعمیروں اور تالیف و تحریروں کے دور میں مثالی سندھ میں خاص طور پر پنجاب کا اثر دیکھنا بہت مشکل تھا۔ قلیل سندھ میں آباد ہوئے۔ جس کی وجہ سے معاشرتی تعلقات میں اضافہ ہوا۔ سواتہ ریاست خیر آباد کے دینی پیر علی مراد تالپار نے کئی خاندانوں کو خاص طور پر دینی خدمات کے سلسلے میں

طرف ان شعراء کے زمانے میں بڑا کام ہے تو دوسری طرف ان کے سماجی حالات اور ماحول کے تقاضوں میں فرق ہے۔ سندھ کے معمولی شعراء نے ادب کی باتیں نہیں ہیں۔ اقبال نے تین سو سال کے متعلق بہت کچھ کہا ہے۔

اسی واضح فرق اور سندھی سماج کی ارتقائی منزل کے مختلف تقاضوں اور ماحول کے باوجود علامہ اقبال سندھ میں کافی مقبول رہے ہیں۔

علامہ اقبال اپنی سرگرمیوں اور دماغ پر کام کی وجہ سے اپنی زندگی میں ہی سندھ میں عام مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔ خصوصی حدی کے دوسرے شعراء میں ان کے کام کے سندھی معلوم قریبے عام ہو چکے تھے۔ اسی صورت حال کا تاریخی میں نظر ہے جس کی صداقت اور اہمیت آج بھی مسلم ہے۔

پنجاب اور سندھ کے تعلقات بہت قدیم ہیں۔ یہ علاقہ دہلی سندھ کا میدانی حصہ ہے اور ہندوستان پر حملہ کرنے والی گزراگاہ بھی۔ ان عیسویں میں سے کئی سندھ پر بھی قبائل ہوئے۔ ان کی افواج میں پنجاب کے لوگ بھی شامل تھے۔ جن میں انکھو مشعل خور پر سندھ میں آباد ہو گئے۔ اسی سلسلے میں سکھو عظیم کے دوسرے دور سے گجراتی شہت ملے ہیں۔ آغا قزو کے ماہرین کا بھی یہ خیال ہے کہ چلی خاندان سے لوگ ہجرت کر کے دہلی سندھ

علامہ اقبال کے نقطہ نظر کا سنی مسلک غروی چار نکلیں اور جس طرح ان کے متعلق اس وقت تک اسکا زیادہ لکھا گیا ہے کہ اب ان موضوعات پر اگر کوئی شخص کچھ لکھتا ہے تو وہ کوئی نئی چیز نہیں ہوگی البتہ یہ دوسری بات ہے کہ ان ہی پرانے موضوعات کو نئے الفاظ کے لہجہ میں لکھ کر دے ہوئے علامہ اقبال کا زور رہا دکھانے کے بجائے اپنے دورم اور طرز کا اظہار کیا جائے۔ مگر یہی کرنے سے علامہ اقبال کے متعلق غور و فکر لوگوں کی سطح پر نہیں آتی۔ انسانی نفس اور گاہی کجی سب سے جس کی وجہ سے کچھ لوگ علامہ اقبال کے متعلق کسی سے موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے جی نہیں دیتے ہیں انہوں نے اقبال کے کام کا دوسرے سماجی اور بروانی شعراء کے کام سے مقابلہ اور موازنہ شروع کر دیا اور اسی سلسلے میں علامہ اقبال کو دوسرے شعراء سے بڑا ثابت کرتے ہوئے یہ خیال کرنے لگے کہ انہوں نے اقبالیات میں ایک نئی راہ نکالی ہے۔ مگر انہیں اس عمل کی وجہ سے انہوں نے ایک نیا طبقہ پیدا کیا جو غور و فکر اور اقبال کی عظمت میں اب کوئی کی جاسکتا کرنے لگا۔ اس لیے میں یہ بات ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں کہ میرا کوئی ایسا رد نہیں کہ میں اقبال کے کام کا سندھ کے شاعر لطیف، جاں سرست، شاعر طاہر اور بدیل فقیر کے کام سے موازنہ کروں۔ ایسا موازنہ محض ہے کیونکہ ایک



دست دے کر راست میں آباد کیا۔ سندھ میں بھی  
 ۱۱۰۰ء بہت کم تھے۔ زمین زیادہ آبی، گھن کا شکاری  
 کام زیادہ بہت تھیں تو اس لیے بہت بھی آرائشیں  
 اچھوتی، گھنہ، چالی، کمرلی، کھنڈ، کھوسے، گھاری  
 ہاٹ، راجپوت اور بنگ، دفنی، کلہاڑ، مڑ، کھوی، گھانا  
 اور چھوڑا، پان، راجہ، اسی، اصرہ، چا، شتر، کھوڑ، کھوکھر  
 بک، خالھی، چاچ، گوا، بک، چوڑا، مڑا، چنڈ  
 فاروقی اور گی، مڑ، تھیر اور سید سندھ میں آباد ہوئے  
 اور اب وہ تمام پر گھانا سے سندھ میں ہو گئے اور کرا  
 گھنگی اور میرپور میں کے نام بھی اسی مڑ گھانا پر کرتے  
 ہیں۔ ان تعلقات کو ملتان شہر کی تاریخی اہمیت اور  
 بہاولپور میں ایک سندھی خاندان، گھانا پاتوں کی  
 حکومت نے حریف، متحکم، پانچہ اور چٹا۔

لیکن ان تمام تعلقات کے مطالعے میں  
 روایں صوبوں کے لوگوں کے درمیان اسلام کا  
 مستند اور قطعی دلیل رہا ہے۔ غازی گوہر میں تمام  
 ملتان تک خواجہ کا سلسلہ برقرار رکھا تھا۔  
 عربوں کے آخری دور میں ملتان اور صوبہ میں وہ  
 مسلم حکمران تھے۔ صوبہ سوچا، ضلع ساگڑا کے  
 شہر جھڑا، چہ کے قریب کھنڈاٹ پر واقع تھا۔  
 حکومت جہاد کی قریب عرب قبیلہ کی تھی۔ ملتان کے  
 حضرت بیاد اللہ ہیں، ذکر کیا اسی خاندان سے حضرت  
 ہیں۔ اسی طرح میان میر سیاحانی، قاضی جالپن  
 کے خاندان کے بزرگ اور میں آباد ہوئے۔  
 شہان ضلع ان کے حلقہ تھے اور خاص طور پر  
 شاہجہان اور دارا ان کی بہت عزت اور عقیم کرتے  
 تھے۔

صوبہ نے کرام میں سلطان، جہاد، بابا بیکہ شاہ  
 غولہ، کام لڑے، کا بھی سندھ میں کافی اثر ہے۔  
 بیچا کا صاحب کے قانونی مسئلہ میں مرشد سید

مہا گھار، چٹا، پنجاب کے گاؤں، حکومت  
 سوات، جھنگ، کشمیر، سکوت، چہرے۔  
 شیوہی صوبہ، شیوہی میں اسلامی شخص کا گھرا  
 اثر رہا۔ جس میں سوات، جھنگ، سکوت، چہرے، سوات  
 علی آبادی کا چا کر اور رہا۔ اس کے علاوہ پنجاب  
 سے ایک حافظ اور غازی حضرت سندھ میں آ کر  
 آباد ہوئے۔ یہ صوبہ میں جب ہندوؤں کی شہر میں  
 اور اندہ لڑکی کر تھیں چائیں، قوسہ میں علماء کے ساتھ  
 ساتھ پنجاب کے علماء، علماء اور اکوڑ نے سندھ  
 میں کرم کی مجلس اور میاؤں کی مجلسیں، پادریوں اور کمر  
 قوسہ اور رسالت کے ذکر سے اندہ لڑکی لکھل کو  
 رکھا۔ کارے کی صوبہ میں جہاد پنجاب سے ہزار  
 تحصیل ہوئے اور کرا کوئیں نے اور بیکل کا لایا اور  
 میں تعلیم حاصل کی۔

شیوہی صوبہ کے چہرے حضرت کے شہر  
 میں شہر اور تحصیل ہوا جس کی چہرے کا کافی تعداد  
 میں چٹا، آباد کیا، سندھ میں آباد ہوئے، غازی طور  
 پر نہایت چٹا، جہاد اور زمین سے محبت کرنے  
 والے کا شہر کا جہاد ہوئے۔ ان کو بچا کر کی حیر  
 سندھ پنجاب خاص طور پر بیکل، گھنڈرگ کے بارہ  
 پلاس کے چہرہ پادی صوبہ سندھ میں آباد ہوئے۔  
 ان رسالت کے مقرر ہندوؤں کی کوٹھل سے پنجابی  
 ہندو ساواکار، دیر اور بھی سندھ میں آئے جن میں  
 زیادہ تعداد کھنڈ میں تھی۔ ان کی تبلیغ کے سبب کی  
 گھاری ہندو، بک، شہا، پتہ میں شامل ہوئے جن  
 کے گھنڈے کو سندھ میں جہاد کہا جاتا ہے۔

انیسویں صدی کے آخر تک سندھ میں  
 طاعت کا کوئی خاص احترام، انتظام نہیں تھا۔ تو  
 بہت بددست اگر تھا بھی تو وہ بہت ہلکا تھا۔ اس  
 لیے قرآن کریم اور اہم دینی کتابیں عام طور پر

۱۱۰۰ء یا اس سے پہلے ہی چلی گئیں۔ بیکہ سوات  
 بھی جیسے جیسے جاتے تھے، بیکہ پانچ اور سوات ہندو میں  
 بیکہ رہ گئی تھی۔

سندھ کا کھنڈی سے ملحق ہوا کراچی سے ۱۱۰۰ء  
 تک رہے کی قوسہ ایسے اہم واقعات تھے جس کی  
 چہرے کراچی میں اور تعلیم شروع ہوئی جو ہندو میں  
 چہرے سے شہر میں حاصل ہو رہی تھی۔ اس کے  
 ہر کتاب کا گھوڑا یا چٹا نہیں لڑا، ہوئی۔ ان اسکولوں  
 میں اور صاحب بھی شامل تھا، خصوصاً ابتدائی دور  
 کے قریبی لڑکے جو بہت متہیر ہو چکے تھے۔ اس کے  
 علاوہ سندھ کے کئی اور چٹا، شری طوم کے وصول  
 کے لیے دلی اور ۱۱۰۰ء جاتے تھے۔ جہاں عام  
 اقبال کی ان بھٹیوں کا چہرے ہوتا تھا، وہ ان بھٹیوں  
 اسلام آباد کی سلاؤ اور تجربہ میں چہرے تھے۔

چند اور چٹا نے تو عام اقبال کی خدمت میں  
 حاضر بھی دلی۔ ان میں سے سوات، دلی، کراچی  
 مرحوم اور مسٹر جہاد، دلی، قریب، سوات  
 کچھت کا چٹا ہے کہ وہ دلی سے ہزار، تحصیل  
 ہونے کے بعد اور بیکل کا لایا اور میں داخل  
 ہوئے۔ ایک دلی، بیکل نے ان کو گھنڈا، کراچی، عام  
 اقبال کی خدمت میں جائیں اور انکی اجازت کے  
 مسئلہ اور حلقہ، ان، ملتان کے ضلع میں قریب، عام  
 کی کتابوں میں مستحق حوالے حاصل کر دی۔

سوات، مرحوم، کراچی، دلی، بیکل، عام اقبال کی  
 خدمت میں آتے جاتے رہے، اور حوالے جاتے اور  
 ان کے قریب اور تحصیل کا کام کرتے رہے جس کا  
 ثبوت اور بیکل کے سے رہا ہے جو عام اقبال نے  
 ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو دیا  
 تھا۔

اس میں حضرت میں عام اقبال کے سندھ میں



شہریت کے اہلیوں کو نکال دینے میں بھی ہندوستان کے سیاسی حالات میں مسلمانوں کے ایک بڑھاپے کی حیثیت سے ہندو اقبال نے جو بڑھ کر ادا کیا اس نے ان کو سندھ میں کافی تحریک دیا۔ بنگالی سے علیحدہ ایک صوبہ کی حیثیت حاصل کرنے کے لیے سندھ میں وسیع پیمانے پر تحریک چلی۔ اس جدوجہد میں جن مسلمان اکثریتی نے حصہ لیا ان میں سر آغا خان اور کاظم کے ساتھ ہندو اقبال بھی شامل تھے۔

ہندو اکثریت پر قبضہ اقتدار کے نتیجے میں 1888ء میں سندھ کو بنگالی میں شامل کیا گیا تھا کہ ایک طرف ہندو غدار قرار دے تو دوسری طرف مسلمان جو اکثریت میں تھے، کڑو ہو گئے۔ علیحدگی کے لیے سیاسی طور پر تحریک 1903ء میں شروع کی گئی تھی جس کے ابتدائی دور میں قوم پرست ہندو شامل تھے لیکن ہندو میں اس تحریک کے بدترین اثرات سے کچھ کیلنگ نہیں بچیں جو کہا تھا کہ اس تحریک سے سندھی مسلمانوں کی بھاری بھور کے علاوہ ہرے ہندوستان کے مسلمانوں کا سیاسی مستقبل بھی بے بسی تھا اور کئی ہندو سربراہ مسلمانوں کے اتحاد کے لیے سندھ کا علیحدہ صوبہ بنانا ضروری تھا تاکہ مسلمانوں کی سیاسی قوت میں اضافہ ہو۔

ہندو اقبال نے آزادی میں دسمبر 1930ء کو کل جو مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے جو تحریک کی قیادت میں انہوں نے سندھ کو علیحدہ صوبہ بنانے کی بڑا دعوای کی تھی۔ یہ تقریر ہندوستان کے سیاسی مسائل پر سیر حاصل بحث کے علاوہ مسلمانوں کے تاریخی کردار اور اسلام کے روح پرور اور تاریخی پیغام کا پورا پورا غور سے اس تقریر میں ہی ہندو اقبال نے پورا حیرت انگیز کی تھی کہ

ہندوستان کے شمال مغرب میں مسلمان اکثریت کے علاقوں کا ذکر کر کے ایک خود اعتمادی سے لکھیل دی جانے۔ ہندو اقبال نے کہا تھا کہ اگر آج یہاں نہیں کیا گیا تو آج کے بنگالی کا یہاں انتظام ضرور ہو جائے۔ ہندو اقبال نے اعجاز کیا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی جدوجہد سے بے ریز ہوا ان میں کریں گے جس کے مطابق کم از کم سندھ کو علیحدہ صوبہ بنانے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ بنگالی بڑے بڑے پٹائی سے سندھ کی کوئی بھی بات مختصر کر گئے ہیں۔ جو فی اور تعلق لڑاؤ سے سندھ صوبہ بنایا (مراقب) اور برہمن سے نمائندہ رکھا ہے۔ مسلم بغاوتی داس لکھو دی نے بہت چیلنگی مطالبات کا ذکر کیا اور کہا تھا کہ سندھ ملک عالم اسلام کے بہت قریب ہے۔ خواہ کے پہلے سکران نے کہا تھا کہ سر کی بیڑا تحریک کی طرف ہے اور ہندوستان کی طرف ہے۔ جو فی اور بھول سے یہ کہاتے سندھ کے حلقوں کی گنجائش ہے کیلنگ اس کی بیڑا ہندوستان کی طرف اور ہندوستانی انڈیا کی طرف ہے۔

سندھ کے دہلی سربراہ کی قیادت میں دیکھتے ہوئے جن کے لیے بنگالی سربراہ کو کوئی ہندو ہی بھی نہیں ہے اور اگر اپنی بدگمانی اور لڑائی کی وجہ سے تجارت میں حلقہ قوتی کے قیامی نظریہ غیر دانشورانہ اقدام ہو گا کہ سندھ کو بنگالی سے ملے رکھا جائے۔ فی آزادی بنگالی سربراہ کا رویہ بدستور ہے۔ لیکن بددلت، جس جہان میں دشمنی پیدا ہو سکتی ہے۔

یہ سندھ فتح علیہ علیہ سندھی نے 1931ء میں مشفقہ کل بدستور مسلم کا غرض کے انہوں میں فی کیا تھا جس کی صدارت ہندو اقبال نے کی تھی۔ اس کے بعد کل بدستور غرض میں بھی

ہندو اقبال نے اس مسئلہ کو کے 1935ء کی حکومت ہند کے ایک کے مطابق 1937ء سے سندھ کا الگ صوبہ وجود میں آیا لیکن اس میں مسلمان اکثریت کا وہ بڑا حصہ ایک طرف دوسری اسلامیات کے نتیجے میں ہندوستان کو آزادی سے زیادہ نفسیاتی دی گئی تھی اور دوسری طرف مسلمانوں میں قومی سطح پر اتحاد نہیں تھا۔ ہندو اقبال نے جو فیہ خطوط کا نام لکھے ان میں دوسرے صوبوں اور کئی ہندو سربراہ کے سیاسی معاملات کے ساتھ سندھ صوبہ کا بھی ذکر ہے کہ کیسے صوبائی اسمبلی میں مسلمان نمبروں کی اکثریت کو فعال بنایا جائے تاکہ مسلمانوں کے اتحاد کی پوری طرح حقیقت کی جانے۔

تحریک پاکستان کے دوران ہندو اقبال کا کام سندھ میں عام ہو گیا کیلنگ ملی گڑھ کے استاد اور شاگردوں اور کل ہندو بنگالی کے سیاسی رضاؤں نے اپنی تقریروں اور تقریروں میں اقبال کے کام اور فکر کا صحیح طور پر استعمال کیا تھا۔

ہندو اقبال کی کئی شخصوں کے سندھی حکومت قریب چھپ چکے ہیں۔ نیز ہندو اقبال کی ابتدائی دور کی شاعری میں ایسے حروف کے ساتھ رنگ میں روحانی خیالات ظہور آتے ہیں۔ اس دور کا کام "ایک دہا" میں دیا گیا ہے۔ ہندو اقبال اس دور کے استاد کے بابت خود فرماتے ہوئے اور اس کو اپنا چکا ہندو کہتے تھے لیکن ہنگ داس کی بہت سی تعلیم مرکزی خیال اور انسانی خواہش کے سبب سندھ میں قبول ہو گئی۔ کیلنگ اس طرح کے خیالات اور صحیح سندھ کے قدیم شعراء، شاعر، مہا اعلیٰ بنگالی اور بنگالی سرست نے اپنے دور پر دور دورہ ہندو کام میں ظاہر کئے ہیں۔ کائنات کے بچے بچے







کا اقبال شائع ہوا۔ یہ علامہ اقبال کی حالت کا ذکر نہایت علم و اندوہ کے انداز میں تحصیل سے شائع کیا گیا تھا۔

مشرق اور مغرب میں ہر دن سے غصہ منظرِ قلبی، عالم اور فکار کی بے پرائی اور حالتِ اقبالی صبح پر ہوتی ہے۔ علامہ اقبال کی بے پرائی ان کی زندگی کے دوران ہی ہوئی تھی اسی طرح ان کی حالت بھی کافی ہوئی۔ شعراء اہل زبان اور مذہبی رہنماؤں نے ان پر سخت تنقیدیں کیں۔ علامہ اقبال نے خود اعلان کیا تھا کہ انہوں نے شاعری کو پیش کے طور پر اختیار نہیں کیا۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ اس کے بعد خاص خاصہ صدمہ ہیں۔ جس کو ملک اور قوم کی ضرورت کے مطابق عام تک پہنچانے کے لیے شائع کیے تھے۔

علامہ اقبال نے کبھی بھی مذہبی معاملات میں رعب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ وفات کے بارے میں اور رسولوں سے اس کی عداوت نہ ہوئی تھی اور ان سے انہوں نے کچھ مذہبی معاملات تحصیل سے گھٹے کی کوشش کی۔ بہر حال علامہ اقبال نے وفات کے مذہبی مطلق میں پہلی بڑا کر دی۔ ذخیرہ جہاد، علم سے تو واقف تھے لیکن جہاد اور کے قیاموں میں اس کی ضرورت تھی۔ علامہ اقبال نے علامہ کے کام سے جہاد قلیل اور معارف کے اصول معلوم کیا اس کے علاوہ ہندوستان میں اسلام کے تاریخی کردار اور مستقبل میں ملتِ اسلام کے مقام سے آگاہی

موصول کی۔

1935ء میں کراچی میں کوچیان بھاری مہم اقامت اور انیسویں میں ایک ترکمان بھاری اور پچھلے برسوں رسول اللہ کی شخصیت میں ملی انترجہیب شعراء اور راج پال کوئی کیا کیونکہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب میں منجالی کی تھی اور ایسی کتابیں شائع کی تھیں۔ علامہ اقبال اس واقعہ سے بہت حائل ہوئے تھے۔ آپ کے تاثرات غریب حکیم میں شامل ایک علم سے ظاہر ہوتے ہیں جس کا عنوان تھا "اور اور کراچی"۔

نظرِ حق پر دکھتا ہے مسلمان لیو صحت کیا ہے ہے فقہ عالم صحت کا سفر آہ آہ مرد مسلمان تھے کیا یا نہیں حرفِ فادح مع اللہ الاھا آہ آہ خندہ کہ دانا باخندہ علامہ آئی آئی کاخندہ علامہ اقبال کے شیعہ تھے۔ مطلق اعظم مسلمان سلطان کوئی اپنے ہمسایوں میں علامہ اقبال کے شعراء اکثر استہلال کرتے تھے۔ یہی علامہ اقبال کی سرحدی (مناجی مسلمان) اور سورۃ نظام کو کرائی مرحوم کی تقریروں میں علامہ اقبال کے اندر کالی مستقل نظر آتے ہیں۔ اسی طرح سید علی اکبر شاہ (سید جلال) اقبال سے بہت حائل تھے۔

مولانا عبد الواحد ندوی نے بھی اس کا علامہ اقبال کی عقل میں فریک ہونے کا موقع ملا نہایت کی ہے کہ حضرت مولانا علامہ اقبال کی مرحوم رب چاندنی راقیہ میں سب کے گھر میں احزاب فرما

ہوتے تھے تو علامہ اقبال کے حضور آگاہ ہوا۔ شہداء اشعار گھنگھٹا رہتے تھے۔ ان کی آواز میں اور اس بھر بھی اور اس پر سکون ماحول میں اقبال کے اشعار کے سبب سبب کیفیت پڑا ہو جاتی تھی۔ علامہ اور یہ حضرت باگھی اپنے وقت اور تعلیم میں بھی اقبال کے اندر استہلال کرتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد جہاد اقبال اور اقبال انکاد کی پاکستان کراچی کی طرف سے علامہ اقبال کی تعلیم و نظام کو کام کرنے کے سلسلے میں قابلِ ترقیب دستاویز کوششیں کی گئی ہیں۔ انکاد کی جانب سے دوسری علامہ اقبال کے ساتھ ساتھ سندھی میں بھی علامہ اقبال کی زندگی پر ایک جامع کتاب جہاد اقبال شائع کر دی گئی۔ یہ کتاب جہاد مسلمان کا "آئینہ مرور" ہے۔ اس کی چھاپہ کراچی "قوم شرقی" کے مکتب سندھی تراجم شائع کرانے لگے۔ یہ کام نہایت محنت نگاہ اور حدیثِ مادی سے مرہوم لفظ اللہ بھائی نے سرانجام دیا۔ علامہ اقبال کی حکومت پاکستان کے ذیلی ادارے پاکستان علی گشت نے اس پر درود کا بیجہ و بیجہ مکتب سندھی تراجم شائع کرنا شروع کیا۔ اس کی محنت کا ثمرہ قراور جہاد تھیں زندگی نے تو اقبال کی تعلیم و پیام کو سندھ میں عام کرنے کے لیے قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ انکاد شیعہ اور اہل سنت نے بھی سندھ میں علامہ اقبال پر کتاب لکھی ہے۔

☆☆☆☆☆



# سرائیکی زبان میں اقبال شناسی کی روایت.....مجموعی جائزہ

نازک فہرید

جنوبی پنجاب میں اقبال شناسی کا دائرہ ممتد و متنوع سماج تو ہوتا چلا گیا۔

علامہ اقبال نے فکری اعتبار سے بھی سرائیکی زبان کو جو اثر کیا ہے جس کے بموجب اس زبان کے شعری، ادبی، ادبی ادب میں اقبال بھی کا ایک اہم باب قائم ہوا ہے۔ اس کے بنیادی محرکات خود علامہ اقبال کے نظریات و تصورات کی جاہلیت، تخیل اور شاعری میں خالص جنت کی مطابقت ہی ہے۔ انہوں نے خیال و عام دونوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ عام حمد اقبال سے فنی کے سرائیکی صوفی شعراء کے خصوصاً دگرگت پر نظر انداز ہے حقیقت انہی سائنس دانوں سے کہ ان صوفی شعراء نے اپنی دینی تعلیمات اور شاعری کے ذریعے جو پیچیدگیوں تک پہنچانے بعد ازاں ان کے مسائل شعری نظریات علامہ اقبال کی صورت میں نمودار پڑے تو اس فکری مطابقت کے تحت انہیں بدل ہی قول نام کا وجہ حاصل ہو گیا۔ ان سرائیکی صوفی شعراء میں حضرت خواجہ غلام فرید کو بلند مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ جن کے کلام کی خوبی و خصوصیت کے باعث ”فریدیت“، ”اقبالیات“ کی طرح ایک مستقل ادبی اصطلاح کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔

غلام فرید (1846ء تا 1901ء) علامہ اقبال (1877ء تا 1938ء) کا شعری ہمارے چرچہ و گفتار سے گزر جانوں عظیم اہمیت شاعروں اور ماہر

سائنس، علامہ اور شعراء اور ماہر کا فروغ اقبالیت میں کردار اہم رکھتا ہے۔

سرائیکی علاقوں میں علامہ اقبال کے سوزی رابطے کا آغاز 1900ء میں ہوا۔ ان دنوں علامہ اقبال اپنے بڑے بھائی شیخ عطاء اللہ کی رحلت کے لیے فائنل سفر میں (لہب) انھیں لے گئے تو اس سفر کے دوران انہوں نے لاہور و اسلام آباد میں بھی کئی دنوں تک قیام کیا۔ ایک دوسرے باقاعدہ رابطے کا انعقاد 1927ء میں ہوا ہے جب علامہ اقبال امیر آف بہار اور سر سادات محمد خان عباسی غامی کی دعوت پر ریاست بہار پر تشریف لائے۔ علامہ اقبال کے ان سوزی رابطوں کو جنوبی پنجاب کی شخصیات سے تعلقات کی ابتدائی کڑی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جنوبی پنجاب کی شخصیات سے رازداری یا ذاتی طبعی اور ادبی شخصیت انہی ہیں جنہوں نے علامہ اقبال سے ملاقات کے علاوہ علامہ باقاعدہ ملاقاتیں بھی کیں۔ فنی رابطے رکھنے والی شخصیات کے نام علامہ اقبال نے بطور نمونہ دیے ہیں وہ زیادہ تر سیاسی، علمی، ادبی اور فنی نوعیت کے معاملات پر مبنی ہیں۔ ساتھ کے گنگہ جگہ، غلام احمد داس، مکاتیب، کتب رسائل اور اخبارات میں ملتی اور چھپتی ہیں۔ عام ان میں سے بعض غلام احمد فیروز خان بھی ہیں۔ چونکہ یہ شخصیات بعض حوالوں سے خاص حلقہ اثر رکھتی تھیں جن کی وجہ سے

کلام اقبال کے قلمی اثرات اور فکری ہم کبری کے باعث عالمی سطح پر علامہ اقبال کی شخصیت کا اثرات جس سرعت سے ہوا ہے وہ اپنی دست کے اعتبار سے ایک عربی کلام ہے۔ فکری اعتبار کے پیشہ گوئوں اور فنی جہوں کی دریافت کے اس طرح ان اثرات میں بیشتر عالمی زبانوں کی طرح پاکستان کی علاقائی و قومی ہمراہی زبان کا دامن بھی اقبالیت کی اساس سے دست نہ پڑا ہے۔ سرائیکی زبان کا یہ اقبالیت ادب، مذہب، عقائد، عقائد و عقائد، تصانیف و کتب، کلام اقبال کے عظیم سرائیکی تراجم و نظم و نثر اقبال کے مشہور سرائیکی تراجم اور سرائیکی زبان و ادب پر علامہ اقبال کے اسلوب و فکر کے صوفی اثرات، فنی و فکری میں منظم ادبی روایت کا حامل ہے۔ سرائیکی زبان و ادب میں نصف صدی سے زائد عرصے پر محیط اقبال شناسی کی اس روایت کا اساسی پہلو علامہ اقبال کے ہر گز اثرات اور ازالہ اثرات ہے جس نے ہر طبقہ فکر کو اپنے کلام کی فکر کرنے سے متاثر کیا ہے۔ عام ان روایت کو مزید تقویت دینے میں واسطہ اور واسطہ ہیں دوسرے سبب و عوامل بھی کارفرما نظر آتے ہیں جن میں استاد اقبال سرائیکی علاقوں کی متحدہ شخصیات سے علامہ اقبال کے ہمراہی و فنی علامہ اور علامہ اقبال کی فنی و فکری ہم آہنگی کے علاوہ ادبی شخصیات، فکری و ادبی، جامعیت، ”عالمیت“



روزگار و بچوں کی فکر میں کافی حد تک غفلت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ کام اقبال سے انکی بے شمار شعری مبالغہیں یا آسانی حاشی کی چاکنی چسپائی کی بات یہ کہنا ہے گل نہیں گستاخ علامہ اقبال اپنی شاعری کے عالم شباب میں خواب فریہ کی روحانیت اور شاعرانہ عظمت سے دور تھا اس وقت تک انھیں نے نہ صرف کوہِ مرے کا مطالعہ کیا بلکہ غریب فریہ کے بعض اشعار و قصور سے تڑپنا شروع کر چکے تھے۔ اس بات کا ثبوت مولیٰ نظام مصطفیٰ جسم کے مضمون زیر مضمون "علامہ اقبال سے ایک ملاقات" مملوہ "لہذا" (چالیس سالہ محزون) جلد اولیٰ لاہور 1987ء (صفحہ 801) اور مکتوب اقبال عمر 23 دسمبر 1930ء "نظام مولیٰ صلیح" اور پت قلمی مملوہ "اقبال نامہ" (حصہ دوم) لاہور 1951ء (صفحہ 337) سے ملتا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی تصنیف "نغمہ روا" (حصہ سوم) لاہور 1984ء (ص 618) پر بھی لکھا ہے کہ علامہ اقبال زندگی کے آخری ایام میں غریب فریہ کا کام اپنے ملازم اویس علی سے ہارسٹم پر بنا کرتے تھے۔ علامہ اقبال سے لاہور میں ملاقات کرنے والی جنوبی پنجاب کی شخصیات سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ ملاقات کے دوران علامہ اقبال ان سے کام لے کر خانے کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ چونکہ غریب فریہ کے شریح، محترم کام کے خصوصیات، ڈاکٹر و قصورات سالہا سال سے لوگوں کے ذہنوں میں رائج ہو چکے تھے اس لیے کام اقبال کی صورت میں وحدتِ اشعار کے تمام شاعری مومنے سامنے آئے تو انھیں جلد ہی غریب سے کام لے کر دھل گیا جس سے سرانگیں ادب کی مختلف جہتوں میں فکری اقتدار سے اقبال شاعری کی فکر کیلئے ختم ہوا۔

فردغ اقبالیات کے لیے ماحول سازگار خانے میں جنوبی پنجاب کی علمی و ادبی گلیوں کا چراغ ہوا ہے۔ ان میں "نور اقبال" کے نام سے قائم ادبی گلیوں کا بنیادی حصہ مرے سے ہی علامہ اقبال کی ہر فکر کی ترویج و اشاعت ہوا ہے۔ جنوبی پنجاب میں ایسی ادبی گلیوں کا سراغ بھی ملتا ہے جو علامہ اقبال کی زندگی میں تشکیل پا چکی تھیں۔ اور اس دوران انھوں نے تقریبات کا اہتمام بھی کیا۔ تاہم یہاں اقبال پایا، اقبال کے سلسلے میں ہونے والی زیادہ تر تقریبات وفات اقبال کے بعد اشاعت پر مبنی ہیں۔ ان ادبی گلیوں اور نگاروں کی تشکیل و فعالیت میں ابتدائی کاوشیں خود علامہ اقبال کے دیرینہ دوستوں، ملاقاتیوں اور شاگردان اقبال نے کی ہیں۔

جنوبی پنجاب میں فکر اقبال کو کافی سطح پر مقبول و متعارف کرانے میں یہاں کے شریانی اداروں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ریلوے پاکستان، مکان اور ریلوے پاکستان، ہواد اور ایسے شریاتی ادارے ہیں جن کی ملاقاتی شریات کے ذریعے نظام اقبالیات مگر گھر تک پہنچا۔ اس حوالے سے یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان اداروں کی ریلوے شریات کا آغاز 1970ء کے بعد ہوا ہے اور سرانگیں زبان کے اقبالی ادب کی کثیر تعداد بھی اسی سالوں میں دستیاب ہوئی ہے۔ حوالہ داس باحوالہ کا لکھنا اور سکولوں کی سطح پر چھانے جانے والے تصانیف میں اقبالیات کے مضامین تشکیل اور اس میں قائم ادبی مجالس، گلیوں کی تقریبات، انوبلی پنجاب سے نکلنے والے اشعارات و مجلات کی خصوصی اشاعتیں اور مختلف مکتب ہائے فکر سے تعلق رکھنے والی علمی ادبی اور دینی شخصیات کی کوششیں اور دیگر نئے نئے

اسباب و احوال کی جامع سرانگی زبان کا یہ سارے سال تک فکر اقبال کی سرانگیزی کے بہتر پہلو ہیں چھوڑا ہے۔

"سرانگی زبان میں اقبال شاعری کی روایت کا جو یہ کیا جانے والا ہے ایک اہم کام درجہ حکومت کے حوالے سے ملتا ہے۔ حقوق عوامانہ اور شاعری کی بیشتر اشاعت میں کی جانے والی ان حکومتیں سرانگی زبان کے شعراء و شاعرات کے علامہ اقبال کی تحریف و توصیف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ فکر اقبال کی مختلف جہتوں کو بھی اہم کیا ہے۔ نظام حیدر خیر کی نظم "علامہ اقبال" مضمون "تقریم" (شعری مجموعہ) 1967ء سے اس امکان کو تصور کرتی ہے کہ سرانگی زبان میں دس اقبال کو پیدائش 1967ء سے آگے اپنی کی قلمی جس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دیگر اشعار ہوا۔ ڈاکٹر اقبال میں جاری حقیقت پیش کرنے والے ان خوش فکر شعراء میں عبدالعزیز شکر پوری، جاوید اقبال، خانہا، کام جہاں، ڈاکٹر کمالی، ارشد ملانی، خالدہ نوشین، نصیر سید، سائوڈی، جاوید ملانی، سید امیر عباس، ڈاکٹر نور محمد، ملک اسید ملانی، جواد اعلیٰ، مہتمم، مبین، رضا کریم، بی بی محمد اسلم، ملک اقبال، من جہاں، نور جہاں، کے نام شامل ہیں (ناموں کی ترتیب اشاعتی اقتدار سے ملتی ہے) انھوں نے متعدد عجیب و غریب ناموں کے تحت شاعری شعری مجموعوں اور سرانگی زبان کے دیگر اشعارات، رسائل میں جکا ہوا فنکارانہ تخلیق کرتی رہی ہیں۔ یہ نظمیں محکم سرانگی ادب میں حقیقت اقبال کا کافی سرائی تشکیل رہا ہے۔

سرانگی زبان میں ان حکومتوں سے کہیں زیادہ دلچسپی کا مرکز کے حوالے سے ہوا ہے جس میں



















اقبال شاعری کا سراغ جن اوراق میں لگا ہوا ہے۔  
حقی طور پر دیکھیں تو اس کی شروعات سوئی  
ہوں۔ ان سے پہلے کے اوراق میں بھی اقبال شاعری  
کے امکانات کو دیکھیں کیا ہاں نہ ہو۔ لیکن سرائیکی  
زبان میں اقبالیاتِ عرب کے جو قدم لیٹے پارے بھی  
صور سے سر بہ ستیاب ہیں ان میں سے بعض کے گنگ  
زبانوں کا تھیں کرنا بہ مشکل ہے۔

سرائیکی زبان میں ایسے شاعر ہیں جو ان  
نے بھی علامہ اقبال کے حوالے سے خاص فرمائی کی  
ہے جن کی مادی زبان سرائیکی نہیں ہے۔ اسی طرح

ہے جو شاعر کہ اپنے بھی ہیں جنہوں نے ایک وقت  
سرائیکی اور اردو میں اقبالیات پر کام کیا ہے۔ اپنے  
شعرا وادھار کا تعلق زیادہ تر طوائف و قصیم پانٹ جاتے  
ہے۔ کیونکہ تعلیمی نصاب میں ہر سطح پر  
اقبالیات سے حلقہ ہواد کی موجودگی مستحکم اقبالیات  
ذرائع اور دیگر عوامل نے زبانِ غالب علمی ہی میں ان  
کے ادب کو اکسیر کرنا تھا۔ جن کے اثرات عمر کے  
شعری جھمکے میں کرشماتی کی صورت میں نمودار  
ہوئے۔ علامہ اقبال کے مگر یہ اظہار سے چندہ طرز فکر  
رکھنے والے شعرا وادھار ہی زیادہ تر متاثر ہوئے

ہیں وہ سرائیکی حکمرانوں کی اکثریت آج بھی  
وادی و اگر پہاڑی رہی ہے اور مصری شخصیت سے  
مطابق ان میں تبدیلی کے امکانات بھی بہت کم نظر  
آتے ہیں۔

عربی وادھار میں سرائیکی زبان کے ان  
اقبالیاتِ مصریہ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کے ہاں تو  
مستقبل میں اس کے چاروں پہلوؤں کی بنیاد پر  
حرفِ متکلم اولیٰ روایت کے قائم ہونے کے مدد  
امکانات نظر آتے ہیں۔

☆☆☆☆



ان کے حوالے کا سرائیکی طرز فکر  
عربی سائنس کا دھارہ سرائیکی



شاعروں سے

(خلاصہ اقبال کی ایک طویل نثری نظم کے

ترجمہ سے اقتباس)

خدا اور انسان کے مابین مکالمہ

پیام مشرق سے ترجمہ

خدا

ایک آپ دیکھ سے میں نے یہ جہاں بچا کیا  
 تو نے اس کو غم زدگی اور اداسی کر دیا  
 میں نے اس کی خاک سے فوہوہ بچا کیا  
 تو نے غلوں کا کر جنگ کا سماں کر دیا  
 مرا غش الہاں تھے شاخوں پہ میں کی خود دہی  
 کات دانا وہ غم مٹا کر اداسی کر دیا  
 ہر فوہوہ سے کر کے تو نے قادیان گھس  
 طائر آزاد کا ہر اس کو زندہ کر دیا

انسان

دلت بچا کی ہو تو نے کس قدر چاہا ہے  
 اک دے سے میں نے خود اس کو فوہوہ کر دیا  
 تو نے جو دیا چلنے سے وہ ہے مٹی کا ڈھیر  
 میں نے ہیں تھپ تھپ مٹی اس کو چٹایاں کر دیا  
 کیسے بے دہائی چٹایاں ہیں یہ جیسے کوہ و دشت  
 جیسے دیروں کو میں نے لگی چٹایاں کر دیا  
 جوا ہر کر کے جھل میں نے چھو کر دیا  
 زور کو لگی جیسے میں نے چم لپٹ کر دیا

☆ ☆ ☆

اسے کہ تو کبھی میں اپنے دیکھتا ہے غرض  
 دیکھ جہاں زندگانی ہے ہنک کر اپنا مٹی  
 غم مٹا میں بچتا ہے مٹی کی دھیر  
 میں طرح مٹی چلتی ہے کڑک سے دھیر  
 مٹی وہ غم مٹا ہاتھ شہر و ادب  
 تھک کر لگام ہے کہ ہاتھ لگ کر سونے ادب  
 ہر تو سلطانے ادب کو اپنا دے سے پورا  
 تاکہ ہر تھپ مٹی ہو کج ادب میں ہم کر  
 پہل بیتان نظم سے تو نے میں کو دیا ہے  
 تو بہر ادب و اداسی کا بھی مٹی دیکھا ہے  
 اب ارا تاکہ کڑی صرا سے لطف انداز ہو

ہاتھ دھیر مٹی سے لطف انداز ہو  
 گرم آغوش چٹایاں میں لگی دم ہر اس کے دیکھ  
 کیا حرا ہے ہر سر کے قبیلے کا کے دیکھ  
 مٹی تو نے کیا ہے نرم دھیم ادب کی  
 آواز کرپاں کا بھی تا غم مٹی  
 رنگ مٹی پر دھس کر کے چٹایاں ہوتا رہا  
 پہل کی ہاتھ چٹائی اس سے دھما رہا  
 دشت میں آد دیکھ سواں پر قدم اپنا دھما  
 پھر دھم کے اندر اب ارا لوط کا

مٹی مٹی پر ذرا ہوا دھیم کب تک  
 گھٹاؤں، سرلوہوں میں لٹیں کب تک  
 اسے کہ جیسے دم میں آکر ہوا ہے ارہو  
 دھم اپنے آٹھانے کے لئے کوہ ہوا  
 آٹھانے جس کے پہلو میں کڑک مٹی کی ہو  
 جس کی ریت ہر کے سکھ کو بھی شہر مٹی ہو  
 تاکہ ہر میں ہاتھ تو چٹایاں بچا ہاتھ  
 ہر میں دھم تھے سواں دیکھ ہر حیات





کرم بی بی



علامہ محمد اقبال

اقبال اور بیگمات اقبال



مختار بیگم



سردار بیگم



پروفیسر فریٹس ہول (1854ء-1936ء)

(اقبال کے مقابلہ کے لئے ڈاکٹریٹ کے مقالے)

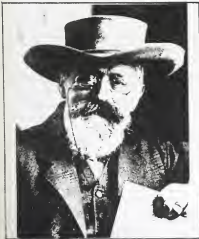
المعروف

خالق کرائی ہے (بڑاں بڑاں، مظلوم بڑاں،  
1991ء۔ 1997ء) جس میں انھوں نے اپنی  
زندگی بھر کی محنت کو بڑی شجارت کے ساتھ لکھا  
کر دیا ہے۔

نہایت ہی پرہیزگارانہ دینی  
معاذ سے تعلیمی ملاقات ہوئی اور ان کی علمی

انھیں "سویا" (شہرہ یحیٰی) میں شائع کروا دیا  
 ہے اپنے مقالہ کا ایک نسخہ ارسال کیا تھا۔ جس کا  
 انھوں نے حوصلہ افزاء جواب لکھا تھا۔ پرنٹرس  
 صاحب علوم اسلامیہ پر جانچگیر غریب کے مالک  
 ہیں۔ حالی ہی میں انھوں نے انتقالی دور اسلامی  
 میں نہ ہی تھوڑا سا تاریخی پرچہ خیمہ جلدوں میں

مشرق و مغرب کے اتصال کی مٹی  
 دیوارات پر چھیننے کیلئے ایسی خاموشی سے راقم کو  
 "DAAD" (ڈی اے اے ڈی) کی جیل بندی کیلئے سے  
 نواز رہا تھا کہ ساتھ ہی اپنے ملک کی جو ماحول  
 فاضل طبیعات کو بھی چادر کر چکا کہ ماحول فاضل  
 کی فرائض، عمومی راہنمائی اور ماحول سے کیلئے ان  
 سے رابطہ کیا جاسکے ان میں ایک پروفیسر آغا جی  
 مطلق صاف تھیں جو پاکستان کے مٹی ماحول میں کسی  
 طرف کی تھی انھیں ان دنوں دوسری کی کیسٹ  
 پر (جی) پرست انش چھائی تھیں۔ ان  
 نے میں سے وقت فراغت کے لئے ایک کلاس کے  
 لئے چھ دنوں کی جوار خور۔ دوسروں میں کرا  
 کی تعلیمات میں میں اپنے کمرے آراہی تھیں ان  
 لئے ان دنوں میں ان سے انتظار اور ملاقات کے  
 مواقع بھی ملتے رہے۔ ان کے علاوہ دوسرے  
 صاحب پروفیسر جعفر خان (Jaffer Khan) (1940-  
 2010) تھے جو لوگوں پر تعلیمی کے علاوہ ایک  
 طویل تاریخ سے وابستہ تھے۔ ان کے علاوہ  
 تھے سب سے پہلے ان سے ملاقات ان سے مجھ  
 نے ان کو آغا جی سے کیا۔ ان سے ان کے پروفیسر  
 جعفر خان (Jaffer Khan) (1940-2010) سے ملاقات  
 ان کے علاوہ ایک ماحول فاضل (1940-2010) سے  
 ملاقات ان کے علاوہ ایک ماحول فاضل (1940-2010) سے  
 ملاقات ان کے علاوہ ایک ماحول فاضل (1940-2010) سے





دعوتوں نے آن والد میں میرے تھوڑے بڑے صوفیانہ رنگ اور جیسے کئی کدو کر دی۔ میرے ساتھ قربات کی دھند سے بریلیں، بانجیل برنگ اور جیسا کہ کتب خانے علم شرق پر کام کرنے کے معاملے سے زیادہ ملید ہیں، لیکن ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ یہاں کی پختہ دینی لائبریری میں کتاباں اور ذخیرہ مخطوطات و دستورات کثافت پڑا ہوا ہے۔ یہاں شاید یہ بات دلچسپی کا باعث ہو کہ جنگ عظیم دوم کے موقع مملکت سے مخطوطات رکھنے کیلئے بریلیں کے مرکزی کتاب خانے کے تمام اعلیٰ سطحوں کو جن دو شعبوں کے تہ خانوں میں رکھا گیا تھا، انہیں ایک ہی جگہ قرار دیا گیا۔ ۱۱۱۱ء۔ ۱۰ اپریل میں اردو کے بعض محققین (اساتذہ علم و ادب) نے مولانا آزاد کو بتایا کہ ان کے پاس ایک کتاب ہے جسے اے ایف جے خانے سے حاصل ہوا اور وہ اعلیٰ سطحی فضول کا کوئی نیا اور جدید نسخہ کی قلم برداشت کتاب "کرلی کتا" کا دوسرا نسخہ تھا۔ انہوں نے اس کتاب سے ہم سے مل کر ایک نسخہ بنانے کی بات کی۔ یہ تمام ذخیرہ بریلیں کے مرکزی کتاب خانے کی قیصر کدواست میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ بات اتنی قیمتی ہے کہ بریلی کے انکون شوی جنگ کی یادگاروں کا نشانہ بن گئے۔ لیکن انہوں نے "میراثہ قلم" کا ڈیٹا بنانے والی اساتذہ زبانوں کے ان اعلیٰ و نازیکی بریلی منتقلی کے پانچ سو پندرہ سو سال سے پہلے ۱۱۱۱ء کی لائبریری کے علاوہ لیکن پختہ دینی لائبریری کے بڑے محترف تھے لیکن ان کے خیال میں یہ بریلی کی چند انکی لائبریریوں میں شمار کی جاتی ہے۔ جہاں علم شرق سے تحقیقی کتابچہ اور دیگر صوفیانہ موضوعات پر کتابیں دستیاب ہیں اور ان سے استفادہ کرتے کیلئے اپنی آس پاس چھپا کر دی گئی ہیں کہ ہم ان کا قصہ بھی اپنے ملک میں لکھ سکتے۔

پروفیسر مصطفیٰ کی علامت اور جوصل خود گفتگو کا ذریعہ ہوا کہ ان کے ادارے سے سچا پختہ دینی لائبریری بنانے اور ان افراد سے خارج پروفیسر صاحب کے خیال میں میری طرح اور علمی معاونت کر سکتے تھے۔ انہی اصحاب میں ایک ڈاکٹر گیارگ ہولڈن (Gierg Bunnann) بھی تھے، جو شہرہ فرشتہ (شہرل ہولڈن) کے سربراہ تھے (گوشو سال اس مہرے سے ریچر ہوئے ہیں) اور مشرق وسطیٰ اور اٹلی انڈیا سے تحقیقی ذخیرہ رکھتی کتابوں اور علم شرق سے تحقیق یہاں مخطوطات رکھنے والے کے مشائی ذخیرہ کی تعداد میں بھی چار کرتے تھے۔ اس ذخیرہ کے اس بارشلی مضمون کی نگاہی واضح قطع و ناجی طریق سکالرز بھی تھے۔ باقوں باقوں میں نامور بریلی مشرق اور مرحوم قرآن پروفیسر ہالڈن (Rudolf Parry) کا ذکر آپ انہوں نے اپنی عمر کے آخری سالوں میں مطالعہ قرآن۔ اس کے بریں ترہ اور اس کا موضوعی اشارہ پر ترجیح دینے میں صرف کر دیے۔ دو چار سال قبل ہی فوت ہوئے (۱۹۸۳ء) اور اسی شہر کے فوٹا میں ایک پہاڑی واقع قبرستان میں مدفون ہیں۔ بلکہ مرحوم اقبال میوزیم (لاہور) میں کام کرتے ہوئے اس بریں مایہ صم قرآن کا ایک غیر مطبوعہ مسودہ (۱۲۰۰۰۰) بریں نظر سے گذر رہا انہوں نے اپنے ایام جوانی میں اقبال کو ہانڈل برنگ سے تحریر کیا تھا (۱۹۳۵ء) اس میں اقبال کے انگریزی "تعلقات" کا نسخہ موصول ہونے کی اطلاع کے علاوہ ہم صرہ چائے اسلام سے تحقیق بعض اہم انشائیہ تحریر کی گئی تھی۔ چنانچہ عالم نے ہڈی پارے کی حیات و تصانیف کے خلاف کے ساتھ اس اہم کتاب کا اردو ترجمہ جاری شدات اسلام (لاہور) کے مجلہ "العوالم" میں

شائع کروا کر (۱۹۸۵ء)۔ بلکہ کتاب دار پیمان صاحب اردو زبان و ادب سے کچھ کچھ واقف تھے اس لئے انہوں نے اقبال اور ہڈی پارے کے اس ذخیرہ تحقیقی کی حقیقت میں گوری واپس کا اہتمام کیا اور اپنے ہاں کے گورو جتو جت میں مخطوطات کے نقل کا خلاصہ اور صورت کی بھی اطلاع دی۔ اقبال کا ذکر ہڈی پارے کے تمام بریلی سے تحقیقی حقیقت بھی ذمہ لیا گیا۔ میرا کچھ دینی سے تقریباً تین ہائی قبل مدت میں اقبال کو ڈاکوئٹ میں ملنے پر انہیں بھی جب تھوڑے لیکن اس میں اس مقالہ مضمون کے گران اور تحقیق حاصل کا نام آیا تو وہ فوراً خاموش ہو گئے اور چند لمحوں کے بعد اعلان کیا کہ کام کے علاوہ ہڈی کے بارے میں میری مزید معلومات کیا ہیں۔ ظاہر ہے وہ میری انتہائی علمی مطوعات سے غیر مطمئن نظر آتے تھے۔ ہڈی وقت کے بعد کہا ہوئے کہ لیکن پختہ دینی میں ایک صاحب چھانے رہے ہیں جن کے نام کا ایک حصہ ہڈی تھا۔ اپنی علامت سے یکدہ ہی ہو گئے ہیں لیکن ان کی بیٹی رحمت ہڈی اس لائبریری کے قلم میں شامل ہے۔ علم کوں کا کہ ان کے علاوہ اور میرا پختہ دینی کے ہڈی میں کیا تحقیق ہے۔ چند روز بعد حقیقت ہوئی تو وہاں صاحب اس تحقیق کو دریافت کر چکے تھے۔ یعنی اس پختہ دینی میں جو صاحب علم ہے وہ قوال کے حوالہ مضمون کے گران ہڈی ہی کے لڑنے تھے جو رحمت سے فراغت کے بعد اسی شہر میں رہائش پذیر تھے۔ ان کا ذکر تھا کہ اس میں ہڈی ان کی بیٹی کے بارے میں واقف کا اہتمام کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہاں صاحب کی مساعی سے طاقت کا حتام اور رحمت ملے ہو اور ایک سرپر کو رحمت علم کے



میر جواد کے والد سے ملنے میں چار ایکٹوں کا پانچواں واقعہ کے ساتھ ہی مشرقی طاقتوں میں واقع گھر میں داخل ہو گئی۔ یہ طاقتوں کا بھی طریق اور مصلحتات افوا ثابت ہوئی۔ ان سے ملنے کا مکمل مفکر اقبال سے متعلق یعنی ان کے والد کی حیات و تاریخ سے متعلق مصلحت حاصل کرنا تھا۔ لیکن اقبال نے بہتر سہولتوں کا وہ ہر قسم کی ان سے ان کی فطرت کا کڑکٹ نہیں کیا اور ان کی عبادت و سہولت کا پانچواں واقعہ درست نکلیں۔

میر جواد اہل کراچی سے ملے آئے رہتے تھے۔ ان دونوں میں وہ آخری کے معروف کارکن تھے۔ 1855ء-1908ء کا قلمی ذکر کرتے رہے ان سے نفی کا کلام اور مختلف افواہات اور آئی گئی اچانک کے بعد مذکور کی نسبت میں میر جواد کے اختلاف پر انہوں نے ان کی باتیں بالکل بالکل کراچی کے والد نے بھی اقبال ہی کسی شبہ کی بنا پر اظہار کیا ہو۔ جو چند بحثوں کیلئے یہاں نہیں

ظہر ہو اور ان کی بات کے ساتھ حاصل کرتے ہی ان کی بات کیا۔ انہوں نے اپنے والد کے شاگردوں میں خصوصاً میر جواد پر خاص عزت رکھی تھی (1908ء) کا ذکر کیا۔ میر جواد ان کی پختہ دینی میں علوم شرقی کا استاد تھا۔ جب وہ بڑے مسخرف تھے۔ اس نے اقبال کی زندگی میں ہی ان کی اجازت سے ”جام شرقی“ کا ترجمہ کر کے ان کی ہمتی سے اس شاعرت پر یہ بات کہہ کر ان کی باتیں ہی پختہ دینی کی ان کی بات میں محفوظ چلا ہے۔ ان دیکھا جائے تو

اقبال کے متعلق خصوصاً کے گھر میں اپنی کثیر تعداد میں تھی۔ ان کے ہاں چھ بچے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے جس سے میر جواد کے ساتھ میر جواد کا تعلق تھا وہ اپنے گھر میں نہیں تھے سب سے کم عمر تھے۔ ان کا نام جواد سے یہ تھا کہ

ل (Hildebrecht Hommel) تھا۔ سال وادت 1890ء اور وادت 1900ء۔ جن دنوں میر جواد سے طاقتوں کوئی دینی گھر سے کے کٹ چکے تھے۔ لیکن چارے و پھر میر جواد اور اپنی قواد کی مصیبتی کے باعث قوال زندگی بسر کر رہے تھے۔ اہل تعلیم و اہل گھر سے میر جواد کے والد کی داد تحقیق پر ان کے پاس نہ تھیں۔ لیکن پختہ دینی میں ان کی ہمدردی کا پیش اختیار کر لیا۔ کا بیکی لسانیات کے شعبہ سے انور پور پھر میر جواد کے اور اہل مشرق میں مستحق احترام گزریں۔ وہ میر جواد اقبال میر جواد میں ان کے والد سے اپنا تعلق خصوصاً کے سلسلے میں ملے رہے وہ بہت کم عمر تھے لیکن وہ میر جواد کے والد کا انتقال ہوا (1931ء)۔ وہ میر جواد کی آخری عمر میں ملے کر رہے تھے۔ وہ اپنے والد کے تحریر یا بھی انہیں اور چھوڑ دیا۔ ساتھ وہ ان کی باتیں تھے۔ لیکن وہ میر جواد کے والد

اقبال کے والد کے متعلق خصوصاً کے گھر میں اپنی کثیر تعداد میں تھی۔ ان کے ہاں چھ بچے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے جس سے میر جواد کے ساتھ میر جواد کا تعلق تھا وہ اپنے گھر میں نہیں تھے سب سے کم عمر تھے۔ ان کا نام جواد سے یہ تھا کہ

ل (Hildebrecht Hommel) تھا۔ سال وادت 1890ء اور وادت 1900ء۔ جن دنوں میر جواد سے طاقتوں کوئی دینی گھر سے کے کٹ چکے تھے۔ لیکن چارے و پھر میر جواد اور اپنی قواد کی مصیبتی کے باعث قوال زندگی بسر کر رہے تھے۔ اہل تعلیم و اہل گھر سے میر جواد کے والد کی داد تحقیق پر ان کے پاس نہ تھیں۔ لیکن پختہ دینی میں ان کی ہمدردی کا پیش اختیار کر لیا۔ کا بیکی لسانیات کے شعبہ سے انور پور پھر میر جواد کے اور اہل مشرق میں مستحق احترام گزریں۔ وہ میر جواد اقبال میر جواد میں ان کے والد سے اپنا تعلق خصوصاً کے سلسلے میں ملے رہے وہ بہت کم عمر تھے لیکن وہ میر جواد کے والد کا انتقال ہوا (1931ء)۔ وہ میر جواد کی آخری عمر میں ملے کر رہے تھے۔ وہ اپنے والد کے تحریر یا بھی انہیں اور چھوڑ دیا۔ ساتھ وہ ان کی باتیں تھے۔ لیکن وہ میر جواد کے والد



اقبال کا بچے سمجھنے کے ساتھ ایک بار واسطہ عقل قائم رہتا ہے۔ بلکہ برکت نے اپنے والد کے سوانح اور ان کے اہم علمی کارناموں کا عقلی ذکر کیا اور رخصت ہوتے وقت انہوں نے چپ شدہ چھ صفحات کی بھی نقل مرتب فرمائی، جن میں بیباں جرمن فن کے والد کے عقلی صلاحات، مادہ زندگی، تفسیر کے کچے تھے۔ اقبال کے اس سمجھنے کے حالات زندگی بہت کم دستیاب ہیں۔ اس لئے غیر مطور خاندانی رجحان اور اصل جرمن سوانحی کتب کے بارے سے اگلے سوانحیات (ساح شہرہ) جی جی کے بچے نے غایت فرمائی اور پہلی بار سوانح کی بنیاد ہے) مطور ملی میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

پہلی کا پورا نام فرٹس ہائیڈر اقبال فریڈریش (Friedrich) تھا ہے جو درست نہیں۔ اس عقلی کی وجہ یہ ہے کہ فریڈریش ان کے والد کے نام کا مصدقہ۔ فرٹس جرمنی کے ایک شہر آئسن بارگ میں 31 دسمبر 1854ء کو پیدا ہوا۔ اس کے والد یعنی فریڈریش ہائیڈر (1918ء - 1892ء) اسی شہر کے رہنے والے تھے جو کہ والد کی تعلیمی خدمات کو سوسلوج تحقیق جانے والوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ والد کا علم فریڈریش (1757ء - 1824ء) کی ہی تھی وہ والد اور اس سمیت تھوٹ (Fourth) شہر میں اکادمی پڑھانے والی کی عدالت میں کار کے عہد پر تھیں۔ والد فریڈریش آئسن بارگ سے بھی وابستہ تھے۔ ان کے والد فریڈریش فرائی ہائن (1702ء - 1743ء) اور ان کی بیوی مارا کا والد ہائیڈر میں شہر پائی باہم میں آسٹریا کی زندگی گزارتے تھے۔ فرٹس ہائیڈر کی والدہ جو بیسے اعلیٰ محارت کے ایک ماہر اور چار کتب سبکی گولڈن لیڈنگ (1786ء -

1844ء) کی بیٹی تھیں۔ والد کی نانی کا نام لیزا سے ملتا تھا۔ فرٹس ہائیڈر کی شادی 1881ء میں آپولینا (Apollonia) 1857ء - 1444ء) سے ہوئی۔ جو فرانک فورٹ کے لڑائی قبضہ کر ٹیٹل کے گراہگر میں ملازم پلیر کا پڑوس اور مارگریٹ ہوف ہائیڈر کی بیٹی تھی۔ اس کے بطن سے آٹھ بچے (چھ بیٹے اور دو لڑکیاں) پیدا ہوئے۔ جن میں ایک بلڈ سے برکت بھی تھا۔ جو اپنے تمام بچوں بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ ایک اور چھوٹا والد (1887ء - 1944ء) انھیں کی سرپرست کے بعد اپنے اپنی تجربات و مشاہدات کا تفسیر کر رہا۔ اگرچہ نام کی ایک بیٹی کی شادی میسنر کے ایک ماہر تعمیرات جو انورام باب (1884ء - 1944ء) سے ہوئی۔ فرٹس ہائیڈر نے اپنی ابتدائی تعلیم آپ تک میں مکمل کی۔ جسکی اعلیٰ تعلیم کے لئے اسے میسنر گیا پڑا۔ اور طالب علم کے کے پندرہ مہینوں میں مشرق وسطیٰ کی قدیم اقوام کے لسانی اور تہذیبی آثار سے متعلق رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ وہیں بھی لاطینی سوسلوج کے شہرت یافتہ مشائخ تھے۔ لاطینی کی زیر نگرانی ہائیڈر نے ڈاکٹرین کے سند حاصل کی اور اس کے ساتھ ہی میسنر کے سرکاری کتب خانہ میں ملازمت اختیار کر لی۔ جس میں ان کی عمر میں (1877ء) وہ میسنر کے ڈاکٹر میں مانی۔ جہاں کا استاد مقرر ہوا اور ان کے علاوہ لاطینی، فرانسیسی، جرمن، کلاسیک اور جدید زبانوں کی تدریس کی کہ فرانک میں شامل تھی۔ چند سال بعد ان شعبے کے سربراہ اسٹنڈرٹسپ کا انتقال ہوا (1884ء)۔ انہوں نے کچھ ہائیڈر کا تدریس میں آیا۔

1892ء میں اسے پروفیسر بنا دیا گیا اور پروفیسر عمرای حیثیت سے چھ ملا رہا۔ سات سو سال کی عمر میں اس نے اسباب و نکات کا دور سفر دے سب دایمہ اس کی خدمت میں ایک درس خانہ میں (Festschrift) کی 3 جلدوں میں شائع ہوئی (1917ء - 1918ء)۔ ان جلدوں جلدوں میں شائع کردہ پچاس کے قریب مقالات ہیں۔ یادہ تدریس اور ان موضوعات سے متعلق، کچھ ہے جن پر پہلی مسلسل لکھ رہا۔ جلد دوم میں صرف چند مضامین عرب اور ترکی کے قدیم دور پر لکھے گئے۔ عموماً اہل مغرب کی اس علمی روایت کے مطابق اسی آثاروں میں اس علمی شخصیت کے سوانحی کا خاکہ اور فرسٹ سٹاپ اکیڈمی کی مثال کی جاتی ہے۔ جسے چھ کتابوں سے 1917ء میں چھپنے والی ان جلدوں جلدوں میں اس روایت کی پابندی نہیں کی گئی۔ میسنر کا پندرہویں سے سیکھنے کے بعد ہائیڈر کی تدریس اور عقلی خدمات کا مصداق کرتے ہوئے اسے پروفیسر اور پرنسپل بنا دیا گیا (1923ء)۔ اور اس حیثیت میں سرکاری کی موضوع پر پبلشر دیا گیا جس میں اس نے 1917ء میں پرنسپل کے اہل علم کی کثیر تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ وہ سرکاری ملی مشین میں جتنی مصروف رہا اور باوجود 17 فروری 1930ء کی بیماری کی عمر میں انتقال کر گیا۔

ہائیڈر نے کچھ کتب پبلش کیں جن میں میں بعض تو نامی جنہیں - وہ چھپنے والی تعداد میں تھا۔ وہاں مفصل ترجمہ کی تصنیف کے اس کا تمام تفصیلی مواد لازمی زبان میں ہے اور فرٹس کے مختلف ذخیرے سے اسے ملے ہیں۔ ان کی تصنیفات اور مضامین کی ان علوم اور مسات پر اپنے سرکاری نظروں سے اسے اسے مسات پر اپنے



تمام مشرقی وسطا میں اپنے دینی موقف پر اصرار کر کے کسی بدلتی، غلطی، غلط فہمی کو بڑا دھکی آ کر پرکام کرتا رہا۔ عوام، جماعت، صحافت اور اشتراکیت کے معاملے سے اس کا تعلق اپنے عہد کے شخصیتوں میں ہوتا تھا۔ ان موضوعات پر اس کی ہر تقریر، سند کا اوجھڑ گئی تھی۔ اس کے بیٹے نے جو حالات تحریر کئے ہیں (حوالہ دار: ابن کے مطابق) اور مشرق وسطیٰ کی دیگر زبانوں کی طرح عربی زبان پر بھی وحوش برکتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں فلاسٹر (Fleischer) بھی مذکورہ علوم اسلامیہ کی مثال تھا۔ لیکن اس نے اپنی تحقیقات کو نقل اور اسلام عرب سماج کی تاریخ و تہذیب تک محدود کر دیا۔ اس نے "تہذیب اسلام" کے بعض عربی شعراء (مطہر، ہاشمی) اس کی قومی تاریخ (تحریر: عرب) اور گفتگو کے حالات زندگی پر بھی عربی زبان میں "تہذیب و تمدن اسلام" پر بعض اہم علامات پر اصرار کیا۔ صرف تہذیب کا افسانہ عربی متن ہونے ہی نے ہالے (Hall) کے کتب خانہ سے دریافت کیا تھا اور مستشرقین کی بدولت، ابن القادسی کا گھر میں (مستند: 1888ء) اس میں اصلی نسخے کے متعدد کتب خانہ داخل قرار دیا تھا۔

بازر میں نے اپنی ساری زندگی مشرق وسطیٰ کے قہر نما تاریخی تحقیق پر محنتیں میں گزار دی اور اب اس شخص کے ماحولی کا یہ جاننے کیلئے مطالعہ اس کا کام بھی مثال ہے۔ اس کی معلومات سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے بھی برصغیر کے نقل اور اسلام اور پرکھی جیکھتا ہے لیکن بعض شخصیت سے چتا ہے کہ وہ ایک بڑے ذہنی عالم کی حیثیت سے برصغیر کی تاریخ ادب اور سماجیات کے بارے میں اچھی خاصی معلومات رکھتا تھا۔ اس نے مصر، شہر اپنی وزارت کے ابتدائی آٹھ سال ارنسٹ

ترنپ (F. Trnapp) جیسے باورسٹیاٹ کے ساتھ کام کیا اور اس کے انتقال پر وہی مصنف ٹیپو سرور کا مقرر ہوا۔ ترنپ ایک بڑی شہر کی تھا۔ وہ پہلے کر اپنی اور بھرگہ برس تک اس میں رہی تھی اور تکنیکی سرگرمیوں میں مصروف رہا۔ اس کی دھم جاننا میں شامہ المصطفیٰ بعلی کے "زمانہ" کا انگریزی ترجمہ (1846ء) مذکور کی نظر (1858ء) پشور کا سفر (1873ء) اور آرکھٹاکا انگریزی ترجمہ (1877ء) پیش ذکر ہیں۔ ہال نے انیسویں صدی کے آخر میں شام، ہالے والی بڑی زبان کرانی میں ترنپ پر جو مضمون لکھا ہے، اس کی بدولت اس کا مطالعہ کیا کرتا ہے۔ بعض قریب اس بات کی شبہ ہیں کہ وہ اپنے ہم وطن ٹیکس میلر کے مطالعات سے غلطی واقعہ قرار دیتا ہے کہ ہال نے کئی علامات، جواب میں نے اسے مرکز کی کتاب خانہ میں محفوظ ہیں، جس میں اچھی بعض ان کی قریب بھی موجود ہیں، جس میں بعد میں کے قہر نما دھکی دور کے جا بجا حوالہ دیے گئے ہیں۔ عرب سے یہ کہہ کر کہ اس نے اقبال کے مقالہ خصوصی پر جو رائے ظاہر کی ہے اس میں علوم اسلامیہ سے اپنی اس پر حقیقت کا تذکرہ کیا ہے، لیکن مطالعہ زبانی اس کی تمام حقائق کے باوجود یہ اصرار ہے کہ ہال کو برصغیر کے عہد اسلامی کی تاریخ عمومی علوم اسلامیہ اور بعد اسلام کی عرب دنیا کے تاریخی اور تہذیبی آثار سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا اور وہ موضوعات تو اپنے ہی اس کی علمی دلچسپیوں کے دائرے سے باہر تھیں۔ جس پر اقبال نے اپنا مقالہ خصوصی پیش کیا تھا، لیکن اس بات اور وہ بھی اس کی حوالے سے۔

اقبال کے سوانح نگاروں، محققوں اور ان کے حوالی آثار کے کتب خانوں نے ان کے آثار کے بارے

میں ان کی معلومات Development of Arabic Literature (انگریزی) (In Metaphorical Process) زیر عنوان "فلسفہ علم" کا اظہار کیا ہے اور اس ضمن میں بھی اپنا بول کا حوالہ دیا گیا ہے۔ عام طور پر تو یہ دیکر ہم سے آگے نہیں جاتا البتہ معروف اقبال خاص بڑی قانون پر مبنی مشعل کی بعض مصیبت انگریزی قریب اس کے ساتھ ہم کے ساتھ ایک مسئلہ کا مسئلہ کہ ان کے چند سالوں میں اور اسے بعض دہائیوں میں اپنی رہائی اس مقالہ خصوصی سے حلقہ داخلی لیکن دوسرے بات تک ہو گئی، جو میں نے عام لہجہ کے کہیں خانوں میں دہی تھیں۔ حلقہ مقالہ میں اس دریافت کے پیش کاروں نے اپنے مقالات میں جو خاکسار فرہم کی ہے، اس میں ہال کے بارے میں چند سطروں کا اضافہ کر دیا اور ساتھ ہی اس دوسرے جگہ (جہاں اس کی کئی نقل بھی شائع کر دی ہیں) اس میں ہال کی قریب کہہ دے حلقہ مقالہ خصوصی بھی شامل ہے۔ اس مقالہ میں اس مہارت کا دورہ برسرِ پیش کیا جاتا ہے

"ترنپ میں چند ہی ایسے مشرقیوں پاسے جاتے ہیں جو مکمل طور پر اسلامی عرب پر مائل نہ ٹھہر سکتے ہوں۔ زیادہ تر عربی شعراء تاریخ اور مطالعہ ایسے معلومات ہیں، جس سے اس نے عربی دینی خصوصی شغف رکھتے ہیں اور ان پر انہیں وحوش حاصل ہے۔ جہاں تک پوری معلومات کا تعلق ہے، اس سے 1888ء یا 1890ء اسلامیات میں کوئی بھی ایسا شخص سوچا نہیں، جو عربی یا فارسی فلسفہ پر مبنی فکر رکھتا ہو۔ صرف ہذا پس میں ملے گا جس کو اسے تسمیہ دی ہے، بعد عربی عالم ہے، وہاں موضوعات پر بحث کا ذکر کرتا ہے اور اس نے اپنے ہی مطالعہ سے پیش نظر کرنے کے











ایماندہ کر سکے۔ اگر بھی ان غیر نکاح کی مساعی ادا کی  
 ممکن ہے کہ کئی دامن بھاری بی بی ہر بی بی زنانوں میں  
 اقبال کی اس انگریزی کتاب کو منتقل کر دیا گیا۔  
 اس بعد یہ جان کر غلطی ہوئی کہ جناب سید شیخ  
 (متوفی مئی 2012ء) نے اپنی بیوی سالی اور ننگہ بہت  
 کے باوجود یہ بھاری جگر اٹھا لیا ہے۔ کچھ سال قبل  
 انہوں نے ”ظلمات اقبال“ (انگریزی) کی مصحف  
 متنی اور مبنی حواشی لکھ کر انتہائیات کے منتقدین سے  
 جو دراصل کی تھی۔ اس سے بڑھتی کی پہلی تھی کہ  
 وہ اسی پانچویں، دھندے فکر اور عالم داروں کے لکھی کا  
 فکر فلسفہ نظم کے انگریزی کی جن کی ترتیب اچھا ہے  
 میں بھی یہ دے گا۔ انہی کے اور ہیں یہ کتاب  
 اقبال کے لکھان کر دہا سماعت کی ادبی کے بعد حصے  
 شہرہ آفاق نے کی لیکن انہوں نے اپنی پہلی سے قبل  
 اس کتاب کا جو نسخہ مع حواشی اقبال اکادمی  
 پاکستان (لاہور) کو برائے علم عہدہ لکھوا تھا۔ اسے  
 ایک نظر دیکھ کر تنگی کا احساس برقرار رہتا ہے کہ  
 اقبال نے اپنے مولد باا لحاظ میں جنی نہایت کا  
 ادب لکھا ہے، لیکن اس کتاب کی ترتیب نہیں دیکھ کر  
 نہیں دیکھا گیا۔

## حواشی

1) ان کا عنوان "Wings and Unwings under the same  
 genus" Lieke ہے اور ان میں سال 1948  
 1948ء کے ساتھ ساتھ سیریا کے سال کا نام دیتے ہے۔  
 ان کے ساتھ ساتھ دیکھا گیا ہے کہ اس کے لئے لکھتے۔

Footnote Four Hildesheim

Honnelt zum 85

Geburtsdag, Würzburg 1985

2) خاص طور پر خط لکھتے۔

Neue Deutsche Biographie, vol. 9

Berlin 1972, p.391

اس میں اس سال پر دست دہاڑے مضمون لکھا ہے۔  
 ان کی کتاب کے ساتھ ساتھ سیریا کے سال کا نام دیتے  
 مضمون شائع کر لیا۔ دیکھتے رہا کہ مضمون  
 3) اصل متن بہت آگے 1948ء میں 1948-1949ء۔

4) Übersetzungen  
 Studien Fritz Honnelt zum  
 sechzigsten Geburtsdag am 31. Juli  
 1914 Zweite... Leipzig 1977-18,  
 pp.332, 372

5) اس لیے کہ ان حواشی میں ایک فراموشی ہوئی ان کی  
 کتاب سے سیریا کے ساتھ کیا ہے۔ نام مضمون کتاب  
 پورے وقت 12 مضمون پر دست 1972ء۔ اس کے

دوسرے سال اقبال کے سیریا کے سال کا نام دیتے  
 پر ان کا کیا ہے۔

6) اسے سیریا کے ساتھ ساتھ سیریا کے سال کا نام دیتے  
 انگریزی کتاب مضمون پر لکھی 1964ء۔  
 7) منتقلی کے لئے لکھتے۔

Allgemeine Deutsche Biographie,  
 Vol. 38 (Leipzig 1894),  
 pp.687-689

8) اس میں سیریا کے ساتھ ساتھ سیریا کے سال کا نام دیتے  
 خط لکھتے۔ اس میں سیریا کے ساتھ ساتھ سیریا کے سال کا نام دیتے  
 اس کے ساتھ ساتھ سیریا کے سال کا نام دیتے  
 اقبال کے ساتھ ساتھ سیریا کے سال کا نام دیتے  
 میں 103-104۔

9) کتاب اقبال نام کتاب کو چاروں ہی میں  
 1936ء۔ کیا کہ کتاب اقبال کے ساتھ ساتھ سیریا کے سال کا نام دیتے  
 مضمون کی ترجمان میں 178۔

10) اس میں اقبال کے ساتھ ساتھ سیریا کے سال کا نام دیتے  
 میں 202-201۔  
 11) اس میں اقبال کے ساتھ ساتھ سیریا کے سال کا نام دیتے  
 میں 279۔

☆☆☆☆☆



## علامہ اقبال کی بین الاقوامی شہرت

100

— *W. J. J. J.*

”اقبال ایک ہرگز غیر شخصیت ہی آپ کی  
ہمدردی اس قدر آج ہی کلام دیا کے نشان  
ہو امتیاز نسل و ملک اس میں آجاتے ہیں۔ آپ  
عقلمند انسان کے طبع پر ہی اس لیے اقبال کو  
شرق و غرب میں یکساں عزت حاصل ہے۔“

ہر ایک کے لیے شعراء و ہنرمندوں کا قتل کا اس طرح نازی قسین قرار دے گا۔

عصر حاضر عامتہ اقبال شمس  
 جادوے کز حد ہزاروں برگزشتہ  
 شاموں سمجھو نقشِ جادو جا  
 وہی سہارن گردِ کارے حد سہار  
 مہنگہ شمس ۳ چنگیزی

“سكنى الحديد فى حواف العرة”  
“فمن حواف نسيجه سكنى اقبل كما هو

یہ ہے۔ اقبال نے اکیسویں صدی کے لوگوں سے ہنسی دینے کی ہے۔ شعرا جو ان کے خیال پر غور کی طرف توجہ دے، اقبال

انہیں وہ جنگ آگیا تھے جو سوار پہ بھاری تھے۔  
اقبال کی شاعری نے ایک نکل کی شکل اختیار کی اور  
کہا: ”شاعری کے تمام رنگ و اسلوب یہ تھے  
تہہ رتہ۔“

علامہ اقبال نے فلسفہ کی نئی روش کی تلاش کی خاطر  
اور اپنے بیچ ام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے  
کیلئے نثری کوششیں کی۔ ان کی تاریخ ۱۹۱۱ء میں

اور دانش ورانوں نے قدر و منزلت کی فکر سے دیکھا اور اس کی تحریک و توجیس میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ کتابچوں کیسے امریکہ پہنچا دیں اور وہاں میں کلامِ اقبال کے مضامین اور نئے نئے ناولوں کی بڑی بڑی زبانوں میں جیسے انگریزی، عربی، فرانسیسی، اطالوی، روسی، چینی، عربی اور ہندی میں شہرِ اقبال پر کتابچیں اور اختلافات کھسکے کھسکے ہمارے ہیں۔ علامہ اقبال کے صد سالہ جشنِ ولادت کے موقع پر ۱۹۸۱ء میں دسمبر ۱۹۸۳ء میں عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دنیا کے بیشتر اہم مذاکرے کے صدر چین نے بھی شرکت کی علامہ اقبال کی تاریخِ ولادت پر تقریریں کیا جتنے زبانِ تہذیب و تمدن اور رنگ و نسل مذہب و ملت اور سیاسی نظام کے اختلافات کے باوجود ہرگز کے خاصیتوں میں اچانک سوا سو سالہ سربلایا جاپان میں اس کی اسلامی عرب اور مصر پر ایک کتاب لکھی گئی اور اسے ایک نکتہ پر مبنی تھے اور وہ تھا علامہ اقبال۔

علامہ اقبال کی جانگیر عقیدت کے اسباب کا  
تجزیہ کیا جا سکتا ہے تو اس نتیجے پر پہنچنا ضروری نہیں کہ علامہ  
اقبال نے اگرچہ مسلمانوں سے خطاب کیا لیکن ان  
کا یہ تمام اصرار ان کی حدود اور مذہبی عقائد کی قدر سے  
آزاد ہے۔ ان کے انداز میں یہ غایت کی منصوبہ بندی  
نے مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام کے افراد کو جگہ  
بجیر مسلمانوں تک کو حتمی کیا ہے۔ مراحض کے ایک  
نکتہ پر یہ عقیدہ قائم ہے کہ ہر مذہب اقبال کی حکمت

یہ مسیحیوں نے وہاں اقبال کے دیوانے پر چڑھ کر  
کے مسلمانوں کیلئے آتش کی دیوار بنادی اور ایک  
پتھر و پتھر کے حملوں میں مسلمانوں کی دیواریں  
کی گھر اس خطے کی نظر بنائی حدود سے باہر گئی  
ایک نام نکل چلا کہ اقبال کیلئے باعث توبہ نہ ہو۔  
اقبال کے پیغام کو کس کوئی نہ مانا کہ جو مطلب میں جو  
مطلبیہ حاصل ہوئی وہی اقبال کے کام نہ رہے کہ اگر  
اس کا ایک جائزہ لیا جائے تو اس پیغام کی قدر و حیات

- 1- علامہ اقبال کی شخصیت کا جنس انسانی سطح پر مطالعہ
- 2- ایران میں علامہ اقبال کی شاعری کی مقبولیت
- 3- علامہ اقبال کی شاعری کا دیگر اسلامی ممالک میں اثر و رسوخ
- 4- علامہ اقبال کے خطبات کی حد تک میں بے مبالغہ اور سادہ ستائشیں۔

ملک اقبال کو ہم موصوٰی مغل شرقی اور پاکستان کا قومی شاعر قرار دیتے ہیں۔ لیکن اقبال کی انگریزیت کا نام اس عقیدے سے دھفک نہیں کر سکتا کہ ملک اقبال صرف برصغیر پاکستانی و ہندوئی میں مقول نہ تھے بلکہ اس وقت دنیا کا شہرہ یں کوئی مہذب نہ تک ایسا ہو جہاں ملک اقبال کا نام صرف نہ ہو بلکہ ان کی شہرت کچھ عرصہ پہلے سے دنیا بھر کے ممالک کے دانشور مغل



شعری "سمر اور غزلی" کی اہمیت سے ۱۹۳۸ء میں اپنے اہل حال تک انہوں نے غازی میں لکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اختر کا زبان کی حاکم عمارت اقبال پر منحصر ہے تاکہ ساتھ ساتھ ایران میں بھی تخلیق حاصل کر گئے۔ اب ایران میں بھی پاکستانی کی مانند ڈاکٹر اور 23 مئی کو پیم اقبال منایا جاتا ہے اور وہاں کے اخبارات اور مطبعی جرائد عمارت اقبال کی عظمت اور ان کی بے باق و خاصہ شخصی امتیازات کا اعتراف کرتے ہیں۔ عمارت کی ایران میں عظمت کا اعتراف اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ تہران کے مشہور علمی مرکز "مستقبلہ دانش" کی مسجد کی چھت پر عمارت اقبال کے اشعار لکھے گئے ہیں۔ ایران کے مشہور انقلابی دانشور (پروفیسر) وہاں کے خلاف حراست کے "جوہر" میں شہید کر دیا گیا تھا) ڈاکٹر علی شریعتی نے عمارت اقبال کے دیانت عقل پیغام کو ان انجمنیں پیش کرتے ہوئے انہیں "لڑائی والی" کا خطاب دیا تھا۔

اگر ایران میں اقبال شامی کی دیانت کا کسی تاریخی تسلسل سے متعلق کیا جائے تو دیانت ایک ایرانی بہادر و سیدہ علی دانی اسلام کو حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ حامد حلیہ (دکن) میں شہید غازی کے صدر تھے۔ عمارت اقبال کے بارے میں انہوں نے جو تنقید دی ہے وہیں انہیں اقبال و شعر و ادب کے نام سے ۱۹۲۵ء میں پیش کیا گیا۔ چالیس صفحات کے مہذب یاد دہنی سے شروع کردہ پمفلٹ کو ایران میں اقبال شامی کی بنا پر قرار دیا جاتا ہے۔

جن اہل علم نے بطور اقبال شامی خصوصی نام دیا کیا ان میں ایک اشعار بہادر ڈاکٹر غلام حسین یحییٰ (پہلی بیوی ڈاکٹر اسماعیل دہانی) ڈاکٹر فیاض الدینی بھابی ڈاکٹر عبدالمصین ذریعہ کوپ ڈاکٹر محمد

تقی حشری ڈاکٹر علی شریعتی ڈاکٹر مصیبتی "نخلی" ڈاکٹر جمال مصیبتی ڈاکٹر زاہر زکریا کرمی ڈاکٹر محمد تقی حشری سید قاسم رضا سیدی دایع الزمان فرود اختر اور احمد احمدی بھر بھٹی قابل ذکر ہیں۔ یہ سب چند نام نہیں بلکہ ایران میں اقبال شامی کی دیانت میں مترادفوں کی حیثیت رکھتے ہیں، جبکہ حکومت صورت میں عمارت اقبال کو ایران کی وحدت میں قائم کرنے والے شعرا کا بلاشبہ شہر گزشتہ ہیں۔

ایران میں عمارت اقبال پر لکھے گئے تقریبی کام کی قدر دیانت جمیں کرنے میں ڈاکٹر اسماعیل دہانی کی اس رائے سے اختلاف کی کھانک نظر نہیں آتی۔ "میرے خیال میں اقبال ایک نو بدانت برا حکم کی مانند ہے جس میں کچھ شے دیا دیا اور قابل قرار چیزیں ان دیانت طلب ہیں۔"

عمارت اقبال کے کام کے علاوہ سندھ اور بلوچستان میں ایسا کر ہوتے ہیں ایک تہا قہر اور علی ایران سے عمارت کی گہری محبت اور سندھ زبان و اعتماد کے بارے میں غور کا اعتراف۔ "زور علم" میں عمارت اقبال نے ایک نزل میں ایران کی نو جوان نسل سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ اس کا ایک ایک شعرا کی محبت کا مقرر ہے۔

چون چارچ ۱۹۳۰ء سوئم در خیابان ثا اے خیابان علم ۱ ہاں سن اہاں ثا قوط با زو در صبر زندگی اور پشام تادوست آورد ام افکار پناہ ثا غر ریختیم کہ غار قبی وجان شرق پارے لعلی کہ دادم از پندش ثا حلقہ گرد من زید اے حکمران آب دگل آتشے در سید دهم از نیا گاہن ثا ایران کے حلقے میں افغانستان میں عمارت

اقبال کی حیثیت کی ہر نظر اپنی قربت کے علاوہ ان کا دور افغانستان ہو سکتا ہے۔ ۱۹۳۳ء میں شاہ افغانستان بہادر شاہ کی دامت عمارت اقبال مراد سے سلمان علی اور مراد میں مسجد کابل کے تاکہ جدید تعلیم اور درس گاہوں کے بارے میں حکومت کو طریقہ مشورے دے سکیں۔ اس دورے میں افغانستان کے اہل علم شعراء اور دانشوروں نے عمارت اقبال سے ملاقاتیں کیں۔ اس طرح اہلی اعتبار سے یہ دور دوری شامی کا حامل تھا۔ افغانستان کے ایک شاعر محمد سرور گپا نے عمارت اقبال کے خصوصی اثرات قبول کئے۔ اس دورے میں عمارت اقبال نے تعلیم شامی۔ محمد غزالی اور معروف سلاطین و صوفیاء کے عزائمات پر حاضری دی۔

ایران اور افغانستان کے بعد انہی اسلامی ممالک میں تعلیم اہمیت عمارت اقبال کو شہرت و عقیدت ملی ان میں مصر شاہ محمد فرست ہے۔ مصر کی زبان عربی ہے یہاں مصر عمارت اقبال کے بیشتر شعری مجموعوں کے تراجم اور ان کے طبعی تعلیم و تخریج کے شعبے میں ناقصہ حداثت ملے ہیں اور اس کی ابتدا عبدالوہاب فرام کی علمی مجلس کی سربراہی منت ہے جن سے ۱۹۳۱ء میں مصر میں عمارت کی دانت ہوئی تھی۔ عبدالوہاب فرام نے "پیام شرقی" کا حلقہ عربی تہذیب کے عمارت اقبال کو ملی عرب مصر اور شرقی دینی میں اختلاف کر لیا اس کے بعد انہوں نے "سمر اور غزلی" اور "دروازہ غزلی" اور "غرب تعلیم کے قدامت کے چاندی عبدالوہاب فرام عرب پناہ عمارت اقبال کے خرم کی عقیدت سے مصروف ہیں تاہم ان کی اقبال شامی مجلس قدامت یک محدود نہیں ہو سکتی انہوں نے عمارت اقبال کی دیانت



ظاہر ہے خود بھی ایک کتاب لکھی جس کا نام "اگر اقبال میرا دشمن نہ ہوتا" ہے۔ مہر اقبال مرحوم کے علاوہ مسن الاظمیٰ اور صادق مصفا نے بھی تراجم کے ذریعے علامہ اقبال کے کلام کو عرب دنیا میں اقبال خانے میں اہم کردار دیا کیا۔ مسن الاظمیٰ نے بھی علامہ اقبال کے افکار و تصورات کو عربی میں منتقل کیا ہے۔ اقبال کی مشہور نظم "ترانہ ملی" کا عربی میں ایسا مکمل ترجمہ کیا ہے کہ آج بھی زبان زدِ مطلق ہے۔ مسن الاظمیٰ نے مشہور بیجا شاہ صادی مصفا کے اشعار کے ایک کتاب "غزلہ اقبال" مشہور اشعار و مرثیہ کی ہے جس میں مشہور غزلیات کے علاوہ شامل ہیں ان میں ڈاکٹر مہر اقبال عزام "مہر ملی طویہ یا شاہ سہ ماہیہ طویہ طویلہ شامل ہیں۔ ایک اور مصری دانشور ڈاکٹر نجیب الہیانی نے بھی علامہ اقبال کی شاعری کے انتہائی اثرات کا مطالعہ کر کے ایک کتاب "اقبال" شاعر الخیر (اقبال) شاعر انتخاب) لکھی ہے۔ یہ کتاب بھی فضیل بنی قاتر و خورجہ دست سے اس کے ادیبانہ مٹھن ہو چکے ہیں۔ مصر کی جاسوسی مہر ملی کوئی ذاتی اور نفسی زندگی میں ڈاکٹر طہ حسین کا جو اہم کردار رہا ہے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں وہ علامہ اقبال کے دامنوں میں سے ہیں۔ اقبال کے احترام میں انہوں نے ایک مشاعرہ پر اہم کیا ہے "ایک شاعر جس نے زمانے پر اپنا سکہ بٹھایا؟ گازیوں کرتے ہیں۔" "اہل اسلام میں وہ شاعر ایسے گزشتے ہیں جنہوں نے اسلامی ادب کا پاپا جان تک پہنچا دیا اور اس کی عظمت کا کھنکھن بھین بھین دھت پرست کر دیا ہے ایک جہد پاکستان کا شاعر اقبال اور دوسرا دنیا سے عرب کا شاعر ابوالخضر۔"

ایہ ہیں اور عرب دنیا کے علاوہ جس اسلامی

ملک نے اقبال شاعری میں اعلیٰ سید کی تحریریں پیش کی ہیں ان میں ترکی زبان و ادب ہے۔ ترکی شاعر اقبال کا وہ لکھنؤ مان چہ ترکی کا اہم ترین شاعر عرب عالم ہے۔ محمد مالک کی لکھنؤ کلاں کے بعد جن حضرات نے علامہ اقبال کے کلام کے تراجم کیے یا ان پر کتب و مقالات تصنیف کیے ان میں ڈاکٹر محمد تہار جلالی اور ڈاکٹر عبدالقادر قرہ جانی خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر تاراں نے "سرمیرا فوری"۔ "رموز پنجوئی"۔ "غرب جہلم"۔ "یوم شرقی"۔ "زور علم"۔ "لکھنؤ باز چہ" کے تراجم کے علاوہ "ادبیات اقبال" کی قاری حضرات کے تراجم بھی کیے ہیں جبکہ ڈاکٹر عبدالقادر قرہ جانی نے علامہ اقبال کی شخصیت اور قرآنی پر مبنی کتاب "میں کی ہے"۔ ان ممالک میں اقبال شاعری کے ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ صرف انی ممالک میں اقبال شاعری کی مدائت ملتی ہے اور بھی اسلامی ملک ایسے ہیں جہاں اقبال شاعری دانشوروں کی کی نہیں۔ اسلامی دنیا کے علاوہ ایک سرسری تحریر پر اور سرحد میں اقبال کے مطالعہ کی پڑ پڑی ہوا ملتی ہے۔

علامہ اقبال قلم پرپ کے زمانے میں ایک دانشور ہر دھڑا انگڑے مستقبل سے جس کا مطلق غلط اور غلط مشرق سے تھا۔ ان کے درمیان موعنا مباحث اور جدل خیال ہوا کرتا تھا اور اقبال کو اس سے کی ایک راستے ملے۔ تاہم کسی شخص کو اگر عرب میں اقبال شاعری کی مدائت کا اپنی قرار دیا جاسکتا ہے تو چاشمہ سہرا ہر دھڑا انگڑے۔ آ۔ "لکھنؤ کے سر ہٹا گیا ہے۔ 1985ء میں جب علامہ اقبال نے "سرمیرا فوری" شاعری کی قاریں کا ایک فنو ڈاکٹر لکھنؤ کو پیش کیا اور اسے چاہہ کرنا حذر ہوئے کہ انہوں نے اس کا انگریزی ترجمہ The Secrets

of the Soul کے نام سے شائع کیا۔ اور علامہ اقبال کے غلط فوری پر ایک مخلص شخص بھی تصدیق کیا اس ترجمے کو پھر پڑ پڑی کی اور دانشوروں نے اس پر تبصرے کیے ان میں انی اہم کا مزار اور ہر دھڑا دیپ شال ہیں۔ فاضل نگر پڑی کے پسر بادل نگر ہیں جبکہ ہر دھڑا نے ادبیات عرب و فنو لکھنؤ کے نام کی حیثیت میں نام دیا کیا ہے۔ اس کا اعتراف اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ "سرمیرا" خطاب سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر لکھنؤ کے ترجمے کی مطبوعیت کا اعتراف اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1975ء تک اس کے اس بانی نہیں ملے ہوئے تھے۔

تراجم کے ذریعے علامہ اقبال کو مطبوعیت دینے والوں میں اسے ہے آری نے خصوصی شہرت حاصل کی۔ انہوں نے "پادشہ غازیہ ہر علم" "رموز پنجوئی" اور "یوم شرقی" میں سے "اول علم" کا ترجمہ کیا جبکہ دی۔ ہے کہ انی نے علامہ کی منتخب حضرات کا ترجمہ Poems from اقبال کے نام سے کیا ہے۔

یہ طبعی ہے پھر عرب میں جس ملک نے اقبال شاعری میں خاص نام دیا اور جو جی ہے۔ یہ شخص جس کی جو جی اور علامہ اقبال کا ذکر ہو اور انی میری قلم کا نام دیا جائے۔ ڈاکٹر فضل نے کلام اقبال کے قریب قریب کیلئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ اسلام اور مصلحت پر ان کی گہری نگاہ ہے چنانچہ انہوں نے اقبال کا مطالعہ بہت ذرا لکھنے سے کیا ہے۔ خود ڈاکٹر فضل نے بہت سے اسلامی ممالک کا دورہ کیا ہے۔ ان کی تقریروں میں علم اور مصلحت دے گہری اور مصلحت پیدا کر دی ہے۔ علامہ اقبال پر اتحاد و مطالعہ و مقالات کے علاوہ ان کتابیں بھی لکھی ہیں۔







# اقبال کا آخری ملاقاتی

خالد محمود بخاری

(58) "mind night"

اس اہم ملاقات کی تحصیل اردو میں موجود نہیں۔ یہ ملاقات کم و بیش چھ سات آگستوں پر پیدا ہے۔ اس دوران میں کیا کیا باتیں ہوئی ہوں گی ان کا تذکرہ جاری حقائق کے باوجود اردو میں ہمیں نہیں مل سکا۔ "نور و نور" "مظہر اقبال" کے انگریزی صفحات میں اس ملاقات کا سرسری سا ذکر کیا گیا ہے۔ ان تعارف کے مطالعے سے یہ اندازہ لگا بہت دشوار ہے کہ شمس الدین اقبال کے دہلی کن مضموعات پر غور ہوئی ہوگی۔ شبیہ ہے کہ (1930) کے ایک نمبر اگر ہم بخاری نے اس معاملے سے ایک مضمون تحریر کیا تھا تو انہیں خود مصنف سے مل کر اس پر بھی اقبال کا کوئی کی آگاہی نہیں اس کا کوئی تراشہ موجود ہے۔

یہ امر میرے لیے حاسم حیران کن ہے کہ اقبال نے اسے شروع عوارض کی تکالیف میں رہتے ہوئے انگریزی طرز ملاقات کیجئے کی ہوگی۔ اسی دن اقبال صاحب نے جب انگریز سمیت تنگ سے اقبال کی صحت کے بارے میں اختلاف کیا تھا تو انگریز سمیت تنگ کا جواب عموماً طراز تھا۔ ان کا خیال تھا کہ طراز اقبال کے اصحاب نے ریجسٹر ماف ہر کچھ جی اور عوارض اسے زیادہ ہو گئے ہیں کہ زیادتی کاغ میں آنے کا نام نہیں لے رہی (59) میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں اقبال طراز ہی سے مضبوط شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے قابل رنگ صحت نہ چلی تھی مگر ان کی شخصیت اور ان کے کام پر زندگی کے اس تکلیف دہ پہلو کا بکا سا

خاموشی و شائستگی دکھائی دیتے تھے۔ (60) اس شام اقبال کے حواشی میں بلاشبہ کا حوالہ سول اینڈ ٹریگز گزٹ میں بھی ملتا ہے۔ "On Wednesday night he was quiet cheer full" (61) اس شام انہوں نے معمول کے خلاف اپنا چنگ خوب لگا، اسے انہوں کا باہر ان دن میں تجرہ دیا تھا۔ (62) یہ تمام محال یہ ظاہر بہت معمولی قیامت کے لیے بھی ممکن اگر اقبال کے آخری چند ایام کو دیکھ کر دیکھ جائے تو یہ محال معمول سے بہت دیر کر تھے۔ شمس الدین اقبال کی کرتی ہوئی صحت کا علم تھا۔ وہ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ میں اپنے چند اردو دوستوں کو یہ کہہ کر اقبال سے ملنے گیا کہ میں ایک ایسے شخص سے ملنے جا رہا ہوں جو صحت کے بہت قریب کھڑا ہے۔ میں دیکھا

"On Wednesday night he .. talked at length with Baron von Veltheim, an old friend from Germany. They discussed philosophy and politics about

(انگریزی میں 1938ء کی شام ڈیڑھ کے ورن) فان ویتھیم (Baron von Veltheim) جن کا اصل نام شمس الدین ہاس (Hans - Haas) ہے اقبال سے ملنے "بارہ منزل" گئے۔ یہ ملاقات پہلے سے طے تھی۔ شمس الدین نے ڈیڑھ سے دو گھنٹے ہوئے ملاقات اقبال کو یہ سلیبر میں اپنی آمد کی جنگی اطلاع ملی گرام کے ذریعے دی تھی۔ یہ ملے گرام اقبال میزبان میں موجود ہے۔ اس طے شدہ پروگرام اور آنے والے کا واسطہ اگر دیکھ کر نظر دیکھ جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ شمس الدین معمول کے علاوہ جن میں سے نہ تھے۔ اپریل کے آغاز سے طراز اقبال کی صحت اتنی گھڑی ہوئی تھی کہ چاکلٹ سے ان کے کہہ جی بھی مزاج و آرام "بارہ منزل" آچکے تھے۔ اور دلا رہے تھے مزاج و آرام بھی اپریل کے آغاز میں یہ سلیبر کچھ تھے۔ اس معاملے سے اقبال کے نتیجے اور "مظہر اقبال" کے مصنف انگریز کا نام لیا جاسکتا ہے۔ انگریز ہوا اپنے دل و دماغ سمیت 10 اپریل کو لاہور پہنچے تھے۔ (61) واصل مشرق میں آخری ملاقات مزاج و آرام کا وہ طرز ہوا انگریز ہے کہ شمس الدین کرب کا پہلو بھی موجود ہوتا ہے۔ اقبال کی دوا انہوں نے کھائی ہوئی صحت کے سبب تلف کی ملاقاتوں کا سلسلہ تقریباً سولہ سو چکا تھا۔ ان ملاقاتوں میں اس صحت سے حال میں شمس الدین اقبال سے ملے گئے۔ اقبال نے اس ملاقات کے لیے کچھ نہ کیا تھا مگر یہاں پر اقبال نے اس نے اس دن شدید کام سے شہدائے (62) اس شام



سایہ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا وہاں کے بٹے والوں کو اندازہ بھی نہ ہو گا کہ اقبال کی ایک آگہیوں والی نہیں ہے اور وہ اس مجھڑی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ تو کبھی آخری دور میں اقبال نے از خود پر دھیرے دھیرے جانے کے سامنے یہ موضوع بھیجوا تو لوگوں کو اس کا اندازہ ہوا اس حوالے سے اقبال کا یہ جملہ کچھ حق پر ہے

”میں نے اس آگہی کی کبھی بھی محسوس نہیں کی۔ ایک آگہ سے دن کو تار سے دیکھ لیا کرتا تھا۔“  
 محبوب بات یہ ہے کہ جب سے جدت ہو گئی ہے میرا جادو بھرتو گیا ہے۔“ (100)

علامہ اقبال کے ہاں رجائیت کا یہ پہلو اس آخری عداوت تک دیکھا جاسکتا ہے۔ جس باسوہب اقبال سے ملے آئے تو اقبال کو صرف دیکھنے میں قدرے عریکے کا سامنا تھا بلکہ فحش کو بلی بھی خاصیت تکہ ذہن کو جھٹکی تھی۔ دے دے لگنے والے جڑواں میں شیعہ جہاد کی تکلیف الگ تھی۔ میرا خیال ہے کہ ان آخری لمحوں میں بھی اقبال نے اعلیٰ قدرت سے عکاسی کوئی پر قابو پانے رکھا اور اپنے طاعون کو چھ سات نکھٹوں کی طویل فہستہ میں یہ احساس تک نہ ہونے دیا کہ وہ چند ہی نکھٹوں کے مہمان ہیں۔ یہاں مجھے اقبال کا یہ مصرعہ یاد آتا ہے۔

مخلص خود ایک نیکل ہے، نیکل کو لینا ہے تمام  
 جس باسو نے اس عداوت سے ایک سال ملنا  
 اقبال کی سامنے یہ سامگرو کے سبق پر انھیں جرحی سے ایک کارڈ ارسال کیا تھا جس میں باسو نے اپنی نیکہ تمناؤں کے ساتھ ساتھ اقبال کی صحت کے بارے میں بہت بھری خوشنویسی کا اظہار کیا تھا۔ علامہ اقبال نے اس عداوت کے آغاز میں جس باسو کے دلی نہایت کے عقیدہ پر ان کا شعر یہ دیا کہ جس باسو اس کا زکو بہل چکے تھے کہ ان لمحوں میں بھی اقبال کے ذہن

میں ایک ایک بات رہی تھی۔

یہ کیا عجب اتفاق ہے کہ اقبال نے اپنی عداوت سے چند ہی گھنٹے پہلے موت کے موضوع پر گفتگو کی۔ جس باسو کہتے ہیں کہ ہم دنیا پر ایک تصور عداوت عداوت پر باتیں کرتے رہے۔ اقبال نے اس عداوت میں جس باسو کے ساتھ طرزی موت پر انسانی امت پر بحث کی۔ اقبال موت کو انہی دو سطحوں پر دیکھتے رہے۔ اس حوالے سے جس باسو نے اقبال کا یہ شعر

پناں بڑی کر مرگے مرگے مرگے مرگے  
 خدا زکوہ خود خرمسار تو گرد  
 علامہ اقبال نے یہ شعر ایک زمانے میں جس باسو کی آؤگراف انگریزی لکھا تھا۔ وہاں اس شعر کے مضمیمہ پر غامضی در تک باتیں کرتے رہے۔ انسانی موت پر آخری موت کے درمیان تفاوت اس عداوت کا اہم موضوع تھا۔ وہاں بھی زبردستی آئے کہ جس کے سبب موت سے ابدی حیات نکلی کی جاتی ہے۔

جس باسو پہلی طور پر ایک بیان تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر عرصہ میر و سیاحت میں گزارا۔ انہوں نے انڈیا کی سیاحت سے واپس اپنی یادداشتوں کو ذاتی کی شکل میں گرہ لیا۔ یہ یادداشتیں شائع بھی ہوئیں۔ اس عداوت میں علامہ اقبال نے ان کے جذبہ سیاحت کو نہ صرف سراہا بلکہ ان کی تازہ ساختی یادداشتوں کے ضمن میں اشتہار بھی کیا۔ کام اقبال میں عطا ہر فطرت سے اہلکار کا کہ موضوع سے انکی واقف ہیں۔ اقبال ایک ایسے انسان کا خواب دیکھتے تھے جو ارض و سما میں برآں محرم رہے۔ جس باسو کی سیاحت پر اقبال کے قریبی نگاہت ان کے اسی خواب کی تعمیر کے سبب سامنے آتے ہیں۔ وہ لوگ جو ”رہیں خانہ“ بن کر رہ گئے تھے ان کے بارے میں

اقبال کی صراحت سے کہتے ہیں۔

اسے رہیں خانہ تو نے وہ ہیں دیکھا نہیں  
 کوئی ہے دشت میں حب ہانگ رہیں  
 ”مفسر دعا“ میں حضرت نصر کی صراحت ہے کہ انہا کر کرتے ہوئے اقبال نے انسان کی اس طویل صلاحیت کا اظہار نے کی کوشش کی کہ جس کی بجائے جس باسو کی سیاحت میں موجود ہے۔ اقبال کا انسان چار درجہ تک محدود تھا بلکہ باور رکھ کر انہوں سے ہم کام کرتا ہے۔ انکی وجہ سے اقبال نے ”جہاد کے نام“ میں کیا

خدا اگر دلی فطرت میں دے تھو کہ  
 سکوت الہ و گل سے کام چھا کر  
 اس آخری عداوت تک اقبال کا یہ نظریات کے دامن میں پوری طرح رہا۔ اقبال کا یہ جس باسو کے دل میں وہ ایک ایسے آدمی کی حاکم کرتے نظر آتے ہیں کہ ”رہیں خانہ“ بن کر رہ گئے۔ انکی وجہ سے ہم آہنگ اور ہے۔

جس باسو جرحی کی سیاحت میں نہایت اہم مقام رکھتے تھے۔ ان کے نام کے ساتھ وون فان وائٹھیم (Baron von Voltheim) لکھا جاتا ہے۔ جرحی میں جلد احمد کے لیے جرن (Baron) کا لقب متبادل کیا جاتا ہے۔ نوابی طرف رد و کار کے حامل شخص کو یہ لقب دیا ہے۔ جرحی میں جرن ایک نائٹن میں عطا کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر جہاد اقبال کا چچا احمد اور اہلادت نے جس باسو کو ایک لقب باسو جرحی نام سے دیا۔ کیا ہے ”زندہ و دہ“ کے کاتب نے ”خان“ کے لفظ کو پس و رقم کیا ہے کہ کوئی شخص ”خان“ پر مہربان ہے اور مکان ہوتا ہے کہ کوئی ورن خان اس سے ملے آتا تھا۔ نے کہ زبان میں ”Vun“ کا لفظ انگریزی لفظ ”Vn“ کی جگہ استعمال ہوتا ہے جس کا لفظ ”کان“ ہے۔ جرحی کی



سایا و سانی زندگی میں ہوں کو گناہات اہم مقام حاصل ہوتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو طارق اقبال اور فخریہ دوسو بیس سیاست کے نظریہ سیاست لے کر ملگری صورت حال تک گہری نظر رکھتے تھے۔ اس واقعے میں دونوں نے مالی سیاسی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا۔ (11) کہا جاتا ہے کہ فخریہ دوسو بیس کے گناہات قریب تھے اور سیاسی امور میں وہ نظری کی مودت کیا کرتے تھے۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ فخریہ دوسو کے یہاں آنے کا مقصد برصغیر اور اطراف کے چند ممالک کے حالات کا جائزہ لینا تھا۔ (12) وہ نظری کے فائدے کی حیثیت سے یہاں کے حالات کا بھاپا رہے تھے۔ (13) انہوں نے برصغیر کے بعد انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش اور اس واقعے میں طارق اقبال نے انہیں سفر انڈیا کے حلقہ مطوعہ فراہم کیں۔ (14) یہ بات بھی فخریہ میں دلی جانکتی ہے کہ طارق اقبال نے انہیں انڈیا سیاست کے روز سے آگاہ کیا اور اس ملاقات کے سیاسی پہلو پر عربی تحقیق کرنے کی غامضی گواہی ہے۔ اس زمانے میں برصغیر پر انڈیا کی حکومت چلی۔ آٹے والے وقتوں میں شروع ہونے والی مالی جنگ میں جرمنی اور انڈیا کی طرف سے طور پر متاثر آنے والے تھے۔ ان حالات میں فخریہ دوسو کا یہاں آنا اور طارق اقبال سے تبادلہ خیال کرنا کسی بے نظری کی گواہی دے سکتا ہے۔ فخریہ دوسو کی یہ چند صورتوں میں حوالے سے غامض اہمیت رکھتی ہیں۔

”اقبال جرمنی سے لوہہ اٹھتے تھے اور اس کے درمیان میں ٹالیں تھے۔ وہ گوشت کی سال سے میری اس داسے کی پریشانی کا خیر کرتے چلے آ رہے تھے کہ جرمنی اور ہندوستان کے مابین فسادات اور ہندوستان کے حالات میں بچا ہے۔“ (15)

تھام پر صاحب داسے کی حیثیت رکھتے تھے۔ اقبال نے اس ملاقات میں مالی سیاسی صورت حال پر غامضی دیکھی۔ کیا ہی خوب ہوتا کہ فخریہ دوسو اپنے پیروں میں غمگینوں میں اس جہت کو دہرایا کہ اگر اسے اس کے غمگینوں سے پرانا اور ضرور ہوتا ہے کہ اقبال اپنے آخری لحظات میں جرمنی کے ساتھ بڑی دودھیاں جو داسے کے دوسرے حق میں تھے بلکہ اس کی پریشانی کا نتیجہ بھی کرتے تھے۔

طارق اقبال کو جرمنی سے غامضی کا تھا۔ اس نسبت کا اعتبار ”ایک شام“ سے بھی ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فخریہ دوسو اپنی زندگی میں طارق اقبال کے ہم دور رہ چکے تھے۔ (16) اس حوالے سے ان کو یہاں اقبال لکھتے ہیں:

”ہوں فخریہ دوسو کا ایک (فخریہ دوسو) نے جرمنی میں اقبال کے زمانہ طالب علمی میں ان کے ساتھ کچھ وقت گزارا تھا۔“ (17)

اقبال لکھتے ہیں:

”میں وہی (20 مئی) ایک جرمن دوست کو اپنی زندگی میں ان کے ہم سفر رہ چکے تھے۔ ملاقات کے لیے آئے۔“ (18)

جرمنی کی وہ خواجہ گور پوری جو ایک شام کی صورت میں بہت پہلے سوئے ہوئی تھیں ان کا فخریہ دوسو میں آخری شام تک بھی بھلا دیا نہیں۔ جرمنی میں اقبال کی بیٹھ لیڈی اسباب اور اساتذہ کی باتوں کو اقبال غامضی اور رنگ داتا کرتے رہے۔

اقبال اور گور پوری بہت کھانا چاہتے تھے۔ سن اتفاق ہے کہ فخریہ دوسو گور پوری کے ماحول میں ٹالیں تھے۔ اس ملاقات میں اقبال اور دوسو نے جرمنی لوہہ بالخصوص گور پوری کے حوالے سے بات کی۔ اس غمگین میں عربی تحقیق کی جانکتی ہے کہ اقبال نے امریکا اور فخریہ کی کہ اس جہت پر فخریہ دوسو سے

خیال کیا۔ دوسو کے غمگینوں سے اس کی تحصیل نہیں ہوتی۔ فخریہ دوسو رات سلاٹے اور پکے دالیں کھاتے تو طارق اقبال سونے کے لیے چلے گئے۔ رات 11 بجے کے کچھ بج گئی ان کی آنکھ شہید ہو کر اس میں سے نکلی۔ کچھ سلاٹے پانچ بجے اقبال نے وضو پائی۔ فخریہ دوسو نے کچھ دوسو میں سے اقبال کی طرف دیکھی تو انہیں ایک جھکا سا کھانکھا۔ اقبال کی وضو سے چند گھنٹے قبل ہی ان کے پاس سے اٹھ کر آئے تھے۔ اس حوالے سے فخریہ دوسو کی اصل کا یہ جملہ کچھ سن لیتے ہیں:

”It was a strange coincidence that the last visitor who saw Iqbal before his death, was a German“ (19)

(اقبال سے آخری ملاقات) (20)

ترجمہ: عامر رفیق خالد محمود اختر فانی

(یہ غمگین جرمن زبان سے براہ راست اور) میں ترجمہ کر کے نقل کیا جا رہا ہے۔ اس میں میں اس میں فخریہ دوسو کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اصل میں یہ کہ اقبال کی آخری شام کے حوالے سے یہ غمگین و فخریہ دوسو کے کہ وہ جرمن زبان سے طارق دوسو اور فخریہ دوسو کے سبب جہنم حوالہ دیا اور فخریہ دوسو کے سبب جہنم حوالہ دیا۔ ایک شام میں معروف شاعر و فخریہ دوسو کے سبب جہنم حوالہ دیا۔ وہ کیوں کہ سبب سبب سے نہ دے رہے تھے انہیں دل کا مارا تھا جواب شہید صورت اختیار کر چکا تھا۔ فخریہ دوسو کی تکلیف ایک سے دوسروں کی فخریہ دوسو میں سوجا اتر آئے کی جہ سے وہ اپنی جانی بھریا کھو چکے تھے۔ اس حالت میں بھی انہیں میرا زمانہ گور پوری کا یاد دلاتا تھا۔ میں نے گوشت پرانہ ان کی



سہل گم کے موقع پر ایک کاغذ چسٹ کیا تھا اور اس میں 'میں نے ان کی خیریت دریافت کرتے ہوئے اپنی نیک نیتوں کا اظہار کیا تھا۔ اقبال نے اس محبت بھری تشویش اور عقیدت مندی پر حیران و شگہبہ ادا کیا اور ساتھ ہی میرے چند چٹا سٹ کے قریب کی۔ ہم کئی کشتوں تک باہمی کرتے رہے۔ ہماری گفتگو مسلسل اور فنی کی نزاکتوں کے گرد گھومتی رہی۔ مالی سیاسی صورت حال پر بھی ہم نے کمال کرنا تھا۔ اقبال جو کئی میں دیکھ کے اچھے اور خاص طور پر گوشت کے ذائقے سے کھانے کے سبب برکلی سے خوب واقف تھے۔ گوشت کی مٹاؤں سے وہ میری اس رائے کی بے غش تائید کرتے آ رہے تھے کہ برکلی اور ہندوستان کے مابین بنیادی اور عمیق وابہا استمرار کرنے کا وقت آج پہنچا ہے۔

اگرچہ میں چند لاہوری دوستوں کو یہ کہہ کر کہا تھا کہ میں موت کے قریب کھڑے ہوئے ایک ایسے راز کے خفیہ حقائق جاننے کی خاطر جا رہا ہوں۔ 'ہم' مجھے ہرگز پر اعتماد نہ تھا کہ میں اقبال کا آخری ملاقاتی ثابت ہوں گا۔ اگلے ہی روز 23 اپریل کو 'میرات' کے وہی جیسوں اور ہندوستان کے تمام اخبارات 'میرا' میں نے اقبال کے انتقال کی خبر پڑھی۔ میری اس ملاقات کے پانچ تھکے بھرا اقبال وفات پا گئے۔

پہلے ہندوستان کے سکول 'یونٹہ دھنیاں' مداح تھے اور پھر اس سوگ میں فرانزک کر رہے تھے۔ مسلمان کی دان تک ان کی وفات کا سوگ مناتے رہے۔ ان کی وفات پر اخباروں میں لکھا گیا

"بندہ کی رات آپ نے۔۔۔ ششائش شائش ہے۔ جوئی سے آپ کے ایک پرانے دوست برکلی صاحب اور انعام علی نے آپ نے بہت دیر تک ان سے باتیں کیں۔ انہوں نے آپ میں غلط اور سچا سچ پر آدمی رات تک گفتگو کی۔ اب ملاقاتی بنے گئے 7

آپ سونے کے لیے حریف لے گئے۔ 2 بیجے (رات) آپ کی آنکھ کھلی تو آپ نے بائیں ہاتھ پر سونہ کی کلکتہ کی سرخو اقبال نے آخری کلمات میں کہا "میں مسلمان ہوں۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میں مسخر کرتے ہوئے اس کا استقبال کریں گا۔"

(21)

اس کلمات کے بعد آپ وفات کی کلکتہ میں چلے گئے اور پانچ منٹ بعد انہوں نے اپنی جاں فانی عقل کی سپرد کر دی۔ اس عظیم شاعر نے اپنی موت سے چند روز پہلے جو الفاظ کہے ان کا شوق میں نے اخبارات سے حاصل کیا ہے۔ یہ کلمات فوری زبان میں ادا کیے گئے۔ میں ان کا برکلی ترجمہ پیش کرتا ہوں

سرد فکر باز آئے کہ تاج  
لئے از کار آئے کہ تاج  
سر آہ دادگار ایام فقیرے  
در دہائے روز آئے کہ تاج  
(دوسرے ترجمے کا حصہ) چکا چوب و ہند  
لوٹ کر آئے گا یا نہیں آئے گا؟ چارے سے ہوا کا کوئی  
بھونکا آئے گا یا نہیں آئے گا؟ اس فقیر کا عمر حیات  
اب تمام ہوتا ہے کوئی دوسرا دانے باز اب آئے گا یا  
نہیں آئے گا؟

میرا یہ منصب نہیں اور نہ ہی میں لوگوں کا اس کمال سمجھتا ہوں کہ میں اقبال کی شخصیت اور اس کے فن کا جانور ہوں۔ تاہم یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اقبال انبیاء کی عظیم شخصیات میں نہایت ممتاز مقام رکھتے تھے۔ خاص طور پر ہندوستان اور ایران کے تہذیبی اور علمی اقدار پر ان کی حیثیت ایک روشن ستارے کی سی تھی۔ آپ فلسفیانہ اور شاعری میں بیحد دیگر کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ ان کی وفات کو پورے ہندوستان میں فوری انصاف کے طور پر محسوس کیا

گیا۔ پوری دنیا کے مسلمانوں نے اپنے اپنے اسٹیٹس خاص کر صرف محسوس کیا بلکہ ان کے سبب دنیوی و علمی کی حالت میں بھی رہے۔

میں اس فکر پر ایک نہایت ہی عجیب و غریب خیال کر چکا ہوں کہ میں اس کا آخری ملاقاتی ثابت ہوا۔ اس ملاقات میں ہم قوی موت اور شخصی موت کے مابین تفاوت پر خاصی دلچسپی رکھتے رہے۔ اقوام کی موت اور فرد کی موت کے بارے میں انہوں نے بڑی فخر افراد باہمی کیں۔ اس موضوع کے حوالے سے کئی تحریرات تیار ہوئے اور ان پر بحث رہے۔

ان کے فرزند شجاع بہادر اقبال کو میں نے خوبیت نامہ سال کیا۔ یہ تقریب ہندوستان میں ہندوستان کے اخبارات میں شائع بھی ہوئی۔ ان کے والد محترم کو قبرستان میں دفن کرنے کی جانے پر شاعری صمد کے ساتھ ایک خصوصی جگہ پر دفن ہونے کا عقیدے صمد کی موجودگی میں ہر زمانہ کیا گیا۔

دادی اظہیر اور سری گرتے کوئی اخبار نہیں لگا۔ آج 23 اپریل 1938ء کو ہندوستان سے آئے ہمارے اخبارات کے ادارے سرخو اقبال کی وفات کی اطلاع پہنچی تو وہاں کے تمام پڑا فوری طور پر بند کر دیے گئے۔ اس لمحے اقبال کا وہ تو کراف بڑی شہت سے پڑا تھا جو انہوں نے اڑھائی سال قبل میری وائزی پر ہوا تھا۔ اس قریبی ملاقات میں میں نے ان کے تو کراف کے الفاظ ان کے سامنے دوبارہ بھی گئے۔ اس کا برکلی (23) ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

چناں بڑی کہ مرگ ہست مرگ ہوا  
علا کردہ طور شرمسار کر کرد  
(اس انداز سے زندگی بسر کر کہ اگر ہماری  
موت دانی ہو تو دنیا بھی اپنے لیے پریشانی ہو  
جائے)







# چند انقلابی نامورانِ عالم اور اقبالؒ

فلک شیریں

انسان کے بقا کا کام کیا جاتا ہے۔

آرٹھ 19 اپریل 1886ء میں لندن کے ایک ساحلی مقام ایمون پورٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد گیمبرج یونیورسٹی سے فلسفہ و تاریخ میں مہارت حاصل کی۔ 1888ء میں سرسید محمد خان کے لکھا ہوا کتبہ اے۔ اور علی گڑھ کے خلاف میں شامل ہوئے اور اس سال بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے استاد مقرر ہوئے۔ یہی وہ عظیم ادارہ ہے جہاں انھیں اقبال جیسے طالعِ سود اور خوش نصیب شاگرد بصر آئے۔ انھوں نے اقبال کے اس خیال کی حقانیت ثابت کی کہ شامی ترک کرنے سے ان کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوگا چنانچہ اقبال نے استاد کی رائے کو قبول کر لیا اور اپنا انداز ترک کر دیا۔

آرٹھ کا خیال تھا کہ ایک نیا دنیا آئے گا جب شاگرد اپنے استاد سے جدا ہو جائے گا۔ اگر آرٹھ اقبال کو شامی دہائی دیکھ کر بھرپور مشورہ دیتے تو مسلمان قوم بلکہ عالم انسانیت کی بڑی بد قسمتی ہوتی۔ آج اقبال بے مثال ہوئے اور دنیا کا کامل۔ ان کی روح کو بالیدگی اور غمِ آسٹھ کی حوصلہ افزائی سے ملی اور یہ وہ شاعر انقلابی بن گئے۔ آرٹھ کا دامن انگلستان جہاں اقبال کو بہت مشکل گزارنا پڑا۔ اس صدمہ کی گلی کو کم کرنے کیلئے نظم "تاریخ" لکھی جو ایک شاگرد کا اپنے استاد کو نراں حقیقت لگتی ہے اور اعترافِ حقیقت لگتی۔

پہلا مطلب میں آخر اسے مکالمہ جیڑا نہیں

☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆☆

عالمِ اقبال کے عظیم و متحرک کام میں متعدد ایسی انقلابی اور علمی جدوجہدیں گننا ہے کہ ذکرِ مکتبہ سے وہ حاشیہ ہونے والا نہیں ہے۔ آپ کا کسی نہ کسی حوالے سے کوئی رشتہ اور رابطہ ہوا۔ انھوں نے عربی متحول جہاں سے بھی چیز لے لی اور نہ ہی کو پھونو پر بیٹھ کر کیا اور یہاں بھی لوگ کر سکتے ہیں جن کی طبیعت میں انقلابی شلی نمائی انصاف ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کے کام اور فلسفہ حیات کا اہم ترین مرکز و محور انہیں تاریخ کی سب سے ارفع و اعلیٰ انقلابی ہستی رسول اکرمؐ ہی سے ہے۔ لیکن جہاں جہاں چھ لکھی ہندو شاگرد و پیروں کا ذکر ہر مضمون ہے جن کی انقلابیت کی گواہی مختلف حوالہ سے کی گئی ہے۔

آرٹھ تھا جس نے

آرٹھ بزرگسائی سوانی میں انقلابی نہیں ہیں جنہوں نے خود اپنا کتبہ کا دامن لے کر لکھی دنیا تخلیق کی جو کسی نہ کسی حد تک ہم پر چھ لکھی ہیں۔ ایک ایسی عظیم انقلابی طبیعت کی نشوونما میں حصہ لیا جس کی نظریات و افکار نے ایک عالم کو اپنا گرو بنایا۔ ایک انقلابی دامن کا ایک شخص ہی کسی خاص انسان کو اس منصب کیلئے چار کر سکتا ہے جس پر عام

ایک روزِ غمِ غم

آپ کا شخص قریب ہی ملتا ہے تو ہمیں کیا تو رہتی تھی۔ جب رسول آرٹھ نے نبوت کا اعلان کیا تو مشرفِ اسلام ہم پر کہ "شیخ الاسلام" کا لقب ہوا۔ حضورؐ پاک کے رسالہ تک وہ ہم میں رہے مگر شام جا کر قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اپنے نظریات کو دیکھ کر جذباتی انداز میں انھیں شروع کر دیا۔ ان کی نظریات میں کوئی "دلت" اور "سنگل" اختیار کو اولیت حاصل تھی۔ ان کا قول تھا کہ کہیں کے ہاں ایک دن سے







میں ان جنگ سے بڑی کی لاش بھی مل سکی تھی اس لئے اقبال نے اس واقعہ کو لب انداز میں پیش کیا ہے۔ "یہ مشرقی" میں بڑی کی کھرب تھی شعراء میں قرآن پیش کیا گیا ہے لیکن اس میں شعراء کی طاقت و تحریر کے لیے صفات دکھائی گئی ہیں۔ آخری شعر غور طلب ہے۔

و اما خود گم اپنی غنی تو، مرقہ تو  
ہ زمین نہ دار لئی کہ قرار زمین نہ ہوا  
(10)

گویا تو زمین کی غنی نہیں تھا اس لئے زمین پر نہیں مل سکی تو آج بھی غنی تو اس لئے وہیں چلا گیا کیا غیب غارت خانوں کی ہے۔

پیر و دی

مولانا جلال الدین دہلوی 1257ء کو پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بہان ولد پیر اسماعیل اور زور میں تھے۔ سکولوں کے سطوں کی وجہ سے مولانا دم کے دلوں نے وطن چھوڑا اور بیچہ پیر اور عرفی سے جڑے ہوئے تو یہیں آباد ہو گئے۔ جہاں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ اوقات کے بعد 1304ء میں ان کی جگہ دوسرے وقتوں میں کا سلسلہ شریعہ کبلا چنگا اس زمانے میں شیعہ پورا اٹھانے کو چنگ کے خلاف کورم

کہا جاتا تھا اس لئے دہلی میں گئے۔ مولانا دم کی ملاقات حضرت شمس الخوج سے ہوئی تو صوفی بن گئے اور دس وقتوں میں کا سلسلہ ترک کر دیا لیکن ان کے تصوف کا رنگ دوسرے سے مختلف ہے۔ اقبال ان سے بہت متاثر تھے اور ان کے کلام سے کب نہیں کر کے اٹھیں اپنا روحانی سرمد تسلیم کرتے تھے۔ "ہلالہ نامہ" میں اقبال نے ان اشعار کی سیر کی وہاں ان کے مدبر و رضا دہلی ہی تھے۔ "ہالہ جہانگیر" میں نظم "یہ دوسری" میں جو مکانی انداز

اختیار کیا گیا ہے اس میں علامہ نے یہاں بہت سے اشتداد کے کھل حاصل کی ہے وہاں اپنے کو کہ "کام ماضی" کے قہ سے بھی نوازا ہے۔ اس پر سے مکالمہ نے اقبال کو فخر کی بڑی اور تپ دعا کی۔ آخری دو شعر قابل توجہ ہیں۔

مرد بڑی صبر و تحمل کرتے ہیں۔  
ہم میں لب اور ہے باقی نہ سزا  
مل مل اس دلیس میں ہیں تیرہ روزا  
یہ زہی جواب دیتے ہیں

کار مردوں دافنی و گری است  
کار وہیں جلد و ہے شری است  
(11)

غرب عظیم میں "دہلی" کے ہم جنی شعر ہیں آخری شعر نچر ہے۔

گسست ہار ہے تیری غری کا سار لب تک  
کہ تو ہے گم دہلی سے ہے نیاز لب تک  
(12)

گویا غری کا حق بھی اقبال نے دہلی سے چاہا ہے اور یہی غوی ہے جو انسان کا رشتہ حق میں خاک سمیت نظر اور روحانیت معرفت سے جو رہتا ہے۔

پتچ

جہاں کی داستان انحرار کہنے کے ناموں اور پورے ہند کی میرات آگاہ اور تحیات سلطان راج مل نیچے 1753ء میں دہلی میں کے گھر پیدا ہوئے 1783ء میں تخت چھین ہوئے تو شعراء انقلابی انقلاب کے جن میں دہلی کا کافی زمیندار کلام سے کا شکاروں کا چنگا رادشت جانی کا حق لینا غلیظت پر پڑی اور شعراء بدعات کو برائت ہندی سے جڑے کھینچا دلچ و مثال ہیں۔ انہوں نے تمام کوڑیکہ اٹھ کر لے لیا "اعمالہ نامہ" کے ہم سے اپنا لکھتے تھے۔ وہ کتاب کے علاوہ تھے اس

حق کا ملکی ائمہ ان کی سرکار مل میں "ہاتھ اوسر" لکھنے کا کام ہے۔

اقبال نے نیچے سے بڑی کرنے وہاں کہنے جو ان کا مشعل کے دھربان مل کہتے ہیں۔

مغوار بچان و صابلی ہزار کی  
تک آدم، تک دی، تک دلی  
(13)

اقبال سلطان نیچ کی دستار ملی، اسے حسب اس میں اور سربا شامت سے متعلق سمجھتے تھے۔

اقبال ایک دلو سلطان کے حواری گئے تو بچان کہتے مزار میں ہیں جڑ گئے۔ جب پورے تو اس کے ایک معروف قوی کارکن (14) نے آپ سے چاہا کہ آپ کو دلو سلطان سے کیا فیض حاصل ہوا ہے تو اقبال نے جواب دیا "وہاں ایک لکھنوی کا گھر تھا" ایک خطا ہوا ہے۔

تو وہ نور خلق ہے منزل نہ کر قول  
ملی بھی ہم نہیں ہو تو مل نہ کر قول  
غرب عظیم میں "سلطان نیچ کی جیت" سے  
میں سے یہ علم شمال کی گئی ہے جس کا آخری شعر ہے۔

ہاں دلی ہند ہے حق و شکیہ ہے  
حرکت مہات حق و ہاں نہ کر قول  
(15)

عظیم میں

اگر 1550ء تک وہاں دلی کا زمانے میں تو اقبال ان کو مجھتا مقام سمجھتا تھا ہے۔ 1114ء اقبال کو دلو نے یہ سہو تو نہ کیا کہ وہاں ہند میں اپنے کو فخر تو نہ کیا کہ ت سے آگاہی نہ تھی ان کے نظروں سے نہیں گئی حاصل کیا ہوا دلو کی کی آپ نے اپنے کے نظروں سے فخر تو نہ کیا کہ ت سے آگاہی نہ تھی ان کے نظروں سے نہیں گئی حاصل کیا ہوا دلو کی شہت کے ساتھ نظرات اقبال کا سر دلو میں



لکھنے 1844ء میں برطانیہ میں پیدا ہوئے۔  
 تعلیمی مراحل اتنی جلد ہی مکمل کر کے صرف انگریزی میں  
 کی عمر میں داخل ہوئے تھے کہ پروفیسر مقرر ہو گئے۔  
 اس سال بعد ملازمت چھوڑ کر گورنمنٹ کالج، کراچی آ کر رہے  
 (1900ء میں وفات پا گئے۔) اپنی قوم کے حوالہ سے  
 "ان کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ ایک جیسا عقیدہ کو اپنے  
 کرتے تھے جس جیسا ہم سے ملتا ہے۔ انہیں کبھی  
 فلسفہ اخلاقی نہ تھا۔ انہوں نے اپنی نگاہوں  
 میں برائی و برائی کے علاوہ اور ہر شے کے لئے  
 ان کے نظریات اخلاقی تفسیرات سے قریب تر ہو  
 گئے۔ اقبال نے نظم سمجھا "میں ہی اکرم کی ایک  
 حدیث کے الفاظ کو ان کے نام اس طرح نقل کیا  
 ہے۔

آتش و طرب حرم است ملک سلامت  
 قلب او سوس رہا مثل کھڑ است

"مغربِ عظیم" میں جی شمس "عظیم ملک" کے  
 بارے میں اس انداز میں لکھا ہے کہ اقبال ان کے  
 مسلمان ہونے کی خواہش کرتے تھے؟  
 حریف ملک تو پیدا ہو سکا نہ عظیم  
 ۱۰۔ چاہے امر و اسلام کیلئے  
 خدنگ جہاد میں ہے اس کا قریب  
 ملک اس کا تکیا ہے ہر دہ کیلئے  
 اگرچہ پاک ہے طبیعت میں رہی اس کی  
 جس دلی ہے مگر لذت گنہ گار ہے

سر سید احمد خاں  
 اقبال ایک روشن خیال مسلمان تھے اس لئے  
 ان کے دل میں وہاں نہیں کیلئے تو قریب ہو جی جو  
 مسلمانوں کا سیاسی خواہش۔ وہ سر سید کا مسلمانوں کا  
 عظیم رہنما تصور کرتے تھے۔ "عظم سید کی روح اترت"

میران کے (۱۰) کی پس منظر کرتے ہیں۔

معا میرا اگر ایسا میں ہے تعلیم دیں  
 ترک اپنا قوم کو اپنی نہ سکھائیں  
 ہا نہ کرنا فرق بندی کیلئے اپنی زبان  
 چپ کے ہے بیٹا ہوا ہنگامہ فقر میں  
 اصل کے اسباب پیدا ہوں دی قوم سے  
 دیکھا کوئی دل نہ دیکھ جائے دی قوم سے  
 غلبہ اقبال کی علمی تعمیر سربے کے ہر مکتوب  
 نے ان کا کہنا ہے کہ ان کا عقاب ہر پایا جس  
 کی تعمیر بنا ہو گئی تھی تو حال مراد ہے۔ اقبال  
 جذبہ مغرب کے ہونے کی وجہ سے ہی ایک عظیم  
 ہر مکتوب کو اپنی کا پتہ لکھتے تھے۔ گویا ۱۸۵۰ء سر سید  
 کے لکھنے اور اپنی تھے۔

کارل مارکس  
 1818ء میں برطانیہ کے ایک یہودی گھرانے  
 میں پیدا ہوئے۔ پندرہویں صدی میں انگریزوں اور  
 فرانسیسیوں (200) کے فلسفہ کا (۱۸۴۰ء) کے فرانسیسی  
 1848ء میں فرانسیسی کے انقلاب کے ساتھ مل کر  
 انگریزوں کی حمایت کا مشورہ دیا گیا اور 1848ء میں  
 اپنی مشہور کتاب "سراپ" لکھ کر فروغ کی۔ یہ  
 کتاب میں جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں  
 اپنے عقاب پر مائل نگاہ کی گئی ہے جو دولت کی  
 موجود عظیم کو فروغ دے کر ایک نیا صفحہ  
 سیدان انتھامی نظام قائم کرے۔ چونکہ اقبال  
 سراپا دہان نظام کو انسانیت کا اعلیٰ تصور کرتے تھے  
 اس لئے کارل مارکس کے نظریات کو اسلامی  
 انتھامیات کے قریب دیکھیں کہ ہے کہا ہے۔

صلب سراپا ال نسل  
 یعنی آپ خیر ہے ہر انکلی  
 (21)

نست و غیرہ دیکھیں کہ اصل اور کتاب

گوئے  
 1749ء فریڈرک (برطانیہ) میں پیدا  
 ہوئے۔ عظیم اور عظیم تھے۔ حافظہ جلدی  
 سے گویا سمجھتے دیکھتے تھے اس لئے مشرقی ادب  
 میں اپنے دیکھنے کا نام "مغرب" لکھا اور  
 "مغرب" لکھا۔ اقبال ان سے بہت جڑ  
 تھے اس لئے "عظیم مشرق" کہہ کر دیکھیں مغرب کا  
 جواب دیا۔ "عظیم مشرق" کے چاہنے میں اقبال لکھتے  
 ہیں۔

"جس طرح انتھامی اعلیٰ و ذیل ہر امر  
 ہے اس طرح ان کے بھی ہے"  
 گویا اقبال نے روحانی انتھام کا سلی کوئے  
 سے بھی لیا ہے لیکن اس روحانی انتھام میں وہ  
 انتھام حاصل ہے جو انسانی تعمیر کا عقلی تصور ہے  
 عقل کے قول سے ابھرے آتا ہے۔ چنانچہ اقبال ہر  
 لکھتے ہیں۔

"ان کی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انتھام پیدا  
 نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی  
 گویا میں انتھام نہ ہو اور کوئی نیا غارتی ہو اور  
 اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا دھما پہلے  
 انسانوں کے عیسوی عقلی نہ ہو"

(23)  
 نظم "میرا عقاب" میں کوئے کو عقاب کا نام لیا  
 کہ کہانی حجت کا عقاب ہے۔

آواز آواز جلی دلی میں آرمید ہے  
 مکتب دیر میں حیرانم تو خواہد ہے (24)  
 جان لو کوئے کوئے وہاں اپنے ہر دیر سے  
 جی جی کوئے کوئے کرتے ہوئے اقبال یوں کہنے کی  
 عقلیت کا احترام کرتے ہیں۔







## علامہ اقبال کا ایک نایاب قطعہ

ڈاکٹر محمود الرحمن

تھیں ایذا کا ہی آپ کی بادی زبان تھی اور اس میں آپ شعر و شاعری کرتے تھے۔ اور بھی آپ کے لیے اعتبار ان کا ذرا بڑھتی۔ آپ کے کئی مجموعہ کلام اشاعت پانچ سو پچھپے ہیں۔

حضرت قدس سے علامہ اقبال کی عظمت کی ایک جہان کی شاعری بھی تھی۔ خصوصاً شاعری کلام یا شعر و شاعری قدس علیہ دست کی شادی دیا عیادت کے گروہ تھے۔ بھوپال کے دوران قیام ایک مجلس میں عمر سلیم کی دیا عیادت کا تذکرہ چلی نکلا۔ حاضرین میں سے کسی نے دیا عیادت مرد عیادت کی تعریف کی۔ یہی کہ علامہ اقبال نے فرمایا

”اے اپنے ذاتی کے مطابق دیا عیادت  
عمر سلیم اور دیا عیادت مرد عیادت بہت بلند  
پانچ کام ہے۔ ہر زمانے میں یہ تھوڑا سا  
حالات و ماحول ذاتی میں تغیر و تبدل  
دیتا ہے۔ یہاں کہ شاعری مولانا نے دم اور  
میری شاعری سے بنا رہے۔ مجھے تو حالات  
ماضیہ اور موجودہ ماحول کے ذاتی میں  
جواب قدس کی، دیا عیادت میں بڑی سنی  
آفرین نظر آتی ہے۔ بعض دیا عیادت ہے  
حد و گنج ہیں۔ ایک دیا تھوڑا سا  
آتی ہے۔

ہر اور ہر دینے چاہئے ہست  
ہر گل ہر لافنے گشت نے ہست

ذکر ہیں۔ ہر کتبہ خیال کے لوگ آپ کی خدمت  
میں حاضر ہو کر سکون و طمانیت کی دولت سے مستفید  
ہوتے رہے ہیں۔ ہر ایک الجھن ہر ایک غم ہر ایک  
تکلیف اس صوفی یا مہاجر و مہاجر دنیا کی صفت میں  
کا صوم ہو چلا کرتی تھی۔ ہر دینی مسئلہ ہر دینی گنج  
ہر عقدہ کا گنج اس ہی کمال کی مجلس میں حل ہو چلا  
کرتا تھا اور مسائل آستانہ قدس سے شاہان و فرماں  
نور شاہ کلام یا ماحول نکلا۔

علامہ اقبال کو حضرت قدس سے خاص  
عظمت تھی۔ اس کی لہریاں وہ چھٹی کہ اقبال کے  
روحانی مرشد حضرت گل حسن شاہ قندھار کا حضرت  
قدس سے خاص تعلق تھا۔ نیز گل حسن شاہ کے تلمیذ  
حضرت فضل شاہ قندھار کا شہری آستانہ قدس  
(بھوپال) پر اکمل ماضی دیا کرتے تھے۔ کیا کہ  
تھی کہ علامہ اقبال حضرت شاہزادہ قدس سے بڑی  
عظمت رکھتے تھے۔ آپ ہی کی ترکیب یہ علامہ نے  
”یاد شاہ“ انہی شہزادگان کا نظم لکھی تھی۔

ذکر ہوا ہاں سوز و گم و ہمتیں میں خط  
و کتابت کا سلسلہ بھی ہادی رہا تھا۔ حضرت قدس کو  
گل حسن شاہ کے انتقال کی خبر علامہ اقبال ہی نے  
دی تھی۔

یہاں اس امر کا انکشاف ضروری ہے کہ حضرت  
شاہزادہ احمد الرحمن شاعر بھی تھے اور قدس آپ کا  
تھیں۔ قدس چونکہ آپ کی والدہ محترمہ افغانستان کی

شاعر مشرق پاکستان علامہ اقبال کے  
اور ان کے گھر میں ایک ایسا شعر بھی نکلا ہے جو  
عقلمندوں کے باوجود بڑی قدر و منزلت کا حامل  
ہے۔ یہ ایک ایسے قصہ و زبان کی داستان گمراہی سے  
صاف ہے جس سے علامہ اقبال کو خاص عظمت و  
مقام تھی۔ یہ گمراہی باہمی حضرت شاہزادہ احمد  
الرحمن قدس علیہ دست کی تھی۔

تھوڑا سا حضرت قدس پر دست بھوپال  
کے رہنے والے تھے۔ ان کی ذات و ملاقات سے  
بہوں کی نامت گھوڑوں کا عینان ان تھوڑوں کا سکون  
اور وہوں کا گناہ و غم تھا۔ وہ ایک باہمی تھی انہی میں کی  
مثال تھی۔ طریقہ یہ کہ شریعت تھوڑی ہو کہ  
وہ تھوڑی علم ہو کہ وہاں ادب ہو کہ تھی عکس ہو  
کہ تھوڑا تھوڑا ہو کہ تصوف ہر صف میں انہیں مقام  
اولی حاصل تھا۔

ہر صفیر پاک و بلند کے تمام انکار حضرت  
شاہزادہ قدس کی فکر و نظر علم و دانش شہر علم  
تھوڑا سا شاہ حسن اخلاقی شہقت و محبت اور  
روحانی مقام و مرتبے کے معترف رہے ہیں۔ ان  
میں مولانا اشرف علی تھوڑی مولانا محمد علی ہزار  
مولانا شمس علی طویل حسن تھوڑی ڈاکٹر غلام احمد  
الندوی، حکیم عبدالحق ڈاکٹر ابراہیم ابراہیم عیادت  
لیاقت علی خاں، دلی پر دست بھوپال باہمی پر دست  
تھوڑا اور دلی پر دست بہادر۔ خاص طور پر تھوڑا



در دینہ مردان اہل عقل  
بر تصور پ جوش گرہ طوفانے بسے  
(نقی)

جہن ہوں عمار اقبال کا بزم عشق  
راستہ بھرپال میں قیام تھا آپ شمس المصباح  
اسم خطاب جامع سچہ دلی کے مراد جناب خواجہ  
اسد الرحمن قدسی کے آستانے پر حاضر ہوئے۔  
حاضری کی جوا عہد حقیقت ہی دینی بلکہ سلسلہ  
تقدیس کے ایک معزز رکن کے آستانے پر شرف  
پارائی کا حصول مل گیا۔ جیسا کہ بڑا میں عرض کیا جا  
چکا ہے عمار اقبال کو تقدس سلسلہ سے مدد ملی گا  
راستہ اور عمار کے جملہ مجموعہ ہائے کلام اس امر  
کے ثاب ہیں۔

حضرت قدسی علیہ رحمۃ کا آستانہ بھرپال شہر  
سے چار میل کے فاصلے پر دامن کسار میں تھا جسے  
پر سکون اور فضا عظام پر واقع تھا۔ اور وہاں کے  
منظر اور مشہور ادیب غلام حسن نظامی نے اس

آستانے کو "داوی امکن" مقرر اور اقبال پاکستان کے  
نامور دانش دان ڈاکٹر مہا تقدیر عاں اپنی طالب  
طبی کے زمانے میں آستانہ قدسی والا کرام چلا  
کرتے اور وہاں سے شریک قرار کر ہمدوشی و  
حقیقت نکالا کرتے تھے اور جو نہیں اٹھیں پہنچا  
اعمر میں اٹھیں ہے۔

جب شاعر شرق عمار اقبال حاضر آستانہ  
ہوئے تو اقبال ان ہی کے "میرے دل میں آستانہ  
میں قدم رکھنے ہی بطرح صدر کے ساتھ رجوع دلی  
اللہ کا جذبہ انحراف اور مختلف ہوا کہ یہ ملک  
نقراے حق پر انوار دلی کا نزل ہوتا ہے اور  
لٹاک روشن ہوتے ہیں۔ کل سے اب تک جناب  
قدسی کی شبیہ مبارک نظر کے سامنے ہے۔"

فرغی "داوی امکن" کے مدارج ہمد و احوال  
اور حضرت قدسی کی تقدسات و مارتانہ باتوں سے  
سجڑا ہو کر عمار اقبال نے فی الہد یہ ایک تقدس کا  
جواب تک پردہ کشائی میں ہے۔

چشم فیض

چشم فیض عمار ب کے لیے  
مرکز رشہ ہر اہل ست  
کوئی کجے تو ہے مقام قدس  
آستانہ جناب قدسی کا

مآخذ

- 1- تذکرہ تقدس دلی۔ ضمن سوز جلد دوم دہلی  
کراچی 1386ھ
- 2- لٹاک قدس ڈاکٹر اکرام علی کراچی  
1988ء (دلی)
- 3- حقائق دہلی: حکیم مہا عروج خطیب  
دہلی کراچی 1975ء
- 4- اقبال اور بھرپال: سہیا کشوی لاہور  
1973ء

☆☆☆☆☆



# خطبات اقبال کا پہلا اردو ترجمہ ----- ایک تجزیہ

عامر سمیل

دیکھنے کو ملے۔ یہاں تک جیسے کسی سادہ کی قہقہہ اورداد  
باجوہل جاننے کی سعی کی گئی ہے۔ اور اے آسمان سے  
آسمان انھوں کی حاشی ہی ایک حرم کی پابندی ہے۔  
ترتے کا یہ صف نہیں ہوتا چاہے کہ ایک ترجمہ نہ سنے  
کیلئے کسی کا ایک اور زبان کی عقل نہ سے۔ وہ زبان جس  
کے الفاظ تمام کی دھڑلے سے باہر ہوں۔ (۱۱)

نحوہ ہذا اقتباسات موضوع زیر بحث پر اپنی  
دلیل آپ ہیں۔ لہذا ان پر قہر کرنے کی ضرورت  
نہیں۔ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ ”تفہیل چہ نہ“ کا اہل  
لوہیں ہاتھ یا صفہ ہاتھ کے استعمال کیا جا رہا ہے۔  
منسلک ہے کہ اگر ترجمہ اصل کے مطابق نہیں تو میرا  
دستور ہوا آخری کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔  
مستقر اور مستحق حوالے کیلئے ہوا ہی شرط یہ بھی ہے کہ اس  
سے استدلال کیا جاسکے اور یہ ہی صورت میں ممکن  
ہے کہ حوالہ چاہے سمجھ اور قطعہ کا مال ہو۔ کوئی دینی  
میرا اصل دلیل کے کیے کا رد و لغت ہو سکتا ہے۔

علم غلط سے گواہی رکھنے والے حضرت  
علی تو ان خطبات کا مطالعہ ہو راستہ اگرچہ ہی  
میں کرنا پڑے کرتے ہیں جیسا کہ میرا اور میرا  
طرف رجوع کر رہی تو اولیٰ اسلوب بیان اور عربی  
قاری کی جھلک اسطرح ثابت ان کا راستہ دکھائی  
جیہ۔

اقبالیات میں تحقیق کرنے والے سے تحقیق تو  
اس عربی لفظ اور کو نہ کا اور میرا کہ قہقہہ لگتی نہیں  
رکھتے۔ اپنے اندر اقتباسات جو اقبال نے اگرچہ ہی

ڈاکٹر کبیر خاطر اپنے مضمون ”اقبال کے  
انگریزی خطبات“ میں نقل فرما دی ہیں کہ  
”وہ کتابا بالیہ ہے کہ اقبال کے ان انشائی  
نصوہات کو پاکستان میں عام نہ کرنے کا پورا پورا  
بندوبست کیا گیا ہے۔ اقبال کے نام پر قائم شدہ متعدد  
سرکاری اداروں کا اہل قہ ایک طرف سے جس اقبال  
کے ان انگریزی خطبات کو اردو اور دہلی میں منتقل  
کرنے کی کوشش کی نہیں ہوئی اور جب علمی مکتوں کے  
اصحاب پر بعد از طریقہ لیا دیا ان انگریزی خطبات کا اردو  
ترجمہ شائع کیا گیا تو وہ لکھی جاتی زبان میں تھا جس  
کے خطبات میں انگریزی کی کئی زبان، کئی اور متن و نظر  
آتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ حرم نے اقبال کے انشائی  
نصوہات میں کائنات چھات اور ترجمہ و حوالہ کا حق  
بھی خدا جانے کہاں سے حاصل کر لیا۔ چنانچہ کہ اس  
وقت اردو میں ان خطبات کا اردو ترجمہ دستیاب ہے نہ  
صرف وہی مواد مجھ ہے بلکہ گو کہ وہ تک اصل سے  
تلف لگی ہے۔“ (۱۲)

ڈاکٹر محمد سجاد علی سہیل نے اپنی کتاب ”اقبال کے ترجمہ پر  
اقتدار“ میں لکھتے ہیں کہ  
”ترجمہ مذکور کو ہذا مصنف چاند انگریزی  
انھوں کو خود اساتذہ عربی میں ترجمہ کر کے دیکھ لیا گیا  
ہے۔ مثلاً Spontaneous کیلئے لہائی  
Embrace کیلئے احترام  
Imperative کیلئے علمی حکم اور  
Interest کیلئے حوالہ دینا اور جیسے الفاظ

اقبال کے انگریزی خطبات کا ترجمہ دینا کی  
تقریباً تمام بڑی بڑی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اور  
میں بھی اس کے کچھ ترجمہ دستیاب ہیں جن میں تفہیل  
جہاں انشائیات اسلوب (۱۳) شاعر دینی پر قہر پر نظر (۱۴)  
اور ذہنی افکار کی تصویر (۱۵) خاص طور پر قابل ذکر  
ہیں۔ ڈاکٹر غلطہ عبدالکیم شریف جہاں دیکھ کر جو مکتوں  
اور سید احمد الدین نے ان خطبات کی تحمیل و تسہیل  
کے ضمن میں جو قہ کام کیا اس کی بدولت اقبال کی یہ  
بلکہ پایہ علمی تصنیف ہر خاص و عام میں مقبول ہو گئی  
ہے۔

(۱۶) ”RECONSTRUCTION“  
کے اردو ترجمہ میں جو مکتوں اور سید سہیل نے اپنی کتاب کے  
لوہیں ترے کو حاصل ہوئی اس کا انشاء یہاں سے  
نظری کیا جا سکتا ہے کہ ان کا یہ اردو ترجمہ (۱۷) انشائی  
اور اپنی اپنی کی تحقیق و تامل میں انشائی ہاتھ  
کے استعمال ہوا ہے (۱۸) نیز ترجمہ ہر خاص و عام ہاتھ کی  
حقیقت دیکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ سہیل نے اپنی کتاب  
اقبال کے ترجمہ دیکھتے ہیں سے تھے اور انھوں نے  
بڑی محنت، محنت، زہنی اور علمی محنت کے جذبے سے  
سرشار ہو کر ان خطبات کو اردو میں منتقل کیا۔ حرم کی  
اقبال دینی اور علم دینی اپنی جگہ مسلم ہے لہٰذا خطبات  
اقبال کا یہ پہلا اردو ترجمہ کی حاشیوں سے لکھی نظر ہے  
جس کا ترجمہ بہ ضرورت ہے۔ جس خطبات کا ترجمہ  
ہو جانے سے قبل اس ترجمہ سے تحقیق و تامل و تامل  
کرنا چاہیے گا۔



میں نہایت آسان اور دل میں جو اسے میں پیش کیے ہیں مترجم نے ان کیلئے بھی مشکل ترین ہندو مت کا انتخاب کیا ہے۔

پہلے ہر نقل کے مترجم نہ خود راہ کسم نیازی صاحب نے حوالیہ تعلیمات کا یکثرت استعمال کیا ہے تاکہ وضاحت طلب سوراصل مہارت کو بھڑکے بغیر واضح ہو جائیں لیکن صمد انیسویں کے یہاں ہر کتاب کے پہلو بہت کم ملاحظہ رکھا گیا ہے۔ انہوں نے حوالیہ میں اندھاانے صرف ذوق پنداری سے درج کیے ہیں لیکن موضوعات سے متعلق اہم الفاظ اور بات اور اصطلاحات سے واقف صرف فکر کے باہر کتاب کے آخر میں اصطلاحات کا ذکر کر دیا۔ اسی سے متصل دوسرا مسئلہ ہے کہ کتاب کے آخر میں درج انگریزی مصطلحات و تعریفات کا اندازہ قریب بعض اوقات کئی پرچائی کا موجب بھی ہوتا ہے۔ ان اصطلاحات سے کماحقہ آگاہی کیلئے عربی اور فارسی کا مطلبی ہونا اکثر ضروری ہے۔

خلاف دیگر است Eternity سماجی Antecedents صمدی Emergent امور Data حالات Psych Perspective کیلئے سراسر جیسے الفاظ وضع کرنا ابلاغ اور تفہیم کے واسطے میں روزے اٹکانے کے مترادف ہے۔ اسی پر مبنی انکسولن کی مہارت الفاظ کی ترتیب اور ترتیب کی زبان انکسولنات پر اصل انگریزی متن سے کافی دور اٹھ گئی ہے۔ مصل اندر ترتیب پر مبنی ہر ماہر کے تعلیمات کا منہم اندازہ کے ساتھ مشکل بلکہ قریب قریب ممکن ہے۔

سید محمد یازنی "تفہیم جہ" کے حوالے سے خود بھی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ "معرفت طے سے اس موقع پر جہاں بہت سی

ہائیں اور شاہد فرمایا کہ ان میں ایک خاص بات ہے جس کی جو حضرت انگریزی زبان سے باریک باہر ہے فلسفہ سے آگاہی ہیں انہیں تعلیمات کا مطلب سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی ہے۔" (1)

لیکن دوسرے صورت حال کچھ بھی ہو گئی کہ پانچویں قریب اس وقت تک قابل فہم نہیں ہو سکتا جب تک اسے انگریزی متن کے ساتھ رکھا کہ نہ چاہا جائے۔ ایسے سمجھ حالات میں اندر ترے کی ذاتی حیثیت اور Self-Identity مشکل کا نظام ہو کر رہ جاتی ہے۔ میری گزارش ہے کہ اس قریب کے Up to Date دیا جائے اگر کیا گیا کیا تو رفتہ رفتہ قریب مصل جہاں بھی حیثیت سے تو اندر رہے گا اس سے استفادہ مشکل ہو جائے گا۔

اس ضمن میں ایک سرمد وضاحت قابل ملاحظہ ہیں۔

(1) "قرآن مجید کو نام کرنے والے تمام افراد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی کتب تکمیل دیں جو اس اندر ترے کے تمام کمزور مشکل اور مہم مقامات پر نظر ثانی کرے۔"

(2) "بدیع العلوم و فنون کی روشنی میں اس کا اسرار و اندر قدس رکھا جائے اور یہاں مقدس اور مجسمہ مثال کیا جائے۔"

(3) "اقبال نے تعلیمات میں قرآن مجید کی آیات کے انگریزی تراجم کیلئے یہ اکتفا کیا 'سید صاحب نے ان کا عربی متن 'تفہیم جہ' میں درج کر دیا ہے اگر ان کا اندر قریب بھی حوالیہ میں لکھ دیا جائے تو کار بھی کی خاصی سہاوت ہو گی۔"

(4) "دور جہ میں خلف و مضامینات پر اندر اور انگریزی میں بھی اصطلاحات مہدی ہو چکی ہیں اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس ترتیب میں کی مضامین اصطلاحات مثال کی جائیں ہیں جو اقبالیات سے

انگریزی دیکھ جانوں کے علاوہ دوسرے چہ سے کئے تو کوئی کیلئے بھی نہ سمجھ سکتے ہیں گی۔"

(5) "اہم اور گہری انگریزی الفاظ اصطلاحات اگر اندر ترے میں ہیں ان کے قانون مثال کر کے حوالیہ میں ان کی وضاحت کر دی جائے تو تفہیم کے نئے نئے اسمن طریقے سے چہ سے ہو سکے ہیں۔ خلاصہ انگریزی متن کی ایک مہارت ہے۔"

"Scholastic philosophy has put forward three arguments for the existence of God. These arguments, known as the cosmological, the Teleological, and ontological, embody a real movement of thought in its quest after the absolute" (9)

"تفہیم جہ" میں اس کا اندر ترے میں اس طرح سے ہے۔

"تفہیم جہ" نے بہت ہی باری خدائی پر مبنی دلیلیں قائم کی ہیں کوئی "خالق اور موجدی"۔ یہاں یہ حوالہ اگرچہ اس سر کا حوالہ ہے کہ اگر خدائی نے وہ بھی ذات مطلق کی جنم کی قوت سے پیدا کیا پھر انہی ماحول پر کاربن ہوا چاہے۔" (41)

اگر آپ گراہتے ہیں کہ اس کتاب "تفہیم جہ" فلسفہ میں "خالق" اور "موجدی" بھی کثیر اصطلاحی اصطلاحات ایک ایک Frame of reference میں استعمال ہوتی ہیں۔ لہذا اگر اس اندر ترے میں کوئی "خالق اور موجدی" کے ساتھ انگریزی اصطلاحات (جو کہ انگریزی متن میں موجود ہیں) Cosmological, Teleological اور Ontological بھی درج کر دی جائیں تو ابلاغ میں آسانی پیدا ہو گی اور قاری اس کے مضمین





اقبال میوزیم کی یادگاری تختی



چاویڈ منزل



جائے نماز



دیوار گھڑی جو ماہر اقبال کی وفات کے وقت چٹائی ہوئی ہے



زیر استعمال ادویات، ٹینک کا گوراور بریف کیس

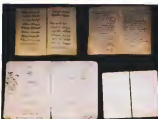


ٹینک گھڑی، ہفت لکس انگلیشیاں اور شیوہ کا سامان

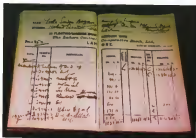




پاسپورٹ اور اس کا پہلا صفحہ



نئی شرمسوارہاؤس کے قلمی نئے



نئے ہسٹری اور کتابوں کی الماری

پینک پاس بک



مضوں سے ہی فرض رکھئے گا۔ دوسرا واقعہ یہ بھی ہوگا کہ اگر کوئی شخص انگریزی کلمات غلط میں ان کے مطالبہ دیکھنا چاہے یا سہولت کے لئے لکھے گا۔ اور غلط غلط میں بھی اس وقت تک کسی اصطلاح کا مطلب نہیں اچھا ہا سکا جب تک کہ اصل انگریزی اصطلاح سامنے نہ ہو۔ (انکو قاضی مہدیکار کی اصطلاح سامنے غلط اس سلسلے میں بطور مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

(10) "تفہیل جہ" کے معنی غلطی سے تفہیل کا تصور ہے۔ ان میں بھی غلطی ہوتی چاہیے۔ گو سید فتح نے کم از کم تمام حوالہ جات میں ضروری تفہیل کے مکمل کر دیے ہیں۔ ان کی فرہادی کاوش سے "تفہیل جہ" کو بھی Date to Date اچھا جاسکتا ہے۔

(11) سید صاحب نے حوالی میں "حروف دہا" کی طرز پر جو خطے کلمات سے دہا کیے ہیں انھیں حذف کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ کفار کی آزاد طرز فکر کی وجہ سے انہی خطوں کی روایتی میں مفہوم ادا کرنے پر مجبور ہوا تھا ہے۔

سید افراسوی اپنے مضون توڑنے کے اصول میں سمجھتے ہیں کہ "توڑنے کا معنی اسکاں کا مفہوم ہر انہی ضروری

ہے اس لئے کہ اس کے بغیر توڑنے کا مقصد ہی انھیں ہوتا۔ توڑنے کا مقصد تو یہ ہے کہ تمام کو ان قصبات سے روشناس کر لیا جائے جو اصل میں موجود ہیں اگر توڑنے میں اپنے الفاظ استعمال کیے جائیں جن کے معنی معمولی تفہیم یافتہ غلط ہوں تو وہ ان قصبات کو کیا سمجھ گئے۔" (10)

سورہ 66 میں لکھا گیا ہے کہ "توڑنے کا کام ہے کہ ان کی جگہ کو انہیں بلکہ مصنف کے مطلب اور زبان کی طاقت کو اپنی زبان میں سمجھ کر لے ہے۔"

یہ بات آج بھی سو فیصد درست اور قابل عمل ہے۔ تمام میں اصطلاح کی جگہ لکھتے موجود رہتی ہے اور ذاتی بھی چاہیے اگر "تفہیل جہ" پر غور فرمائی کرنا چاہئے تو اس سے سید ظہر ہزاری صاحب کی ایک نئے نظم روایتی یا نظم مقام امر ہے پر تنقید کوئی حریف آئے گا۔ ان کے کام کی بنیادی حیثیت سے کیے انکار ہو سکتا ہے

### حوالہ جات

- (1) حرم سید ظہر ہزاری - ہم اقبال لاہور۔
- (2) حرم ڈاکٹر محمد سید الحق - ایچ کیو کینسل

پاکستان پبلس کال کواں لاہور۔

(3) حرم شریف کواہی - ہم اقبال لاہور۔

Reconstruction of (4)  
Religious thought in Islam.

(5) تفہیل جہ فیضیات اسلام۔  
(6) سہابی "فنون" شمارہ نمبر 11 - حبر 1970ء۔

(7) نظیر روٹی، چھوٹے غفر م 56  
انتہا 1994ء۔

(8) تفہیل جہ م 6 - طبع سوم 1986ء۔

"Reconstruction" Edited (9)  
and Annotated by M. Saeed  
Sheikh PP 23, 2nd Edition  
1989, Iqbal Academy, Lahore.  
(10) ترجمہ روایت لکھنؤ، حبر لاہور، لاہور

م 58

انتہا 1985ء مقتدرہ کی ذیلی اسلام آباد۔  
☆☆☆



جاوید منزل سے علامہ اقبال میوزیم تک

محمد علی حسینی، ریکورڈنگ سٹوڈیو، اقبال میوزیم، لاہور

جس کی نذر سے آپ کو ایسا ہی ہوا کی خصوصیت سے رہنے لگے آپ جاننے کے چار مکروں میں پہلے کا مکروہ سبک چھوڑ دینے پر ہوا کی ۲۸ تاریخ کو ہوا کرتے تھے آپ یہ فرمایا اے اوقات نکالنے سے بچے ہوا اور اقبال کا یہ ہوا کرتے رہے۔

مئی ۱۹۳۵ء میں ہی حجاز اقبال کی صحبت کے شروع ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر اقبال نے کسی قسم کی محنت کرنے سے منع کر دیا۔ حتیٰ کہ خط و کتابت اور گفتگو چھوڑ بھی دے کر چار دیا۔ لیکن تکلیفیت نے ۱۹۳۵ء میں چاندی دی۔ چنانچہ میں بھی مریضی آگیا۔ کزوری صدمہ، زہر، زہر، انصاف، قلب اور ہیکل کی کزوری کے ساتھ غرض اور دوسری تکلیف زیادہ تشویش کا تھی۔ دسمبر ۱۹۳۵ء سے مارچ ۱۹۳۶ء تک ڈاکٹر ایف۔ کزل ڈاکٹر ایف۔ کزل، ڈاکٹر جمیل اور جمیل سیکر اور حکیم امین قریشی حجاز اقبال کا علاج معالجہ کرتے رہے۔ ۱۹ مارچ کو تپ کی حالت خراب ہوئی شروع ہوئی تھک میں طو آنے لگا اور نزل بہت تکلیف ہو گئی تھی۔ ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء کو سحری کے وقت آپ اپنے خاتون جمیل سے جا ملے۔

خدا کا نام لے کر اس کا مقابلہ کرنا اور اس کے سامنے ہاتھ نہ دھرنے کا یہ جہاد ہے۔ اہل حق جہاد کے لیے فطرتاً ہی مہیا ہیں۔ ان کے دل میں اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے کا جذبہ ہے۔ ان کے دل میں اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے کا جذبہ ہے۔ ان کے دل میں اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے کا جذبہ ہے۔

علامہ اقبال کی آخری رہائش گاہ قصبہ حلاہ  
اقبال نے ذمہ میں قبول کر لی تھی۔ علامہ اقبال نے  
اپنی زندگی کے آخری تین سال اس گھر میں  
گزرا دیے۔ ۱۹۳۳ء کے سال میں علامہ اقبال نے  
یہاں تک ٹھکانا چھوڑا اور چھوٹے مکان میں رہنے لگے۔  
اس میں خیرات جس کا دارالحدیث کمال تھا۔ اس وقت  
آپ یہ مکان مدینہ واقع ہو چکی ہیں۔ جے۔ یے۔ کٹی  
خاصی ہے۔ دارالحدیث جس کا کام ہے کہ وہ سو  
روپے یا سو روپے سے زیادہ مال کو جمع کرنے کے بعد  
آپ نے اپنے بڑے بھائی شیخ صاحب کو یہ مکان  
سے لیا اور ان کو ان کی تعمیر کا کام دیا۔ یہ مکان  
علامہ نے نہایت محنت و انتہاء سے اپنی عمر بھر میں  
یہ مکان بنوایا۔ علامہ اقبال نے اس کو تازہ سے  
انجام تک جا کر نہیں دیکھا۔ بس اسی دن کے صبح  
ان کی تسکین ہو گئی۔ یہ مکان ”جاوید حلال“ ۱۹۳۵ء  
میں تیار ہوئی جس پر تیس ہزار روپے جمع کروئے  
فرق ہوئے۔ اس گھر کا نام علامہ اقبال نے اپنے  
فرزند جاوید اقبال کے نام پر رکھا۔ لیکن صاحب  
کے آپ کی جگہ پر جس جاوید اقبال کی والدہ محترمہ  
سردار فتح محمد علی ۱۹۳۳ء کو انتقال کر گئے۔ علامہ  
اقبال نے ۱۹۳۵ء کو جاوید حلال اپنے بڑے  
جاوید اقبال کے نام پر خرید لیا۔ جس کے بعد آپ  
اس مکان کے مالک بنے۔ یہ مکان جاوید اقبال کے  
کے بعد اپنے فرزند کے بعد ان کے بیٹے کو

انہوں نے مسلمانوں کی پادشاہی اور ان کے کارناموں کو کئی نسل سے دیکھا تھا کہ ایک قوی فریضہ ہے۔ زندہ قوتیں اپنے بزرگوں کے نام اور کام کو کبھی یاد رکھتی ہیں۔ اسی اصول کے قریب نظر رکھنا کہ عظیم امامت حضرت علامہ ابو اقبال کے ایک سو چوبیس سالہ جشنِ پیدائش کا سال قرار دیا گیا ہے۔ آپ کا پیر غائب ہے اور کچھ گھنٹہ میں پیدا ہونے۔ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعہ ملحد اسلام کو بیدار کیا کچھ سمجھا۔ دہلی شاعر عظیم قاتل ممتاز نظر اور ملحد اسلام کے شخص راہنما تھے۔ انہوں نے مختلف انواع طریقوں سے قوم کی خدمت و قربت کی اور کئی سیاست میں حصہ لیا۔ انہوں نے پاکستان کے نکلنے کو کامیاب طور پر پیش کیا۔ مسلم لیگ کے ایساں مشفق، اہل آہار و عبادت، کانگریس سادات ایک سنگ میل کی خصوصیت رکھتا ہے۔ انہوں نے احمد قریبیت کے سرور اور کوشش ہمارے کے عظیم کو ضرب نہیں ہے تو ذکر رکھ دیا۔ جہاں بعض "مسلمانانِ جہ و جوار" ملت کھائے وہاں اس امر کو رکھنے کے لیے طور سے حق آگاہی اور حقیقت شناسی کا مشورہ دیا۔

لاہور کے لیے سے انھیں سے گزرتی ہوئی  
طرفہ جانے سے انگریزوں کو ایک کلو میٹر کے فاصلے پر  
جس استقبال New (یا جامعہ) کی طرف سے یہاں کا کار  
سرکار نے جاری تھا۔ "بندوبست" اور "معاذ اللہ"











# کلام اقبال کی مصوری کی روایت

عمر فرید مصباح الدین

”معل چٹائی کے دیپچہ پہلی میں، آویں  
برآ سوز کے عنوان سے شروع کیے تھے۔“  
”آج وہ اصول آموز ماہوں میں داخل  
رہی ہے جس کی تعلیم کے طور پر اقبال آرزو مند  
تھے۔ وہ دیکھ کر کہنے کے طور پر بچوں سے  
بہت حشر کرتے اور بچوں میں بات کا احساس دلاتے  
رہتے تھے کہ ان کا کام بھی رنگوں اور خطوں میں مشغول  
ہونا ہے۔“

محمد ارباب چٹائی کا مریخ لی جو ”معل  
چٹائی“ کے نام سے کلام اقبال کی مصوری پر مشغول  
ہے 1960ء کی دہائی کے آغاز میں مریخ نام پر  
آپ نے جرنل ایب کاؤرڈر افٹار صدر پاکستان  
کی شخصیت سے جرنل ایب نے چٹائی مرجم کو اس  
عظیم مصورانہ کارنامے پر ایک انکوائری تقریر  
دی۔ لاہور آئرش کونسل (انگرا) نے معل چٹائی کی  
پیشہ تصدیق کی لڑائی بھی منطقی کی اس وقت لاہور  
آئرش کونسل کی تحن سے بنی ہوئی آسٹ گلیری اور  
اس کے سامنے کے کھان میں سنیہ نیچے لگا کر شاعر  
آج اس کی گلی تحن۔ یہ معل اور یہ دھڑا ٹھڈا مال  
رواج سے گزرتے تھے ان کے لگی ہوئے دیکھ سکتا۔  
تھو نیچے اب تک کی چٹائی کی یہ تحصیل کام  
اقبال کی مصوری کی روایت کے آغاز کی کہانی ہے۔  
تاہم (1940ء) کے موسم گرما میں معل کی چٹائی پر آئرش  
آف پاکستان نے پاکستان معل چٹائی کے رہنما

سے اپنے فن کا موضوع دینے کا اسے بہت عزت  
اور شہرت حاصل ہوئی۔

کہتے ہیں کہ اقبال کی زندگی میں استاد اعلیٰ  
معل نے ان کے کھاتہ کی تصدیق چٹائی میں انگر  
اس بات کے شہد گئی ہے نہیں حاصل ہو سکے۔  
اہل ”مرم چٹائی“ کے حلقے کے بارے میں ایسی  
بات فرمیں تو اس ہے۔ ان کے بارے میں فاکٹر  
مہار چٹائی کی طرز اقبال سے مشغول قریب کے  
حلقے سے بھی یہ بات نقل کر آتی ہے کہ وہ  
چٹائی طرز اقبال سے مریخ چٹائی کا دیپچہ لکھا  
رہے تھے ان کے دل میں تحن ہے کہ مشغول میں  
کام اقبال کی مصوری کی خواہش پیدا ہو گئی ہو۔  
چنانچہ کلام اقبال کی مصوری چٹائی ”معل چٹائی“ کے  
ایسا ہے میں چٹائی صاحب کی تحریر حق پر حقیقت  
معلوم ہوتی ہے۔ وہ ”طرز اور جماعت“ کے عنوان  
کے تحت لکھتے ہیں

”طراز اقبال کی ہیئت یہ آرزو دہی کہ ان  
کے کام کا ایک ہتھوڑ اور چٹائی میں چٹائی کیا  
جائے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ صحت بحال ہو  
جائے تو چٹائی بار کا انگریزی میں ترجمہ کران کا  
اسے ترجمہ ہاں گا اس میں تمہاری چٹائی تصویر  
ہوں گی اور اس صورت میں چٹائی کو دل پر ہاتھ کے لئے  
چٹائی کیا جائے گا۔ طراز کی اس خواہش کو میں نے  
اپنی آرزو چٹائی“

محمد ارباب چٹائی نے دہان غالب کے  
اشعار کو مصوری میں احاد اور اسے مریخ چٹائی کا  
نام دیا۔ اس کا دیپچہ طراز اقبال نے انگریزی میں  
لکھا۔ ایہوں نے مختصر انون لکھنے کے عنوان  
طراز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان لکھتے میں  
سے سامنے فن تعمیر کے کچھ اسلامی فن لکھتے بھی  
ہوئے ہوتے ہوتے ہیں۔ انہوں نے چٹائی کی مصوری  
کو مرجم چٹائی اصغر فن کا لکھتے ایک خواہشات  
کے ساتھ آئے اسے حقت پر لکھتے دیں۔

فرزاد اقبال (شیر) (پڑا چٹائی نے اپنی  
کتاب ”زندہ“ میں اپنے بچوں کا ذکر کرتے  
ہوئے لکھا ہے کہ سال کی ابتدائی چٹائی میں  
انہیں اور ایک کا شوق ہوا تھا۔ طراز اقبال نے  
اپنے بچے کا یہ بیان دیکھتے خاصیت صحت میں کی  
اور چٹائی اقبال کے بارے میں تو اس کے بڑھانے  
کے لئے انہوں نے آسٹ کی ایک کتاب اور شاید  
کچھ سادہ مگر فراہم کیا تھا جرنل چٹائی اور اقبال خود  
ان کا یہ شوق چٹائی چٹائی۔

”چٹائی ہمارے“ کی اشاعت پر طراز اقبال  
بہت خوش تھے انہیں اپنی اس شخصیت پر اطمینان  
بھی تھا۔ اس کی دہی خواہش میں کہ اسے اور گوسٹ  
کے اپنے بچوں کی طرح کوئی مصور ایسا ہو جو ”چٹائی  
ہمارے“ کو مصوری کا بار چٹائی نے یہ  
پیشہ گوئی کی کہ جو مصور ”چٹائی ہمارے“ کو کامیابی



چوہدری احتشاد احمدی کے والد مشہور مسلم تھے۔ رضا چوہدری محمد امین علیگ مرحوم کی کام اقبال کی مصوری پہلی بار رنگو پر مشتمل ایک کتابچہ کی طرح رہائی کا اہتمام کیا۔ اس کی صدارت فروغز اقبال جنس (دراکٹر) چوہدری اقبال نے کی۔ انکشاف خیال کرنے والوں میں ممتاز اقبال شمس پور فیروزہ منور مرزا اور مشہور مصور اسلم کمال شامل تھے۔

1970ء کی دہائی کے وسط میں مشہور مصور اور محمد سالہ چاہ اپوز ڈوئی نے "قلم" اور "چاہ قلم" کے ناموں کی مصوری کی۔ یہ تصاویر بیک اینڈ ڈرامیٹ بنائی گئی تھیں۔ اپوز ڈوئی کا تعلق لاہور سے تھا اور اسکی مستقل رہائش گاہ کراچی میں تھی۔ ان کی بنائی گئی تصاویر کی نمائش انکشاف بلڈک میں واقع پاکستان پینٹل سٹریٹ میں ہوئی۔ حضرت اقبال کو ان تصاویر میں ایک مکمل چٹائی جہاں وہ تھکے رہے ہیں دکھایا گیا تھا۔

اسی زمانے میں مشہور خطاط مصور اور سرورق زبیر اسلم کمال کا اسلوب فن پرانی پڑی سے اپنے رنگ و بار نکال رہا تھا۔ چاہ آتش کوئل کے انجینیکل انڈسٹریز چاہید مرحوم نے جب یہ خاکہ اسلم کمال کام اقبال کو پیش کر دے ہیں تو انہوں نے فوراً اسلم کمال سے رابطہ کیا اور 1977ء میں اسلم کمال کی کام اقبال کی مصوری کی نمائش کا پروگرام طے کیا۔

1977ء کو طائرہ اقبال کے صاحبزادہ ہمید بخش کے حوالے سے سرکاری سطح پر سال اقبال کے طور پر منانے کا حکومت پاکستان اعلان کر چکی تھی۔ 1977ء کے آخر میں لاہور میوزیم میں چاہ آتش کوئل نے اسلم کمال کے ساتھ ساتھ دیگر چٹائی مرحوم اور مہاشی عابدی اپنی پہلی پینٹل کاٹ

آف دی آرٹس کے فن پاروں پر مشتمل ایک گروپ شکارا اہتمام کیا۔ ان صوروں کے فن پاروں کی نمائش کا انعقاد اس وقت کے گورنر پنجاب نے کیا۔ لاہور میوزیم کی مٹی پلنگ ٹیکری میں عہدہ اعلیٰ چٹائی اور محترمہ مہاشی عابدی کے فن پارے سجائے گئے۔ لاہور میوزیم کی مہاشی مصوری کی ٹیکری میں صادقین کی تجلیات آج جس کی انکسین ہوا اسلم کمال کی مصوری کے لئے لاہور میوزیم کی سب سے قیمتی ملک عمارت آرٹ ٹیکری بنائی گئی۔ لاہور میں منصفہ شاہ پہلی مصوری کی نمائش جتنی میں نے لاہور کی ثقافتی زندگی میں سب سے پہلے محسوس کیا۔ انکسین ہوا نے فی انکسین ہوا کی بار بار کوئی اور عبادات اس حوالے سے کی تھیں بلکہ جس سے اس کی عبادت خالق کرتے رہے۔ اس کی عبادت خالق کی کہ اقبال اور ان کی شاعری کے پیغام میں بل پاکستان کے لئے باہم اور اہل لاہور کے لئے بالخصوص اپنی عبادت کا گروہ اس میں موجود تھا۔ اس نمائش نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔

اس نمائش میں سب سے زیادہ بڑے پرانی اسلم کمال کے فن پارے کو حاصل ہوئی۔ خاص طور پر ان کی بیک اینڈ ڈرامیٹ ڈراماٹک اپنی مہارت فن اور مسی آفرینی میں سہ مشل تھیں۔ لاہور میوزیم کے بالمشاق چاہ بے تحاشی کے شہید آتش اور بھل میں موجود پینٹل کاٹ آف دی آرٹس کے طیارہ و طائرات پر جتنے اسلم کمال کو ان کی ٹیکری میں کھیرے دیکھتے تھے۔ انکشاف اور تصاویر میں باہمی تعلق پر بحث ہوئی رہتی تھی۔ اس نمائش میں ایک پہلو خاصہ قومی سماج سے آواز سب کو اجازت کر گیا۔ وہ یہ تھا کہ وہ انکسین کی تصاویر اپنے دیکھنے والوں کی وجہ سے بہت مشہور تھیں۔ ان کے مقابلے میں اس

نمائش میں چٹائی کردہ اسلم کمال کی دیگر تصاویر کے ساتھ ساتھ ان کی تصاویر سے کہیں بڑے تھے۔ اس نمائش کو دیکھنے والے زیادہ تر اسلم کمال اور ساتھ ان کے فن کا سوا لاہ کرتے رہے۔ ساتھ ان کے فن پاروں میں رنگوں کی کئی نئے مصوری کی کھینچ کر کوہم کر دیا تھا۔ بلکہ اسلم کمال کے فن میں کھینچ کر اور طائرہ جنس کا حال و حال آقا جلیق کا نکاس تھا اور رنگوں کی فراوانی اور تازگی شاعر اقبال کی روحانیت کی آئینہ دار میں گئی۔ مشہور دانشور فواد علی چاہ قلم کو ملک نے اسلم کمال کے فن پارے دیکھ کر سادات الفاظ کے ایک نکتے میں اپنی حاکم کا نظارہ کیا لیکن اس نکتے کا ایک ایک فقرہ اپنے اندر ایک دہانے سوائی رکھتا ہے انہوں نے کہا

"آج پہلا پاکستانی مصور پیدا کیا ہے"  
1982ء کے ایک بیک جنس (دراکٹر) ڈاکٹر چاہ اقبال نے اپنے سے بچے واقع میں طیارہ ڈاکٹر کے ڈاکٹر ایک دم کی ایک دہانہ پرانی زیر چاہیت مصوری انکشاف سے چاہید ہنسکی تصاویر چاہید تھیں۔ ان تصاویر پر مشتمل چاہید ہنس کا مصوری میں اقبال کا کالی پاکستان نے خالق کیا مگر یہ مصوری میں فن پارے حاصل نہ کر سکا۔ تصاویر میں روئی اقبال اور دیگر کراہوں کی جگہ بے غیر جڑ کی نہ تھی وہ تھی۔ یہ اہل مرحوم تھی۔ مثلاً اس کی جگہ یہ تھی کہ مصور اور فاضل زبان سے بظاہر اور فکر اقبال کی وسعت اور بصیرت کی عظمت سے واقف تھا۔

1983ء میں چاہ قلم آف دی آرٹس لاہور نے اپنی مرتب کردہ نمائش منصفہ 1977ء کا انکشاف و فنی میں ہل نکل دیا میں کیا۔ اس نمائش



میں پہلے کی طرف انہی چاروں مسودوں (مسودہ تین) چھٹی، اٹھ کمال اور چھٹی چھٹی کے لیے پار سے پیش کئے گئے۔

1984ء میں پنجابہ آرٹس کونسل (پور) نے صدر پنجاب لائبریری ایک بار پھر تمام اوراق کمال عباس حضرت کے لئے قرنی سین ہال میں لگائی۔ اسے اس بار بھی جی جی قہار میں لوگوں نے دیکھا۔

پہا پھر گورنر عمر اصرار کی ڈائریکٹر شپ میں اقبال اکادمی پاکستان نے 1985ء میں اٹھ کمال کی تصدیق کی لائبریری حیدر آباد اور کوئٹہ میں کرنا نہیں۔ اقبال عباس خواتین و حضرات کی جی قہار نے یہ لائبریری ڈونریشن سے دیکھیں۔

1986ء میں اٹھ کمال نے متحدہ یورپی ممالک میں تمام اقبال کی مسودے کے کئی پاروں کی لائبریری کے گورنر اقبال کو تصدیق کے ذریعے یورپی ممالک میں متعارف کرایا۔ اس اقدام سے تمام اقبال کی مسودے کی روایت کلی بارقہ کی سرحدوں سے نکل کر نئی اوقاف کی جھڑپ سے پہنچے آہستہ متعارف کرانے لگی۔

1992ء میں فیصل آباد آرٹس کونسل نے مقامی جہاں میں اٹھ کمال کی تصدیق کی اور سب لائبریری کا انتظام کیا۔ یہ لائبریری سلسلہ لائبریری ہم اقبال متعلقہ لگنی اور اسے اہمیت و وسائل سے بہت بڑھائی گئی۔

اقبال اکادمی پورب نے 1996ء میں برہنہ (پنجاب) میں "اقبال اور فنون لطیفہ" کے موضوع پر جیسے اوقاف کی سیمینار منعقد کرایا۔ اس کی صدارت اردن کی شہرہ آفاق ڈاکٹر وصال اور اس کی پاکستانی نژاد چوٹی ڈاکٹر کی جی نے کی۔ اٹھ کمال

کو پاکستان کی لائبریری کے لئے پمپل کونسل آف دی آرٹس اسلام آباد کی طرف سے بھیجا گیا۔ جی "دی پمپل" (پور) کے مطابق کئی مسودے کی تاریخ میں یہ لائبریری کا پہلا واقعہ دیکھنے میں آگیا ایک مسودہ کی ایک ہی مسودہ پر دو طبقہ دیکھنے لگائیں ایک ہی وقت میں دو مسودوں میں متضاد ہوئی ہوں۔ ایک برہنہ پمپل کے قاضی آرٹس لائبریری میں اور دوسری شاکر علی میوزیم پورب میں۔

1997ء میں طابیکہ کے شکر کمال پورب میں "اقبال اور لائبریری لکچر" کانفرنس کے موضوع پر جیسے اوقاف کی کانفرنس کے موضوع پر اٹھ کمال کی تمام اقبال کی مسودے نے تقریباً اقبال کے فردا میں لکھی کرنا کرنا کیا۔ ایک ایک کانفرنس جی جو حقیقی طور پر ایک جیسے اوقاف کی اقبال کانفرنس جی۔ جس میں شرکت کرنے والے دانشور مختلف ممالک مختلف قوتوں اور مختلف زبانوں سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ مختلف ممالک کے کئی دیگر تھے۔ اس کانفرنس میں اٹھ کمال کی مسودے نے اہمیت کرنا کرنا مسودے ایک لکھی زبان ہے۔

اقبال اکادمی پاکستان کے ڈائریکٹر نے جہاں اقبالیت میں اس کی تفصیل لایا جان کی ہے "تصاویر اور ڈرائنگز کی اس لائبریری کو اقبال ایک مسودہ کے لحاظ میں" کا نام دیا گیا تھا۔ ایک جیسے ہاں میں اٹھ کمال کی جہاں ہوئی 30 تصاویر اور 14 ڈرائنگز لائبریری کے قاضی کی گئیں۔ ان تصاویر میں تمام اقبال کے موضوعات کو مختلف موضوعات میں لکھا گیا تھا۔ اٹھ کمال جی زبانوں سے اقبال کو قوت کرنا ہے جی اور انہیں

ماہیت شہرت حاصل ہے۔ لائبریری میں ان کی پہلی تصاویر لگائی گئیں۔ اٹھ کمال کے قاضی کی خصوصیت اور اقبال کے پیغام کی صحت سے نل کرنا لکھی دیکھنے والوں کو یہ جگہ موجود تھا۔ قائم تمام مذہب تمام نے تصاویر کی لائبریری کا انتخاب کیا اور لائبریری کے ضمن وصال میں اسے متنبہ ہو گئے کہ انہوں نے ایک ایک مختلف کا جو مطالعہ کیا۔ اٹھ کمال نے جھڑپ برہنہ شکر اور اس کے گھڑی خیال کی وضاحت کی۔ اس لائبریری کے سامان اور اقبال عباس لوگوں کی جی قہار نے دیکھا۔ اٹھ کمال مارا وقت مبارک ہو جسے وصول کرتے آؤ کرنا دینے اور اقبال کے کام کو قوت کرنے کے برہنہ کرنا ہے کے بارے میں قاضی میں مصروف رہے۔ 13 ممالک سے آئے ہوئے طبقہ کے سب لائبریری اٹھ کمال سے ذاتی طور پر تصاویر ان کے کام کو سراہنا چاہتے تھے۔ خود اٹھ کمال کے پیغام سے ان کی رابطہ جی قاضی کا تمام اقبال کے پیغام سے ان کی رابطہ جی جیسے اور اور ان کے حلقوں میں پمپل پکا ہے۔ دن سے آئی گئی ڈاکٹر متنبہ پر لکھی جی اٹھ کمال میں ان کی رائے ان بہت ہی آزاد میں سے ایک ہے جن میں اٹھ کمال کے لیے کا محراب کیا گیا۔

"جیسے مشہور مسودہ اٹھ کمال کے قاضی سے بہت جڑ ہوئی ہوں۔ علامہ اقبال کے پیغام میں متنبہ ان کی تصاویر جو کہ میں انہوں میں دیکھتی آئی ہوں مجھے جیسے جڑ کرتی رہی۔ کہا کہ اسکا ہے کہ انہوں نے اقبال کی روحانیت کو مصروف دیکھیں اسے میں تصویر کی صورت میں تخلیق کیا۔ اقبال کے بارے میں ان کی سمجھنے اور کمال کو لکھی ہوئی ہے۔ اس میں اقبال کی شاعرانہ جی کی تفریح اور مسودے



وائس تھا اور وقت اور اعتبار سے گہرا ہیں۔

قون لینگ کا مسئلہ بہت لطیف ہوتا ہے۔ اس کا ارتقا داسے مزید لطیف بناتا ہے کیونکہ کئی طرح سے ارتقا کی عمل آتی تھی۔ لیکن یہ عمل بڑے ہوتا ہے کئی دسم سو سال پہلے کی باتوں کی نگاہوں سے ابوجمل رہا ہے ہیں۔ خون لینگ کا سفر مشابہہ کی حد سے پڑا ہے۔ وہ ان کی سچ پر دیاں رہتا ہے۔ خون لینگ تھوڑی کٹنگی پر ایک جہد سے دوسرے جہد میں اترتے ہیں اور دہائیات کا جامہ پہنتے ہیں مستقبل کا راستہ جاتے ہیں۔

کام اقبال کو تصور کرنے کی روایت عہد اربعوں چٹائی کے لیے دے چکوں اور لوگوں کی فصول کاوی سے خصوصی صدی میں شروع ہوئی۔ اس روایت کو چھٹی صدی احسن طبع آذر زوبی بھی انگریز صحافیوں عباسی ماہی دہر اسلم کمال نے اپنے اپنے خون نگر سے بچھا اور اپنی اپنی مہارت فن سے اس کی تازہ لاش کی۔ یہ روایت تاریخ ناک کی طرح نگر اقبال کے آفاق پر پھوٹی چٹائی ہوئی اپنے نگر سے اٹل نظر کو اب سے ہمارے کشیدہ کرنے کی روایت ماہر بنے گی ہے۔

2 دسمبر 2000ء کی سہ ماہی اقبال میں اسلم کمال کی اشعار اقبال یعنی دارا بگو اور ہاتھو کی مستقبل قریب کا افکار صدر پاکستان نے فرمایا۔ اس موقع پر طلبہ احتیاجیہ میں فیس (1000 روپے) میں شامیہ میں اقبال اقدار نے کہا

”خدا اقبال پر ہی دنیا کے مسلمانوں کے لیے سرفرازی کا ایک سرمدی نور ہے۔ یہی نور انسانی کے لیے امید اور ہدایت کا ستارہ بھی ہیں۔ سامعین

اقبال ان کے اسی عظیم الفاظ پر ہم کی فصول کی قیاس ہے بے مستقبل میں اسٹ مسک کی فصول کا مرکز بنا ہے۔ ابنا ماٹھ۔

ایمان اقبال میں تصور اقبال جب اسلم کمال کی نگر اقبال یعنی دارا بگو اور ہاتھو کا افکار دراصل 2 دسمبر 2000ء کو ایک تاریخ ساز دن بنانے کا عمل ہے۔ جب اسلم کمال کی تصور اقبال کے طور پر صورت ہیں اتنا ہی ہے ان کی بیٹنگ تصور ان فطرتی اور مردوں تاریخ انگ کی تھوڑی کی تاریخ نہیں ہے۔ اسلم کمال باقی ایک درخشاں شخص ہیں جو تاریخ بذات خود ایک سیارہ ”ایک کعبہ فکر اور ایک روایت کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔

اسلم کمال کے فن کے اعتراف میں ان کو حکومت پاکستان کی طرف سے شرف صحن کارکردگی سے 1993ء میں نوازا گیا۔ اسلم کمال گزشتہ 25 برسوں سے کام اقبال کو تصور کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو تجلیات اشعار اقبال یعنی اسلم کمال کے فن پادوں کو حاصل ہوئی وہ کسی اور تصور کے حصے میں نہیں آتی۔ چنانچہ یہ حقیقت باغیاب نواہات کا درجہ پا چکی ہیں۔ جب اسلم کمال سے پہلے ”عمل چٹائی“ کے نام سے تصور مشرق عہد اربعوں چٹائی نے بھی ناقابل فرسوش خدمات سر انجام دی ہیں اور کچھ دوسرے مصوروں کا بھی کام جاری طور پر نظر آتا ہے لیکن اسلم کمال نے جس قدر کام کیا ہے وہ تمام مصوروں کے مجموعی کام سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ صدر عالی دتھر جب اسلم کمال نے اپنی زندگی کا بھرپور حصہ نگر اقبال کی صدی میں بھر کیا۔ اس کا طرز میں ان اقبال اقدار نے ان کے اعتراف میں ان کی حقیقت پر

مشتمل آرٹ گیلری کا نگر رہی ہے۔

سال اقبال 1977ء سے لے کر سال اقبال 2000ء تک اسلم کمال اپنے بے شمار کیوں ایک ایک کر کے عظیم اقبال کی زندگی اور لوگوں سے محروم و متعلق کرتے آ رہے ہیں۔ ان 25 سالوں میں اسلم کمال نے کام اقبال یعنی تصور اور دارا بگو کی بے شمار مثالوں کا تصور ملک میں کیا۔ وہ دن ملک میں قسم کی 25 ترائیں مل کر نظر آتے ہیں۔ ان کے ایک ایک تاریخ ہو چکی ہے اور اب ان کے عہد میں بے پناہ بڑی برائی حاصل کر چکی ہے۔ ان کی اٹھ چٹائی خدمات کے اعتراف میں ایم اقبال میں ان کی کارہاں پر بھی ایک آرٹ گیلری متعلق طور پر قائم کی جائیگی ہے۔ اس کا افتتاح 2 دسمبر 2000ء کو صدر پاکستان نے کیا تھا اور 12 مارچ 2002ء کو سال اقبال کے طور پر منانے کے سلسلے میں حکومت پاکستان نے اسلم کمال کے فن پادوں پر بھی دارا بگو ڈاک ٹکٹ جاری کرنے کا فیصلہ کر کے اسلم کمال کی تحلیلوں میں ایک ہوا اضافہ کر دیا ہے۔ ان ڈاک ٹکٹوں کے اور بے اسلم کمال اب اپنے سٹوایو سے عظیم اقبال دنیا کی پادوں اطراف کو راہزہ کرتے ہوئے ایک آفاقی غائی فصول کرتے ہیں۔

کام اقبال کی صدی کی جس روایت کا آغاز خصوصی صدی کے نصف میں عہد اربعوں چٹائی نے کیا تھا اسلم کمال کے گہرے فصولوں کے بال و پل کے کردار روایت اب انیسویں صدی کی فطرت میں داخل ہو گئی ہے۔

☆☆☆☆☆



ماہِ شری

جعفر شیرازی

بہی ان کا لطف چہم بھی گزرتی زمانہ  
بہی روزِ شب ہیں میرے بیکارِ زلیخا کا زمانہ  
مرے اپنے سامنے ہی میرے دل کا ہیں اقصا  
بہی اچھا تھی اس کی نگہ پھونک نہ جاتا  
بہی آواز ہے میری کہ دہلی تری فکر میں  
جو گرا تیری فکر سے تو کہیں مرا لنگھاد  
تھی اسی کے دم قدم سے یہ ہمارے پس پردہ  
نہیں اب قرارِ سدا یہ بھی یہ آئینہ  
شبِ تنگد گزرتی بہت ہے قرارِ گزرتی  
چلے آئے اب تو چاہم نہ کہ کوئی بہت  
کسی صبرِ باہر سے بھی ٹکا رہا ہے کوئی  
نہے چاہو تم بچا مری جان اب تنگد  
نہ جیل کا گر تھی نہ جلا کوئی باہر  
مرے صلیح فکر کو رہا اس نے پ نہ جاتا

۱۴۰۰ھ

میرے سامنے ملک ہے، یہ نہیں ہے، یہ زمانہ  
تجے احوال نے کی خاطر میں کہاں ہوا زمانہ  
کہیں دور کی فضاؤں نے امیر کر لیا ہے  
ہمیں لے کے آیا ہے کہاں آج آپ و داد  
یہ گھب سناٹے ہیں، یہ گھب کھٹکھٹ ہے  
بہی زلیخا محبت، بہی گزرتی زمانہ  
اسے میری ہے کئی کا تو خیال تک نہیں ہے  
وہی حیلہ نہ کہ چاہا تھے میں نے دہانہ  
تجے احوالوں تو بھر بھی تجے احوال بھراں کا  
میرے ہنچہ جوں کا یہ ستر ہے چاہوں  
میرے روز کے دکھوں سے گھ لیا ہے میں نے  
کہ تجے گریزِ پائی کا نہ تھیں بہت  
دہا اس کی دھڑکوں کا شکِ بھلا تھہ پ  
"تجے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا دردِ زمانہ"  
وہی دکھ رہا ہوں جطر میں بزمِ بھلاں کا  
کہ نہ وہ ہوا نکلتا، نہ ہوا میں میں لہتا

☆☆☆

نہ شعورِ مالانہ نہ شعورِ مالانہ  
مری زلیخا کی لہاں ہے لہا ہوا غزل  
میرے کادواں سے آگے نہ ہوا کوئی زمانہ  
میں جہاں غمیر کیا ہوں وہیں رک گیا زمانہ  
نہ گل میں ہے رسائی نہ کہیں کوئی لنگھاد  
مر شام لہ نہ چلتے یہ بحر کا باراد  
یہ وہاں ہیں کڑکیوں سے شبِ بزمِ بھلاں ہے  
بہی جگ رہا تھا صبح میرے گھر چاہانہ  
مریم خدادادگی ہوا میں دینے کی طرفِ دہان  
نہ روز سے دہی ہے نہ جوں سے جاد  
وہی شبِ پند دہی نہیں صبح تو پ ہاں  
وہی لوتھختہ بدن کو ہے کرن بھی چاہان  
بہی بزمِ بھلاں کی گھر پ تو لبِ لولہاں ہیں  
بہی ضرب کا کٹاں ہوں بھی کب کا کشاد  
مرے دردِ کم فکر میں ہیں اس جلاں گہیں  
نہ وہ زلیخا آگے ہے نہ ذوقِ مالانہ  
یہ نکلا تو کے چلنے وہی پچا ہیں فکر میں  
وہی بزمِ بھلاں گھر پ ہے مرے دل کا آستانہ  
میں لہاں تو سے زلیخا کوئی لہا کیا زلیخاں  
نہ شعورِ شہر گزرتی نہ لہا ہے شاعرانہ

☆☆☆☆☆



وہ شکستہ دل کا عالم وہ نگاہِ فاجانہ  
مجھے یاد آ رہا ہے وہ شباب کا زمانہ  
یہ جہن پرست دھڑکتے ہوئے کو سرا ہے  
بھری سوچ کا لوہے ہے یہ بیدار کا زمانہ  
میں سست سکون کا کیسے کسی دل کے دائرے میں  
بھری چٹانِ ریختہ ریختہ میرا نیم دانہ دانہ  
شب و روز دوستوں پر وہ دل کھلا ہوا ہے  
کوئی کون سے تو آئے یہ غلوں کا زمانہ  
ابھی شب کے دائروں میں کوئی سایہ چٹا ہے  
ابھی سو رہی ہے لیکن یہ ناست زمانہ  
جیری جھکت کے صدمے تجھے کاش یہ خبر ہو  
تجھے کہہ رہے ہیں کیا میرے دستِ جانور  
جیری لڑکوں کے ہاتھ ہیں قبولِ لمحہ کو لیکن  
بھرے دل کا آئندہ بھی کیسی دیکھ دلیانہ  
کوئی رنگے دل سے ہاتھ کیسی سنی پردہاں  
جو پندے اچھڑاتے ہیں ابھی اپنا آشیانہ  
مجھے داس آئیں کیوں کر یہ سکون توڑ دانتی  
بھری نیند کے بدن کو تیرا غم ہے جازبانہ  
جیری جھکت نظر پر بھرے جان و دل پلچھ  
مجھے بھری جگہ خبر دے یہ اوائے مجراںہ  
نہ وہ تھکے نہ دانتی نہ وہ بھگے نہ وہ راب  
کوئی کیا کہے کہاں ہے ہے خبر کا زمانہ

☆☆☆☆☆

تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ  
کبھی بوجھ کی حقیقت کبھی نہیں دیا زمانہ  
کبھی دوستوں کی بھگتی کبھی طورِ فریب کھانا  
غمِ دہلی نے بھلا میں کس کے ستر کا  
میری سوچ نے ستر میں تجھے دھنا دھنا  
میری دہلی کا مصلحتِ آب و تاب چھوڑ  
تری لہ سے لپٹیں پا کر ہے شرافتیں جہاں میں  
یہ افسانے مٹی شریفانہ صدمے جانتا  
میری دہ سے ہیں گزرنے کی لہ بھی جانتا  
میری فکر نے جہاں تری خاک پر نکلتا  
کھل جان کیا میں تجھ سے میرے ہندو شبِ جہاں میں  
کیوں لہ کا ستر بنے کیوں لہ آب و دانہ  
ترے دین ہے طوفانی نے تجھے ہر کمال سنا  
ترے درد آگئی تو کسی لہ نے نہ جانا

☆☆☆☆☆



مجھے یاد ہے ابھی تک میرے چار کا زمانہ  
تھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ

مجھے یاد ہیں ابھی تک ترسے چار کی وہ باتیں  
بہا کیسے بھول پاؤں میں تو وہ سترکات

مری زندگی ہے عالم میرے چار سے محبت  
مرے دل میں ہے ابھی تک میرے چار کا زمانہ

جی رہا ہے میں نے کیا ہے سدا بھروسہ  
کیا تو نے ہر قسم پر مرے ساتھ اک زمانہ

میں بھلاؤں کا نہ دل سے تری چاہوں کے لئے  
ہے مرے لہوں پہ اب تک ترسے چار کا زمانہ

تھے کیسے بھول جاؤں تھے کسی طرح بھلاؤں  
ابھی تک جانتیں ہے مرے دل کا آشیانہ

مری زندگی کا بکھن جس میں ہے کوئی بھروسہ  
مری زندگی ہی ہے انہوں کا نیا زمانہ

☆☆☆☆☆

جی ایک جیری دولت کی تم مرا فرست  
نہ مرا کوئی نصیب، نہ مرا کہیں بھلاؤ  
مرے دست میرے دم ابھی تم کو لے لے لے

یہ لائق مالکان، یہ حواجی آمرانہ  
کہ شردہاں رہا ہے کسی طرح بھگ بھی بھلاؤں  
فقط اس قدر ہے یاد مری زیست کا زمانہ

مری بکھن کے موٹس مری بے مگری کے ساتھی  
یہ زمین کی چٹائی یہ لٹک کا شیمانہ  
وہ بکھتا ہے محبت، اُسے فتح ہے لڑائی

مرا غریب انسان مری غریب عورت  
نہ مجھے غریب مگر دے نہ دکھا صمیم خوشی

کہاں دہل کی بھاری، کہاں میرا آشیانہ  
ترا حلق سوزن تارگ دے میں خون مجھ کے  
”تھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ“

کہوں کسی کو جتنی خدمت رکھوں کسی کو پاس اپنے  
یہ دہی مری فرجی یہ دہا غریب خانہ  
نہ کسی سے کہہ دو تم، نہ کسی کو کہہ دو تم

کبھی خود پہ ال دیکھو جو بھلا بھلاؤں  
جس کاں اس کی آنکھیں نظر اس کی جی رہی ہے  
جس کیسے اب میں فیضان دل زار ہے نکلاؤ

☆☆☆☆☆

یہ طار یک آگیاں حوا شوق دہانہ  
نہ کھ سکے گا مجھ کو کوئی دامن تارونہ

مجھے داناؤں جہاں میں اگر ہے تو یہ بچیں ہے  
مری صحت ہے حقیقت مری زندگی زمانہ  
جی رہی تلو میں اسے دل کہیں میں بھٹک نہ جاؤں

ہوا کھ رہا کے زرا پر مرا قافہ روانہ  
مرا آئینہ وہ آنکھیں ہوں پنک آنکھیں اپناک

ہوا تارہ دل میں شاید کوئی جادو بہا  
مرے حوصلوں کے آگے تم روزگار بہا  
مرا جسم گل ہے لیکن مرے لب پہ ہے تارہ

کوئی بات کر تو مجھ سے کبھی دیکھ آؤں کے  
اسے خیال کے غمک مجھے چاہیے بہا  
گو میں مانا نہیں ہوں جو میں جی کہوں تو آصف

مجھے لے گی آؤں کر وہ بھلا عازرہ



مرے جسم مرے ہے ہی مرے مالانہ  
 مجھے جاننے سے ہی نہیں پہنچ کر نہ ہوا  
 ہوا دنیا ہے جیتی یہ عالمے دلوان  
 کبھی آنیہ پہنچا کبھی آنیہ دکھانا  
 اگلی عینوں کی رو میں نہیں آیا آئینہ  
 ہوا دھون میں نہیں گئی دھوا لکھنا  
 قری زندگی کی لعلی کسی غلب سے بھگی ہے  
 ہوا بات ہے کہ تیرا مرا ایک ہے لعل  
 مجھے جیت کا یقین ہے اسے خوف ہوا کا ہے  
 مری موت ہے جیتی کیا چمک کر کھنکھ  
 یہ نہ ہر دست ہلکے مرے سامنے کھڑے ہیں  
 لی بات تو نہیں ہے یہ ہے سلسلہ پورا  
 یہی دیکھ کر کسی دن مجھے جیت لے کا غالب  
 کسی رنگ کی طرے سے مجھے جیت لے پات  
 قری مٹائی نے مجھ کو وہ جانیت دکھائی  
 مجھے داس آگیا ہے ترا میں جاننا  
 ہوا کون ہے وہ جس کو قری آنکھ دھونڈی ہے  
 ترے سامنے ہے خدائے ترا اگلی نکون

مرے ہوا گر سے کہ نہ کہے کوئی بہت  
 مجھے تم نہیں ہے کوئی مرے ساتھ ہے نہ  
 میری گھسیٹیں میری شیش ڈی تنگو میں گزریں  
 "جتنے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ"  
 صحت جاننا میں جیتی چاہت ہے لک شیش  
 مرا دل ہی کون ہوا ہے ترے حیر کا کھنکھ  
 یہی قدر پہنچ ہے یہی قدر مشترک ہے  
 جو ہے میرا آئینہ وہ ہے میرا آئینہ  
 میری سوچ میں کسی ہے تیری سوچ سے ملے ملے ہے  
 میری سوچ جاننا میری سوچ جاننا  
 میری اگلی پاک میری جب وہ تب زندگی ہے  
 میرے ہوا میں تم ہے میرے لب پہ ہے درد

کبھی بھٹکا وہ سب سے کبھی طو سے دن ہوا  
 "جتنے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ"  
 مجھے یاد ہیں اگلی تک کسی پہنچے آئینے  
 وہ غریب شہر سامنے وہ سولہ خلائد  
 اگلی مٹائی مٹائی تھی اگلی چھایا گھبرا  
 میری زندگی کا صحنہ داران سے موز لانا  
 اسے جانے دیا کہ میری زندگی کے رنگ  
 میری جان جاتی جاتی ہے گزری ہر کوئی آگ  
 مجھے زندگی بھلا میری آتی آتی  
 مجھے جاننا ہے جانی کئی خلق ہر پورا



نظر آگئی تو اس کو مری شہداء اشیاء  
 مجھے کیا سنائی دے گا یہ بہار کا زمانہ  
 مجھے کوئی تم نہیں ہے یہی بات ہے غزل کی  
 تیرے طرف کے مطابق میری سوچا ملازم  
 ابھی دل کی دلوں میں ہے تو اس کی عمرانی  
 میرے ساتھ بھی نہ پنا میرے پاس بھی نہ آتا  
 میری سوچا کے جن میں ہیں مصائب و غمیں کی  
 میں وہیں نکلن کا چاکر جہاں تھا آب و ہوا  
 نہ تجھے لڑائی میرا نہ مجھے لڑائی میرا  
 نہ میری کوئی حقیقت نہ میرا کوئی لہان  
 تو آسمان کی رخصت مری زندگی کا حاصل  
 نہیں ختم ہو سکے گا میرے نہ یہ آتا پتا  
 کہیں کو نہیں وہ حسین کہیں کو مجھے وہ ہے  
 کہیں کوئی نہیں ہے علم خلق کا زمانہ  
 یہ خبر نہیں ہے کہ کوئی کہہ نہ رہا ہے  
 جنہیں آتا چکے ہو انہیں ہر نہ آتا  
 ہے یہی نکلتی میں میری زندگی کا حاصل  
 نہ ہی ملو پہنچا سکا ہوں نہ ہا کوئی بہانہ  
 میں تجھ سے ہوں طالب مجھے بھول جانے والے  
 "تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ"  
 تری ہے باتیں کو کوئی نام دل تو کیا وہی  
 میرے ساتھ ساتھ رہا میرے پاس بھی نہ آتا  
 نہ وہ کہتے ہر لمحے نہ لطف سا نہیں ہیں  
 جو گزر گیا ہے آکر تو میری وہ زمانہ

ہاجر جی سے کی سنائی وہ زمانہ  
 دور نکلتی کے ہیں اس سے ہرگز  
 نہیں یہ ساتوں کی ہمار بھی قسمت  
 دل کی گلی پہ جس کا ہو ہر چاند  
 ہنس کی نکلتی کا نکلتا کیا ہنسی  
 اک ہے اسی ہر اس پہ طریت کا چاند  
 اس تم کی دلتا میں دل ہر اس قدر ہیں  
 ملا ہے ہنسی سے طریت کا چاند  
 ہر رنچ و لم سے میری آواز زندگی تھی  
 اب ہر دہاؤ شب کا دلتا اس دل کا شانہ  
 ہم نے تو کتنا کتنا سارے ہیں کا ہرگز  
 غلے سے میرے اب تک لہان کا غلہ  
 دہانے کے ساتھ میں ہیں سکوں کی سانہیں  
 "تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ"  
 دیکھا نہ ہو مجھ اس کا بھی خاص  
 ہے ہر طرف سے مسلم کلا کا نکلتا  
 تارہ بگر پہ اب تک ہیں جتنی بھی طریتیں  
 اپنے لہو سے لگیں گلے ہر اک زمانہ

مجھے دلتے کی خاطر، تجھے چاہتے بہانہ  
 تجھے کب دلتا تھا ہے یہ ملک شاہانہ  
 کوئی کرم کر کے ثابت مجھے ہر سزا کا  
 تو کہیں سے تجھے آیا، یہ طریت ملا نہ  
 رہے کہیں کہیں کھانا میری کیا لٹا نہ  
 قراکب رہا وہی میرے ساتھ غصانہ  
 تری ہر دلتا کی میرے کتبہ ہنسی ہنسی  
 مری دلتا کی خدا ہے تو ہے اگر کا زمانہ  
 کہیں ہنسی کا کتنا ہے کتنا کتنا کتنا  
 بھی ہے جس کا حق بھی طریت ہرگز  
 علم زندگی تاروں "تجھے مانے ملے ملے  
 "تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ"  
 ہر دلتا کب گری "تو کہیں کو کیا طریتی  
 کوئی کب ہرگز کیا تو اس کا طرف دانہ  
 ہر دلتا کب ہے کتنا ہے کتنا کتنا کتنا  
 جسکے ہنسی دلتا کی ہنسی دلتا  
 دلتا کب کب کب کب کب کب کب کب  
 دلتا کب کب کب کب کب کب کب کب  
 کب کب کب کب کب کب کب کب



# اقبال ----- ایک مستقبل شناس

مہرول انجم

اکیسویں صدی کی انسانیت کیلئے

## اقبال کا پیغام

اقبال ایک مثنیٰ لے کر آئے تھے۔ انہوں نے مشرق کے زوال و انحطاط اور مغرب کے عروج و چلنے کا بطور مطالعہ اور تجزیہ کیا۔ مشرق کی کسلی مثنیٰ بربادت اور اطاعت شعلادی اور مغرب سے انفصال اور بارہ پستی پر ان کا دل تلون ہے اسنو رواں قور۔ وہ انسانیت کی مددکاری اور داری اقدار کے درمیان صحت مند تفریق کی وجہ کے آزدوست تھے۔

پیکر آدم بنا کن در گل

وہاں بات کے حالی تھے کہ انسان کو اپنی صلاحیتوں اور دے ارض کے اہم ذریعہ فہم کے طور پر اپنے کردار سے آگاہ ہونا چاہیے۔ ذات کے اس علم سے آراستہ افراد کو معاشرے کی تعمیر کرنی چاہیے اور دل نکل کر رہنے کے ساتھ ساتھ یکساں عظمت میں ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہیے۔

اقبال کی فکر میں اس کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ اقدار قلبی کی حاکمیت کو تسلیم کر لیا جائے اور کتاب وادب کی صورت میں انسانیت کو وہ چیت دے گئے قوانین پر اسی طریقہ عمل کیا جائے جس طریقہ بشر اقدس حضرت محمد نے کر کے دکھایا۔

اپنے اس تخیل کی صورت گری اور اظہار کیلئے انہوں نے دنیا بھر کے علوم کو کنگال ڈال کر اپنا زیادہ تر فہم جاری اسلامی سے حاصل کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہونا چاہیے کہ ان کا پیغام صرف مسلمانوں کیلئے ہے بلکہ یہ پوری انسانیت کے نام ہے۔

آجیت احرام آزی

باہر طر و مقام آزی

مستقبل

وچانچہ آئے ہاں لہوں کا گھر ہے اس لیے اقبال نے بعض اوقات تو جوں نسل کو اپنے جیسے چہ چاہا اقبال یا کنگ ظاہر ثناء و اعلیٰ کزاد کے طلبہ کی صورت میں بروہ راستہ طلب کیا۔ باواسطہ خطاب کیلئے انہوں نے ایک یازمے انقلابی "یوزمے" یعنی بیشتر نام و فہم اہل خانہ ملک یا خلیفہ کو اپنی دلییرہ کے کرداروں کو مستعد کیا۔ ہر حال ان کا پیغام آئے ہاں تمام زبانوں کیلئے ہی تھا۔ اقبال نے شعور شعور بھر پر احمہ کے ساتھ ہی پیغام دیا جس کا ب لہاب ان کا ایک قاری مصرع چاہن کرتا ہے کہ

میں فراتے شاعر فرماستم

احمہ کے اس رنگ کا انہوں نے آخر دم تک اپنی تحسوں میں برقرار رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ آخری گزیر میں وہ ایک دہائی کا دور کرتے

رہتے تھے جس کا آخری مصرع یہ ہے

وگر دانائے راز آہ کرنا

یعنی کوئی اور صاحب بصیرت آئے ہاں آئے۔ یہاں "دانائے راز" کا ترجمہ ادبی باتیں بتانے والا بھی کیا جا سکتا ہے لیکن زبانوں کو خاص سے جڑا جا سکتا ہے حالانکہ اسی دہائی کا تمام تر اوصاف مستقبل کی بات کرتا ہے اس لیے "صاحب بصیرت" کا لفظ قابل ترجیح ہے ہر ایک چاہنے والا سمجھتا ہے۔ یہ اقبال کے ادبی اصطلاحات کے ساتھ ساتھ ان کے دھوکے کے بھی ہیں۔ سادگی ہے جو ان کی آواز میں پس چاہا گھر سے نکل آتے ہیں جن کی ایک مثال یہ ہے

را کہ ہوا اقدار دل میں سوزا

حق از خدائی مرا آگاہ کرد

کا دہائش را کہ سلیمہ

آپنی چٹائی مست بچا ایدہ ام

خادسی در شط میں دہائی است

اسے طلب مردے کو در مصر میں است

در جب و نام نصیب ہوا گھر

بہ ازلی ناہ چمن مرد فقیر

ان کا دعویٰ ہے کہ وہ مشرقی کے دھوکے مستقبل کے قرائن دیکھ چکے ہیں اور اسی لیے ان کی بات قابل توجہ ہے۔ ان کی پہلی صدی طرعی پر مبنی اپنی تفہیم ہاں اور وسیع مطالعہ ہے مگر ترکی



خاک جہاں بچے تھے۔ یوں انہیں خاصا احترام حاصل تھا اور ان کا اندر ہزار تھا۔ انہوں نے انیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں لکھنؤ شروع کیا اور دسویں صدی کی پہلی دہائی کے انہام سے کچھ عرصہ گلی اپنا گھر رکھ دیا اور وہ وہاں کو سوجھا گئے۔ اس وقت وہی گلیاں تھا کہ وہ اپنے معاصرین یعنی دسویں صدی کے نو جوان اور عرصہ دو گویں سے ہم کلام رہے لیکن آج جب ہم دسویں صدی کے باہر میں ان کے نظام کا مطالعہ کرتے ہیں تو آثار ہمارے ہے کہ اس کا اثر ہمارے دلوں سے کہیں آگے تک پہنچے گا۔ بلاشبہ انیسویں صدی کے آنے والے دور میں بھی کارآمد ہوگا۔ درحقیقت یہ نظام آنے والے تمام دور کے انسانوں کے لیے اسلام کا اہلی نظام ہے۔

سامراجیت اور استعماریت پر تاریخ کے مطالعہ اور انیسویں صدی کے باہر اور دسویں صدی کے اوائل میں مغربی تہذیب کے ساتھ اپنے رہا کی جدوجہد وہ مغربی اقوام کے باہمی ہنگامہ خیز جدوجہات یعنی دسویں صدی میں وہ عظیم جنگوں اور کڑوں تر اقوام کے آزادی حقیقت میں نمود بھیے انتہا ہات کی فتنی بنی کر سکتے تھے۔

شعق نہیں مغربی افق ہے  
جو جسے لوں ہے جو جسے لوں ہے

۔ شہید رگ گل جانے کا قاتل سور ہاتوں کا  
ہزار سوہوں کی ہوا کش گھر ہے رہا سے پار ہنگام  
مغربی اقوام تو آبادیات کی دوز میں کھیں  
تھیں۔ ہر کوئی حالات کے ان مارے ہواں ہے

حکام کے پہاڑ توڑنے اور ان کا اضمحلال کرنے میں دوسرے کمالات اپنے کی کوششوں میں لگا تھا۔  
۔ ہرگز کہ کو ہے برو مصوم کی عاقبت  
زمین اور استعماری قوت کیلئے مغرب کی  
بے شکم ہوں نے اقبال کو یہ کہنے پر آمسلا کہ یہ  
غور کشی کا سرخپ خمیرے کا اور دلوں عظیم ہتھیں  
اس پر گولہ ہیں۔ نوا آبادیات کی آرزو نے آزادی  
نے تمام استعماری قوتوں کو یکے بعد دیگرے ان  
کے انہام سے ہمارا کر دیا۔

۔ فرنگ رگدہر کل ہے پند میں ہے  
انہوں نے اسلاف لکھوں میں کھیں اور  
ہائیلی رہاستوں کی آزادی اور خود انحصاری کی  
فتی گولی کی۔

۔ گراں غراب جتنی خطے گئے  
ہاں کے خطے اٹنے گئے  
نظام سرمایہ داری  
وہ یہ جانتے تھے کہ دیا ہے جاری مسلمہ  
سرمایہ داران نظام کا حرفوئے وفا ہے۔

۔ گیا دور سرمایہ داری گیا  
قاسم دکھا کر ہداری گیا  
جہاں تو ہوا رہا ہے بیادہ عالم ہی سرمایہ ہے  
تھے فرنگی مقاموں نے جا رہا تھا قارخانہ  
سرمایہ داران نظام ابھی تک زندہ ہے لیکن  
اس میں ناخانی اصلاح ہو چکی ہے اور ہر دور میں یہ  
اصولیات کی زد میں رہا ہے۔ ایک عظیم تہذیبی  
نوا آبادیات کی عدم موجودگی ہے۔ گویا قوت اقوام  
کے ہاتھوں کمزوریوں کے اضمحلال کیلئے نوا آبادیات  
کی جگہ دیگر طریقوں نے لے لی ہے لیکن یہ دور  
ابھی گزری جانے کا۔

## مسئلہ سماجی تہذیبی

۔ تہذیب نہیں کاہن دیوار  
کہ ہر لکھ ہے تارہ شان دیوار  
وہ کھیل کی گھوڑے دیوار میں رہنا ہوتے  
وہاں ہے اچھا تہذیبوں کا گھر کرتے تھے ہی لیے  
تفرہ پار کا

۔ جہات ایک گھر کو ہے زمانے میں  
انہیں اس امر کی پہلی ہی افہام بالخصوص  
اپنے غلوں کی مرز میں پاکستان میں ان کی اہلی  
اقداری آئینہ دار قیصری قریبیں اپنی رکائی دے  
رہی تھیں۔

۔ کریں کے دل نظر چارہ دستاں آباد  
انہوں نے عدا کی تہذیب اور لکھنؤ کے  
دوہان مغربی فتنی گولی بھی کی  
۔ سخی طا ہے یہ صراحت مسئلے سے مجھے  
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گروہا

۔ جہانوں سے آگے جہاں اور بھی ہیں  
وہاں  
۔ اسی دوز و شب میں ابھر کر نہ رہا  
کہ میرے زمانہ دنگ اور بھی ہیں  
اقبال انسان کی چاندیہ ملا جلیوں کو  
نہر پر انداز میں ہونے کا زمانے کے جانی تھے  
کہ ان کا مصلحت اس کہ ارضی کو بہتر مقام میں دیکھا  
اور کاکھت کی تہذیب گرا ہے۔ وہی راہوں کی جستجو  
میں بالخصوص نو جوانوں کی خوب حوصلہ افزائی  
کرتے تھے۔

۔ شاید کہ زمیں ہے یہ کھی اور جہاں کی  
تو جس کو کہتا ہے ملک اپنے جہاں کا



انہوں نے ان کے عمل کو ان باتوں سے روک دیا کہ جن کے ذریعہ ان کے اندر ناچیز باتوں میں لگی دنیاؤں کے کھوکھلیاں لگی کھڑے ہوئے گی اور یہ۔

مرحوم آدم خاکی کے مخطوط ہیں تمام  
 یہ کتابیں یہ حواصیہ یہ بیگنوں ہلاک  
 انسانیت کی ہے اچھا ترقی، عظمت اور  
 جہنم و عذابت ان کا موطوع و مخطوط

یہ تو زمین کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے  
جہاں ہے میرے لیے تو انھیں جہاں کے لیے  
اقبال انسان کے ہاتھوں چاند کی تصویر  
سے بھی بدھ کر حشرلوں کو چاہیے کا طرہ سنا ہے  
تجربہ۔

صوبوں کی آزادی اور قوموں کے بعد  
 مغرب میں جمہوری اقدار کا ارتقاء اقبال کی نظر  
 میں اپنی حائل تھا۔ علم اور سائنس کے میدان  
 میں مغرب کی جستجو کے لیے وہ حائل تھے لیکن اس کی  
 طبقاتی خواہش اور بے رحم استبداد ان کے اس  
 فلسفے کو تعبیر دیتی تھی۔ سرمایہ دارانہ نظام اور  
 استبدادیت کے پڑ پڑے اوصاف پہلی جنگ عظیم  
 سے قبل کھل کر سامنے آ گئے۔ اچھے ہوئے انسان  
 نے اس کے مقابل کی تلاش شروع کر دی۔ کیڑم  
 اور فطرتیت انی سرمایہ داروں کی مضموم سرگرمیوں  
 کے داخلی کے طور پر ابھرے۔ یہودیوں نے ان  
 کے انہوں نے سرمایہ داری نظام کو اپنی گرفت میں  
 لے رکھا تھا دس کی صورت میں کیڑم کی حاکمیت  
 کے خلاف ایک مہم سلا کارپائی حاصل کی۔ انہوں  
 نے دھوا مسرکہ Ballance Declaration  
 کی صورت میں سر کیا۔ فطرتیت نے ان کے  
 اداروں کو محابہ اور ان کی فطرتی کے نظر بنے

اور فنی قوت کے ساتھ ساتھ دوسروں پر بھی ایک  
بھاری چھتری مانند آگری لگیں فضا ہیئت بھی  
انسانیت کا اعلیٰ مواضع کا عواقد کر گئی۔ جوں اسے  
جنگ عظیم دوم کی صورت میں ایک اور تیز و چمک  
حرکتی اگلے سے گزرتا چلا۔

تیسویں صدی کے لوگوں میں اقبال جڑی اور روحانی دونوں ممالک میں مصروفِ تعلیم رہے۔ دوسرا یہ ارادانِ نظام کیونکر اور نظامیت کے بظاہر مقصد نام نہیں درحقیقت مزاحمت مقاصد کو اپنی طرح سمجھ چکے تھے۔ تاہم کسی بھی عقلی سیاسی نظام کے صانع اوصاف بھی ضرور ہوتے ہیں۔

وہ ان نگاہوں کے پس پردہ غفلت اور شخصیات کی خوبیوں اور اوصاف کو غفلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن وہ تمام علم ان نگاہوں کو مسخر کرتے تھے۔ اقبال کو اس بات کا احساس تھا کہ بے لگام شخصیت اور ہوا-طاغی طور پر غلطی ملک کا قسطنطنیہ اُن کے عہد میں رونمائی تھا۔ اگر وہ سوچتا تو اقبال ضرور اسے حلقہ کمر پائی کی اصل اہمیت سے روٹھایا کرتا۔

فکر ۱۹۵۵ء میں وہ پہلا بزرگ فرنگی ہیں جس نے اس میں  
تو انقلاب میں اس کو سمجھا، حتمی کر دیا گیا ہے  
کیونکہ ۱۹۵۷-۱۹۵۹ء کے دور میں  
وہیں میں اپنے پاکستان جانے اور صرف میں سال  
کے عرصے میں ہی انقلاب نے "میں چاہا کرتا"  
میں گھبراہٹ

ہے کہہ ام اللہ جاننی کہ  
 و ساجدین و کعبہ  
 آپس دوزے کہ از نور جوی  
 خوشی دازی شدہ آاد برد

اور حتم لانا سادہ حیات  
سوسے الائی خوار کا نکلت  
کیونکہ ہم کے عہد شباب میں ہی انہوں  
نے ایک دانش پیغام دے دیا اور صوفی کے حاضر  
سے پہلے پہلے ہی پائی ہی جانے لگی اور تقریباً  
میں واقعہ اور نگاہ ہی کر رہ گیا۔ انیسویں صدی کی  
جانب چند سالوں کا سفر اٹھائی پائی ہے اور دہائی کے  
آخر اور اوپر پہلے ہی پائی حد تک۔ "ہاں" کی جگہ  
"نہ" کی آواز میں غلطی دینی تھیں۔ یہ حق ہی بہت  
جلد پوری تھا جس پر بھی تکلیف نہ تھی۔

لوگوں میں تسلی، عالم انسانی کا مستقبل اور اسلام  
اقبال نے مغرب کے عروج اور مشرق  
کے زوال کی وجہات کا تجزیہ کیا۔ باطنی کی پہلوؤں  
کو نکال کر انہوں نے یہ جہر دھواخس نکالا کہ اسکا  
آہم انگلی اور جوشانی روحانی اور عین انسانی ترقی  
برپا کرنے والے عوامل کا شیعہ اسلام ہے اور  
شمالیہ کی توجہ اس کے احکام میں ہے۔

مصلحت کو مصلحت کہنا یا غلط کو غلط نہ  
 قائم ہونے والا ہے۔ ہے کہ گہری سیرانی  
 معرفت کے بعض پہلوؤں پر باطنی علوم  
 سے اقبال کی آگہی کا ذکر بھی آتا ہے۔ اپنی ایک  
 خاص و عام باطنی میں وہ کہتے ہیں

سے جانوں کو بھری آہ کر دے  
بحرانِ شاہی بچاؤ کو ال دے  
علیٰ آزاد بھری تکی ہے  
مرا نور بھیجے عام کر دے

”مشرق میں پہنچے“ اور ”لورامبریت“ یہاں لکھنؤ کی انظار میں۔ لورامبریت کا مصلح تھا؟ آگے کے بارے میں گفتگو ہے یہ اقبال کی طرف سے گفتگو کا بنانے والا ”ذات“ کا وہ قسط ہے جس کے



ذریعے انہوں نے شاہیں بچوں یعنی احمدیوں کو مسلم فوجیوں کے ہتھیار کھینچے، ان کی دولت کے ساتھ ایک دہائی کے اندر انہوں نے اقبال کے اس دور بصیرت سے فیض حاصل کیا کہ ایک ایسے آزاد ملک پاکستان کے قیام کی واحد مثال قائم کر دی جس کے بارے میں اقبال کی خواہش تھی کہ وہاں ان کے افکار اور ان کی نظریں عروج افکار کو تصدیق کر لیا جائے اور عملی جام پہنایا جائے۔ قیام پاکستان سے پہلے کے احمدیوں میں انہوں نے نو جوانوں کو اپنے نئے ہادیہ اقبال کی صورت میں جو انہیں نسل کے نوادہ کے طور پر حاصل کیا۔ افغانستان کے لیے ان کے نزدیک نو جوان یادگار تاجروں اور اس مقصد کے لیے موزوں شخصیات۔ یہ دونوں اطراف اب عروج کی مسافت سے گئیں لہذا ہمارے تانے بچے ہیں لیکن میں گمان ہے کہ اقبال کے پیغام کے غالب نو جوانوں کی علامت کے طور پر وہ انیسویں صدی میں زندہ رہیں گے۔

### اقبال کا نور بصیرت

اقبال کا نور بصیرت یعنی آنسو دہنوں کے نام ان کا پیغام کیا ہے جسے وہ نو جوانوں تک منتقل کرنے پر زور دیتے تھے۔ پھر اس کا لب لباب یہ کہ میں جان کا ہر سانس ہے کہ وہ سادہ طرز زندگی کے ذریعے ذات کی ترقی پر زور دیتے تھے۔ یہ امر ترقی پزیر تھی نہیں تھی ہے۔ نواری ذرا عجیب طرحی میں نام پیدا کر اقبال کی مسرت دہی ان کی دلی آرزو تھی۔ اطراف اور اقوام کی سطح پر ان کا سارا زور دوسروں پر معاشی انحصار کے برعکس خود انحصاری پر تھا۔

ایمان و تیر گاہوں فرنگ کے اسرار  
سکال بند سے بنا وہ جام بھرا کر  
”مغرب کی اتحاد احمدیوں کی نہ کر۔“  
اپنی ذاتی صلاحیتوں کو مد نظر رکھ کر خود انحصاری پر مبنی خود آگئی پیدا کر۔ اچھائی کو برائی میں چھان کر  
اکٹ کر اور مصلحت پسندی کو زبرد جا کر اسے اعتبار  
کہ جو تہذیب سے باطنی کی آئینہ دار ہے اور جس نے  
تہذیب سے آواز اہلاد کو عظیم دہائی اور روحانی  
بندوں سے سرفراز کیا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے  
میدان میں مغرب کی ترقی کی عظیم قرآن پاک  
پر عمل کرتے ہوئے دیکھی گئی تھی۔ مغرب کا اپنا کچھ  
بھی نہیں۔ فرسودہ اور متحرک ہے ہادیہ قومی زندگی  
ایک ایسی عیداداری کا بھائی جو ذاتی زندگی کے  
سماں پر چرے نہیں جھرتے جس میں ہر تکی  
ایک نئی جدوجہد کی مسافت طرز ہوتی ہے۔ صرف  
اور صرف تھیر کر ہی ثابت ہے لہذا اپنے اندرون اور  
قوائیں کو قرآن دست کے بیان کردہ اصولوں کی  
راہنمائی میں داخل ہو اور ہمیشہ وقت کی رفتار سے  
باخبر رہو۔ قرآن اپنے ہی بار بار جوانوں کا پتہ دیتا  
ہے جن کی دریافت ضروری ہے۔“

مرد جہاں ذاتی مسرت اور قرآن بخود  
اور آپائش کے طور پر ہوس  
مصلحتی مرامت و مروجہ دہ  
نور دہی اپنی دنیا بھر کے فوٹوں پر  
اور  
مرد میدان زندہ لا اللہ ہو مسرت  
ذہ پائے لا جہاں چار مسرت  
بے مسلمان تو ایسے تھے اور ہونے لگی  
چانچ کر دوسروں کی محبت میں غصے کی ہاتھ مکمل  
دیکھتے تھے اور ہونے لگتے تھے لیکن جب بات مرد

تکام حیات کے قیام کی ہوتی انہیں جڑی نہ  
خفت ہو چکا ہے۔

یہ عقلی فوجی دہم کہ لڑا نہ سچ  
دہا۔ زندگی مسرت تک جانا دہم  
ہی تھا ترقی سے مرد انہیں عقلی پوری  
انسانیت کا احترام ہے جسے اس کا موزوں مقام  
اور احترام دیا جانا چاہیے۔ یہ عقلی بصیرت مسرت  
اعزاز اور عقلی جس کو دیا جائے جس کا احتساب  
سربلہ طرز فہم کی نسبت اور دوسرے پہنچے ہیں  
یہ عقلی اور عقلی دہا چاہیے جس کا اعلان فیض  
انہوں نے اپنے علم پر اور ان میں طرز اور دہ  
انہوں نے خود اور ان کے تاثرات اور فہم  
مغربت کے عملی جام پہنایا۔

انہیں احترام آتی باختر شعرا نظام آبادی  
انسانیت کے اندر جس دہا آگئی کا چرنا  
روشن ہوا تھا عقلی نے اپنا ایک شاہد حیات اس  
تک بچھانے کا کام شروع کر دیا۔ منتخب فیضوں  
کے ذریعے اس کی تربیت کا انجام کیا گیا۔ یہ  
سطح فیض انہوں کی آواز کی صورت میں اپنے  
انجام کو پہنچا اور قرآن پاک آفری پیغام قرار پایا۔  
لہذا جب تک ایک ہے تو انسانیت کو اس کے پیغام  
اور اس کے فیضوں کی مسافت سے آہٹ نہ جانا  
چاہیے۔

یہ ترقی علی حثیت فرنگ کا حضور  
اسلام کا حضور تھا ملت آدم  
کہ نے دیا خاک بیٹھا کو یہ پیغام  
محبت اقوام کی محبت آدم  
یہ محبت اقبال ہے کہ اقوام متحدہ اور کہ  
دو میدان متحرک کا مروجہ اور ان کی ترتیب  
فرہم کہ لگی ہو حیات نے انہوں کو نکال کر



میں اپنا کردار کیا ہے اور فلج کی جنگ کی شرائط و  
ضوابط غراہہ بن گئی ہوں وہ ایک ہی مسئلے کا فیصلہ  
کرتے ہیں جسے ان کا اعتقاد ہمارا ہی کیوں نہ ہو  
لیکن کون ہمارے یہ اثرات کو لائق اعتراض سے  
بھرپور انکسور صدی میں کیا کرتا لیتا ہے؟

انسان کو زمین پر اٹھ تھانی کا نائب مقرر  
کیا گیا ہے اس کی کثیر جیتی ترقی کی کوئی حد  
نہیں جسے اس کا جواز سکرا رہا ہو، ہر جاتی اور ہر فرد  
کی جانب ہے۔ حتیٰ کہ حتیٰ انسانی پر بھی اس کا  
دو بار امتیازات کا ذکر ہے لیکن انسان کے ہاتھوں  
انسان کے ساتھ بحر سلوک کی خاطر قرب و ازادان  
میں ایک عالم اور لٹل بھی پر پا ہے۔ اسلام کے  
بارے میں تفسیر اس کی طاقت اور اس کے  
عالم پر روش ڈالنے کے باوجود اسلام اور اس کی  
تعمیمات میں ایسے الزام کی دلچسپی میں کہیں  
زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ اقبال کی شاعری میں جاہا  
بکھری جوش گونا گونا جو ماضی کی تسلیوں کے اپنے  
فی حد میں حقیقت کا دھبہ وحدانی فکر آ رہی ہیں  
لہذا ان کے اس فرمان کے بارے میں کہ مستقبل  
اسلام کا ہے "ہمیں پام نہ رہنا چاہیے۔"

حزبیت کو فروغ نہیں اسلام ہے  
ان کی دوسری سے باہر موجود ان کے  
بعض معاصرین بھی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔  
مثال کے طور پر برطانوی شاعر نے اپنی کتاب "The  
Black God in Search of God" میں  
اسی فکر کو اظہار کی زبان عطا کی۔ اپنی شہداء نے  
اپنی تصنیف "The New World" (1922)  
"of Islam" میں دنیا بھر بشمول روس کے  
مسلمانوں میں پیدا ہونے والے حرم کا خصوصاً ذکر  
کیا ہے۔ اقبال مسلمانوں کو یاد دہانہ کر سکتے ہیں

حق پر بندہ شجاعت کا صداقت کا دلالت کا  
پا جانے کا حق سے کام دینا کی طاقت کا  
نوع انسانی کو اس کے مستقبل میں پیغام  
پر ضرور توجہ دینی چاہیے۔

یعنی دل بندہ راہ صحیحی را  
پاؤں:

- 1۔ "کلیات اقبال" (لاہور)
- 2۔ "کلیات اقبال" (لاہور)
- 3۔ "اقبال کی عملی شاعری" (لاہور)

اقبال پاکستان کے سیاسی فلسفہ نگاروں کا  
دور قومی فکر پر اور قائد اعظم پر ان کا اثر  
1۔ جناح اور اقبال

گھر علی جناح 1876ء میں پیدا ہوئے  
ایک سال بعد اقبال نے 1877ء میں جنم لیا۔  
یوں جناح عمر میں ایک سال بڑے ٹھہرے۔  
جناح کی ہائے بچپن سندھ کا ساحلی شہر کراچی  
اور اقبال کا تحصیل اور بلواب کے درمیان واقع  
مریدی قصبہ سیالکوٹ تھا۔ ان دونوں صوبوں کو  
برطانوی کی سیاست میں باہر پر کردار ادا کرتا تھا  
اور ہر ایک نوآبادیہ ملک پاکستان میں اہم ترین  
صوبوں کے طور پر شامل ہوا تھا۔ جبکہ ان کے اندر  
برطانوی سیاست کے کئی میدان میں ان دونوں  
رضاء کی گنجائش سرگندہ حد سیاست دانوں کا  
کردار ادا کرتا تھا۔

دونوں کا تعلق ایسے گھرانوں سے تھا جو  
پھر نے پانے کے کامیاب سے وابستہ تھے۔  
دونوں خاندان اس زمانے کی مروجہ اسلامی  
تعلیمات کے قریب تھے۔ دونوں خاندان اپنے

بچوں کو محدود ماضی و مستقبل تعلیم سے بہرہ ور  
کرنے کے لیے انہیں نہ صرف اعلیٰ سطح پر  
دینی علم بھاننے کے بھی شوقین تھے اور اقبال  
اور جناح کے معاملے میں تو یہ بات کہیں زیادہ  
لڑکیاں رہا۔ جناح نے ابتدائی تعلیم کراچی سے  
حاصل کی اور سولہ سال کی عمر میں لندن چلے گئے  
جہاں Lincoln's Inn سے قانون کی اعلیٰ تعلیم  
حاصل کی۔ اس امر کا تو یہی ثبوت موجود ہے کہ  
انہوں نے اس ادارے کا انتخاب اس لیے کیا کہ  
اس ادارے کو اپنی (ایلیز) پر ایک بار انگریز کتبہ  
آج اس کرنے کا اعزاز حاصل تھا جس کے  
بارے میں جناح بذات خود فرماتے ہیں کہ

"میں نے Lincoln's Inn میں  
اداس لیے حاصل کیا کہ اس کی دلچسپی پر آج اس  
اس دنیا کی قانون ساز تعلیمات کی طرح میں  
غیر اسلام کا کام بھی شامل تھا۔"

برطانوی واپس آنے تو بار کی طاقت پر  
جناح بھی تعلق ہو گئے جہاں انہوں نے وکالت  
کی باقاعدہ تعلق کا آغاز کیا اور اسی وقت سے یہ  
کردار 1947ء تک تمام سرگرمیوں میں حصہ لینے  
رہے۔ اگست 1947ء میں برطانوی مسلمانوں  
کے لیے ایک آزاد وطن پاکستان کے حصول کے  
بعد وہ اپنی ہائے بچپن کراچی تعلق ہو گئے اور  
یہیں سے 11 جنوری 1948ء کو وہ ایوی سڑکی  
طرف روانہ ہو گئے۔ اپنی اعتبار سے وہ اسلامی  
ثقافت کی مضبوط بنیادوں سے جال تھے پہنچے تھے  
لہذا سے ان کا شمار اپنے دور کے ممتاز ترین قانون  
دانوں میں ہوتا تھا۔ میدان سیاست میں بھی ان کا  
کوئی نہ جانی نہ تھا۔ بحیثیت مقرر انہیں قانون ساز  
میں انہوں نے اپنا لوہا منوایا جبکہ ان کی سب سے



ایک مہر کی طلب ہے۔

اقبال کی پڑوش اور ابتدائی فطیم و تربیت کا اعلیٰ اعتبار سے حصول تاریخ کے حامل جیسے سائنس کے میں کمال اور بلند صفت علماء کے ہاتھوں ہوئی۔ جیسے کہ ولایت کے مطابق ان لوگوں کو اعلیٰ زبانوں عربی اور فارسی پر مہل مہر حاصل تھا جنہوں نے اقبال کے اندر موجود حصول علم کی پڑوشی کو کن کا اور اک کرتے ہوئے انہیں تاریخ و ادب اور اس قسم کے دیگر علوم سے آراستہ کرنے کی جانب توجہ دی۔ ۱۹۱۵ء میں اقبال قدس سرہ نے تلمیذی مرکز لاہور منتقل ہو گئے جہاں انہیں نے مرکز تعلیمی اور سرگرمیت کا کام میں داخلہ لے لیا۔

اقبال لسانِ پند کا عربی، فارسی، اردو، پنجابی، سنسکرت، برہم اور انگریزی جیسے شعبوں میں گہری دلچسپی رکھتے تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ اپنی آہلی زبان پنجابی پر بھی انہیں مہر حاصل ہو۔ ان کی پہلی تصنیف کا موضوع سادہ سادہ تھا جہدِ فطری میں ذاکریت کے لیے توجہ کیے جاتے تھے جس میں انہوں نے ”امرونی فلسفہ باوجود اعلیٰ جہاد“ کا موضوع بحث بنایا۔ فلسفے سے انہیں خاص شغف تھا۔ بعد ازاں انہوں نے اپنے دور کے انتہائی نامور فلسفیوں کے ساتھ میل ملاپ کر لیا۔ انہوں نے ”غزلی“ کا اپنا ایک فلسفہ بھی پیش کیا۔ اپنے کیریئر کا آغاز انہوں نے ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے کیا اور زندگی بھر اسی شعبے سے وابستہ رہے۔

جہاد کی طرح انہوں نے بھی Lamdardism نامی ”مذہب“ کو ۱۹۱۵ء میں انہوں نے داخلہ حاصل کیا اور ۲۰ دسمبر ۱۹۲۸ء میں اس کے رکن بن گئے جہاد کے برعکس اس وقت تک وہ

بلند عمر کا شخص بن چکے تھے۔ جہاد بخوشی میں پرنس کر رہے تھے اور اقبال لاہور میں اسی کام میں تھے تھے۔ ان کی حیثیت لاہور کے ۱۹۱۵ء اور ۱۹۲۸ء تک پابلی ہوئی تھی اور بعض حالات ”کھنڈ“ اور آباد اور سری گرم میں بھی منظرِ ہاتھ لگاتے تھے۔

جہاد لیجسلیشن کونسل کے رکن کی حیثیت سے انہوں نے کئی مہل تقریریں کیں۔ عوامی جلسوں سے بھی بڑا خطاب کیا۔ ان کے زیادہ تر موضوعات قومی اور بین الاقوامی امور کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی مسائل بھی ہوتے تھے۔ انیسویں صدی کی چیمبر اپنی کے لوگوں میں انہوں میں متعلقہ لوگوں کا نظریے کے موضوع پر انہوں نے مسلمانوں کی تلامذہ کی کہ۔ دسمبر ۱۹۳۱ء میں برہم کے موضوع پر ملتی انہیں انہیں کی طرف سے طلب کی گئی کا نظریے میں انہوں نے مسلمانوں کے جہاد کی ترمیمی کی۔ اقبال نے انگلستان، برطانیہ، چین، آسٹریا، مصر، فلسطین اور افغانستان سمیت دنیا کے کئی ممالک کا سفر کیا جن کے بارے میں اپنے جہاد پر مبنی تقریریں بھی تھیں۔ اردو اور فارسی میں ان کی شاعری قومی اور بین الاقوامی سطح پر بہت مہل حیثیت کی حامل ہے۔ جس کے ذریعے انہوں نے جہاد جہاد کے اندر اور باہر مسلمانوں کی اتحادی و سیاسی اصلاح کے ساتھ ساتھ اسلامی بصیرت کے حامل پڑوش مسلمانوں کے طور پر انسانیت کے مستقبل پر احقر اور امید کی فتح دہانی کی۔

اقبال اور جہاد دونوں اپنے اپنے ممالک کے اندر اور جہاد جہاد کے ممالک اور ممالک میں اپنے اپنے ممالک کی قیادت کے لیے مستقل کام کے طور پر سامنے آئے۔ دونوں جہاد مسلم انگریز ولایت

کی مرکب طاقت کی پہلی ولایت کا مرتب ہے۔ دونوں میں بہت سی باتیں مشترک تھیں جنہوں میں ان کے ممالک اپنے ملک کو انگریز کی ہائی سے تھیں۔ انہوں نے قومی سطح کے ساتھ کام کیا اور ہمیں قانون ساز میں اپنی قانونی فہم و فراست کا مہر استعمال کرتے ہوئے قوم کی ہر پر اور انداز میں ترمیمی کی۔ جہاد جہاد کے بعد کے دنوں میں انہوں کی حیثیت ایک ”مہر“ کے ساتھ خیر و کھیر کی بنی پر بھی ان کے ”مہر“ کا نام پڑ گیا۔ انہوں نے سیاست کے خلف میدانوں کا انتخاب کیا جنہیں انہوں کا ایک دوسرے میں ضم ہوا تھا۔ مہر میں ایک سال چھوٹے نے دلیری دکھائی اور مسلم لیگ کے سیاسی لیڈر کے نام سے ایک بڑا سال سے ”مہر“ کا کارڈ دہائی نظریے کا سفر نامہ بنے آ رہا اور مسلمانوں کے لیڈر اور جہاد ہونے کا شعلہ ان کرتے کے بعد پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی ۱۹۴۸ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملا جبکہ جہاد نے اپنی زندگی کی ایک ایک سانس اس مقصد کی خاطر وقف کر دی اور اسے حاصل کر دکھایا۔ ان مہل وادعت کی انجام کو پہنچنے کے بعد ۱۹۴۸ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

اقبال کو وادعت ۱۹۲۸ء

ہر طرف سے توجہ اور بے لگائی کی نگاہ کا کارڈ ہو جانے کے بعد مسلم جہاد نے خاصیت سے انہوں کا آ رہا ہونے اور انہوں ”پڑوشی“ کونسل میں پرنس کر کے کا اہل وادعت تھا۔ البتہ



دست 1929ء میں انہوں نے ڈاکٹر محمد اقبال کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت سنبھالنے کے لیے دعا کر لیا جس میں ان کی اپنی شریعت شکنی تھی۔

اقبال کی یہ دینی جناح کے ساتھ ان کے رہنا اور مسلم لیگ کے ذکورہ اجلاس کا اقبال بعد میں آنے کا۔ جناح پر چڑھ جانے کے ساتھ ساتھ اب جناب سے جاری ہو چکے تھے۔ انہیں "ابو مسلم احمد کے پیغمبر" اور "ازلی مظاہرہ پند" کے القابات سے بھی نوازا جاتا تھا لیکن قانون اور سیاست کے شعبوں میں چالیس سرگودہ افراد سال گزارنے کے بعد اب وہ اپنا بیگ تھے اور انھوں رواجی کے لیے قصہ بندہ رہے تھے لیکن یہاں اس کا ذکر باہر ضروری ہے کیونکہ موضوع بحث جناح نہیں بلکہ اقبال ہیں۔

دونوں کا ملاپ، تاگر ج تھا

جناح اور اقبال دو انکساری رہا تھے جو ایک طویل عرصے سے اپنے اپنے راہ میں بہہ رہے تھے لیکن انھما کا وہی دونوں کا ملاپ کس طرح ہوا یہ جی دلچسپ کہانی ہے۔

علامہ محمد اقبال

جسپ میں زندہ غالب محمدی کے اور ان اقبال پر تعلیم تحقیق" فلسفے قانون اور ادب کی دھن سوار رہی۔ انہوں نے جھڑا ڈگری کیمبرج سے حاصل کی ڈاکٹریٹ آف تھائری میٹھا سے اور پادریٹ London's Inner سے کیا۔ انھوں کی مسلم شخصیتیں ہیں اسلامک سماجی کے طبقوں میں بھی فرسٹ کرتے رہے جو سیاسی سے زیادہ ادبی تھیں تھیں۔

مئی 1908ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کی برٹش کنگڈم کا قیام مل میں آقا محمد علی احمدی کے حکم میں منتخب ہوئے۔ اقبال کو ان کی مجلس عاملہ کے ساتھ ساتھ قاضی و ضابطہ کے صوبہ کی چوٹی کے لیے قائم کی گئی ذیلی کنگڈم کا رکن بھی منتخب کیا گیا۔

بعد میں ان اقبال کی پروفیسر اور مدرسہ قدوسیہ ایک بین الاقوامی بین الاقوامی مسلمین اور بدھ متی اور برطانوی ماحول میں بدھ متی لیگ ان کی جامعہ اسلامی عقیدے سے قلمی جو جالب ہیں اقوامی حیثیت کا حامل تھا۔ وہپ میں ان کا نیکل عاب یہاں کے ہجری اہل ان یعنی قسطنطنیہ ماربرج لڑائیاں اور تعلیمی ادارے کے ساتھ رہا۔ وہ ایک اجمالی مسائل ذہن کے مالک تھے جو وہپ میں دولہا ہونے والے تمام باقاعدہ کے اثرات کو صرف قبول کرتا تھا بلکہ انہیں جذب بھی کر لیتا تھا۔ 1908ء کی جاپان دہلی جنگ پھر لی اقوام کے اور ان کو آبادیاد کی دہلاڑی کا ردال "The Education" قوم پرستی سامراجیت وغیرہ کے ساتھ ساتھ وسیع اکثریت میں اقوامیت انسانیت کوئی انتخاب پسندی "سوشلزم اور کمونزم" وغیرہ نے بھی ان پر اپنے اپنے اثرات مرتب کئے لیکن وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ نسلی امتیاز اور جبر علی قوم پرستی کے بجائے ایمان کی بنیاد پر مسلم اقوام کے درمیان اتحاد پر یقین ہو چکا تھا۔ اور وہاں پر مارچ 1909ء میں مدرسہ کے قلمی نظام کو فروغ کے نام اپنے ایک کتاب میں انہوں نے لکھا کہ "تاگر ج میرا خیال ہے کہ بعد میں میں نے دلی درباروں کے درمیان اختلافات نہیں ہونے چاہئیں لیکن بعد میں وہ مسلمانوں کا ہجری حوالہ

اس میں ہے کہ وہ اپنی جدا جدا شکایت برقرار رکھیں بلکہ مشترک قیامت اگرچہ دولتی طور پر شامروزی بات ہے لیکن باقی مل ہے۔"

اقبال کی پریکٹس کا آغاز انہوں نے اکتوبر 1908ء میں لاہور سے کیا۔ ان کی سماجی سماجی سرگرمیوں کچھ مسلمانوں کی سماجی اور انجمن حمایت اسلام تک محدود رہی جس کے 1909ء میں وہ نیکیاری جرنل اور 1910ء میں رکن جرنل کونسل بھی منتخب ہوئے۔ 1911ء میں انہوں نے دلی میں مستند آل انڈیا مٹھن انجمن کنگڈم کانفرنس کی صدارت کی۔ 1913ء میں کانپور کا دورہ کیا جہاں انہوں نے گفتگو پر خلافت کی اور وہاں مسجد کے اہلکار کے ہاتھ پر اپنے جناب سے اسے آگاہ کیا۔ 1914ء میں آپ انجمن حمایت اسلام کے نیکیاری جرنل مقرر ہوئے اور اسی سال رکن کے حق میں ایک جلد عام سے بھی خطاب کیا۔

اقبال بعد بدھ متی مسلمان رکنوں اور مسلم اقوام کے ساتھ ملوک کے حوالے سے انگریزوں امریکیوں اور حتی کہ لیگ آف نیشنز کی طرف سے بھی مظاہرہ و شکایت وصولی کے بعد جبر علی صہ قلمی پر دلی طرح باغی کا کار تھا۔

جہاں وہ باغی میں بھارت فوج کی اور اس کے بعد "دلت ایکٹ" جیسے دھشت نے اقبال کی گوشہ نشینی کو حرج طویل اپنے میں اپنا کارہا کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا آثار 1913ء میں ان کی طویل قسطنطنیہ "علم اسرار خودی" کی اشاعت کے بعد ہی ہو گیا تھا جس پر دانشور، مٹھن میں خلافت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ انہوں نے بھی بچا احتجاج دین کر لیا اور اپنی وضاحتیں بھی پیش



کیسے لیکن ہماری سرگرمیوں سے اور رہے قوی اور عالمی طاقتوں مثلاً سافو جہاں ناول ہارٹ کے حوالے سے بھی انہوں نے اپنے راجہ کا اختیار کھسکوں کی صورت میں بہا۔

### تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون

۱۹۲۱ء میں ۱۲ مارچ کو تحریک جوہر نے تحریک خلافت کا آغاز کیا تو کراچی نے بھی ان کی باتوں میں اپنی دل میں۔ اپنی تمام جگہ پر ۱۲ مارچ کو جوہر کے ساتھ ایک طاقت کے دوران اقبال نے خلافت کا ٹکڑا کر کے صوبائی کھسکی کی رکنیت اختیار کی اور اس کے چند اجلاسوں میں بھی شریک ہوئے۔ خلافت کے رہنماؤں کے ساتھ ملاقات پر اقبال بڑا انصاف کرتے تھے۔ وہ ایک دوسری انگلیشن رسائی کے خلاف تھے کیونکہ یہ آغا خان کے ہاتھوں کھسکا کر رہا ہوتا۔ وہ تحریک عدم تعاون میں مسلمانوں کی شمولیت سے پہلے ایک ہندو مسلم کھسوت کے طور پر ملے تھے تاکہ کسی قسم کے خانگی اقدامات کے عدم سرنگاری کے باعث ان کی متحدہ شناخت مشترک قومیت میں قائم ہو کر نہ رہ جائے۔ اس موقع پر انہوں نے ایک نظم بھی جس کے کب اچھے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اقبال کی نظر میں ان دونوں کی طرف سے ایک طاقت کے ساتھ کسی قسم کے باہمی قسمیں سونے کی توقع نہ تھی۔ صحت قلب ان کا موافق یہ تھا کہ زندگی میں باہم مقام کی خاطر اپنی جان اور یا صرف مسلم چرچ اور روایات کا حصہ ہے۔ تاہم ایک دفعہ نے ہماری انہوں اور جس کا اور کیا لیکن اقبال کی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی اور دفعہ کا مقدمہ بار آور نہ ہو سکا۔ ہندو اس مصطفیٰ

کمال پات کی سرگرمی میں ترک جمہوریہ قائم ہو گئی جس نے خود ہی طاقت کے ادارے کو قائم کر دیا اور مسلمانوں کی تمام تر قربانیاں اور مصیبتیں دایاں چلی گئیں۔ ہندوستان میں مسلم تعلیم اور تعلیمی اداروں کو جس کی تعداد ہندوؤں کے ۵۵ کے مقابلے میں صرف ۳ تھی ابھی عامی طاقتوں کے خلاف چلی۔ اقبال نے توجہ پٹلی کی کہ گروہوں مدد کے ان افراد سے مسلمانوں کے لیے چھانڈوئی کا ادارہ قائم کیا جانے جو ٹکڑے بنائیں گے چھانڈو سے بچاؤ ہونے لگیں اس پر بھی اتفاق نہ ہو سکا۔ ان کا ادارہ بالخصوص لے دھڑی کر دیا کہ یہ خزانہ کانگریس نے ۱۹۲۱ء کے دوران جمع کیے تھے اور انہیں سکول اور قومی پندرہ بیٹوں پر اور اچھوتوں وغیرہ کے لیے کھسکی جاری پر خرچ کیا جانے لگا۔ یہ خزانہ مقامی کمیٹیوں کے سپرد کر دیے گئے جنہوں نے انہیں کانگریس کی تنظیمی سرگرمیوں اور سیاسی کاموں کے استعمال کیا۔ اقبال کے نزدیک تحریک عدم مادی طاقتوں اور انصاف پر مسلمان قانون میں اور ان لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں جن کی تمام تر ہندو یاں کانگریس کے ساتھ تھیں۔ ان دنوں باہم ترغیب تحریک کی واحد اہمیت یہ تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے مشترک حوصلے کے لیے مل کر کیا جا اچھوت کی اہمیت اس کا نتیجہ کے ساتھ ساتھ ملے تھے۔ ان دنوں کی دایاں چلی اور انہیں سے پہلے نہیں ہوا کہ جب آغا خان نے تحریک خلافت کے ساتھ ہندوؤں کے باہم ضرورت سمجھی کی کہ مسلم لیگ کو جتان کے ہاتھوں سے لٹال دینا چاہیے۔ اقبال نے اپنے دل کا خزانہ نومبر ۱۹۲۱ء میں ان دونوں تحریک کے کردار پر بھی کی اپنی ایک خط پر نظم کی صورت میں

بلکہ کہا۔ ۱۹۲۹ء میں دستچ پٹانے پر ہندو مسلم اتحاد کا سلسلہ چل لگا۔

۱۹۲۳ء میں برطانوی غصہ نے اقبال کو "سر" کے خطاب سے نوازا لیکن انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کوئی بھی مجھ انہیں اپنے دل کی بات نہ بیان پر لانے سے نہیں روکتا۔ انہوں نے کسی نہ کسی حیثیت میں انہیں کے ساتھ ملے جانا قطعاً برقرار رکھا لیکن بالآخر ۱۹۳۹ء میں ان کے ہتھ میں کے حوصلے سے مصطفیٰ ہو گئے۔ لیکن اس قوم سے زندگی بھر ان کی مشہور تھیں پٹلی کی پاتی دہیں جن میں مسلمانوں کی بددلی اور اس کے اسباب کا ذکر ہوتا تھا۔

### بھرپور سیاسی زندگی

اقبال نے بھرپور سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۲۹ء میں کیا۔ وہ پنجاب کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ شاید اس حیثیت میں وہ مسلم برادری کی بہتر خدمت کر سکیں گے۔ انہوں نے ۱۹۲۹-۳۰ء اور ۱۹۳۰-۳۱ء کے بہت سہانوں میں بھی حصہ لیا اور تعلیمی گرانٹ میں کوئی کی تحریک فرقہ وارانہ خیالات پر تحریک اتوارہ مقابلے کے کئے اختلافت پر ایک قرارداد مقامی ادارے اور انم لکھی کی تجویز سے ملے کر لینڈ ریونگ ڈاکٹر کرنے تک کے اصولوں پر غور کیا۔

### مسلم لیگ میں شمولیت

دسمبر ۱۹۲۵ء میں اقبال نے دہلی میں منعقد آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں شرکت کی۔ مسلم لیگ کے ساتھ اقبال کی باہمی ۱۹۱۹ء میں زمانہ طالب علمی کے دنوں سے پہلی



آدمی تھی۔ جب انہیں برطانیہ میں اس کی کئی قائم شدہ شاخ کارکن منتخب کیا گیا۔ جناب مسلم لیگ متاثرہ ایک سرسید، عظیم تھی جس کی دیکھ بھال میں شاہ دینی اور میاں فتحی کرتے تھے۔ اقبال مسلم لیگ میں گھرا، دلچسپی لیتے تھے اور کبھی بھی تعلیم حاصل نہان کی حالت میں کئی جہ کا گھر میں کے مای تھے۔ لیکن آزادی سے بعد مسلم کارکن کی خاطر اپنی اعتنائی اور فکری حمایت کے علاوہ انہوں نے مسلم لیگ کی سیاست میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ البتہ جب مسٹر جانا نے سروریت کو ذرا اہم کے ساتھ قبول کیا تو اقبال کو تشفیہ لیگ کا بیکری مقرر کر دیا گیا جس نے اسے بیکر مسزہ کر دیا۔ جنوری 1929ء میں سر فیض الحسن کی صوبائی سے آغا خان کی سربراہی میں ہونے والی آل انڈیا مسلم کانفرنس کے موقع پر اقبال نے جناح کی حمایت میں ایک اہم تقریر کی۔ لیکن گفتگو میں شہدہ کانگریس کے آل انڈیا پارٹی کنونشن نے سروریت میں جناح کی گنجہ کردہ، اقبال پسند قراہیم کو مسزہ کر دیا۔ مسلم کانفرنس کی حضور کردہ قراردادوں کو ان کے جہاد نکات میں ضم کر دیا گیا جن کی تشفیہ لیگ نے چاہی کر دی۔ نتیجہ لیگ کے دونوں وجوہ نے مسلم کانفرنس خلافت تکلی اور جمعیت علماء کے بعض خطے سروریت پارٹ کو مسزہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسلم لیگ کے دونوں وجوہ میں قرضیں بلیاں البتہ اقبال علاوہ طرز انتخاب کے خلاف ڈالے۔ وہ 1928ء میں اقبال کو تشفیہ لیگ کا بیکری منتخب کر لیا گیا۔

مئی 1927ء میں صوبائی مسلم لیگ کے ایک اجلاس کے دوران علاوہ طرز انتخابات کے خلاف ایک قرارداد پیش کرتے ہوئے اقبال نے

اس بات پر زور دیا کہ:

”میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ میں یہ پہلا ہندوستانی ہوں جس نے بعد مسلم اتحاد کی حیثیت و ضرورت کا اندازہ کیا۔ میری بات یہ غرض نہیں رہی ہے کہ یہ اتحاد ایک مستقل صورت اختیار کر جائے۔“

لیکن یہ اقبال نے ہندوئی کی روایت میں دور مسلمانوں کے ہاتھ میں ان کے سراسر قصاصات روپے اور طرز عمل کا ذکر کیا اور مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ دوسروں کے ہال میں دلچسپی کی بجائے اپنے پٹاں پر مکرے ہوں۔ جب ان کے ساتھ لیگ عظیم ٹھہر میں قرضی نے انہیں بتایا کہ کانگریس دہلی جنوری پر رضامند ہو جائے گی تو اقبال نے اس پر غصہ کیا کہ اس کا اقبال کیا اور یہاں تک کہ کہ جسے کہ ”مسلمان اگر غیر ضرورت سمجھتے ہیں بیکری بھی کریں تو کانگریس اس سے بچنے کے لئے کوئی ذرا نہ سمجھتا ہے۔“

تیسرا اعتراض (1930ء کی دہائی)

تیسرے اعتراض کے فرقہ وارانہ لمحات کے دوران اقبال نے ایک حالت کا کہہ دیا کہ البتہ تمام قومیت دہشتہ کے دوران وہ مسلمانوں کے غیر مسلح اور غیر مسلم کار کی دلالت کرتے رہے۔ دوسروں کی سوجھ کے برخلاف اقبال ’سرخ بیکری کے ساتھ بھی قربانی کے حامی تھے۔ وہ بادشاہت کے سرور کی چٹائی کے لیے تشفیہ لیگ کی تکلیف میں شامل تھے، لیکن صوبائی طور پر اس کا اپنا مطالبہ شامل نہ ہونے پر انہوں نے اس کے بیکری کے جہاد سے اختلافی اسے دیا جسے مسزہ کر دیا گیا۔ اس کے برعکس نہ صرف ان کی آزادی کو

بادشاہت میں شامل کیا گیا بلکہ ان کو بیکری کی رجسٹر میں بھی شامل کیا گیا۔ وہ دہلی کے ایک رکن کی حیثیت سے اس کے سرور پیش ہوئے۔ انہوں نے بیکری کے بارے میں جناح کے طرز نظر پر تسلیم کیا تنقید کی جس میں ان کے مطابق مسلمانوں کے تمام حقوق مقامات کی حق کی حالت کو نظر انداز کر دیا گیا۔ جناح اس جہاد پر دسمبر 1927ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہندو کے بجائے گفتگو میں شہدہ کرانے کے خواہش مند تھے کہ دہلی جنوری کی منظوری کے لیے گفتگو میں اصول زیادہ سازگار ہو گا۔ ان کی یہ پہلی پارٹی کی جناح اور تشفیہ لیگ کی صورت میں تعلیم کا سبب بن گیا۔ اپنے ایک بیان میں اقبال نے جناح کو ہندو کے ہم خیالوں کو بتایا کہ وہ لوگ ہندو کلیہ کے افسرے نصب اور طوئی خدمات کی اصل صورت حال کا تصور کرنے کی بجائے اسے جس صورت کی آنکھ سے دیکھ رہے تھے اس لیے اگر مسلمانوں نے ہمت اور جہاد عربی کے ساتھ ہندو اور گنجہ دونوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کیا تو ان کے خیال میں ان کا کام دکان منظر ہستی سے مت کر رہا جائے گا۔ اپنے اس طرز فکری تصدیق کا فیصلہ انہوں نے وقت پر پہنچا دیا۔

نہرو اور پارٹ 1928ء

اگست 1928ء میں منظر عام پر آئے۔ دہلی ’سرور رجسٹر میں دہلی طرز حکومت کی مطالب کی گئی اور ان مرکز میں مسلمانوں کی ایک جہادی شخصیت اور جناب اور بیکال میں ان کی دلچسپی کو نظر انداز کر دیا گیا۔ سطحہ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور ملہ پٹان کے سوال کو علاقہ اس



کی نجات کا دیا گیا۔ اقبال نے جناب کے مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی اس حدی جھڑائی کو کہا کہ یہ سرورِ چرست ہے اسی یہ جیتی اگست 1928ء کے دوران لکھنؤ میں ہونے والی آل پارٹیز کانفرنس کی سہارا تھا کہ جن کا مقصد مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو ختم کرنا تھا۔ بے مثبتیت کر دیا تحریکِ خلافت کی ناکامی پر مایوسی کا اظہار ہو گئے مولانا جنت علی نے اس موقع پر بعض افکشافات کیے۔ اپنے ایک اقبالیہ بیان میں اقبال نے مولانا کی دلی کیفیت پر تصدیق کا اظہار کیا جو الفاظ ”بہت جنتی قومیت“ کے اس فریب سے نکل آئے تھے جس کی بدولت ان کے قلمی بدن میں بجلی کی بھری گھم۔ اقبال کا خیال تھا کہ اس سے اکثریت کے حامل مسلمانوں میں دو گتائی کے احساس کو مزید تقویت ملے گی اور یہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم کرنے کا واحد راستہ چارگانہ انتخاب تھا۔

سر سید کی روایات

اب چونکہ یہ احساس ہو گیا تھا کہ کانگریس ہندو سماج کے نرے میں ہے اس لیے اقبال سمیت مسلم رہنماؤں نے مسلمانوں کے مطالبات کو باقاعدہ شکل دینے کے لیے آل پارٹیز کانفرنس کی داغ بیل ڈالی۔ دسمبر 1928ء میں ”نورِ ہدایت“ کی خدمت میں ایک دس نکاتی قرارداد کی منظوری کے لیے اس کا ایک اجلاس دہلی میں آغا خان کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے اقبال نے اس بات کا اعتراف کیا کہ سر سید نے مسلمانوں کے لیے ایک درست حکمت عملی وضع کی تھی۔ گزشتہ پچاس سال

کے معجزاتِ خیرات کے سبب فہم و بصیرت پہنچی تاریخی حکمت نے اس کا ادراک کر لیا تھا۔ انہوں نے دونوں طرماں کے حقائق میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور جہاں وہ اقلیت میں تھے انکے ایک سیاسی پروگرام کی ضرورت پر زور دیا۔ اقبال نے اس امر کی نشاندہی کی کہ چونکہ مظہرِ حقس کا فرمان ہے کہ ان کے حق و کارگی خدا راست اختیار کرنے پر راضی نہیں ہوں گے اس لیے جیتنا طرز فکر نہیں صرف مستقیم پر چلنے کے قابل بنانے کا۔

اقبال اور جناح کا قرب

”نورِ ہدایت“ میں اپنی خرابی کے اسرار کے بعد جناح کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ ہندوؤں کے ساتھ چلنے کی کوشش فضول ہے لہذا انہوں نے پہلی دلی میں کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمانوں کے حقوق کی خاطر وقف کر دیا۔ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے منعقد کرنا اس نکتہ میں حیرت انگیز بھی کیا ہوسکتا ہے اور یہ کہ مسلمان نیشنلسٹوں کو اپنے باطنی اختلافات ختم کر دینے چاہئیں۔ مارچ 1929ء جناح اور فضل کے درمیان ملاقات ہوئی اور دونوں نے ایک کے اپنے اپنے حوزوں کے احساس طلب کیے۔ اقبال بھی اس مقصد کے لیے دلی تعلق گئے اور جیٹلی سے دونوں رہنماؤں کے درمیان سیاسی اتحاد اور خیالات کی ہم آہنگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ 16 مئی 1944ء کو جناح نے اپنے ایک خط میں تعلیم کیا کہ اقبال وہ واحد عظیم اور سرکردہ مسلمان تھے جنہوں نے ہر مرحلے پر ان کی حوصلہ افزائی کی اور ان فردِ تکمیل ان کے شانہ بشانہ جدوجہد کرکے رہے۔

جناح کے چہرہ نکات

پہلی سے جناح ایک کے جتنے میں شامل ہم خیال شخصیات کے ایک گروہ کے خواہی رہتی طرزِ عمل کے باعث مسلم لیگ کے دونوں حوزے ایک نہ ہو سکے تھے لیکن جب جناح نے اپنے ”نورِ ہدایت“ جیٹلی کے قرائن کے نتیجے میں دونوں کے درمیان حقیقی اختلافات دور ہو گئے اور فردی 1930ء میں وہ ”اختلافِ حد“ ہو گئے۔ اکتوبر 1930ء میں جب دارا غوانی نے لندن میں گول میز کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا تو اقبال نے جان دیا کہ اس کی کاسہ پالی وہ بنیادی شرائط سے مشروط ہے اول یہ کہ مسلم اتحاد دوم مختلف برادریوں کے جیٹلی اور بچے لڑا جھگڑا کی قیادت کا اعتراف۔ ان کی شہرہ خواہی تھی کہ اس کانفرنس کے انعقاد سے پہلے پہلے مسلمانوں کے درمیان عملِ اتحاد اور آگے نکلنے اور ہندو مسلم اتحاد قائم ہو جائے تاکہ حوصلہ افزاء بن کر آ رہے ہوں۔ دسمبر 1930ء میں لاہور کے ایک چائے خانے کے دوران انہوں نے اپنے حق اللہ کا اظہار پر زور اور ہندوئی افراط میں کیا۔

سول تا فرمائی کی تحریک 1930ء

جین جنوری 1930ء میں ہندوؤں نے فرنگی حکومت کے خلاف سول تا فرمائی کی تحریک شروع کر دی جس میں چند قوم پرست مسلمانوں اور علماء کے سوا مسلمانوں کی اکثریت نے حصہ لیا۔ گول میز کانفرنس میں مشرک کی تھوڑی نظر طرزِ فکر اور مطالبات کی تکمیل کے لیے 16 مئی 1930ء میں جناح نے مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کیا۔ کونسل نے لکھنؤ میں اگست میں ایک عمومی اجلاس



ہانے کا فیصلہ کیا۔ جناح نے اس کے مختصر میں کی  
 شخصیت سے اقبال کا نام گرجا کر کیا نئے حلقہ طور پر  
 حضور کر لیا گیا۔ جناح نے پھر اقبال سے رابطہ کیا  
 تو وہ بھی اس پر آمادہ ہو گئے لیکن سر فیصل حسین کے  
 کہنے پر یکہ لکھن جوبلیاں ہوئی کہ اقبال کو خود یہ  
 اجلاس مقام کے حوالے سے گھڑ تھوڑیوں کے  
 بعد تک مقرر کرنا چاہیو، بالآخر یہ 29 دسمبر  
 1930ء کو آل انڈیا مسلم لیگ منعقد ہوا۔

جلسہ آل انڈیا 1930ء

آل انڈیا میں ہونے والے مسلم لیگ کے  
 اجلاس سے اقبال کا خطاب ایک سیاسی تاریک ہے  
 جس نے مسلمانان ہند کے مستقبل کا قصہ کر دیا۔  
 جناح طور اس اجلاس میں شرکت نہیں کرنا چاہتے  
 تھے وہ اپنے کئی دشمنوں کا سر ہم اجلاس نے کے لیے  
 لندن کو سوجھا رکھے تھے وہ میدان سیاست  
 پہنچنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ شاید ایک سال قبل  
 اقبال کی صورت میں انہیں وہ شخص مل گیا تھا جس  
 کی انہیں حاشی تھی کہ وہ ان کی جگہ لے سکتا یا کم از  
 کم جس پر وہ انکار کر سکتے تھے۔

لیکن پہلے یکے احوال کوئی میر کاغز نس کا  
 جو نومبر 1930ء میں شروع ہوئی۔ کاگرئیں اس  
 سے دور دوری رہی۔ آغا خان کا خبر ہے کہ وہاں  
 موجود تھے جناح، فیض محمد اور مولانا غلامی نے بھی  
 بنگال کے مولوی فضل الحق کے سرور اس میں شرکت  
 کی لیکن کوئی حلقہ تفریکت نہ چاہی تھی اور نہ ہی اس  
 کے دشمنان کوئی باسی دیا سوجھا تھا۔ جناح  
 بددعا تھے۔ انہوں نے لندن میں پریکس کی  
 نیت سے سیاست ترک کر دی۔ جب یہ خبر  
 ہندوستان پہنچی کہ کاگرئیں کو سامنے کے لیے انگریز

حکومت مسلم پنجاب اور بنگال پر دہا ایل رہی تھی  
 کہ وہ جداگانہ انتخابات کا مطالبہ ترک کر دیں تو  
 اقبال فی نظر حرکت میں آئے اور آغا خان کو  
 ایک نئی گرم کچھا میں دلی کی آل پارلیو  
 مسلم کانفرنس کے مطالبات دہرائے ہوئے کہا گیا  
 تھا کہ ان پر ہم دہرائی کی صورت میں مسلم  
 وفد بھیج دیا جائے۔ ہندوؤں نے انہیں دہندہ ڈالنے  
 کا رد اور غیر ایلین اقبال اپنی اہمیت کے کہے تھے  
 انہوں نے انہدات کے اور بچے ایک ہم شرع کر  
 دی اور شمال مغربی ہندوستان کے مسلم اکثریتی  
 صوبوں میں اکثریتی نشیوں کے مطالبے کو ملحوظ  
 اندر میں اپنا کر لیا انہوں نے دہبر میں اپنا انڈیا  
 کانفرنس کے ایک اجلاس کی بھی سرپرستی کی جس  
 کے وہ منتخب ممبر بھی تھے تاہم 29 دسمبر 1930ء  
 کو آل انڈیا کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے سلسلے  
 میں اقبال کی صدارت کے بچے نظر اس کا اجلاس  
 جنوری 1931ء تک کے لیے مقرر کر دیا گیا۔ آل  
 انڈیا میں اقبال کے خطاب کی نقل از دہنت ہنگ  
 19 دسمبر 1930ء کو انڈیا مسلم کانفرنس کے  
 مقاصد کے حوالے سے ایک اہلی کی صورت میں  
 دکائی دی۔ اس کا حصہ مسلمانوں کو دور حاضر کے  
 سیاسی حالات، قریبوں اور دیگر ہندوستانی اقوام  
 کے ساتھ ساتھ انگریز سرکار کی پالیسیوں اور  
 مسلمانوں کو درپیش نظریات سے باخبر کرنا تھا۔ اس  
 اہلی نے مسلمانوں کی توجہ اس جانب مبذول  
 کرائی کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی نکتہ تھی کہ  
 مسلمان ان علاقوں میں مقیم ہیں اور حالات کے  
 پیش نظر غور و فکر کریں۔

پاکستان کا سفر

اپنی زندگی کے ان ایام میں اقبال کا پنجاب  
 انڈس کے حقوں میں ماکرم رہنے ایک اہلی  
 شخصیت کے طور پر فرق دارانہ سیاست کے دور میں  
 انہوں نے مطالعہ بھی اور امن پسندانہ کردار ادا کیا اور  
 اپنے آپ کو مسلمانوں کے جذبات تک محدود  
 رکھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان متحد ہوں اور مسلم  
 دنیا کے دیگر حصوں میں روزگار ہونے والے  
 واقعات سے باخبر رہیں۔ اقبال غلامی اور پنجاب  
 کے خلاف تھے۔ اس مسئلے پر انہوں نے بھی بھی  
 کانگریس یا مسلم لیگ اور بریاسلہ جات یا شکی سے  
 اتفاق نہیں کیا۔ 27-28-1930ء کے بعد ہادی  
 ہندوستان میں مسلم اکثریتی علاقوں کے وفد کا  
 تصور اس کے ذہن میں واضح شکل اختیار کر چکا  
 تھا۔ درحقیقت ان کی سرگرمیاں پھیل مسلم  
 انہدات میں شائع ہونے والی تجاویز مختلف  
 پلیٹ فارموں پر تھیں اور سیاسی تناظر کی  
 معاونت اور ہادی ہندوستان میں صرف مسلمانوں  
 کی ایک آزاد ریاست کے حوالے سے پہلے والی  
 قریبوں کی حمایت کی صورت میں جاری ہیں۔

دہلی کی نظریہ

آغا خان دہانت تھے کہ کانگریس اور اس  
 کے رہنماؤں کے ساتھ اس قدر طویل سیاسی  
 رفاقت اور دونوں پارٹیوں کے دشمنان اتحاد کی  
 حصہ کشیوں کے باوجود جناح نے جو کہ غلامی  
 انتخابات کو بھی تسلیم کر چکے تھے 1930ء میں مسلم  
 لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لیے اقبال  
 کا نام گرجا کیا؟ یہ بات تو سامنے آچکی ہے کہ  
 مسلم جناح نے اپنے بچہ نکات میں بادی حاکم  
 دلی تجاویز کو شامل کر لیا تھا اور اس مسلم جناح اور



اقبال باقی طور پر ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔ "نمودارِ دولت" میں دوصرف "نمودارِ نجات" بلکہ "نمودارِ بندہ گانی" کے ایک حصے کے طور پر باہمی بعدوستان میں صرف مسلمانوں پر متعلق ایک صوبہ کے قیام سے متعلق سو فیصد مسرت و شادی کی ایک تجویز کو بھی مسزہ کر دیا گیا۔ اقبال اور جبار کے نزدیک انکا فضلی اقسام بھی تھا کہ بعدوستان کی تقسیم کے ذریعے مسلمانوں کی ایک آزاد ریاست قائم کرنے کا مطالبہ اٹھایا جائے۔ اقبال بکھڑے سے اس کا پرچار کر رہے تھے۔

یہی بات دوقری نظریہ کی صورت میں سامنے آئی۔ یہ نظریہ تبدیلی راقوں ذات واقع نہ ہوئی تھی بلکہ یہ ایک طرف تاریخ کا حال تصور تھا اس کا سہرا اقبال ہی کے سر ہوتا ہے کہ انہوں نے جرات صدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلم ایک کے سیاسی بیٹے قائم اور خود اعتمادی کے گڑھ میں چھ کر اس کا نشان کر دیا۔

"دوقری نظریہ" کی حقیقت کے حوالے سے الجیرائی کی تصنیف "کتاب الہند" سے ماخوذ یہی اکرلف بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے جو 1000ء کے دوران ہندو، غزنوی کے دور میں تحریر کیا گیا۔ جس کی مصابحت میں اس ضخیم سورت نے بعدوستان کا دور دیا۔

"ہندو بر ملا سے مختلف ہیں"

اس کا ذہب ہم سے باہر مختلف ہے کیونکہ ہم انکی کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے جس پر ان کا یقین ہے۔ وہ انہیں (مسلمانوں کو) شیخ بہن پید کہتے ہیں اور ان کے ساتھ کوئی شخص اشتراک نہیں کرتے غلام آدمی کی شدایاں

ہوں یا کسی بھی قسم کا دوسرا عقل پاک ان کے ساتھ ملتا بیٹتا اور کھانا پینا کیونکہ ان کے خیال میں اس طرح وہ پاک ہو جائیں گے۔ وہ ہر اس جگہ کو چھو نہیں کرتے جس کو کسی غیر بھی آگ اور پانی کا چھو لے۔"

اس کی تصدیقی تصویریں صدی کے بعدو سورج آری جبار نے اپنی کتاب

"History of the Freedom Movement in India" 1943ء میں لکھی کی ہے کہ "یہ باتیں 1800ء میں صرف یہ حرف درست تھیں۔" اس نے باہم مسلم اہل اس کے ساتھ کی بعدوستان کے اس مانی طرز عمل کا ذکر کیا ہے۔

سولہویں صدی میں مغل بادشاہ اکبر نے ان دونوں اقوام کو اپنے "دین الہی" میں یکجا کرنے کی کوشش کی لیکن بعدوستان اور مسلمانوں دونوں نے اسے ناکام بنا دیا۔ اس کے نتیجے میں راجپوت وزیر راجہ مانی حکمران نے اسے صاف صاف تباہ کر دیا کہ یہ کاشش فلول ہے۔ حکیم مسیح علی احمد سرہندی نے اسلام پر اس ہلار کے سامنے چھ پر ہو کر اپنا نظریہ دیا کیا۔ جہاں کہو نے بھی حرجوں کی تصدیق میں اس طرح کی ایک قدرے کمزور کاشش کی تھی جسے اس کے اپنے ہی بھائی اور کتب نے ناکام بنا دیا تھا۔ شیخ احمد سرہندی اور مولانا جلیلیہ کا شہر بعدوستان میں "مسلم قومیت اور قوم پرستی" کے پھول میں ہوتا ہے۔

انیسویں صدی کے دوران شمال اور مشرق میں سکھوں کے خلاف مسلمانوں کی بغاوت اور کشمیر کا جہاد اور مسلمانوں کو اسی حصہ کے

وقت تسلیم کرنے کے لیے جبرئیل اور غلام مصطفیٰ کی ہجرت برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے صوبہ بنانے کے لیے کام کرتے تھے۔ انہوں نے کوششوں کا اظہار نہیں کیا۔

صرف اہلانی دانشوروں مثلاً ہاشم جبار اور جبار نے "بعدوستان میں اسلام قومیت اور اپنی مدد آپ اور حسب اوقتی کے جذبے کے فروغ" کے لیے جہاد کے کلمے کے مطابق کام کیا۔ انہیں سے اس کو نظر کرنا پڑا کہ "بعدوستان خود بیخود ایک قوم ہیں۔"

بعدو قوم پرستی کے موضوع پر جہاد کے قوی زمانے "بندے بازم" کے مصنف جبار جبار کی کا یہ قول بھی قابل ذکر ہے کہ "دنیا میں بعدوستان کے ساتھ ساتھ دیگر

کی اقوام مسعود ہیں۔ ان کی فکر میں جو چیز انہی کے شہر داری نہیں کہ وہ ہادی نظریہ بھی انہی ہو۔ انکی صورتوں میں جو کچھ ان کے لیے اچھا ہے وہ ہمارے نزدیک برا ہے۔ انکی صورتوں میں ہمیں اس طرح قوم بنانا چاہیے کہ انہیں اس اچھائی سے محروم کر دیں اس کے لیے اگر دوسری قوموں پر ظلم بھی کرنا چاہے تو ہم اس سے بھی مدد نہیں کریں گے۔ اسی طرح کچھ چیزیں جو ہادی نظریہ میں اچھی ہیں ان کے نزدیک بری ہو سکتی ہیں۔ اس صورت میں ہمیں اپنی قوم کی اچھائی کی خاطر کام کرنے سے باز نہیں رہنا چاہیے۔ اگر دوسری قوم بری ہو سکتی ہے تب بھی ہم ایسا کریں گے یہ قوم پرستی کا دوسرا نصف ہے۔"

دنیا بھر میں بعدو قوم کے غالب آ جانے کے حوالے سے راج جبارانی اپنی اپنی سوچی میں اس سے انہی۔ ہاتھ آتے تھے



”سمبر ۱۹۸۱ء میں ایک قومی اور پرجوش ہندو قوم کی فیسوں پر جو خواب غفلت سے بیدار ہو چکی ہے اور اپنی ٹھنی قوت کے لیے بڑی جوشی کے ساتھ قومی کی منازل طے کر رہی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ ہندو قوم ایک مرتبہ بھر دیا کو اپنے علم و جاہلیت اور غفلت کے دور سے منور کر رہی ہے اور ہندو قوم کی غفلت کا ڈالنا چار ہانگہ عالم میں لپکا ہے۔“

پرتگیزی کے دہائوں میں مسلمانوں کے بارے میں وہی جبریتی اسلوب ملتا ہے جو سر جاکوہ لکھنوی نے مسیحی انجیل کے حوالے سے اختیار کیا البتہ اس میں یہ خاصیت بھی موجود ہے کہ اس کا لب و لہجہ کبھی زیادہ زہریلا نہ گستاخانہ اور غیر مستدل بنے۔ جمہوریت کا قومی خزانہ بھی ہندو ازم کے امتیازی جذبات کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔

مثالی ہندوستان میں سماوی دھاتوں کی زہر برہمنی سرگرم عمل سرگرمیت پسند ہندو ازم یا سانن تحریک جو انھوں مسلمانوں کو ہندو بنانے کے مقصد کے تحت سرگرم عمل تھی اپنی عدم برداشت پر جتنی اسی جذبہ حب الوطنی سے سب نہیں حاصل کرتی تھی۔ جس کا اہم ترین چال مسلمان تھے۔ بھنگی کے تنگ نے بھی اس مقصد کے لیے کام کیا اور بھنگی بدشہرے ہندوستان میں پہلے دوسرے لوگوں کی تھی۔ تمام فرقوں سے قتل کر رکھنے والے ہندو ملی اطلاعات یا غیرہ طور پر مختلف درجہات کی حالت بیکار سوچ دیکھ کر ہمارے ہندوستان پر صرف انہی کا حق ہے۔

ان کے نزدیک ہندوستان اور ہندو قوم ہم معنی ہیں اور ہم رائج معنی دے کے انہوں کی

تہذیب اور غفلت کی حامل آدھنی ہندو حکومت کے قیام تو کے آزاد مند تھے۔ اپنے کام تر اقبال سے قطع نظر کامیابی کی ساری زندگی اسی بیکر خیالی کاموں و تخیلی جن لوگوں نے انھیں موت کے گھاٹ اتارا اور جنہوں نے ان کی زندگی کو آگ دکھائی وہ بھی کامیاب ایک ہی مقصد کے لیے کام کر رہے تھے۔ ان کے ”دیوان فرنی“ میں سلی تھا۔ بڑی مسجد کا اہتمام (۱۹۹۰ء) کی دہائی میں یا اس کے بعد پھر کے مالے فرقہ دارانہ فتووات میں بڑا دامن مسلمانوں کا قتل عام اور اس سے جمہوریت کی صوبائی اور وفاقی حکومتوں پر سخت دباؤ کی ہمارا براہ راست اس امر کا ثبوت ہے کہ ہندو قی نظریہ جس کی گھر بچا ہندو اپنے انداز میں کرتے تھے اور مسلمان اپنے انداز میں یعنی برحق اور غافل سے پاک تھا۔

جسویں صدی کے آغاز سے لے کر پاکستان اور جمہوریت کے قیام اور آزادی تک کے عرصے میں ہندو واقعات ایسے دہائیاں بنے جنہوں نے اس نکلے پر برصغیر پر قبضہ کر دی۔ ۱۹۸۵ء میں انڈیا کی رجحان پر انگریز حکومت کی طرف سے بلال کی دوا حصوں میں تقسیم کر ہندوؤں نے مسلمانوں کے حق میں ایک سرکاری اور اپنی تمام ہندو قومی سرگرمیوں پر ایک سنگین دباؤ سے تعبیر کیا۔ وہ اس فیصلے کی اپنی تھکے لیے برطانوی حکومت کے دباؤ سے ہو گئے۔ اسی نے دسمبر ۱۹۸۵ء میں دھماکے کے مقام پر مسلم لیگ کے قیام میں ایک مضبوط جال کا کردار ادا کیا اس خاص انڈیا قومیت کے بددعا سے کی منشاں اور مکی جنگ تقسیم کے بعد ہندوستان اور ہادی ہندو انہا میں مسلمانوں کے ساتھ انگریز کا طرز عمل طرزی تقسیم پاتا

مسلمانوں کو ایک پلیٹ کا نام پر بٹھا کر انے کا سبب بن گیا اور وہ مسلمانوں کو ان کی انفرادی شناخت سے آگیا کرانے کے لیے تھوکر مارے ہوئے۔ مکمل جنگ عظیم کے دوران ترک عداوت کی گھسٹ و دہشت کے جیسے میں شروع ہوئے دلی عدم تعاون اور غفلت کی قربانی جنگ کے چند سال بعد دم توڑ گئیں جس کا فائدہ صرف مسلمانوں کو چاہی اپنی اور اپنی عداوت کے انھیں کی صورت میں بھٹکا ہوا جنگ اس کے تمام تر سیاسی فوائد سبز گدی کے حصے میں آئے اور تحریک خلافت کے لیے مسلمانوں کے حق کے ہوئے تمام غلام پر کانگریس نے ہاتھ مائل کیا۔ میں ایک لحاظ سے تقسیم بنگال کے خلاف چلنے والی تحریک اور اس کے بعد کے حالات نے آل انڈیا کانگریس کے دباؤ پر ہندو کی برصغیر پر قبضہ کر دی۔

**جداگانہ طرز انتخاب**  
اکتوبر ۱۹۸۵ء کی دہائی میں مسلمانوں نے ایک ایسی صورت میں دارا منہ سے طاقت کی اور جداگانہ نمائندگی کے ساتھ ساتھ داخلی قرب میں ان کے تاحسبہ سیاسی اہلیت اور موجودہ تھوڑے کے مطابق انھیں نمائندگی دینے کا مطالبہ کیا۔ ہندوستانی مسلمان ان دنوں سارے دہائی کے تھوڑے میں تمام یورپی اقوام سے تجاوز ہے۔ دارا منہ نے اندے کے دھوکے کا ناما شیت اڑا لیا۔ اس نے جداگانہ طرز انتخاب کو بھی چند تقسیم کیا جو دسمبر ۱۹۸۵ء میں مسلم لیگ کے وجود میں آنے پر بدلتی نظریہ کے ساتھ ساتھ اس کے مشورہ کا حصہ بن گیا۔

مسلمانوں کی جداگانہ نمائندگی کے حق



میں آنے والے راجہ کو لاگرس کے ایک صدر ایس بی سہاسن کو لکھے اور بعد قوم پرستی کے بنگالی ترہان بی بی پال نے بھی قلم بند کیا۔

”مطہر زمانہ“ ”کامریٹ“ (انگریزی) اور ”بھرتا“ (اردو) کے دہر مولانا محمد علی جوہر نے جنوری 1912ء میں اپنے ایک حوالے میں اپنے جائزات میں بیان کئے۔

”حمید ہندوستان آج بھی سوئے ہوئے نہیں۔ ہمیں اس کی تحقیق کرنا ہے اور اس کی تفتیش سے پہلے لوہیں ناگزیر شرط یہ ہے کہ اس بات کا تسلیم کر لیا جائے کہ اس وقت پر کچھ سوچو نہیں۔“

صرف ایک سال پہلے وہ اس بات کی بات کر چکے تھے جسے وہ برصغیر میں دہنے والی وہ اقوام کے درمیان ”سکوت کی نشانی“ کا نام دیتے تھے تاہم یہ بات بھی طے شدہ تھی کہ اگر معاہدہ کا ذکر ثابت نہ ہوا تو ختم ہو جائے گا۔

معاہدہ لکھنؤ 1916ء اور نور پور رپورٹ 1916ء میں طے پانے والا ’معاہدہ لکھنؤ‘ قائد اعظم کی ایروڈ ملا جیوں کا سربراہان شخص تھا جو بھری میں ’ہندو مسلم اتحاد‘ کے سربراہی کے طور پر ابھر کر سامنے آئے۔ اس معاہدے کی بدولت مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق اور مرکز میں مناسب نمائندگی کے ساتھ ساتھ اپنے حقوق پر اثر انداز ہونے والے فیصلوں کو دینے کے لئے کا حق مل گیا۔ اس کے بعض حقیقی پہلو بھی تھے جنہیں بحالی طور پر یہ مسلمانوں کے لئے ایک اہم و شرف کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس نے ہندو مسلم اتحاد کے دہا کے ضمنی کام کا کام دیا لیکن یہ صرف سات سال کے قبل عرصے کے لیے ہی قائم رہا۔ نور پور رپورٹ

نے لکھنؤ معاہدہ کی ان شرائط کو مسترد کر دیا۔ جو کہ ایک قومی ہندوستان پر مبنی تھیں۔ مسلمانوں نے ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے اسے مسترد کر دیا۔

جناب کے چودہ نکات ’نور پور رپورٹ‘ کا جواب ’جناب کے چودہ نکات‘ کی صورت میں سامنے آیا جس میں چارے پاسی کے اصول کے تحت ایک حوالہ دیا گیا تھا کہ بین دو قومی طرز حکومت ’اختیاری‘ قرارداد کی حامل صوبائی خود مختاری ’مبادیہ میں سے پہلے مسلمان صوبوں‘ تمام انتخابات کی نمائندگی مرکز میں مسلمانوں کی ایک قومی نمائندگی جداگانہ طرز انتخاب اور آئینی تحفظات وغیرہ پر مبنی دو قومی ہندوستان کی بات کی گئی تھی۔

دو قومی ہندوستان برعکس مسلم خود مختاری اور خود ارادیت

یہ بات تو طے ہے کہ ’چودہ نکات‘ کے سامنے آنے تک ایک مخصوص بلڈ ٹری سے تعلق رکھنے والے مسلمان قائدین مسلمان قوم کے لئے موزوں تحفظات کے حامل دو قومی ہندوستان کے فریم ورک کے تحت کام کر رہے تھے۔ بعض مسلمان لیڈروں پر مشتمل ایک کمیٹی ’کریا کمیٹی‘ تھی جو اس وقت خود میں بالکل عملی تھا جن کے راجن میں برصغیر میں ایک آزاد اور خود مختار مسلم ریاست کا تصور موجود تھا۔ انکال ہائیڈر آباد علیہم قرآن پڑھ کر حواہیہ کالم نگار ’اباح علی‘ بھوتی دہلی کے ایک مشہور مفکرین کے نامور بہت مرد دلگشا ’The Future of Islam in India‘ کے ایک مدد بخش قندے لکڑاؤں

تخصیصات میں شامل تھے جنہوں نے انیسویں صدی کے آخری حصے اور چھٹی صدی کے پہلے تین عشروں کے دوران ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہندوستان کی تقسیم کی گنجش کا انعقاد کیا۔ بے خوف یا سچائی کا اور صوابی مولانا صرست صوابی اور صاحب کمال لیڈر مولانا محمد علی جوہر زیادہ نمایاں تخصیصات ہیں جنہوں نے یہ دعوائے خیال پیش کی۔ ”کامریٹ“ ان کا ترہان تھا جس کے ذریعے انہوں نے 1925ء میں اس گھر پر مبنی خیالات کا مجموعہ ’معاہدہ کیا۔ 1924ء میں ہندوؤں کی جانب سے انہی جذبات کا اظہار ہوا۔ گرامی شخصیت ’لارڈ لٹیت‘ داس نے انگریزی مضامین کے ایک سلسلے کی صورت میں کیا۔ ان کی فہم جی بھاپو پر ہادی مستحق ہے وہ لکھتے ہیں

”ہماری گنجش ہے کہ باوجود کہ وہ صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے لیکن مغربی باجواب‘ جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں یہ مسلمانوں کی حکومت اور مشرقی باجواب‘ جہاں ہندوؤں اور عیسویوں کی اکثریت ہے یہ غیر مسلم حکومت قائم کرنی چاہئے۔ میں بھال کی بات نہیں کرتا۔ میرے نزدیک یہ ناقابل تصور ہے کہ بھال کے امیر اور اپنی دہے کے قریبی پندہ اور ذمہ دار ہندو بھی کسی مسلمان (مسلمی آر داس) کے طے کئے ہوئے معاہدوں پر عمل درآمد کریں گے۔

’سائن کے معاملے میں بھی میں سچی گنجش فہم کریں گا لیکن اگر بھال مسلمانوں کے معاہدے کو قبول کرنے پر تیار ہے تو میرے پاس کہنے کا کوئی نہیں۔ یہ ان کا اپنا فکدہ ہے۔ میرے منصوبے کے تحت تو مسلمانوں کی چار مسلم ریاستیں ہوں گی (1) شمال مغربی پنجاب کا پنجاب



صوبہ بلوچستان، صوبہ پنجاب، صوبہ سندھ، صوبہ اتر مشرقی بنگال۔ اتر بھارت کے کسی اور حصے میں مسلمان رہاؤں کی طرح باجم و جاست صورت میں موجود ہے اور اس قدر کافی تعداد میں ہے کہ صوبہ گجرات میں اسے تنہا ہی چلی دے دی جائے لیکن یہ بات واضح طور پر ملے ہوئی ہے کہ یہ حصہ ہندوستان نہیں ہے۔ اس سے مراد ہندوستان کی مسلم ہندوستان اور غیر مسلم ہندوستان کی اصل میں واضح تقسیم ہے۔

### فرقہ وارانہ قسماوات

آل انڈیا ہندو ماس سہا کے وقت ہریانہ واکھ منوں کی چھ زور آور دانشوروں کے: پروفیسر "جی۔ سی۔ گھوش" کی توہینیں، نیم فونی لکاو سے ہندوؤں کی تحقیر اور انھیں مسلمانوں کی تہذیبی مذہب کا پرچار کر رہی تھیں۔ یہ تحقیریں قابل ذکر حیثیت حاصل کر چکی تھیں اور ہندوستان کے ہندوؤں کا مطالبہ تھا کہ انہیں حکم لکھ کر اصل مسلمانوں کی حفاظت کی جائے کہ وہ اپنی قومی بلکہ اس کے فرائض اچھٹانوں کے واضح اثرات اس سے نہیں غفلت تھے۔ مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کی روٹوں کو تھوک کا جواب "تقسیم اور "تخلیف" کی صورت میں دیا جس کے نتیجے میں ہندو مسلم فیادات پھوٹ چکے اور اکثر دونوں مذہب کے مذہبی عقیدوں پر بے چارہ طعن بڑھا یہ صورت حال ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئی اور پھر اس کا سلسلہ چل نکلا۔ البتہ آنے والے تمام سالوں کے دوران مسلم قیادت میں ہندوستان کی امید مطلق صورت حال سے "پارہ ری۔ جسٹس لوگوں کا استنبلا ہے اور یہ کہ ایسا ہے جیاد بھی نہیں کہ یہ امید

۱۹۳۱ء میں طاس اقبال کے شروع آفاق طلب اور آزاد چلی کہ "کہیں ممکن" سے بعد تک باقی رہی بلکہ طاس اقبال نے طلبہ اور اہل علم بھی ہندوؤں کے ان دلچسپ کو ریش کرنے کے لئے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک مسلمان ریاست ہندوستان پر ۱۰ بارہ اہل تہذیب کے لئے وسط ایشیائی ریاستوں کے ساتھ بھی ایک رابطہ ہے ہندوستان کے مشرق کو دارا کی بات کی۔

انہی اسے خوشید لکھتے ہیں "مسرح اقبال کا اہل قیادت خیر پہلو یہ حقیقت تھی کہ تیسری دہائی کے وسط تک انہی کو بھی قابل ذکر مسلمان رہنما "پاکستان کی قومی تحریک" کا حامی نہ تھا۔ پوری مسلمان قیادت شمول واکھ طاس اقبال "دارا" کے ۱۰ بارہ بات پر بھی ایک اہل تہذیبی نقطہ نظر کے تحت کام کرنے پر رضامند تھی۔"

آگے چل کر ۱۹۲۲، ۲۳ء میں ہندوستان کی آنے والی اصلاحات پر قائم مشورہ لکھی میں کئے گئے سوالات پر عہدہ ہفت علی ظفر علی اور ڈاکٹر علیہ شجاع الدین کے جوابات کا حوالہ دیتے ہیں اور یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ

"تاہم ایسی ہی شخصیات موجود تھیں جو اقبال کے نظریہ اور آہدہ پر چھوٹی دستہ علی کی پختہ بازی کے زیر اثر پاکستان کے خطوط پر غور و فکر کرتی تھیں لیکن وہ لوگ اس کے سرگرم حمایتی نہ تھے بلکہ گھٹیل تھے۔ تیسری دہائی کے وسط تک پاکستان کے حوالے سے ہاتھ صرف ہندو نہیں ہیں کی جا رہی تھیں جس کے لئے یہ آجیب کی اصل اعتبار کر چکا تھا۔"

نومبر ۱۹۳۱ء میں ملکی کونسل کو پاکستان کے سرچے پر مول مسلم ہندوؤں کی تضحیک کرتے

ہوئے مسٹر جٹا نے اپنی افکار کی تقریب "ایک نئی ہندوستانی ریاست" کی بات کی لیکن اس میں ریش کا کہنا بھی نہیں کیا کہ جٹا نے انھیں گھٹیل کیا "یہ ۱۹۳۱ء کے دنوں کی بات ہے وہ بیکلی مرتبہ میرے ذہن میں پاکستان کا ایک طویل پیکر دور دورہ "واہرات کے مطابق بارہ بھی ۱۹۳۲، ۳۳ء میں وہ پھر دی رہتے ہی ہی ہندو کوشٹوں کے ہندوؤں سے ملاقات پر آمادہ نہ ہوئے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ناکرانت کے دوران انھوں نے مسلمانوں کو ایک "پارٹی" کہہ کر پکارا اس سب جگہ کے ہندو مسلمان نے خطاب اور بنگال میں بھی مبادیانہ حیثیت کی تلاش کی لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کے اسے بھی مسٹر جٹا۔

### چوہدری رحمت علی

ایک شخصیت "ذوقی نظریے کے مطابق" مسلمان میں اقوام کی مثال ہے اور قومی کالج کیمبرج کے چوہدری رحمت علی (۱۸۹۳-۱۹۷۲) ہیں۔ پاکستان کے اس جھڑپائی شخصیت نظریہ ساز نے تمام عمر پاکستان کی خاطر قربانی اور کئی جنگ لڑی۔ کون کی عمر کا پیشہ مصر و شاہی قوت کے سرگرم انگشتان میں گزارا انھوں نے اس ملک کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا جس آئے، لیکن جس کا نام گجرات کرنے کا نام "سوامی" کے سر جاتا ہے اگرچہ یہ اپنے رجحان میں آئے ہیں کہ آدھوں ہندو قومیت کا متعلق آئندہ ہرگز نہ تھا۔

۱۹۱۵ء میں ایک اپنی سوامی کا انگشتان کرتے ہوئے یہ بات انھوں نے علی الاطلاق کہہ دی تھی کہ



”ہندوستان کا شمال مسلمان ہے  
اور ہم اسے مسلمان ہی رکھیں گے نہ  
صرف یہ بلکہ ہم اسے ایک مسلمان  
رہاست بنادیں گے۔“

ان کا قصور تو یہ تھا کہ ہندوستان کی  
سرحدوں کے اندر مسلم اکثریتی علاقوں کی کمرہ نشین  
وہ ”مسلمان“ تھیں، مسعود ہیں۔ اپنے اس خواب  
کو کالج کے دنوں سے ہی انہوں نے اپنے دل  
سے لگا لیا اس کی خاطر بے حاشا کھانا، انگلستان، مصر  
میں اس کے حلقے، بخشیں کیں اور اس کے لیے کام  
کیا۔ جنوری 1933ء میں علامہ اقبال کے  
1930ء کے طبیب الہ آباد کے بعد انہوں نے  
اپنے پمفلٹ ”Now or Never“ میں پاکستان  
کا نام باقاعدہ طور پر استعمال کیا، ایک الگ ماور  
وطن کا حق اس بات کی علامت تھا کہ:

”یہ وہ حق ہے کہ برطانوی کے خلاف اور  
نسل ان کی زبان اور خواب ان کے قوا میں زندگی  
اور ان کے چارچ اور پیرز کے یکجا ہونے سے  
پیدا ہے۔ انہوں نے برطانیہ میں ”پاکستان کی  
قوی گریپ“ کا آغاز ہندوستان کے شمال مغرب  
میں داغ مسلمان رہائشیوں کی ایک آزاد ٹیڈریشن  
کے مطالبہ کی ترویج کرتے ہوئے کیا جس پر  
برطانوی اور ہند پرپرس میں خاطر خواہ رد عمل  
سامنے آیا۔“

دست ملی نے ”Unsuble Area“ کے  
مصلحت پارٹیکل ایب کو ایک اندر دیا جس نے  
اس کا پورا ایک باب ان کے نام کر دیا۔

چہ جہادی دست ملی کے ادبی میں مسعود  
پاکستان کی بالکل واضح تصویر ”مثالی اور سوسد  
انداز میں 342 صفحات 20 نقشوں اور 23

ادب پر مشتمل 1947ء میں شائع ہونے والی ان  
کی کتاب ”Pakistan: The Father Land of the Pak Nation“  
ہیں۔ وہ شمال مغرب میں ”پاکستان“ اور شمال  
مشرقی میں ”بنگلہ دیش“ کی بات کرتے تھے جو ان  
کی بصیرت کا نہایت بڑا ثبوت ہے۔

جس اس حقیقت سے صرف نظر نہیں  
تھیں کہ چہ جہادی دست ملی نے ”Now or  
Never“ میں ہندو مسلم مسئلے کا حل بذاتے داغ  
انداز میں گمراہ کیا۔

”اس صورتوں کی اپنی ایک طبعہ لیزریشن  
ہوئی چاہیے۔ اگر ہم مسلمانوں کو ہندوؤں کے زیر  
شلا ایک فیڈریشن میں گھسیٹنے کی کوشش کی گئی  
کہ جہاں ہم خود اپنی تھری کے مانگ نہ ہوں اور  
جہادی دلائل ہمارے باج نہ ہوں تو اس سرزمین  
پر اس داغی کا فم نہ ہو سکے گی۔“

یوں ایک فیڈریشن کے اندر آزاد و مالک  
کا صاف صاف انداز میں مطالبہ کیا۔

اقبال کا خطبہ ”الہ آباد 29 دسمبر

1930ء

علامہ اقبال کے طبیب الہ آباد کی اجمالی  
بادشاہ سلطہ رکھیں ہیں

”میں جناب“ شمال مغربی سرحدی صوبے  
مسعود اور بلوچستان کو واحد ریاست میں باجم و فم  
دیکھنا چاہوں گا۔ برطانوی سلطنت کے اند یا  
برطانوی سلطنت سے باہر ایک خودمختار حکومت یعنی  
ایک ”مستقل شمال مغربی ہندوستانی ریاست کی تشکیل  
میرے نزدیک نہایت ہی ہندوستان کے مسلمانوں کا  
مقدور ہے۔“

مقدور بادشاہ میں 1915ء میں ایک  
ادبی تنظیم کے انعقاد کے موقع پر چہ جہادی دست  
ملی کے خطاب کی طرف دلائل نے جاتی ہیں۔

اپنی تمام تر شاعرانہ زندگی کے دوران  
اقبال مسلمانوں کے (دشمن میں اس جنگی کی  
آجہادی کرتے رہے کہ وہ اپنے کھونے ہونے  
جہادی لہجے سے بیحد کینے محرم نہیں ہو سکے اور ہر  
جہادی جہادی کے ذریعے اس کا ہر اوصالی نہیں  
ہے۔ ان کا جہادی کیریئر ہی مسعود کی طرف رہا  
وہاں تھا۔ باقراطر انہوں نے اس کا اختیار ایک عمل  
قوی اور میں اقوامی خطہ نظر سے کیا۔ اسے حلیم  
کرنے کے حق میں کوئی قورادہ سامنے نہ آیا۔  
کسی ستای اجمار نے اسے خری اہمیت کے اعتبار  
سے قابل اعتبار نہ سمجھا اور یہ حلیم تری بار خلی اہمیت  
کا حال داغہ بالکل خاموشی سے تیار نہ ہو گیا۔  
اس خطبے کے آغاز میں انہوں نے فرمایا

”میں کسی پارٹی کی قیادت نہیں کرتا میں  
کسی لیڈر کی جہادی نہیں کرتا۔“

اپنی تقریر کا سمجھنے پر سنا کہتے ہیں  
”ہندوستانی تاریخ کا حالیہ عہدوں مسلم  
برادری میں حصہ اور عزم کے حوالے سے مکمل  
تنظیم اور اتحاد کا متقاضی ہے۔ ہندوستان کی جہادی  
لہجہ پر سہ ایشیا کی لہجہ و مطلبی کا ایک سب  
رہی اور اب بھی ہے۔ اس نے مشرق کی دشا کو  
کچل کر رکھ دیا ہے اور اسے اپنے اختیار کے اس  
تلف سے بھر محرم کر دیا ہے جس نے اسے کبھی  
ایک حلیم اور بدکار شخصیت کا خالق بنا دیا تھا۔  
ہندوستان جس کے ساتھ ہمیں جہاد و سرز ہے  
کے حوالے سے ہم پر ایک فرض فائدہ ہوتا ہے اور  
ایشیا اور خاص طور پر مسلم ایشیاء کے حوالے سے ہم



پر ایک فرض مانا جاتا ہے۔

میں باہمی فرق دارانہ عناصر کے بارے میں غامض نہیں۔ میں اپنے اس احساس کو بھی پوشیدہ رکھنے سے ہمسرہوں کو مستقبل قریب میں اس سکرین سے ٹپکنے کیلئے جاری رہاؤں ایک آزادانہ داخل اختیار کرتی ہے۔

”اور عرصہ کا نام ہے جبکہ درجہ نور زندگی اور اہلاد ہے۔ تاریخ سے میں نے ایک سبق سیکھا ہے کہ پر اسلام ہی ہے جس نے مسلمانوں کو بچا اور کوئی اور غیر اسلام نہ آیا۔“  
”مستقبل کی بصیرت کا حال اقبال قادی جہالی تاریخ، تہذیب اور تعلیم سے شکل آگئی کی جا رہی ہے کی زبان میں بول رہا تھا۔

گول میز کانفرنس 1929-1933ء

اقبال کے خطبہ اول آپہ 1930ء پر برطانوی پریس اور برطانوی وزیراعظم کا داخل فیض و غضب کا نمونہ تھا۔ جہاں پریس نے بھی دھیم طرازی میں کوئی کسر اٹھا نہ کی۔ مسلم پریس نے اس کا ٹیڑھم کیا اور ممتاز جہاد دشمنان مثلاً ڈال لکچر رائے کی جانب سے تحسین ہند کی سہایت تہذیب کے حوالے دیتے ہوئے انہیں نے اس مطالبے کو مزید تقویت بخشی۔ حتیٰ کہ گول میز کانفرنس کے قیام پر ڈاکٹر مون کی نے ایک احتجاجی تقریر بھی کر دی جس کا جواب سر فریض نے دیا۔

دارلک اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اقبال آنے والے سالوں میں ”میں اٹھایا مسلم کانفرنس“ کے انعقاد کے خواہش مند تھے اور درحقیقت اس کیلئے ایک مکرر بھی چار کر چکے تھے

نہیں یہ کانفرنس نہ ہوگی کیونکہ یہی مناسب سمجھا گیا کہ گول میز کانفرنس کے نتیجہ کا انعقاد کر لیا جائے جو 1933ء تک جاری رہی۔ بہت مذکورہ بنا قرار پر 21 مارچ کو لاہور میں ہونے والی آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے موقع پر چلی گئی۔  
مسلم اتحاد

3 اپریل 1931ء کو اقبال نے دہلی میں آل انڈیا مسلم لیجن میں شرکت کی جہاں ہمارا گاندھی نے مسلمان رضاؤں سے ملنا تھا جس پر کہیں لیجن ان کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکاری رہے۔ 10 مارچ حکومت علی کا خیال تھا کہ 10 مئی 1931ء کو بھوپال میں طلب کیے گئے اجلاس میں مسلم لیجنٹ پارٹی کو چاہنا کہ طرز انتخاب کے سال پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس سے قبل لاہور میں مشہور زمانہ مورچی دھڑے کے باہر عامسرا اقبال نے ایک عمومی جلسے سے خطاب کیا اور مسلمانوں کو اس کوہتا ہے جواز استبدال سے آگاہ کیا جس کی بنا پر مسز گاندھی مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کرنے پر راضی نہ ہوئے تھے۔ اقبال نے انہیں ٹیڑھ دیا کہ اگر وہ سمجھتے ہوئے تو آتے والے دنوں میں انہیں کرے انہوں کا سامنا کرنا چاہے گا۔

بھوپال میں طلب کیا گیا اجلاس ہمارا طرز انتخاب کے سال کا عمل کرنے میں ناکام رہا لیکن مسلم لیجنٹ پارٹی نے اسے ایک عارضی سمجھوتے کا نام دے دیا۔ تاہم 15 مئی 1931ء کو ”پلیٹفیم“ کے ساتھ ایک اجلاس میں اقبال نے اسے لکھا جان قرار دیتے ہوئے کہا کہ کسی قسم کا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔ اپریل 1931ء میں اس

مشورہ کے اجلاس کے انعقاد سے پہلے جہاں آگیا مرزا پھر اور کانپور میں فرق دارانہ عناصر کے چہرے کانپور میں صورتحال اچھا ہی نہ تھی جہاں جندوں نے مسلمانوں کی جانوں کا بڑا ہار دیا اور مساجد کو اچھا ہی دہلی سے لکھنا ظاہر من واقعات نے اقبال پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ مئی 1931ء میں انہوں نے اٹاپا ساما کی کے سربراہ سوزیک سینگھ کو لکھا کہ اگر برطانوی نے آئندہ گول میز کانفرنس میں جندوں کو نام کرنے کی کوشش کی تو میں لیجن ہے کہ انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں علینے لکھا جائے گا ساما کرنا چاہے۔ مسلمان دہلی کی طرف ہجرت کیجئے ہیں اور دہلی کے نزدیک یہ کئی آبادیات نہ ہوگی۔

8 ستمبر 1931ء کو گول میز کانفرنس میں شرکت کی فرض سے لاہور سے لندن کیلئے روانہ ہونے سے پہلے اقبال نے وزیراعظم انتخاب کے اور پے پی پیام دیا کہ ایسا کوئی آئینہ قبول نہیں کیا جائے گا جو مسلمانوں کی اجتماعی موت سے مراد ہمارا نہیں ہوا اگر جند جاتی مرز میں ہر کوئی سماج نہ بھی ہوگا تو بھول اور برطانوی جو برقیات جند جاتی اقوام کے دہلیان کی سمجھوتے کو سختی سے منکر رہنے میں ہمارا غمخیز ہے۔ اگلے روز دہلی میں ایک جلسہ انتہائی کے جواب میں انہوں نے یہی بات کی کہ مسلمان جندوں کے تشدد نظر کے مطابق ان کے دل میں یہ کہہ جانے کی ہر لیجن کوشش کر چکے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنی اقتصاد اور سماجی حلقہ کو بھی قربان کرنے کے چاہتے لیکن انہیں ناگاہی کا حد دیکھنا چاہئے اقبال نے کہ وہ جیسی انہی مطالبات کو دہلی جو سماج بھر پہلے آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں پیش کیے گئے تھے اور انہوں میں اس







مستقبلیت پر مبنی ملتی جہلی کی سمت ہندی  
اقبال نے مسلمانوں کیلئے ایک پانچا لکائی  
پر اگر ہم گورچا کیا جو کہ سب اہل ہے۔

1۔ ایک واحد عقلم جس کی بندرجان ہر  
میں چائیں ہوں

2۔ یکساں داکو روپ کا ایک نوئی فن۔

3۔ چلو گجر

4۔ مردوں اور خواتین دونوں کیلئے لکائی

ادارے

5۔ علماء بشمول مسلمان دکان کی ایک اسٹی

ہوں ایک عہدیت اپنے مستقبل میں کی

طرح اقبال خود لکائی "آزادی" قوی دہاست اور

ایک خوشحال اور ترقی پزیر ملتی جہلی کے تمام

عزیزوں پر نگر دیکے ہوئے ہے "ملتی جہلی کے

عزیزوں میں معظم اور میں صرف عمل خواتین اور

نوجوان اور جلد دانشور ماں مثلاً دکان اور ایک دکان

مثلاً خوار بھی مثال ہے جو ادراج اور ادراج ہے

اداروں کے دوسرے اسلام کو چاہے مستقبلیت رنگ

دینا چاہے ہوں۔ ملتی اداروں اور مسلمان

عظیموں کو اگر موزوں دہائی اور حصول مالی

دہائی میرا جانتے تو وہ مسلمانوں کو ان کے کمن کی

مرد ملتی ملتی آزادی کی منزل سے ہٹ کر کر سکتے

تھے۔

اقبال کے خواب

خواتین اور نگر مسلمانوں نے خطبہ اور

آباد کو ایک "مرد" کے نام دیا اور بندرجان

کے دیگر مسلمان قاضیوں نے باہم جملہ خاموشی

اعتقاد کیے دہلی تو آل پاریز مسلم کانفرنس کا

مسلمانوں نے باہم اور نوجوانوں نے ہاتھوں

پر تاج خرمدم کیا۔ اقبال کے چائیں نے ان  
کے خلاف جست آہیزم جاری جاری دہلی اور  
انہیں کی چائیں سے دہلی کا مانی اور ملے کمن  
قرارداد ہے اور زیادہ تر وہ باقر کی جہ سے  
ایسا کر رہے تھے ایک تو ان کی طرف سے "سر"  
کے خطاب کی قبولیت تھی مگر گول میز کانفرنس کیلئے  
ان کی عاجزی مثال نہیں ان تمام تر اعتراضات کو  
تعلق تھاروں نے خطا مسترد کیا ہے جن میں امر  
اور خان کی کتاب "اقبال کا سیاسی کارنامہ" خاص  
طور پر قابل ذکر ہے۔ اقبال کی سیاسی کامیابیاں  
"سر" کا خطاب انہیں سیاسی نہیں بلکہ ادبی خدمات  
کی بنا پر عطا کیا گیا۔ ان کی "سرمہ خروانی" کا  
تیسرا ایک شوق آہیزم مسلمانوں کی کیا تھے  
مغربی اداروں نے مالی ادب اور تعلیمات فکر میں  
ایک بے مثال اضافہ قرار دیا۔ ان کا خطاب انہیں  
حق بات کہنے سے نہیں روک سکا۔ ہوں عارض حق  
کے لیے ان کا عزم اہل صورت اختیار کر گیا۔ جس  
کا اعتبار انہوں نے اٹھ قادی سے اہلی دانشگری کی  
ہدایت تکمیل کیا۔

جہاں تک گول میز کانفرنس کے لیے ان  
کی عاجزی کا تعلق ہے تو یہ سب بلکہ صرف اور  
صرف برطانوی حکومت کا کیا ہوا تھا جس نے ان  
سب لوگوں کو روک دیا تھا۔ جس میں مہاتما گاندھی  
بھی شامل تھے۔ دونوں کانفرنسوں کے دوران یا  
ان کے بعد تاریخ کے صفحات پر مسعود اقبال کی  
سرگرمیاں اس بات کی گواہی کہ وہ دہلی سے  
مائی تھے یا خلاف اور یقیناً انہوں نے اپنے آپ  
کو ثابت کر دکھایا کہ وہ ایک صاحب ایمان مسلمان  
تھے جس نے بندرجان کے مسلمانوں کو آزاد  
کردانے کی قسم کھا رکھی تھی۔

## اقبال کا مستقبلیت اسلام

اس میں کوئی شک نہیں اور یہ عقلم ضرور  
بات ہے کہ اقبال ایک مطہر دانا ان کے مالک  
تھیں اور اہل مسلمان اور خاندان سادہ انسان  
تھے۔ اسی لیے وہ اسلام اور مسلمانوں کے مانی  
تھے جنہوں نے کسی بھی دوسرے صوفیہ سے متصل  
اس کے ذہب یا مذہبی دانشگری کی باہر خلاصت  
نہیں دیکھتے تھے۔ ایسی برصغوری اعتبار سے ان  
کا اسلام پوری انسانیت کو اپنی آغوش میں لے لیتا  
تھا اور مسلمان اہل اصول کے طہر رہا تھے۔ وہ  
تھوڑی سی طے شدہ حیثیت کے حامل نہ تھے بلکہ وہ تو  
ہر کو مسعود میں مستقبلیت حکمت کے مانے والوں  
میں سے تھے جن کی صورت پابری کوئی لازمی  
بات نہیں لیکن جن کی خاطر انسان کو اپنی کوششیں  
جاری رکھنی چاہئیں۔ ہوں ان کا تعلق مستقبل پر  
یقین رکھنے والے مسک سے تو نہیں وہ نہاد  
مستقبل کے حکمت کو مانے والوں میں سے  
تھے۔

21 مارچ 1932ء کو آل انڈیا مسلم  
کانفرنس سے اپنے صدارتی خطاب میں اقبال نے  
جواب اور پانچا میں مسلمان اکثریت کے حق کی  
حکیم کرنے کے اپنے مطالبے کا اعادہ کیا۔ اسے  
مسلم لیگ کی حمایت ملی جبکہ بعد پریس کے ضیق  
دغیب کا کٹنا نہانچا جس کی جہ سے اسلام کے  
"ادان یہ مطالبہ حکیم نہ ہونے کی صورت میں  
راستہ احترام کے باوجود عزم کا اعجاز تھا اس موقع  
پر برطانوی حکومت کی طرف سے ایک مقررہ تاریخ  
سے پہلے پہلے کیسی ایماز کا اعلان نہ ہونے کی  
صورت میں اہل اہم کا قدام اٹھانے کا عزم ظاہر



یا کیا۔ بعد ازاں ان کے جواب میں ہمیں 1432ء کے دوران اقبال اور ان کے چند ساتھیوں نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا جس میں انہیں یاد دلایا گیا کہ وہ انھیں دھرموں کے معاملے میں بھی ایک نظریہ کا مظاہرہ کر رہے ہیں، جبکہ مسلمان انہیں مرکز اور چھ صوبوں پر اپنا دامن قائم کرنے کا موقع دے رہے ہیں۔

کیونکر، اپریل 1932ء

16 اگست 1932ء کو کینیڈا میں امریکا جاتی کیا گیا جس میں متحدہ صوبوں سے مسلمانوں کے ساتھ باضابطہ کی گئی۔ 24 اگست 1932ء کو اقبال کی زیر صدارت مسلم کانفرنس کے ایک اجلاس میں امریکا پر مسلمانوں کے حقوق و امتیازات کو اجاگر کیا گیا۔ انہیں بعد ازاں اقبال نے باضابطہ بیان کیا اور ان کے اہتمامات بھی شروع کئے۔ انگریز سرکار نے انھیں قتل کر دیا جانے والا جہاد کا حق فراہم کیا گاڑی کی طرف سے جام مرگ جبکہ جہاں کی دشمنی پر پتہ چلتے کے قتلے دلائل سے لیا۔ اقبال نے گاڑی کی اس جہاں پر بڑے حلقی انداز میں تھپتھپائی کہ یہ دھرموں کو ان کے ایسے اصل حقوق دینے سے انکار ہے جن کا حقد وہ صرف ہندوؤں کو رکھتے ہیں۔

اس سوز پر مسلمان تحریکات علی نے ایک مرتبہ پھر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی کوشش کی اور 15 اکتوبر 1932ء کو ٹھٹھار میں ایک کانفرنس طلب کی۔ اقبال نے اس میں شرکت سے منع کرتے ہوئے کہا کہ جہاد کا طریقہ اسلام کا معاملہ ہے مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کے درمیان قائم ہے جو کہ بڑے سراسر الحاد ہے۔

قرآن و احکام دینے والے جہاد میں جبکہ انگریز قوم کی جانب سے کوئی جہاد کے سامنے نہیں آ رہی تھی۔ کانفرنس کا اجلاس ٹھٹھار میں منعقد ہوا جس میں اسی صورت طرز قرار دیا گیا جس میں صرف اسی صورت طرز انتظام کے سوال پر غور کی جانی چاہی کہ اگر جہاد نکلتے ہیں تو وہی جہاد کو پہلے تسلیم کر لیا جائے۔

جام غازی غازی برطانوی حکومت کو اقبال کے سیاسی مقام کے ذریعہ جبری گول ہیز کانفرنس کے لیے بھی انہیں ہندوؤں پر برطانیہ راج کی سے لے اقبال نے اپنے موقف کی وضاحت کے لیے اپنی حمایت میں مسٹر ایم اے جہاں کے ایک خط لکھا کہ وہ حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ہم" "کو ایک خوب رسالہ کیا۔

اقبال جہاں ملاقاتیں 1932ء

کانفرنس کا آغاز 17 نومبر 1932ء میں ہوا جس سے آل انڈیا کانگریس اپنے طور پر غیر حاضر رہی۔ مسٹر ایم اے جہاں کو وہ انہیں کیا تھا لیکن اقبال نے لندن میں اس کے ساتھ متحدہ ملاقاتیں کیں۔ کانفرنس میں انہوں نے انگریزوں کو لکھا کہ ان کی حکومت سے حلقہ بھڑوں کا سلسلہ جاری رہا جس سے اقبال کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انہوں نے جہاں برصغیر کی تھار میں جہاں کے لیے امتحان کی دہائی میں ہندوستان میں رہا راستہ نگرانی آف ٹیٹ کے باعث مکمل صوبائی خود مختاری کو اپنا انداز نظر پیش کیا۔ لیکن ایک آف انڈین کے ذریعہ ساتھ اپنی وہ تحریروں میں انہوں نے ہندوستان کے مشرقی اور شمال میں آزاد مسلم ریاستوں کا بیان کیا۔ پراچین اس کے حق میں

انہیں پیش کئے ہیں کہ وہ انہیں سمجھتے ہیں نظر سے ہندوستان کی جہاں ان کی جانب موصول ہوئی۔ اقبال 31 نومبر 1932ء کو لندن سے روانہ ہوئے اور وہیں انہیں جہاں سے وہ 25 فروری 1933ء کو واپس آئے۔ یہ انہیں پہلے ہی انہوں نے جو کہی انہوں نے وہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد سے حلقہ بنی۔

جہاں لندن میں (1928-1934)

مسٹر جہاں اپنے وقت قانون کے مسئلے میں لندن میں ہی آباد ہو گئے۔ ان مسئلے میں انہوں نے ہندوستان کا دورانیہ کیا تھا۔ 1933ء میں انہوں نے ہندوستان کے مسائل اجلاس کی صدارت سے یہ کہتے ہوئے منعقد کر دی کہ "بہت کم ہندوؤں کو صحیح صورت حال کو سامنے نہیں دیا جہاں ہندوستان کے لیے کوئی بھی نہیں دیا جہاں ملے گا ان اور ان کی اہلیہ اپنے اہلیہ ہوں گے کے لندن میں تھے۔ انہوں نے بھی یہ حلقہ طرے سے مسٹر جہاں کو ہندوستان میں آئے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ انہیں وہیں لانے کی یہ کوئی اور کوشش نہ تھی۔ سر جہاں ہندوستان پہلے ہی انہیں ایک خط لکھتے تھے کہ

"جو تو کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ ہم سب آپ کی شخصیت سے متاثر کر رہے ہیں۔"

(1934)

وہاں کی مجلس پارلی کے سربراہ اے بی جہاں نے بھی انہیں ہندوستان میں لانے کی کوشش کی

مسلمانوں سے درمیان کوئی بھی ہے مثال کے طور پر۔ ہندوؤں۔ انہوں نے انہیں



برنگل والی اگلی جہز۔ اس خطہ نظر سے ہوا خیال ہے کہ آپ ہندوستان کے اتحاد کے لیے دلچسپی وادارہ طاقت ہو سکتے ہیں۔ سازشوں اور سب سے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ ہم آپ کی فیور ہو سکتی شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ 1939ء گول میز کانفرنس کے خاتمے پر مسز جتانی کی ٹھہری امیدوں اور اپنے مختصر سے نامہ ان سمیت لندن میں آباد ہونے کے لیے ان کے اقدامات پر داپورٹ کسی حدود حاصلے کے بغیر کچھ ہے کہ

”وہ ایک کو اقبال اور ان کے پنجابی دوستوں پر بھروسے کے لیے تیار تھے۔“ 1941ء کہا جاتا ہے کہ اقبال کے دل میں

پارلیمنٹ میں شامل ہونے کی خواہش چپ رہی تھی۔ جتان نے جردن تک جانے کا فیصلہ کرنا اقبال کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لیے دعا کرنے سے پہلے 12 مارچ 1934ء میں دہلی میں کیا۔ انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ خود انہوں عقل ہو چکے ہوں گے۔ اور اجلاس میں موجود ہوں گے۔ دہلی دہشتوں کے درمیان 12 مارچ 1934ء میں دہلی میں منعقد مسلم لیگ کانسل کے اجلاس کے موقع پر کسی خاص طاقت کا کوئی حوالہ نہیں ملتا لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ جتان کا ذہن مسلم لیگ کے ساتھ اجلاس کی صدارت کے لیے سوزن ترین تھی جس کے طور پر اقبال کو قبول کر چکا تھا۔ جلد از آراء سے پہلے اور بعد میں لازماً وہ تمام سیاسی مراکز میں اور اقبال کی کسی سے مکمل طور پر باخبر رہے ہوں گے۔ یہ وہ عظیم شخصیات سے بڑھ کر وہ عظیم ذہنوں کی طاقت تھی۔ گول میز کانفرنس سے قبل انہوں رضامندی کے درمیان کسی

طاقت کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ جب ان کا چاہیہ اقبال کے مطابق عام اقبال نے چند مضمون کے لیے جتان کے ساتھ ایک سلیب کی۔ 1941ء لیکن اور سے پاس ایسا کوئی رہنما موجود نہیں کہ مسلم ہندوستان کے ان دو رہنماؤں کے درمیان کیا معاملہ رہا سوائے اس کے کہ اقبال نے جتان پر ان کی ہندوستان والی اور مسلمانوں کو مسلم کرنے اور مستقبل کے بدگروہوں کا انوکھ عمل چار کرنے کے لیے ان کی ناکریر ضرورت پر زور دیا لیکن ہم ان کا ضرور جانتے ہیں کہ گول میز جتان نے کمالیہ علم کا لقب لینے کے بعد اپریل 1936ء میں اور میں اقبال سے طاقت کی جہز کے بارے میں حرج و مرجھلات کی گئی تھی۔

### عہد آفرین سال 1932-1935ء

سال 1932ء اور 1935ء ہندوستانی تاریخ میں عہد آفرین تھے۔ 1932ء کے آغاز میں برطانوی حکومت نے گنیش ایاز ڈاگلا کی ایک دیگر دوسرے تاریخ ساز سال 1933ء کے دوران گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سامنے آیا جس کی بدولت ہندوستان کو آئین مل گیا۔ یہ دونوں ہندوستانی نظام یعنی ہندو اور مسلمانوں کی خواہشات کی ہمراہ چلتی نہیں کرتے تھے لیکن ان دونوں اقدامات کی بدولت ہندوستان کی آزادی کے مقصد کی خاطر چونکہ یہ یکدیگر ضرور ہوئی کیونکہ دونوں نے اسے اپنے اپنے مطالبہ میں کہا۔

لعلم سیاست کے معاملے سے اقبال نے قیصری گول میز کانفرنس سے انہیں کے بعد اپنی توجہ دوسرے مسائل پر مرکوز کر لی۔ ان کا تعلق ہندوستان کے اندر اور باہر تعلیمی، اقتصادی، سماجی اور

ادبی مضمون میں مسلمانوں کی بہتری اور ہندو سے اتحاد۔ 1933ء کے پالی میٹوں میں ایک قابل ذکر واقعہ ان کا اور انہوں نے تھا۔

### اقبال کی خرابی صحت

جنوری 1934ء میں اقبال کا دل دہری طبع غلاب ہو گیا جس سے ان کی عمومی صحت کے ساتھ ساتھ دماغی ماندہ سرگرمیاں بھی جڑ ہو گئیں۔ آئندہ چار سالوں کے دوران ان کا غلاب وقت مختلف مقامات پر طبع سابلے میں صرف ہوا لیکن اس سے کچھ فرق نہ ہوا۔ ان کی سہمی سرگرمیاں محدود ضرور ہو گئیں لیکن کسی بھی طور پر قطع نہ ہو گئیں۔ 1934ء سے 1938ء کے دوران انہوں نے ہسپتالی طور پر کسی اجلاس میں کوئی خاطر خواہ کردار ادا نہیں کیا۔ ان کا اہم کردار مشاورت کی طرف مرکوز ہو گیا۔ اپریل 1936ء میں لاہور میں کانفرنس نے ان سے طاقت کی۔ اقبال کا مذاہب مسلم لیگ کا ممبر بنایا گیا۔

### تقسیم کا شکار سیاست

مسلمان سہمی راہروں نے خرابی انہوں میں متحمس تھی جن میں سے بعض خلا مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس تک کیے جیسے۔ جمیٹ ہندو نیشنلسٹ مسلم پارٹی، لیکن ارادہ اسلام بھی کچھ جاتھیں کاگر جس کے شانہ بشادہ جیسے۔ چار برائیاں خلا مذاہب کی جمیٹ پارٹی اور بنگال کی ہندو پارٹی صوبائی جمیٹ کی حامل تھیں بعض دیگر محض دھڑے تھے جبکہ ناکارہ قریب تک کیے عظیم تھی۔ گورا اپنے جھنڈ کی دھڑ سے یہ مسلمان تھی لیکن اس کا رنگ اپنی سب سے جدا تھا۔ چاروں کے اہمیت



مسلک عدم صلاحیت کے بارے میں اقبال کے دواخلا  
ان کے گھر سے منسلک ہے اور مسلم قوم کے کاؤ کی  
خاطر ان کی بعد میں میں کوئی کمی نہ آئی۔ وقت  
گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے صحت کی  
حیثیت سے ان کی صحت بڑھتی چلی گئی۔

جناب کی ہندوستان واپسی 1934ء

1934ء میں جناب انگلستان سے پہلی  
لوٹ آئے۔ اپریل 1934ء میں یہ مسلم لیگ  
کے قیام اور پانچ ججزوں کو نکال کرنے میں  
کامیاب ہو گئے۔ انہیں نے انگریز سربراہ کی  
طرف سے جاری کیے گئے قیام اجلی میں گجرات  
کی گئی آئینی اصلاحات کی نوبت کی اور ایک قومی  
قوم کی تشکیل کے لیے کانگریس سے رجوع کیا۔  
اس انگریز مخالف اتحاد پر انگریز حاکمی مسلمان  
قائدین کے گروپ میں جناب کے خلاف بغلیں  
پھرا رہ گئیں۔ برطانیہ میں قیام کے دوران کی غیر  
موجودگی میں انہوں نے مسلم لیگ بھارتی کی  
کوششیں آنا نہیں چاہیں کامیاب نہ ہو سکے۔ اکتوبر  
1934ء میں پہلی کے مسلمانوں نے مرکز میں اپنی  
نمائندگی کے لیے جناب کو دوبارہ منتخب کر لیا۔

جنوری 1935ء میں نئی دہلی کے مقام پر انہوں  
نے دونوں قوموں کے درمیان اختلافات اور  
کرنے کی ایک اور کوشش کی لیکن اس وقت کے  
کانگریسی صدر راجندر پرساد کی مصدرت کے  
باعث یہ کوشش بھی ناکام ہو چکی تھی کیونکہ بعد  
مہاسیہ کے قاتل ایک اور بھی پیچھے ہٹنے کا چارہ  
تھے۔ فروری 1935ء میں آسٹریلیا میں گجرات  
اصلاحات کے حوالے سے گجراتی اہم پر بحث کے  
دوران ”جناب نے اپنے آپ کو برطانوی

ہندوستان کے انجینئرین دکن پارلیمنٹ کے طور  
پر مقرر کیا“ 1935ء اپریل سے اکتوبر 1935ء تک  
وہ لندن میں اپنی ویٹ پارلیمان سرگرمیوں میں  
مصروف رہے اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ  
1935ء کے تحت انتخابات کے لیے مسلم لیگ کو  
”دوبارہ حلقہ کرنے کی نیت سے لوٹ آئے۔“

مسلم لیگ جناب کو اپنا مستقل صدر منتخب  
کر چکی تھی۔ اپریل 1936ء میں انہوں نے پہلی  
میں اس کا اجلاس طلب کیا۔ ایک طرف تو یہ  
1932ء میں دہلی کے مقام پر مرکزی تنظیم کے  
لیے گجرات کو دو بھاس لاکھ دھپے کے خلاف اور  
پانچویں کے مضامین طالب طلبوں کے درپے مسلم  
لیگ کی ملک گیر تنظیم کا آغاز تھا جبکہ دوسری جانب  
اس کا مقصد ہندوستانی سرزمین پر ہندوستانی  
رہنماؤں کی گول میز کانفرنس کے درپے کسی  
گھمٹے تک پہنچانا اور پھر نیکو تجاؤز آئین کی  
جگہ ”پانچ حق دالے ہی سے دار اور جمہوری  
حکومت“ کا قیام۔ (1936ء)

کانگریس کی طرف سے سہاؤ چند برس  
کی گرفتاری کے خلاف قومی قرارداد میں غیر  
جانبدار رہنے اور میں تمام اہل گجرات کو متحد کرنے  
کے بعد انہوں نے اور تنظیم کی طرف سے غیر  
جانبداری کے وعدے کو ”حکومت کے ساتھ  
مسلمانوں کی دلاوری کے حقیر انتظام“ سے تعبیر  
کیا۔ مارچ 1936ء میں یعنی غلبہ آج کے چھ  
سال اور برطانیہ میں پاکستان کی خاطر دہلی کے  
تین سال بعد انہوں نے مسلم لیگ میں اپنے  
ساتھیوں سے ”مذاہدہ چٹانہ کھڑے ہونے کی پہلی  
کی۔“ (1936ء) مسلم لیگ کے بنیادی لہجہ مختصر  
مطلق معین اپنی بعد 1936ء کے باعث ان سے

آنکھیں نہیں دیکھتے تھے کیونکہ ”مستقبل کی باتیں  
سوچنے سے قاصر تھے۔“

جون 1936ء میں جناب متحدہ مسلم  
لیگیوں کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو  
گئے تاکہ وہ مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے لیے کام کر  
سکیں۔ وہ اقبال سے ان کی ”پہلیں ملاقات“ ہوئی  
ان کی مدد بھی حاصل کر لی لیکن جیسا کہ پہلے ہی  
ذکر کیا جا چکا ہے اقبال قریبی صحت کی بنا پر مرکزی  
بورڈ میں کام کرنے کے لیے چار نہیں تھے لیکن  
انہوں نے مسلم لیگ دہلیاب کا صدر چنے کی  
رضامندی اسے ایک قائد کی کوششوں سے نہ  
صرف بہت سے دانشوروں نے ان کا ساتھ دیا  
بلکہ مسلمانوں کو بھی ایک قوم کی حیثیت سے اکٹھا  
کیا اور اس طرح ایک کوشاں تنظیم کے بھی  
لجارت ہو گئی۔ انہوں نے دھاکہ کے قیام اور  
مطلق اہل قومی بڑی لہجارت سے اپنے ساتھ اس  
”عظیم میں مثال ہونے پر راضی کر لیا۔“

اقبال اور جناب کی خط و کتابت

1936-1947ء

5 مئی 1936ء کی بات ہے جب طیارہ  
اقبال کے سامنے تیار بیٹے جنس لاکھ چاہے اقبال  
نے مضمون خطاب میں اپنی ”پہلیں ملاقات“ کا واقعہ کی  
موجہ دگی اور ان کی مصلحت فرائض سے غور میں جناب کا  
آؤ کرلف حاصل کیا۔ دونوں تنظیم دھماکے کے  
درمیان کئی امور پر تبادلہ خیالات ہو اس کا مخلص  
اتحاد ہی دکھایا جاسکتا ہے کیونکہ اس کا کوئی ریکارڈ  
موجود نہیں کیا گیا تھا لیکن بات سنے کے بعد اس  
کے بعد دونوں کے درمیان باقاعدگی سے لگاؤ  
کتابت کا سلسلہ چلی نکلا۔ انہوں نے مسلم لیگ



کے یہ کام تھے اپنے مقصد کی خاطر ہم آزاد ہو کر کام کیا۔ 23 مئی 1936ء کو اقبال کی طرف سے جناح کے نام پہلے خطب میں ان کے خط کا ذکر کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا گیا کہ جناب سے اجازت اور اعتماد ملت پارٹیاں پاکستان کے ساتھ شامل ہو جائیں گی البتہ ممکن ہے کہ صوبہ عظمیٰ خاں کو زیادہ دقت پیش۔

9 جون 1936ء کو اقبال نے ایک اخباری بیان جاری کرنے سے پہلے اس کا مسودہ ملاحظہ کے لیے جناح کو ارسال کیا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی حیثیت واضح طور پر بیان کی جانی چاہیے اور مسلمانوں کو ظہور کیا جانا چاہیے کہ مسلمانوں کے حقوق اور ہر ایک انتظام سے حلقہ ان کے مقصود کو اختیار نہ کیا گیا قوانین کی پندرہ سالہ کامیابیوں سے شرف بہت ہو جائیگی۔ انہوں نے اس امر کی بھی تذکرہ کی کہ مرکزی اسمبلی میں بالواسطہ انتخاب کے طریق کار کو نوانے میں ان کی کامیابی چونکہ صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کی کوششوں سے ممکن ہوئی لہذا اب ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ مسلمانوں کے مسائل پر ایک حصر، ملک گیر پالیسی پر مت جائیں۔

آئندہ حکام کی تاریخ 25 جون 1936ء ہے جس میں مسز جناح کو جناب کے صوبائی وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات کی متوقع پہنچ آئے اور ان کے ساتھ مذاکرات سے متعلق آگہ کیا گیا ہے اس میں مسلم لیگ اور پرنسٹن کے دو ارکان تعاون کے لیے مسز جناح کے تھکیل کر، ایک جہاز میں بھی پیش کیا گیا ہے سر سکندر کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ آثار آپ ہمیں قابل ترنے میں کامیاب

ہو جائیگی تو وہ ہمارے ساتھ مل کر تھے ہیں۔" 1481 23 اگست 1936ء کو بارہ ماہوں اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کی امید ظاہر کرتے ہوئے اقبال نے اس خیال کا اظہار کیا کہ مسز جناح نکال کی ہر جا پارٹی کو مسلم لیگ کی طرف لانے کے حوالے سے اپنی سادہ کامیابی کی روشنی میں موزوں شرائط تجویز کریں۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت 1937ء کے الیکشن میں ہونے والے انتخابات کے لیے مسلم لیگ کا منظور مسلمانوں کے ذاتی حقوق اور زبان اور اس کے دم اللہ کے تحفظ اور مسلم قوم کے عمومی مصلحت کی مصلحتات سے ہٹ کر ہائی و سیاسی اعتبار سے کانگریس کے ساتھ ساتھ جانا تھا۔ اقبال کی دعوت پر مسز جناح نے 11 اکتوبر 1936ء کو لاہور میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا جس کی مصادرات اقبال نے کرنا بھی بھی فراموشی کی حامی نہ کر سکے۔

جاگیرداروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات مسز جناح نے حصر صوبوں کے زمیندار شرفاء کے ساتھ اتحاد قائم کر کے مسلم لیگ کے لیے ایک اور سطح کی راہ ہموار کر دی۔ اس جلسے نے اپنی ایک مسلم جماعت انگریزوں سے پارٹی قائم کر رکھی تھی جو جاگیرداروں پر انتخابات میں حصہ لینے کو تیار تھی۔ اس کے لیے مسز جناح نے لبرلٹ علی خان کی ہدایتیں مولیٰ لے کر چوہدری ظفر علی خاں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ اس کی وجہ سے لیگ کو بولنی کی 37 میں سے 24 نشستوں پر کامیابی ملی جو واضح طور پر لیگ بھڑی تھی تھا مسلمانوں نے مجموعی طور پر 117 نشستیں حاصل کیں یعنی 60

تہ 79 لیگ تک امیدوار کام رہے۔ کانگریس نے ملک بھر میں نمایاں برتری حاصل کی۔

## تیسری قوت کی جماعت

جب خود نے کہا کہ ملک میں صرف دو قوتیں موجود ہیں اور کانگریس کے خلاف وہ اتحاد کے حق میں ہیں وہ ہے تو جناح نے انہیں ہمارا کر لیا کہ "لیگ تیسری جماعت بھی موجود ہے اور وہ ہیں مسلمان" 1491۔ اور "مسلمانوں کو کچا بھڑا دو"۔ لیکن انتخابات کے بعد گھنٹہ کے عالم میں خود نے مسز جناح کے حوالے سے دعویٰ کیا کہ "مسلم لیگ کے بیشتر ارکان کی نسبت مسلمانوں کے ساتھ برا دھندلہ ہوا ہے"۔ اسی طرح انہیں میں بھی مسز جناح کو اس طرح کے بیانات اپنے کئے جو ان کے بعد مسلمان اور دیگر گروہوں میں زبان زد عام رہے تھے لیکن انہوں نے اطمینان سے کام لیا اور کچا وقت کے انتظار میں رہے کہ جب ان کا تیرگی نکالنے پر چاہیئے اور جو ان کے حق میں ثابت ہو۔ انہیں طویل اصرار سے قوم بہ ختم ایک ایسے مقام کی طرف اٹھایا جا رہا تھا کہ جہاں سے انہیں کا کوئی راستہ نہ تھا اور جس وقت گھنٹہ میں مسلم لیگ کے ارکان کا وقت آیا تو وہی طور پر باطل قرار تھے۔ لیکن کے روز بڑی ہی دلچسپی اور بڑی کامیابی کی تھکیل کے لیے مسلم لیگ کا کام کی حمایت حاصل کرنے کی کوششیں کی کر چکے تھے کے ذریعے اس کی طرف سے گاندھی کے نام اعلیٰ سطح کے گھڑنے کے لیے آخری اہلی نے لیگ مرتب ہر اس چہان پر جوت کا کام دیا۔

بھندوؤں سے راہوں کی حتمی جدائی



ہیں جناح کے نزدیک یہ بات ایک نئی بات اور قبول عام منزل تھی یا پھر کوئی نہ تھا۔ 21 سال بعد 1937ء میں مشہور زمانہ مسلم لیگ سوانہ سے کے بعد ایک مرتبہ پھر شخص کے مقام پر ہی یہ نتیجہ برآمد ہوا تھا۔

اقبال بھی آل اعلیٰ پینل کو کشن سے نمونہ کے خطاب کو خاطر میں رکھتے ہوئے غیر ذرا دیکھے آل اعلیٰ مسلم کشن طلب کرنے کی توجہ دینی کرنے کے لیے لکھا "ان کا خیال تھا کہ 1935ء کے آئین کے تحت اہم مسلمانوں کو اپنی تنظیم کا ایک "بے مثال موقع" فراہم کر دیا تھا اور "بہرہ میں ایک اٹھائی اور سیاسی قوت کی حیثیت سے اسلام کے تمام دستخطی" کا انھار دیا۔ یہ نہ کہ ہندوستانی مسلمانوں پر تھا۔" انہوں نے جناح سے اپنی کی اس کو کشن میں "تھوڑے سا کھانچ" طور پر دیا تھا کہ "دینا" کہ

"ملک کی ایک انتہائی سیاسی اکائی کی حیثیت سے ہندوستانی مسلمانوں کا سیاسی مقصد کیا ہے۔ ہندوستان کے اندر اور باہر دنیا کو یہ بتا دینا لازم ہے کہ اس ملک کا مسئلہ صرف اقتصادی نہیں بلکہ مسلمانوں کے حوالے سے سیاسی مسئلہ پیش ہندوستانی مسلمانوں کے نزدیک زیادہ اہم نتائج کا حامل ہے۔ اس سے ہندوؤں پر یہ بات مزید واضح ہو جائے گی کہ کوئی بھی سیاسی فریب جو مکانات اور امور میں شیخ کی گئی ہو ہندوستانی مسلمانوں کو ان کی ثقافتی شناخت کی بچان سے محروم کر سکتی ہے۔" (52)

اقبال نے جناح کو یہ تقریر ارسال کرنے کے بعد ہی دہلی کا دورہ بھی کیا لیکن یہاں پہنچے

مسلم ہوا کہ جناح پہلے ہی دہلی سے جا چکے تھے۔ انہیں اس بات پر قہر ہوا کہ آیا ان کا 22 اپریل 1937ء کا خط جناح تک پہنچا بھی جائے۔ اقبال نے جناح کو آگاہ کیا کہ خطاب کے مسلمان "سیڑھی سے گالریوں کے مابین" رہے ہیں اس لیے یہ مقصود دیا کہ پہلے مسلمانوں کی ضروریات کو کشن کی کامیابی کے لیے دہرے کریں اور پھر ہندو اور جلد یہ کشن منصف کر دیا جائے۔ اقبال کی دہلی میں بھی 1937ء میں مسلمانوں سے سواری رابطے کے لیے کم کا آغاز کیا گیا جس کے لیے کانگریس کی چاروں مسلم سواری رابطہ کم کا مقابلہ کرنے کی غرض سے ضلعی اور تہذیبی سطح پر مسلم لیگ کی شاخیں قائم کر دی گئیں۔

28 مئی 1937ء کو دوبارہ اقبال نے مسز جناح کی طرف سے ملنے والے خط کا جواب دیا جس میں انہوں نے اپنے ذہن میں ترقیب دلی ہوئی تمام باتوں کو برقرار کرنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔

اقبال نے اس بات پر زور دیا کہ "مجھے اس بارے میں شک نہیں کہ جہاں تک مسلم ہندوستان کا تعلق ہے آپ کو ضرورتاً ہی ذرا کہنے کا محروم احساس ہے "مسلم لیگ کو آقا پر یہ فیصلہ کرنا ہوا کہ آیا اسے ہندوستان کے باطنی طاقت کے مسلمانوں کی فراہم تنظیم کے طور پر رہنا ہے یا مسلم عوام کی جنہوں نے مسئلہ دھرم کی بناء پر تامل اس میں کوئی دیکھی خارج نہیں کی۔ دہلی طور پر مجھے یقین ہے کہ کوئی بھی سیاسی تنظیم جو اسے دہرے کے مسلمانوں کی حالت پر جانے کا کوئی وعدہ نہیں کرتی وہ ہمارے عوام کے لیے کشن کا باعث نہیں ہو سکتی۔" (53)

اس بات کا حوالہ دینے کے بعد کہ "اے آئین عوام کے کسی کام کا نہیں" اقبال حریف تھے ہیں کہ

"دہلی کا مسئلہ شیعہ سے شیعہ ضرورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ مسلمان چاروں اہل خود کی لہران اشتراکیت کی جانب خاطر غور انداز میں رجوع کریں گے۔"

انہیں مسلم کا مسئلہ مسلم لیگ کے تمام تر مستقبل کے ساتھ مربوط ہے

"نقشبہ کی بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے مسائل کا حل اسلامی قوانین کے تحت اور چاہے خطرات کی دشمنی میں انہیں بھرنے میں ہی ملتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کی ایک آزاد ریاست ریاستوں کے بغیر اس ملک میں شریعت اسلامی کا غور اور اس کی پہلری مانگی ہے۔ میرا کی ساری سے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اقبال نے اپنے بھی واضح مل ہے۔ دوسرا اقبال صرف غور بھی ہے۔ اسلام کے لیے کسی سوزوں صورت میں اور اسلام کے قانونی ضابطے سے نواقی ملانی مجھ سے کوئی انتہا نہیں بلکہ اسلام کی اصل اور خاص حالت کی جانب دیکھیں ہے۔ لیکن جیسے کہ میں پہلے بھی کہ چکا ہوں کہ مسلم ہندوستان کے مسائل کے حل کی خاطر اسے ہمیں جاننے کے لیے ضروری ہے کہ ملک کی اس وقت تقسیم ہو اور اصل اکثریت کی حامل ایک آزاد مسلم ریاست قائم کی جائے گی۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ اس قسم کے مسئلے کا وقت پہلے ہی آج پہنچا ہے؟ شاید آپ کے لیے چاروں اہل خود کی لہران اشتراکیت کا بھرتی



جواب ہے۔

اقبال یہ نتیجہ اٹھارتے ہیں کہ  
”مسلم ہندوستان یہ امید رکھتا ہے کہ اس  
بزرگ موڑ پر آپ کا جبر قاطع غامی صورت  
مشکلات سے نجات کا کوئی ذرا کوئی راستہ  
نکالے گا۔“

یہ مسز جینز کے جبر قاطع اور سورج منی  
کے مطابق نکال کرنے کی ان کی صلاحیت کو طراج  
تھیں ہے۔ اگلے خط (21 جون 1937ء) کا  
آغا ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے۔

”کیونکہ ہندوستان میں اس وقت صرف  
آپ ہی وہ مسلمان ہیں جس کی طرف اس طوفان  
کا سامنا کرنے کے لیے یہ قوم ایک سزاوار تری  
رہنا کے طور پر دیکھتے ہیں حق بجانب ہے برطانوی  
سرکاری ہندوستان کی جانب اور شاید ہمارے  
ہندوستان کی جانب تیار رہا ہے۔“

قرائت اور قرآن کریم کو خدائے قہر  
کرنے کے واقعہ کی صورت میں فی الواقع پہلی  
ہوئی خانہ جنگی کے بارے میں سمجھتے ہوئے اقبال  
نے اس خیال کو مسخر و کر دیا کہ یہ صورت حال مذہبی یا  
معاشرتی عوامل کا نتیجہ ہے۔

”یہ خالصتاً سیاسی معاملہ ہے یعنی مسلم  
اکثریتی صوبوں میں بھی مسلمانوں کو دہانے کی  
ہندوؤں اور سکھوں کی خواہش۔“

اقبال کی فکر میں یہ سب آئینے کے بعض  
پہلوؤں کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے لیے نقصان دہ  
حالات پیدا ہوئے۔

”کھتا یہ قہر ہے کہ آئینے کو مسخر  
کرنے کے لیے غامی اپنی خصوصیات دہرا رہا ہے۔  
مجھے تو یہ لگتا ہے کہ آئینے ہندوؤں کو کام کرنے

کے لیے تشکیل دیا گیا ہے۔ میں اس معاملے سے  
کسی شک و شبہ کا شکار نہیں کہ یہ مسلمانوں کو  
اصولاً نقصان پہنچانے کی ایک سوچی سمجھی کوشش  
ہے۔ اس سے قطع نظر یہ اقتصادی مسئلے کا حل بھی  
فراہم نہیں کرتا جس کی نوعیت مسلمانوں کے  
معاملے میں خاصی شدید ہے۔“

اصل یہ ہے کہ جس کی بنا پر ہی اقبال  
نے بھی کہا کہ ہندو اپنے اکثریتی صوبوں میں  
مسلمانوں کے نقصان دہ نئے دیگر مسلمانوں کو  
کیا ہندوؤں کا اکثریت بنا کر رکھ دیا گیا تھا۔ دہرا  
کہتے ہیں کہ

”کیونکہ اچانک سے مسلمانوں کو صرف  
ایک جڑ ملی اور وہ ہے ہندوستان میں ان کے  
سایہ وجود کی ضمانت۔ لیکن اس سے طریت کا  
مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔“

”کانگریسی صدر داخ طور پر مسلمانوں  
کے سیاسی وجود کی نگاہ کر چکے ہیں۔ دوسری ہندو  
سیاسی تنظیم سبھی مہاسابو میری نظر میں ہندو قوم  
کی حقیقی رائدہ ہے ایک سے زائد عروج و زوال  
پر یہ کہہ سکتی ہے کہ ہندوستان میں متحدہ ہندو مسلم  
قوم نہیں ہے۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ  
ہندوستان کو پر امن بنانے کا واحد راستہ نسلی مذہبی  
اور لسانی ہم رنگیوں کے خطوط پر ملک کی تقسیم نو  
ہے۔ مجھے یہ ہے کہ میری انگلیوں سے دھانگی  
سے نکل اڑا تو سمجھنے نے مجھے کہا تھا کہ ہندوستان  
کی مشکلات کا واحد حتمی حل میرا یہ منصوبہ ہے لیکن  
اس کے لیے 25 سال دھکا ہوس کے۔ لیکن  
میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے لیے بہتر یہ خطوط بھی  
ہو گیا کہ آپ اپنے خطاب میں کہہ دیجئے کہ ایک ایسے  
دو خوش کا انداز ضرور دہرائے جسے ہمارے جبر قاطع سرکاری

ہندوستان کے مسلمانوں کو قطع نہ کہ طور پر اختیار  
کریں۔ میرے تجویز کردہ مسودہ ہلال خطوط پر  
ترجم شدہ مسلم صوبوں کا ضمیمہ وفاق کی وہ واحد  
راستہ ہے جس پر چل کر ہم پر امن ہندوستان کو یقینی  
بنا سکتے ہیں اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے تسلط  
سے بچا سکتے ہیں۔ جواب سرکاری ہندوستان اور  
برطانوی کے مسلمانوں کو ہندوستان کے اندر اور باہر  
لے جانے والی دیگر اقوام کی طرح خود ارادیت کی حقیقی  
ایک قوم کی حیثیت کیوں نہیں ملتی ہے؟“

اقبال نے تو یہی ایک سنگ مرمر ہے کہ  
مسلم تعلیمی صوبوں کو یکہ صورت کے لیے نظر انداز  
بھی کیا جاسکتا ہے اور ”تازہ سیاسی تبدیلی“ کو ہوا  
دینے کے لیے مسلم لیگ کے اتحاد اجلاس کا  
دور میں اتفاق نہ ہوا۔ بھر صورت ہے۔ اس کا  
اعادہ انھوں نے 11 اگست 1937ء کو اپنے ایک  
اور خط میں بھی کیا۔

جواب مسلم شہر دانش فہرہ ریشٹن

اگست 1937ء میں ایک ایسا واقعہ ہوا  
جسے کسی بھی طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جواب  
مسلم شہر دانش فہرہ ریشٹن کے بانی سکریٹری لکھتے ہیں  
کہ انہوں نے کانگریس حادی جواب شہر دانش  
ایکس سے راہیں جدا کرنے کے بعد اس فیڈریشن  
کی دائرہ نقل لائی۔ ان میں سے مکہ لوگوں نے  
بارہ اقبال سے علاقہ میں کہیں اور ان کے ساتھ  
سیاسی اور تعلیمی امور پر چارہ خیال کیا مسلم لیگ  
کے مشن کا یہ چارہ کرنے کے سال پر اقبال نے اس  
کا فیصلہ میں یہ چارہ دیا لیکن جب اچانک مجبور کیا  
تو انہوں نے چارہ کیا۔

”میں نے مسلمانوں کے لیے حق طور



اور ایسے ہی پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان اور گلبرگ، مشرقی مسلمان قومی ریاست کے قیام کو اپنا نصب العین بنالیا۔

منویش فیض رحمان نے اسے منظر کرتے ہوئے اپنے انجمن میں شمال کرلیا۔ ”چنگ اقبال“ نے پاکستان کا نقشہ پیش کیا تھا اس لئے ہم نے بھی ایسا کیا۔“ (1931ء)

ڈاکٹر ٹروٹنڈ اس امر کی وضاحت ہیں کرتے ہیں کہ اپنی امکان میں سے کسی نے بھی خطبہ الراء نہیں چڑھا تھا اور وہ پاکستان سے متعلق چاروں ہی دستوں کے آئینہ اور طریقہ کے ذریعہ نظر آتے تھے۔ (1940ء)

یہ اپنی خطبہ بعد میں پاکستان کے ممتاز ترین صحافی، علامہ مصطفیٰ سائمنڈن اور ذوالدار وغیرہ بنے جن میں میر تقی میر، عبدالسلام خورشید، شمس الدین علی ہانی، عبدالستار، چوہدری سراج حیدر وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

### اقبال اور نوجوان مسلمان طلباء

یہاں اقبال، پنجاب کے مسلمان طلباء کی مثال بہا قوتیوں کو ایک آزاد ملک کے اپنی مستقبل پر پوری متحدہ کے حصول کی راہ پر لگانے میں ممکن تھے۔ وہ اپنی اس رائے کے بارے میں اپنی واضح طور پر نفوس موافق اختیار کر چکے تھے جس کا اعتراف ان کے خطوط کے متعدد پلا حوالوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ وہ آل انڈیا مسلم کانفرنس میں ایک بااثر واضح پالیسی بیان کے مسئلے پر زور دے رہے تھے اور اس کے باوجود ہونے کی صورت میں ان کے نزدیک مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس اس مقصد کے لیے اپنی سزاؤں تھا۔ وہ

اس بین الاقوامی رائے نے راہ نوجوانوں کو اپنے مستقبل کے کردار اور ذمہ داریوں کے لیے چار کر رہے تھے کہ مستقبل نوجوانوں کا ہے۔

سال 1937ء کا اجلاس انکوائری میں ہونے والا تھا۔ اقبال نے 7 اکتوبر کو ہی جتنا کثیر تعداد کو دیا کہ پنجاب سے مسلمانوں کا ایک مضبوط گروہ تھی کہ پچھلیس بھی مسلم لیگ میں شمولیت کے لیے تیار ہیں

”ہم ایک کڑے دود سے گزر رہے ہیں اور ہندوستانی مسلمان امید ٹھکانے بیٹھے ہیں کہ آپ کا خطاب انہیں اس راہوں کے مستقبل سے متعلق قیام امور پر واضح ذریعہ نمک دھڑائی فراہم کرے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ مسلم لیگ ایک سزاؤں میں کی صورت میں کیوں ہی راہ سے متعلق اپنی پالیسی بیان کرے یا وہ بارہ بیان کرے۔“

انہوں نے فریاد کیا کہ گلبرگ اور ہندوستان میں گروہ مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کر رہے ہیں کہ وہ اب تک نئے مالی مراعات کے فرائض سے متوجہ رہ رہے ہیں۔ ان کے خیال میں قلعہ کی کامیابی راہوں کے لیے ایک عموماً صریح فراہم کرتا تھا تھی کہ اس معاملے میں انہوں نے خیال تک ہانے کی بھی دیکھیں کی ”جو اسلام اور ہندوستان دونوں پر اثر انداز ہوا تھا اور مشرق کے مین دودھ سے پر مغز قبیلہ کی تھیں دونوں کے لیے تھیں“ (1931ء)

اس خط کے ایک ماہ بعد ایک خطی تحریر میں اقبال نے لکھ دیا کہ:

”مسلم لیگ کو اس عزم کے تحت اٹھانا چاہیے کہ کسی بھی صوبہ کو کیوں ہی ہندو کے حوالے سے دیگر راہوں کے ساتھ اقدام و تھیم

نہیں کرنی چاہیے۔“ پورے ہندوستان کا سوال ہے جسے صرف مسلم لیگ کو ہی حل کرنا چاہیے۔ آپ شاید حیران آئے یا حیران ہو گئے ہیں کہ سزاؤں حالات کی بھی قسم کی فرق دلائل اقدام و تعلیم کے لیے کسی بھی عزم سزاؤں نہیں۔“ (1937ء)

### جناح، سکندر مجاہدہ 1937ء

شمال مغربی سرحدی صوبہ میں کانگریس صوبائی وزارتوں میں صرف کانگریسی امکان کو مثال کرنے کے اصول کو فریاد کر چکی تھی۔ پنجاب میں اگرچہ مسلمان غالب تھے مگر سرحد، خیانت خان کا علاقہ، پارٹی اتحاد غیر ملطوط حالات سے دوچار تھا۔ سرحد خیانت کو آزاد کرانہ اسٹیبلشمنٹ کے چند ایک ہندو مسلمان امکان کی حمایت سے عروسی انہیں خاصی مشکل چڑھتی ہے لہذا وہ اپنی مسلمان پارٹی کے عروہ مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لیے بھیجے گئے۔ جنجنا 1937ء میں جانا سکندر مجاہدہ پر دھچکا ہوئے۔ انہوں نے پالیسی پارٹی کے مسلمان امکان کو جانیت کر دی کہ ”مسلم لیگ کے رکنی بن جائیں گے یہ ایک خاصا جرأت مندانہ اقدام تھا جس پر حیرت پہاں کی اس عمت علی کا حصر تھا جس کا مقصد اپنی اکثریت کو نقصان پہنچانے کی فکر کانگریس کو شش سے نکلنا اور صوبائی مسلم لیگ پر اپنی گرفت مضبوط بنا کر تھا۔ جب اقبال کی جانیت پر مسلم لیگ کے دیکھتے قائم دھچکا کے لیے لکھتے تھے تو پالیسی مسلمانوں کو ان پر دھچکا کرنے سے روک دیا گیا۔ ان کے 30 اکتوبر 1937ء کو حادثہ اقبال نے مسطر جانا کو ایک لکھا جس میں انہوں نے جانا کے بدلتے اقدام کی پھر اپنی کی اور



کاگر کسی کھلی کے رجولائی پر ان کی رائے طلب کی جو اقبال کی نظر میں اصحاب کو مستعمل کرنے والی قرارداد تھی۔ انہوں نے بیعتوں کے مسلم لہک کے رکھ بیٹے سے انکار اور ان کے اصل اعداء سے اسی مسز بتاج کو آگاہ کیا کہ گئے روز سرکنڈہ اور ان کے چند ساتھیوں نے اقبال سے ملاقات کی۔ وہ معاملہ کی تحریر اپنے انداز میں کرتے تھے جس کی مد سے وہ صوبائی مسلم لہک کے پارلیمانی بورڈ پر کنٹرول حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ خاکسارت نامہ ہو گئے۔ اگلے روز اقبال نے مسز بتاج کو ایک اور خط لکھا جس میں انہیں صور حال سے آگاہ کرتے ہوئے استدعا کی کہ ”بلکہ اگر جلد اس معاملہ کی دھماکا شدہ نقل اور سال کریں۔“ علاوہ انہیں انہوں نے بتاج کو مسلم لہک کی اعلیٰ راجد سر کریوں کے بارے میں بھی بتایا۔ (۱۹۹)

بتاج کے نام اقبال کا آخری حکام کی اس موضوع پر تھا جو سرکنڈہ اور ان کے دوستوں کے ساتھ متحدہ پارلیمانت کے بعد 10 نومبر 1937ء کو گورنر کیا گیا۔

”بھیری مسلم رائے اب یہ ہے کہ سرکنڈہ کی خواہش کم از کم مسلم لہک اور صوبائی بورڈ پر عمل کنٹرول ہے۔“

ان کے گزشتہ خط میں اس بات کا جواب نہ دینے پر اقبال نے دوبارہ استدعا کیا کہ اگر مسز بتاج حقیقی طور پر ”بھیرا“ میں بیعتوں کی اکثریت ہے، رضامند تھے کیونکہ ذیلی طور پر اقبال اس میں کوئی مصلحت نہ سمجھتے تھے جنہیں سرکنڈہ صرف معاملہ سے ہی خوش نہ تھے اور بیکرازی کی تبدیلی اور ملاقات پر کنٹرول حاصل کرنے کے

خواہش مند تھے۔

”بھیرے لڑکے یہ سب ایک مسلم لہک پر قابو پانے اور بھیرا میں کاغذ دہانے کی بات ہے۔“

اقبال حریف سمجھتے ہیں کہ

”صوبہ کی رائے عام سے آگاہ رہے ہوئے عیسائی کشمیر سرگرمی رہا ہوں میں مسلم لہک کو سرکنڈہ اور ان کے ساتھیوں کے سپرد کرنے کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ معاملہ کی وجہ سے مسلم لہک کی بدنامی حقیقت کو خالصتاً انہیں بخلا چکا ہے اور پالیسی پارٹی کی رجحان انہیں اسے حریف نہ کر دیں گی۔ انہوں نے شمال مسلم لہک کے مشہور رہنما جنہیں کیے اور میرے خیال میں وہ کیا نہیں کریں گے۔ وہ مسلم لہک کا انہیں فردوسی کی جہازے ملحقہ میں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ میرا جاز یہ ہے کہ وہ صوبہ میں اپنی ذمہ داری لہک کو خالص کرنے کے لیے دقت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔“

(۱۷۱)

وہ حریف سمجھتے ہیں کہ دھیرا اور لہک سرکنڈہ جہازے کے منصوبے واپس کی قائم کی تھے معظم کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے ملکی گرفت کا متصل خط کے ذریعے حریف کارروائی کے لیے جاہلیات کی درخواست کی۔

17 اکتوبر 1937ء کے کھنڈہکس سے

واپس پر مسز بتاج سلطان، راجاؤں کا اجلاس میں شرکت کی دعوت دے چکے تھے۔ حجاب سے سرکنڈہ کے علاوہ بنگال سے سر فضل حق اور آسام سے سر عطاء بھی حریف آئے۔ مشعل میں ان راجاؤں کے طرز عملی التزام اور رجحانوں سے قطع نظر اس حالت وہ ایک ”سرسے کے قریب آئے ہوئے تھے۔“ واپس اس حوالے سے کھنڈہ

ہے کہ

”حجاب اصل ایک مسلم اصلاحی صوبہ ہی نہ تھا بلکہ حجاب کا متحدہ پاکستان تھا اور جی وہ صوبہ تھا جس نے پاکستان کو جنم دیا۔ حجاب ایک گروہ کی بات تھا جو تمام دوسری شمال مغربی صوبائی اتحادوں کے درمیان لہک کا کام رہا تھا انہیں متحدہ کرتا تھا اور نکھارتا تھا۔ حجاب پاکستان کا پیداوار ہم قرین علی حرف تھا۔ اسے ایک طویل عرصے تک غیر اہم قرار دے کر نظر کا کٹاؤ دیا گیا تھا نظر انداز کیا گیا اور یہاں اس کی توجہ نہیں کی گئی تھی۔ حجاب اور بنگال کی سرکردہ شخصیات اب اس کی خاطر رابطہ کوڑی ہوئی تھیں۔ آج کے بعد وہ ان سب کی آواز تھا اور مسلم بھولی ایشیا کی طاقتور ہند آجک اور حتی آجک بیٹے جا رہا تھا۔“

(۱۷۳)

چاندرا عظم

یہ 15 اکتوبر 1937ء کو ہونے والے اجلاس کا نقلی تاریخ ہے جب سر فضل بتاج جنہیں اب قوم کا نام عظم کا لقب دے رکھی تھی نقلی موجب شیر و ہلی اور کالی بتاج لہک کے ساتھ معظم نام پر آئے۔ اس موقع پر انہوں نے ایک دواؤں بھیرا تقریر کی۔

”کاگر کسی کی موجودہ انہیں گزشتہ اس سال قیامت ہندوستان کے مسلمانوں کی بچاگی میں اٹھائے اور اٹھانے کی ذمہ دار ہے جو انکی پالیسیوں پر عمل ہوا رہی ہے یا شرکت غیرے ہندو تھیں۔ انہوں نے مسلم لہک کے ساتھ تعاون سے انکار کر دیا اور ان سے غیر مشروط ہمسائی اور اپنے اثر کو قبول کر لینے کا مطالبہ کرتی



حقی کہ انہوں نے ہندوؤں کے رواج قوی تر اسے "بندہ ہند" کو بھی اپنا لیا جس میں مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرانی کی گئی ہے۔ لہذا ہندوؤں کے مسلمانوں کو شہادت کی کہ وہ ہر گز ہر مسلم ہو جائیں۔

”سچے آپ کو معلوم کریں۔ اپنے اعدا ایک بگھٹی اور مکمل اتحاد قائم کریں۔ اپنے آپ کو ایک تربیت یافتہ اور نظم و ضبط کے پابند سپاہی کی طرح چلیں کریں۔ اپنے اعدا ایک سوسہ چائی دہلہ کی مانند ٹانہ جتانہ کر کام کرنے کا اسراں پیدا کریں۔ اپنے تمام اور اپنے ملک کے نصیب اچھین کی خاطر وفاداری اور وابستگی کو شہر بنائیں۔ یوں اپنی عظمت و قوت اور بے مثال تاریخ کی امن ایک ایسی قوم ابھر کر سامنے آئے گی جو مستقبل میں نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کی تاریخ میں ایک عظیم تر اور جلیل القدر قوم کے طور پر ہمیشہ زندہ رہے گی۔

ہندوستان کے آئہ کرہ مسلمانوں کو کسی بات کا خوف نہیں۔ ان کی نظیر ان کے اپنے ہاتھوں میں ہے اور وہ زیادہ عظیم قوتیں اور متحدہ قوت کی حیثیت سے کسی بھی خطرے کا سامنا کر سکتے ہیں اور اپنے متحدہ نصیب اچھین اور آزادی کی راہ میں آنے والی کسی بھی رکاوٹ سے گھرا سکتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں ایک جادوئی قوت ہے۔“

پھر بھی کئی سرکردہ شخصیات جن میں پنجاب کے لوگ قابل ذکر تھے اپنے مختلف حوزہ نام رکھتی تھیں۔ اقبال اس کے ایک گروہ تھے اور ان کے ہاتھوں تک اٹھانے والوں میں شامل تھے

جس کا اصول ان کے خطوط میں بکثرت ملتا ہے اور ہندوؤں میں ان کا ذکر آزادی طور پر کیا جاتا ہے۔ اقبال ایک منظر نگار تھے، راج اور طبع ایک متحدہ عالم اور صاف کہ انسان تھے جنہیں ہندوستان ہر مسیحی احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ قاتنا مسلم کی طرح حق پانے کے سپاہی تھے، کار نہ تھے۔

## مسلم لیگ کا نصب العین

لکھنے کے انہوں تک بھی مسلم لیگ کا نصب العین بنی تھا کہ

”ہندوستان میں آزاد جمہوری ریاستوں کے وقتی کی صورت میں مکمل آزادی کی حامل حکومت قائم ہو جس میں مسلمانوں اور دیگر اچھوتوں کے حقوق کا مکمل تحفظ حاصل ہو۔“ (1919)

پھر سرحد کا خیال تھا اور ان کے طرز عمل سے بھی بنی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مسٹر جتار پر غالب آچکے ہیں جبکہ قاتنا مسلم کی سوجا اس کے برعکس تھی وہ اپنی حکمت عملی کے تحت کجی ملت کے اظہار میں تھے لیکن برطانویوں نے خاصے طریقے عرصے کے لیے اپنے ہاتھں کھیلے۔

29 دسمبر 1933ء کو جتار نے لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم سولہویں فیڈریشن کا انعقاد کرتے ہوئے طلبہ کو بتایا کہ

”ہم قیام پانچہ کرنا دی عظیم اسرکتی صلیوں کی ہی ہو کر رہے ہائے۔“ (1933)

فیڈریشن کے مقاصد میں سے ایک یہ تھا کہ مستقبل میں اتحاد سے سیاسی بیداری پیدا کی جائے اور مسلمان طلبہ کو ملک کی تحریک آزادی میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا جائے۔

پھر وہ مسلمان طلبہ اور ان کے ساتھ

ساتھ خوب مغربی ماہروں کے مسلمان طلبہ راستہ 1937ء میں قیام مسلم لیگ کے ساتھ شامل ہو چکے تھے۔ اس فیڈریشن نے قاتنا مسلم کے ساتھ مزید مضبوط کیا۔ جنوری 1938ء میں علی گڑھ کے مقام پر ان کا مشیل اور دہلیات فخر مقدم کیا گیا۔ اس موقع پر انہوں نے ایک حقیقت پرندہ اندازہ انگریز تقریر کی

”جسین اب ایک اور قوت کی موجود ہے جو اگرچہ حکومت کی چالیں ہونے کی دہلیہ ہے اسے آپ جو چاہیں نام دیں بہر حال یہ متحدہ اور متحدہ حکومت ہے۔“ (1939)

تاہم اس وقت تک قاتنا مسلم نے بڑا طور پر کسی سیاسی پلیٹ فارم سے یہ بات نہیں کی تھی کہ مسلمانوں کا نصب العین ایک مکمل طور پر آزاد اور خالص ہے حالانکہ اقبال یہ مطالبہ پہلے ہی پیش کر چکے تھے۔

اصلی کے وہ منتخب مسلمان ارکان میں سے ایک مسٹر برکت علی تھے اور ان کا بھی بنی خیال تھا کہ لکھنؤ جتار سولہویں مسلم لیگ کے لیے نقصان دہ ہے۔ انہوں نے اس بارے میں مسٹر جتار کو بھی کھٹا لیکن جتار نے انہیں بتایا کہ وہ فرانسیسی صحت کی حد سے اس معاملے پر قوی نہیں دے سکتے۔ ان کی یہ بنیادی صداقتاں سمجھو وہاں ہر اثر انداز ہوئی۔

## اقبال کے آخری ایام 1938ء

بالی وڈاں کے بالکل نابینا ہ جانے کے باوجود بھی اقبال نے نیکی کارکنوں کو چاہت کی کہ وہ اپنی کم چاری رنگینا شہد کے ساتھ طویل کا 21 فروری ملتا ہے۔ اقبال کی زندگی کے آخری پارہ



کے دوران بنی آنے والے اہم ترین واقعات میں سے ایک جنوری 1938ء کے دوران دارا گوپال کی ان سے ملاقات تھی جو ہندو مسلم مسئلہ کے حل کے لیے اقبال کے بنی کردہ خاکے سے اتفاق ظاہر کر چکے تھے۔ روزنامہ کانپل کے پبلشنگ ڈائریکٹر دارا گوپال برطانوی کانپنڈ میں افریقی آفس کے پار لیٹل ٹیکوری ہار 1932ء میں افریقی دلچسپ ٹریڈ کمیٹی (Indian Themchies Committee) کے ممبر تھے۔ وہ دوسری دور بھرتی گول جیز کانفرنس کے اہم اجلاس میں بھی شرکت کر چکے تھے۔ اسی سیشن کے دوران شاہرہ ال نور نے بھی عامہ اقبال سے ملاقات کی۔ دوران گفتگو اقبال نے نور سے کانگریس میں شمالی سوشلسٹ لیگن کی تعداد دریافت کی تو نور نے ان کی تعداد چھ بتائی جس پر اقبال نے یہ سوال دائر کیا کہ نور کونساں مسلمانوں کا کانگریس میں شمولیت کا مشورہ کس طرح دے سکتے تھے جبکہ میں اس کے اپنے نام دنیاؤں کی تعداد اتنی کم تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کے سوال پر اقبال نے انہیں مشورہ دیا کہ مسلمانوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات استوار کریں کیونکہ جوتی لٹاؤ اور اصل مسلم دنیاؤں کی مانند ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا گیا تو اس کے ساتھ ہندوستان کے ہواد سیاسی تعلقات قائم نہیں ہو سکیں گے۔ نور کے جیز میں ان کا تصور ادرینا جو ایک ہندو سوشلسٹ اور لاہور کے ایک متحول شخص ان کے ختمہ چارخہ نے اقبال سے سوال کیا کہ ”وہ مسلمانوں کی قیادت کیوں نہیں سنبھال لیتے اس لیے کہ مسلمان مسٹر دنیاؤ کی نسبت ان کا زیادہ احترام کرتے تھے۔ ان کا

مشورہ تھا کہ اگر اقبال کانگریس کے ساتھ مذاکرات کریں تو بھرتی گول برآمد ہو سکتے ہیں۔“ اس پر اقبال سے رہنمائی اور انہوں نے کہا ”اگر کانگریس میں آپ کو یہ بات مارا نہیں ہے کہ آپ مجھے قریب دے کر مسٹر دنیاؤ کے خلاف لڑنا چاہتے ہیں۔ میں آپ پر یہ بات واضح کر دیتا ہوں کہ مسٹر دنیاؤ ہی مسلمانوں کے متعلق رہنما ہیں۔ میں ان کا سپاہی ہوں۔“ یہ اس گفتگو کا ایک دہرایا ہے۔ دوسرے دن کا بھی ایک دن تھی یہ لیکن اس کے الفاظ ذرا مختلف ہیں۔ جہم بنیم بھارتی جی جی اس موقع پر موجود تھیں اس بات کو مسٹر دنیاؤ کی کہ ان کے مشورے نے گفتگو میں حصہ لیا۔ نور نے اپنی کتاب ”Discovery of India“ میں لکھا کہ اقبال نے انہیں محبت دہلی اور مسٹر دنیاؤ کو ایک دہر قرار دیا جو ایک لحاظ سے انہیں بدتر مرے پر فائز کرنے والی بات ہے لیکن اقبال کے قریبی ساتھی اور ان دنوں ان کے روزنامہ نویس سید عمر ہزاری لکھتے ہیں کہ اسی تمام اورہا نامہ ”کلیاوا“ کے دہر اور ممتاز رضا میں بھرتی اور اقبال سے ملاقات کے لئے آئے۔ اقبال کی طرف سے نور اور دنیاؤ کی یہ کردار نگاری چونکہ مشورہ میں موضوع بحث بنی ہوئی تھی لہذا اس پر انہوں نے اقبال کی وضاحت طلب کی۔ اقبال نے واضح کیا کہ انہوں نے تو صرف دنیاؤ کو ایک دہر اور نور کو ایک محبت دہلی قرار دیا تھا۔ اس سے یہ کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ دنیاؤ میں جب افریقی کا جذبہ کم تھا تو نور ایک عظیم دہر تھے؟ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ نور کانپل کو مدد نہیں رکھتے تھے جیسا کہ ایک دہر کو کہنا چاہیے۔ وہ جب افریقی کے معاملے میں جذبہ دہریت کا کارہا دہاتے تھے اور

یہ بات دنیاؤ کے خلاف ہے۔ اس کے بغیر دنیاؤ ایک دہر ہے۔ ان کا مزاج قانونی تھا۔ وہ صرف ہندوستان کے مسئلہ کو سمجھتے تھے بلکہ ان کے ہندو متکلف کی عقلی نوعیت سے بھی آگاہ تھے۔ دنیاؤ یہ تو نہ کہتے تھے کہ جب افریقی کے جذبہ کے تحت آپ کانپل کی طرف سے آگاہیں ہذا کر لیں۔ دنیاؤ عقلی محبت دہلی تھے۔

ان دنوں اقبال حصہ پاروں کا تصور تھے۔ تجزیہ وہ صوبائی مسلم لیگ کے معاملات میں کوئی فعال کردار ادا نہ کر سکے۔ مسلم لیگ کی بنی حکامات کے بنی نظریات شاہ نور خان صوات نے دنیاؤ کو مشورہ دیا کہ مسلم لیگ اور شیعہ گجراتیہ کے بھرتی مفاد میں مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں نہیں ہونا چاہیے۔ مسلم لیگ کانپل نے یہ اجلاس 18 مارچ 1938ء کو کانپل میں منعقد کروانے کا فیصلہ کیا۔

اقبال ”دنیاؤ“ کو ایک افریقی ہائے کانپل قرار دیتے تھے۔ اسی لیے ان کی خواہش تھی کہ علیحدہ گجراتیہ صوبہ کس میں مسلمانوں کا مشورہ دنیاؤ خود سنبھال لیں جس پر دنیاؤ نے مذمت کرنی کیونکہ وہ پہلے ہی اس معاملے میں متاثر تھی کہ دنیاؤ کر چکے تھے۔ بھارتوں کے نزدیک دنیاؤ سکھ، مسلمان، اور گجراتیہ ہندوستان میں مسلم لیگ پر غلبہ حاصل کرنے کے بجائے اس پر قبضہ کرنے کی کوششیں چاہتی رہیں اور وہیں ایک عقل کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ جب دہریت ملی اور ان کے ساتھی لیگیوں نے اس کی حمایت کی۔ اقبال جب بھارتوں کے روپے سے بائیں دھاروں سے آگاہیں خطاب کے مسلم عوام کو اصل صورتحال سے آگاہ کرنے کا خیال آیا۔ فروری 1939ء میں







ہے۔

حاصل بحث

میں جوں جوں تحریک پاکستان میں جوش و خروش ہوئی اقبال اور جناح کے درمیان رابطہ اور باہمی استفادہ مبینان طبع اور انداز کا رشتہ بھی مضبوط ہوتا چلا گیا۔ پاکستان کے عظیم ترین شاعر فلسفی، عظیم اور اسلامی بصیرت کے حامل مستقبل بین کے طور پر علامہ اقبال نے ہمہ جہتی رحمت ملی اور کئی دیگر شعر نگاروں کے علاوہ باقی فراوان اعلیٰ اہل میں برطانوی ہندوستان میں حق خود ارادیت کے حامل اور قومی نظریہ کی قیادت کا کام کیا۔ جناح پر اقبال کے اثر اور اس کی بدولت پاکستان کے اسلامی جمہوری نظریہ اس کے ارتقا اور آزادی اور تحریک پاکستان پر اس کے اثرات بے مثال ہیں۔ قائد اعظم کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر معاصرین سیاستدان، ادباء اور صحافی سوشلزم، علم کلام، اس کا اعتراف کر چکے ہیں اور اس کی تصدیق کر چکے ہیں اور یہ بات اس مقالے کے ساتھ مشک فرسٹ کتب میں شامل مواد سے بھی میاں ہے۔ اقبال پاکستان کے سچے فلسفہ نگار تھے اور جناح اس کے سچے پیروکار اور ہم عصر۔

اقبال بحیثیت اسلامی بصیرت کا حامل مستقبل بین

ایک جائزہ

آخر میں اقبال کی شخصیات کا ایک سرسری جائزہ پیش کرتے ہوئے چاہیں کہ ایک جائزہ نظر دلانے والے ہونے ایک خاکہ مرتب کرنا چاہوں گا کہ جو

کچھ حقیقی اور فنی کام انہوں نے کیا اس میں ایک رجحانیت پندار اور مستقبل بین سوچ کی جھلک نظر آتی ہے۔ ایک کثیر المکان کی حیثیت سے اقبال نے اپنے اختیار انگیزی، قاری اور ارد میں مؤثر انداز میں کیا۔

(۱۱) معاشیات پر

اس کی پہلی کتاب ”علم اقتصاد“ قلمی جو ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بیچنا اور اس اقتصادیات پر لکھی جانے والی پہلی کتاب تھی۔ اس حوالے سے اقبال ایک پہلے کار تھے اور یہ پہلے انہوں نے صرف پچیس سال کی عمر میں کی۔ انہوں نے ہندوستان کو مغربی معاشرے میں لپٹو کرنا چاہتے تھے۔ دینی مسائل سے مدد حاصل کرنا۔ اور زبان کے ادبی کو ایک نئی رحمت ملی اور اسے نئی تکنیکی اصطلاحات ملنا تھیں۔ انہوں نے ان مسائل کی ایک تصویر پیش کی جس کا یہ سیر پاک و ہند کو مستقبل میں سامنا کرنا تھا۔ یہاں ان میں سے وہ یعنی ادبی بیچنا اور آزادی کی منصوبہ بندی کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱۲) قاری کا بعد الحقیقت

اقبال کی دوسری شائع ہونے والی کتاب The Development of Metaphysics in Persia قلمی۔ یہ کتاب انگریزی میں قلمی اور ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ دراصل یہ فلسفہ میں (اکسپلرٹ) کی ڈگری کے لیے اس کا مطالعہ جو جرمی بینچ میں کیا گیا۔ اقبال کا یہ مطالعہ بڑی حد تک ”مکتات“ پر مرکوز تھا جس میں انہوں نے جو یہ فلسفہ کے حوالے سے ایرانی فکر کے حقیقی

تخلیل کے آثار شامل کیا، دوسرا انہوں نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ صرف عقلی اور اخلاقی قوتوں کے باہمی اثر و تفاعل سے تصور بن رہا ہے۔ جو خواہہ دور کا ہیہا کر دیتا ہے اور زندگی کے بعد ترین آدھوں کی جانب اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

(۱۳) فلسفیات شاعری۔ ”خودی“

۱۹۱۵ء میں قاری شاعری میں اقبال کی حمد ساز تصنیف ”سرمہ خودی“ منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں انہوں نے ”خودی“ کے بارے میں اپنا نقطہ بیان کیا۔ نئی نوجوان انسان کا خود اس کی اپنی ذات کی بے ادبی اور اس کی ذاتی طاقت سے آگہی ہے جو جذب حق کے ساتھ عمل کر رہا کر قدم پر حقیقی قوتوں اور باطنی دلوں کی باہمی تصویر کر رہی ہے۔ اقبال کے چاروں کرداروں مراحل سے گزرتے ہوئے انسان گنگ سمنوں میں زمین پر اعلیٰ قوتوں کا نام بن جاتا ہے۔ اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ اسے آرنلڈس نے کیا جس کا ترجمہ محمد حاتم کیا گیا اور اسے اپنی سید کی تصنیف قرار دیا گیا۔ یوں اقبال حالی پائے کے فلسفہ نگاروں میں شامل ہو گئے۔

(۱۴) خودی اور بے خودی

”سرمہ خودی“ کا دوسرا اور آخری حصہ قاری شاعری میں اس کی دوسری کتاب ”دھن“ ہے خودی۔ قلمی۔ جو ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ ان کا ۱۱ء کا تھیں کوئی ہے جس کے اندر دے ہوئے اثرات کو اس طرح نقل کرتا ہے کہ وہ انجام کار اسلامی معاشرے کی بحالی کے لیے کام کر سکیں جو



اقبال کے مطابق چاروں اہمیت کی باتیں ہیں  
اولیٰ انہی اہمیتوں پر مبنی اور چھلانگ سے پاک زندگی  
کے لیے بھری جلی قفل کرتا ہے۔

(۱۷) مشرقی اقدار

اقبال کی اگلی کتاب بھی مادی شاروی  
میں نہ تھی جو "مشرق" کے نام سے سامنے  
آئی۔ یہ کوئے کی "Dawn" کا ایک حد فز  
جواب تھی اور جس کے بارے میں Dawson کا کہنا  
تھا کہ زندگی کے سوائے سے ۱۹۱۹ء پر تیار ہو جانے کے  
باقیوں پر مادی مادی اقبال نے ان مادی اقدار کی اور  
حاصل کرنی چاہی۔ اقبال نے ان مادی اقدار کی اور  
ذہنی اقدار کو مادی عام پر لانے پر زور دیا جو اقدار  
کے ساتھ ساتھ اقدار کو بھی اقدار کے سوائے کی  
راہ دکھائی ہیں۔ مشرقی اقدار یا اقدار مسلمانوں کو  
ان بات کا احساس کرتا ہے کہ جب تک ان  
میں اقدار کی تبدیلی نہیں آئے گی ان کی مادی  
زندگیوں میں تحریک پیدا نہیں ہوگی اور جب تک  
ایک عقل قائم نہیں کیا جاتا باہر کی عقلی اور مادی  
اقبال انھیں مادی اقدار اور اقدار کے لیے کتاب  
کرتے ہیں اور مادی کو بتاتے ہیں کہ وہ زندگی  
کے اقدار ہیں۔ ان مادی کے اقدار کے اقدار کے  
کے لیے اقدار اور مادی کی مادی  
میں چھلانگ

(۱۸) شاعرانہ اقدار

ایک بار ۱۹۲۵ء میں شائع ہونے والی  
ان کی اگلی کتاب تھی جو اور مادی شاروی پر مشتمل ہے۔  
یہ ان کی اگلی مادی کے اقدار سے ان کی کتاب کے  
مادی عام پر آنے کے سال تک کی حقیقت کا مجموعہ  
ہے۔ جو ان کی اقداروں میں مادی اور مادی  
کی مادی کی اقداروں کے مادی اور مادی

مادی اقدار اور مادی اقدار کے قابل مادی  
نے مادی پر مشتمل کی مادی کی مادی اقداروں پر مشتمل  
ہے۔ ان میں سے مادی کا مادی اور مادی اقداروں  
مادی میں "مادی" اور "مادی" مادی کے  
لیے اقبال کا "مادی" کے مادی کے مادی اور  
ادب کا مادی ہے۔ ان کتاب کے آخر میں مادی اور  
مادی اقداروں کو بھی مادی کی مادی ہے۔ ان کتاب  
میں مادی اقداروں کی مادی سے لے کر مادی  
مادی کا ایک مادی مادی مادی کی مادی  
مادی ہونے والی مادی اور ان کی مادی کی مادی  
جی۔

(۱۹) خدا اور انسان کے بارے میں

۱۹۲۷ء میں انہوں نے مادی شاروی  
کے مادی میں ایک اور مادی مادی اور مادی  
نام "مادی" ہے۔ ان کا مادی مادی اور  
مادی کے مادی ہے۔ مادی کے مادی سے  
اس مادی مادی میں مادی کیا جاسکتا ہے۔ پہلے  
میں مادی کو مادی کیا گیا ہے اور دوسرے میں  
مادی مادی یا اقداروں کو مادی کیا گیا  
ہے کہ وہ اپنے مادی کا مادی کریں اور اپنے اقدار  
زندگی کے مادی اور مادی کی مادی اور مادی  
مادی پر مادی مادی اور مادی زندگی کی  
مادی کیا گیا ہے۔ ان مادی کے مادی مادی  
میں مادی میں مادی اور مادی مادی کی  
مادی میں ان کا مادی اور مادی ہے۔ "مادی" مادی  
مادی کے مادی اور مادی۔ ان کے مادی سے  
مادی ہے مادی زندگی کے مادی مادی پر مادی مادی  
جی۔

(۲۰) اسلام کے مادی کی مادی

۱۹۲۸ء میں انہوں نے مادی شاروی  
میں مادی اور مادی کے مادی اور مادی  
مادی اور مادی کے مادی اور مادی  
دینے کے ان کی مادی کا مادی ہے۔ مادی کی  
میں مادی مادی کی مادی کے لیے اقبال  
نے اپنے ان مادی میں ان مادی کا  
مادی اور مادی اور مادی اور مادی کی  
پہلے مادی ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۸ء کے مادی  
کے مادی ان کی مادی اور مادی اور مادی  
نے مادی ۱۹۲۵ء میں ہے۔ مادی اور

۱۹۲۹ء کے مادی اور مادی کے مادی اور مادی  
مادی مادی کی مادی اور مادی نے مادی ۱۹۲۵ء  
مادی اور مادی مادی اور مادی ہے۔ ان کے  
مادی اور مادی

1-Knowledge and Religious  
Experience

۱. علم اور مادی اور مادی

2-The Philosophical Test of the  
Revelations of Religions  
Experience

2. مادی اور مادی کے مادی اور مادی کی  
مادی اور مادی

3-The Human Ego, His  
Freedom and Immortality.

3. انسانی اور مادی کی آزادی اور مادی

4-The Conception of God and  
the Meaning of Prayer

۴. خدا اور مادی اور مادی اور مادی

5-The Spirit of Modern Culture.

۵. مادی اور مادی کی مادی



۱۰۔ دستور اسلام میں تحریک کے اصول

7- Is Religion Possible?

7- کیا مذہب ممکن ہے؟

مذہب بالشرع مستعد ہوتی تھی ہے اور واقعی  
مستقبل کا قیام دہر گئی۔ اسی گنجوں کے دریافت  
میں اقبال لکھتے ہیں

”قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو ضروری  
ہماتے ”مخلص“ ہے، زور دیتی ہے تمام ایسے لوگ بھی  
ہیں جن کے نزدیک اسی لحاظ سے ایک حیات  
مطلق عمل کے طور پر حیات تو کے ذریعے ایک  
مطلق اطلاق کا نکتہ کے ساتھ ہم آہنگی یا ہمکنش ہے  
جو ایک مخصوص نوعیت کی واردات تھی ہے جس پر  
عقیدہ مذہب اسراست پڑا ہے۔ صوفی ازم کے  
قدیم مشہور کتاب قرآن نے اسلام میں مشافہہ  
مذہب کے روحانی عمل کی صورت گری اور مسرت  
بنی کے لیے بالشرع دینی حقیقتیں کام کیا ہے

قرآن کہتا ہے کہ ”تمہاری تخلیق اور حیات تو ایک  
واحد روح کی تخلیق اور حیات تو کی مانند ہے“ اس  
آیت میں جان کی گئی اس قسم کی ہوائیاتی ایک جہتی  
کی دفعہ مثال کے لیے آج کے دور میں ایسے  
طریق کار کی ضرورت ہے جو جسمانی اعتبار سے کم  
مشقت طلب ہو اور ایک نئی طرح کے دھن کے  
بے غرضیاتی لحاظ سے سمجھوں ہو۔ میں نے اسلام  
کی فلسفیانہ روایات اور علوم انسانی مختلف  
شعبوں میں ہونے والی جڑ تریخ و تفریق کا  
ضروری سے حاکم لحاظ رکھتے ہوئے اسلام کے مذہبی  
عقائد کی تفہیم تو کے ذریعے اس فوری تھکے کو

جڑی طور پر ہی سمجھنا پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔  
جامعہ پارہے کہ فلسفیانہ فکر میں کوئی بات حرف  
7 (فیس) ہوا کرتی۔ عارف افسانہ ایسی صورت کے

انکار پر مبنی تھکے، لیکن اس کے بارے میں عقائد  
تخلیقی وہ پائے رہا ہے۔“

اس میں ایک مسلمان عالم دین فلسفی کی  
بلکہ تھکے آتی ہے جو صدیوں بعد مسلم مذہبی فکر کو  
اعمار اور اجتہاد کے مجزہ طریقوں کی بنیاد پر تعمیر  
کر رہا ہے۔ اعتبار کو مجلس شوریٰ اور امتداد کو چھوڑ  
مستقل ہیں تبدیلی کی صورت میں ادارہ چلتی  
مثبت دلی جانچ ہے۔

چاودہینی

قاری شاعری کا مجموعہ ”جلد دوم“  
1932ء میں شائع ہوا۔ اس کا مرکزی خیال  
’Throne Comedy‘ ہے۔ اقبال حناوں  
کے اس پار آہا جہت میں اپنے مرضہ دہائی کی  
دشمنی میں پیچیدہ فلسفیانہ قانون یا باتوں  
شعروں اور خیرو سے حلاقیں کرتے ہیں اور  
باتوں کی اس سیر کا انجام ”ادھار“ کے دہان  
کی حاضری ہوتا ہے۔

مولات و روایات کی صورت میں عربیہ  
یعنی اقبالؒ جو پہلی ”سندھ“ کے مذہب میں  
سائے آتے ہیں دہائی کے عہد اپنے مصروف  
انکار دوران کو گوں کے انکار بھی ہے اس سیر کے  
دوران کشمکش کی گئی کی تخریب کرتے چلے جاتے  
تھے۔“

یہ کتاب ان کے بیٹے جاوید اقبال کی  
صورت میں فوجان نسل سے خطاب پر اختتام  
پڑا ہوتی ہے جنہوں نے ہزاراں ”سندھ“ وہ  
کے نام سے اقبال کی شہرہ آفاق سوانح بھی ترمیم  
دئی۔

انسان کا مقدور

اور شاعری کا ایک مجموعہ 1939ء میں

”ہل جھری“ کے نام سے شائع ہوا جو لکھتے  
روایات اور بالکل انھوں پر مشتمل ہے۔ یہ  
شعور اور خیال کا ایک شکار ہے جسے حاصل کرنا  
شاعری کے بہترین نمونوں کا مجموعہ قرار دیا جاسکتا  
ہے۔ اثر انگیز شاعری سے گھر پر اس نمونے میں  
پہنچا اور دوسرے عام لوگوں کو ان کی گہرائی  
غلط کی گئی اور ان کے عجیب کمال اور بارہ سب  
عرب کے بغرضی اثر پر غصت و حسرت کی آبی  
ہے۔ اس میں انسان کے عقیدہ کردار مافی الامت  
خداوندی کی عبادت کے لیے غور احتیاج اور  
انکار آزادی اور حریت“ اسلام عرصے اور عملی کی  
اہمیت پر زور دیا گیا۔

واقعی رجحانات اور مسائل

اور شاعری میں ان کا ایک اور شکار  
”عرب تعلیم“ کے نام سے 1936ء میں سامنے  
آیا۔ اسے چھ اپنی مقالات کے تحت تقسیم کیا گیا  
ہے۔ یعنی اسلام اور مسلمان تعلیم اور حریت  
صورت نمونہ اور اب ”مشرق اور مغرب کی سیاست  
اور جواب نگاری“ انھوں نے انکار شاعری کے  
جواب میں اقبال نے شعرا عہدی کو اپنی سیاسی  
مذہبی مافی اور قوی سوچ سے آگاہ کیا۔ آخری  
حصہ انھوں نے کے جانے سے غور کیا گیا ہے لیکن  
خاص اہمیت کا حامل ہے۔

مستقبل کی جانب

قاری شاعری میں ان کی اگلی دو کتابیں  
”سہمی چہ رہا کرنا“ اور ”سلسلہ“ ایک ہی جلد میں  
1936ء کے دوران شائع ہو گئیں۔ ”سلسلہ“ ایک  
مختصر نوعیت کا سلسلہ ہے۔ کنگ پادشاہ نے



## اقبال کی بصیرت

یہ اقبال کی خدمات کا اچھی مختصر سا خاکہ ہے۔ گزشتہ صفحات میں چند موضوعات پر قدرے زیادہ زیادہ قلم مرکوز کیا گیا ہے۔ فرد، جو یا برادری یا قوم جو یا پوری انسانیت پر سچے انسان کی مستقبل کی فکر کا ایک مضبوط رنگ دکھائی دیتا ہے۔ یہ جہاں ہو یا وہ جہاں اقبال کا موضوع تقریباً ہمیشہ انسانی حالت اور اس کی علاج و تہیہ ہی نظر آتی ہے۔

فرد، مختصر اقبال کی بصیرت، افراد، مستقبل، ان باتوں پر مرکوز ہے:

۱) انگریزی عقیدے سے اسلام پر ہلار، انسان، ذاتی انسانیت، ذاتی روحانیت، انسانی آزادی اور برائی کا رد۔

۲) انسانی ساری اعتبار سے بہن ترقی کی خاطر انسانیت کے ساتھ مسلم دنیا کے روابط۔

۳) صوبوں صدی کے لوگوں میں اقبال کا اور انسانی کا "سچے اسلام ازم" ہے۔ انسانی سیاسی طاقتیں بالخصوص آریسی اسی اور موجودہ اسی اسی اور انگریزی قریب تھا۔

۴) تمام جمہوریت میں زندگی کے بارے میں اس کا نظریہ جمہوریت یعنی مسلم میں مسلمانانہ جیم اور مستقبل بنی پر مبنی رہا ہے۔ انسانی تاریخ میں حال مستقبل وقت اور عا کے حصول کی راہ اور انھار ہے جس میں انسانی عوامل زندگی کے بے انتہائی کے جان کر وہ اخلاقی قوانین کے مطابق تھوڑے کی صورت گری میں حد بندی ہے۔ یہ صرف وہ حق ہے جو دہائیے اور آئینی مضامین، حق و ترقی دینے سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ کہ زندگی ترقی اور کسانوں کی شہرہ پر کارکن، انسانی ہے۔ یہی پاکستان مسلم دنیا اور انسانیت کو دہائی

ہے۔ بعض میں رائج عقیدے، مباحثوں کو بدل عقیدہ دیا گیا ہے جس کی ساری اسلام اور لوگوں انسانوں کے لیے مجھے سے زیادہ انسان کا سبب بنتی ہے۔

۵) اس کے حصہ میں بڑی حد تک اہم ترین عنصریں "انسانی کی مجلس شوریٰ" اور "کفر کا رد" اور "عظیم کوئی نظریہ" اہم ترین ہیں۔ پہلی میں شیطان کو اس مشورے میں مصروف دکھایا گیا ہے کہ ملت اسلام کو کس طرح لپکا دکھایا جائے جس پر اہم تر ہے اور چھٹے سے بے اثر ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس کے مختصر اس حصے کے لیے مجبوریت ہے۔

۶) مضامین اور کثیرنوسہ باخبرہ کا نام لیتے ہیں، وہ ان پر بحث کرتے ہیں تاہم بالآخر یہ غامضی اقبال کے سامنے پاتا ہے کہ ان لوگوں کو کئی زندگی سے دور رکھا جائے اور رائج عقیدہ انسانی اور باہر اعلیٰ دینی مسابک پر مشتمل ہے اور کا حاصل بحث مباحثوں میں ابھارتے رکھا ہے۔

۷) دیگر نظریوں میں زیادہ تر آزادی کے لیے نظریہ عام کی خواہش اور انسانیہ کو موضوع بحث دیا گیا ہے۔

## مختصر حقائق

اقبال کی دیگر مضامین میں غلو کا رد، جہاد اور دوسری سوشلسٹ سوشل سبب دینے والی ہیں جن کی تالیف ۱۱ شامیت اس کی صورت کے بعد ہوئی۔ ان کا ان میں سے اہم ترین دینی اور سیاست پر ان کے آثار اور دینی مسابک سے متعلق ہیں۔ اقبال مسابک کے لیے جملہ چیزیں کرتے ہیں وہ اعلیٰ پندار اور ان میں مستقبل بنی پر مبنی رہتا ہے۔ ان کے اعلیٰ اور نظریہ و فکر کا حقیقت ۱۱ رہتا ہے۔

شعبہ تعلیم میں انسانی کے لیے اقبال کا دورہ انسانی کی دولت دی۔ انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تاریخی اور ثقافتی، انسانی کے حال و حال کی سیر کی اور لوگوں کو باخبرہ کا خبر دیا کہ انسانی انھار اور دہائیے سے فائدہ حاصل کرنے کی صورتیں دی۔ دوسری کتاب میں انہوں نے اول آخر طرزی باور پرستان یا پیروں اور بیکار اقبال اور ان اہل اہل کے درمیان ایک توازن قائم کیا جو اس توازن کو انسانیت کے مفاد کا آئینہ دار بنا دیتا ہے۔ وہ دینی اور دہائیے شعبوں میں خود انفرادی کے حصول کے لیے غلو کا قصہ کرتے ہیں۔ اقبال یہاں بددہائیوں کی ناپاکیوں اور بددہائیوں کا اہم کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ انسانیت کی ترقی میں اپنا حصہ وصول کرنے کے لیے مشرق کی دہائی کے لیے ہر ایہ نظر آتے ہیں۔

## انسان کے روحانی مسائل

"کرماتان کرم" اور اور قاری محمد ہے جس میں رہا جاتے بکثرت بنتی ہیں۔ یہ ان کی آخری کتاب تھی جو ان کی وفات کے بعد ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔ اپنی زندگی کے آخری سال کے دوران اقبال کی شدید غماز رہی کہ وہ کد کرم چا کر کچ کر دیں اور عینہ منور میں دوسرے افسوس کی زیادہ کریں لیکن ان کی چاری کے سبب یہ خواہش دوسری رہ گئی اس لیے میں رہا جاتے میں دیگر افسوس کو غائب کیا گیا ہے وہ ان کے ساتھ اقبال کی شدید محبت کی خاطر ہیں۔ دیگر رہا جاتے میں خدا امت مسلمہ اور انسانیہ جمہوری پوری انسانیت کو غائب کیا گیا ہے۔ ان میں ہر ایک فلسفیانہ اور عالمانہ گروائی کی حامل



- 32 Ibid. 33 Ibid.  
34 Op cit—ref 29, 35 Ibid.  
36 Op cit.  
37 Dr Abdul Hamid Maududi,  
Separation in India.

- 38 Syed Mahmood Hasan,  
Jinnah's Political Strife.  
39 Op cit—ref 32.  
40 Op cit—ref 7.  
41 Op cit—ref 1.  
42 Op cit—ref 11.  
43 Ibid. 44 Op cit—ref 12.  
45 Ibid. 46 Ibid.  
47 Op cit—ref 26, 3. 48 Ibid.  
49 Op cit—ref 32. 50 Ibid.  
51 Ibid. 52 Op cit—ref 26, 3.  
53 Ibid. 54 Ibid.  
55 Ibid. 56 Ibid.  
57 Ibid. 58 Ibid.  
59 Ibid. 60 Ibid.  
61 Ibid. 62 Op cit—ref 31.  
63 Ibid. 64 Op cit—ref 4.  
65 Op cit—ref 26, 3. 66 Ibid.  
67 Ibid. 68 Op cit—ref 34.  
69 Op cit—ref 26, 3. 70 Ibid.  
71 Ibid. 72 Ibid.  
73 Op cit—ref 7.  
74 Op cit—ref 11.  
75 Op cit—ref 12.  
76 Op cit—ref 34.  
77 Op cit—ref 34.  
78 Op cit—ref 18, 19 & 31.  
79 Op cit—ref 18, 3.  
80 Op cit—ref 38.  
81 Op cit—ref 26, 3.  
82 Op cit—ref 1.



- 13 Ibid. 16 Ibid.  
14 Ibid. 17 Ibid.  
15 Ibid.  
18 Op cit—ref 8.

- 19 Op cit—ref 7.  
20 Op cit—ref 12.  
21 Op cit—ref 4.  
22 Ibid.  
23 Jameluddin Ahmed,  
Speeches and Writings of  
the Quaid-e-Azam.  
24 Op cit—ref 11.  
25 Op cit—ref 7.  
26 Op cit—ref 4.  
27 Dr. Ikram Azam,  
(i) Pakistan's Foreseeable  
Future  
(ii) Pakistan's Political  
Culture  
(iii) From Pakistan to  
Pakistan.  
28 Chaudhary Rahmat Ali,  
Pakistan: The Fatherland of  
the Pak Nation. 29 Ibid.  
30 (a) Dr K K Aziz, Rahmat Ali  
Complete Works (Vol I)  
(ii) K K Aziz, Rahmat Ali: A  
Biography  
(iii) Jamel Wanti, My  
Reminiscences of Chaudhary  
Rahmat Ali  
31 'Naqush-e-Iqbal'

عقلمندان اور قوموں کے طور پر دانگی، دانگی خیال  
اور دستگیری نظام کی حد سے انکو جی سہی میں  
پاکستان اور پاکستان کے لئے اقبال کی  
پہچانت اور دستگیریات کا حرا ہے۔

## References

- 1 Dr Javid Iqbal, 'Zinda  
Rooh', Volumes I to III
- 2 Iqbal's Letters to Jinnah  
M A Jinnah's Introduction
- 3 Rais Ahmad Iqbal's Letters  
to the Quaid-e-Azam
- 4 Dr Abbas Salam Khurshid  
History of the Idea of  
Pakistan
- 5 Ishaq Hussain Qureshi,  
The Muslim Community of  
the Indian-Pakistan  
Subcontinent
- 6 Syed Abdul Wahid, Studies  
in Iqbal
- 7 Stanley Woodport, Jinnah of  
Pakistan.
- 8 Rais Ahmad Jaffar, Rais  
Documents
- 9 S A Vahid, Thoughts and  
Reflection of Iqbal
- 10 Muhammad Ahmad Khan  
Iqbal Ka Siyasi Karname
- 11 Hector Bolitho, Jinnah  
Creator of Pakistan
- 12 R.C. Majumdar, History of  
the Freedom Movement



# اقبالؒ عالم خواب میں

قائد اعظمؒ کے ساتھ مکالمہ

شریف غازی

رسول مقبولؐ کو ہی رقی کی سا پہنچ ہے جو عالمِ طبع  
ہوا کہ حساب اور کتاب کے بحر جیسا ابھی  
اس وقت سے اٹھ اڑا سو چاہے۔۔

21 اپریل 1938ء کو لاہور کی ٹھک  
ناہیں سے ٹائی مسجد کے پیلہ میں پہنچا تو کچھ گھنٹے  
سیدھا بیٹھ لے آئے۔ لیکن میرے خطاب  
مستطیل میں کوئی کی نہیں آئی۔ اب میں عالم  
الطبیعت عالم اسلام اور پاکستان کے اقتدار کا  
دیکھتا ہوں تو خواب الٹا ہوں۔ اس خطاب کا کو  
کہوں۔ جب پاکستان عرض دیا میں نہیں آؤں گا۔  
جاری عالم کے معاملات میں مختار ہونا کہ انسانی تار  
ہرچیز کو دیکھتا تھا اور بالکل ملتے بات کی تو میں  
صاف بدیں سے خوف کے لئے غور و فکر کی ابتدا  
گوارا میں میں ڈوب جاتا تھا کیسے کھڑے نہیں اڑتا  
تو کہ میں غمت اسلام کی ہے کسی اور صاف کی  
خواب پلاننگ سے ہے قرآن میں ہوا تھا۔ اسی لئے  
جہری دانش لایا ہے تاکہ چواری اور میرا انا ہے  
قرآنی میں گزرا جانی تھیں اور میں پہنچے ہر جہر  
تھا۔

اسی غفلت میں اُڑیں جہری زندگی کی دانش  
کسی سوز و ساز میں بھی بچاؤ اب رقی

عصرِ محشر میں جہری قرب رسولی سولی  
داور محشر کو اپنا راز دیاں کچھ تھا میں  
لیجی پہ طبعی رسول پاکؐ جہری کوئی  
رسولی نہیں ہوگی کیونکہ میں نے پہلے ہی بارگاہِ نبوی  
میں عرض کیا تھا کہ مجھے کبار سے بھی حساب لینا  
ہو ضرور لیکن اپنے محبوبؐ کی نگاہوں سے چھا  
کر

اللہ تعالیٰ کو جہری پر ادا بند آئی اور میں  
ٹائی مسجد کی بیڑیوں سے سیدھا آسمانوں کی  
بلندی پر پہنچا دیا گیا جو بھی اللہ والا آتا ہے اس کی  
خوشبو بکھیر جاتی ہے۔۔۔ میرا آئیں میں پہلے سے ہی  
ہوتی ہیں۔۔۔ وہائی مسافروں اور مسافروں کا سر پر بھی  
لٹے ہو جاتا ہے۔۔۔ یہ عجیب دنیا ہے عجیب اللہ و پیغمبروں  
سے لے کر صاف صاف صاف و صفا شریف دانش و  
علم معینانِ نازک ایمان و ایمان شیری جان اور  
عقلانی کنواریاں کے انسانی طبع اور کائنات میں  
موجود ہیں جیسا کہ آپؐ نے لکھا کیا کیا جان کی دنیا  
تیس اور قصور سے باری ہے۔۔۔ جنت آخرتوں کے  
سرور و رموز نمودار تصور اور مراتب و منازل کے  
بارے میں کیا باتوں۔۔۔ آپؐ کچھ سے کچھ لایا اور بارگاہ  
طوبیٰ میں محبوبؐ و محترم ہیں مجھ ایسے ماسی پر بھی

بھائی کوئی راز دانا نے بیٹے کے آپ  
کے ساتھ کھٹکا کا موقع نہیں ملا۔ یہ الگ بات ہے کہ  
زندگی کا ایک ایک لمحہ آپؐ کی یاد میں گزرتا رہا  
ہے۔ اب سے طرزِ نشانی ہوا ہوں۔ من و وقا کی  
تقریب باقی نہیں رہی۔ آپؐ ہر وقت میرے سامنے  
ہوتے ہیں جوں جوں ہوتا ہے آپؐ سے خطاب ہوں  
اور میں میں کوئی جواب دیکھ نہیں دے پتے بھی لوگوں کی  
قریب اس حد تک دیکھ ہوں تو پہنچے اور کھلے میں  
مہاجر نہیں رہا کچھ

اور دلوں سے قرب و بعد محبت  
کی طبع ہواں دانا کی فرحت  
آپؐ محبت دینی کی ان دعوتوں میں  
جہری واقعات کوئی دس سال بعد شریف لائے اور  
مردانِ محبتی سے لے کر تمام جہلی جنت نے آپؐ کا  
پہنچا کہ خیر قدم کیا کہ بہشت بریں میں تو کوئی  
اندر شائع ہوتا ہے نہ جہلی افکار ہے نہ جہلی ہوتا ہے نہ  
ہی غمور دانا بہشت بندہ ہوتے ہیں۔ اللہ ناصر  
افعال ہر کسی کا تیار اور ہر کسی کے ہاتھ میں ہوتا  
ہے۔ اسے اختیار کیے و افعال نامہ ہو بھی دیکھا نہیں  
جاتا۔ کچھ جہلی میدانِ محشر میں اسے دکھایا جانے کا  
اسی لئے میں نے کہا تھا۔



میں تو یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ تمام دنیا کا نقشہ  
 جونا جاتا رہے گا۔ جو کہ خالق ہوا رہا ہے۔ اس عالم  
 ایک دوسرے سے اختلافی اور سراسر اتفاقی روشنی سے  
 بدلتا رہتا ہے۔ عالم ہی سرور رہا ہے نہ جانیں ایک سے  
 دوسرے کا آغاز ہوا رہا ہے ایک ہی اور دوسرے کا ساتھ نہ دیا  
 کیا تو یہ جہاد و مساکت نہیں رہے گا۔ یہ تو ایک انکسار  
 اور جہاد ہی کا اور ہو گا جو زمانے کا مرکز نہیں ہو سکے  
 گا اور حقیقت کی برقی رفتاروں میں اس کا سفر ہو جائے گا  
 میں نے اسی لئے اسلام کو تنہا ہی نہیں کیا تھا بلکہ یہ  
 فوج بھی بنائی تھی کہ

زمانے کے انقلاب بدلے گئے  
 نیا رنگ بنے ملا بدلے گئے  
 ہوا اس طرح دانش راز فریب  
 کہ حیرت میں ہے شوشہ ہر فریب  
 پرانی سیاست گری غبار ہے  
 زمین ہموار سطحوں سے بڑا ہے  
 گیا اور سر پہ ریشمی ڈھری گیا  
 دکھا کر دھری گیا  
 گراں خواب جیتی سچھٹے گئے  
 ہمارے خنجر اٹھنے لگے

ہمارے انکسار کے متضاد بنے ہی نہیں  
 ان انکساری چشموں نے دنیا بھر کو وہ حیرت میں گم  
 کر دیا ہے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جہاں ان انکساری  
 قوتوں نے نہ صرف بین الاقوامی اختلافی طاقتوں کو  
 ایسے ہیست سے لئے جو بہت آٹا کر دیا ہے۔ بلکہ  
 حالت کو دبا ہے کہ جب قوموں کی غواہی پیدا ہوتی  
 ہے اور وہ اچھے یا خستہ سے فتنے کی طرح سراسر اتفاقی  
 ہیں تو وہ جہاں ہو یا جہاں ان کے سامنے حقیقت کی کوئی

حافظ نہیں ظہور کھن۔ یہی اسلام ہے یہی رواج  
 انکسار ہے یہی غواہی ہے یہی عالمی خوداری ہے اور  
 یہی عالمی انسانی انصاف کا تقاضا ہے۔

یہ صبح فتنے کیا ہے تھوڑا ہے  
 غواہی کیا ہے تھوڑا کی دھار ہے  
 غواہی کیا ہے؟ راز دہانی حیات  
 غواہی کیا ہے؟ بیادری کائنات  
 ازل اس کے چپے اب سامنے  
 نہ خدا اس کے چپے نہ خدا سامنے  
 سبک اس کے ہاتھوں میں سنگ گراں  
 پہلا اس کی خبروں سے رنگ دیاں

کیا یہ درست نہیں ہے کہ آج حافظہ  
 قوت کی جہاد کیاں کے بدلے بدلے کا قافی ظہور  
 یہاں فتنوں کی خبروں سے، یکہ دہاں اور جہاد کے  
 عملی اثر حیرت دہاں کے کام ہے پناہ کے سامنے  
 گرد و لعل کوئی دے رہے ہیں۔ گلیں پست گھٹے کہ  
 امریکہ کی جیلوں میں اور جہاد میں ہے جہاد کا یہ  
 بلکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی جہاد اور بھی آج ہوا  
 گئی ہیں۔ دیکھنا اور سوچنا یہ ہے کہ اس اختلافی راز  
 اور پہلا سے کیسے نہایت حاصل کی جائے اور قوت کے  
 جہادوں کے ہیں بدلے جارہے ہیں۔ ان غواہی اور  
 انجاری کردار کی باطنی مزیت اشتعال قوی غیرت  
 اور کسی بھی غواہی قوت کے سامنے سر نہ ہٹانا  
 قوموں کی جہاد کا یہی راز اور سر نہ ہٹانا ہے جس سے  
 جہاد قوم بھی ہو سکتی ہے اور یہ ایک اپنے ہی خاصہ  
 صیغہ میں ہے کہ

بڑا لا اوتھو۔ خود دیاں ہے زندگی  
 ہے کئی جاں اور کئی ختم جاں ہے زندگی

اپنی دنیا آپ پہاڑا کر زندگی میں ہے  
 سر آدم ہے غمیر کہ کھن ہے زندگی  
 تو اسے چاند امروہ و قمر اسے نہ آپ  
 جاواں بچم دہاں ہر دم جاں ہے زندگی

جواب قوسوں کو چاہا ایک طرف ڈاکٹر  
 مہداتھم خان جیسے عظیم تجربہ اور دولت کے حامل  
 سائنس دانوں کی ضرورت ہوتی ہے وہیں قوموں کو  
 اپنے کھن کھڑکانوں اور پیادری کھڑکانوں کو  
 یہ مفروضہ کرنے کے لئے جاں سپرد معظم حلقہ کام  
 کرنے والے معظم ہاتھوں اور دانش دانوں کی بھی  
 ضرورت ہوتی ہے۔ یہی خنجر کی غیر مہقول  
 کامیابیوں کا راز بھی ہے اس کے ساتھ کردار کی  
 بلندی، زیادت، اہلیت کی قوت اصل حیات ہے۔  
 انصاف اور حریت اور بینش و معرفت کی جہاد میں  
 وہ اپنے انصاف کو بچلی۔ عالمی دنیا میں آج بھی  
 اس فکر کا مستطیلہ رواج جس کو مسلمان کے ایک ہاتھ  
 میں جہاد قرآن اور دوسرے ہاتھ میں جہاد دہاں  
 جاتے۔ قرآن رہاں یعنی انصاف اور تھوڑا قوت کی  
 آئینہ دار ہے میں نے اپنے کام میں خود اور دکھانا  
 یہاں کام انصاف کے عالمی تھوڑوں کو بدلے گا  
 لانے کے لئے یہی داس دیا ہے۔ یہاں تک کہ علم  
 شرف انصاف میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے پہلا  
 میں حکمت جہاں جانے جہاں تھوڑوں کے قبضے میں  
 آجائے گا کئی کئی بار دہاں ہے۔ شرف انصاف نے کہا  
 تھا کہ جب اسے قریش اتارا جائے تو اس کی قریش  
 قرآن اور تھوڑا رکھی جائے۔ ہم بھول گئے کہ شمشیر  
 قرآن کی کھن کی دھم آج بھی انسانی عظمت و سر بلندی  
 کی ادھی اصل ہے۔ جہاد عالمی اپنے موٹے ہاتھ کی







مذاہبت کا دل سے سوتے ہیں دیا جاتا اور اس طرح میں  
ایک نئے اور اخلاقی و مذہبی کا آغاز ہوتا لیکن ان  
پاستان سے خلاف نرہ نادر چارہ نہ ہو اختیار کر  
یا کیا اس سے اس وقت مجھے جو علم کھائے ہا رہا ہے  
اور ہے کہ پاکستان سمیت عالمی امن پر خطرہ میں  
نہم جاں ترپ رہا ہے جس سے کھات کی کوئی  
سورسے مجھے کھائی نہیں دے رہی۔ میں نے بیاری  
عالم کے لئے فرقہ کی اصطلاح میں تمام متبع قوموں  
کی مذہبی و عبادی کلیہ فرقہ اور چال بازیوں کو اس  
طرح متکس کر دیا کہ فرقہ کا لفظ ظلم اور مظلوم  
قوموں کے لئے پیغام انتقام بن گیا تھا۔ لیکن یہ  
اب بات ہے کہ میری قوم نے سخت فرقہ کا کھنگی  
اور نہ ہی قوت فرقہ سے آشنا ہو سکی قوت و  
احتمال فرقہ کی یہ کاروں کے متعلق میں مصر  
خاطر کے ساتھ وہ واقعات کا روضہ نظر سے گزار  
لیتا ہوں تو ایک عجیب نقش دکھائی دیتا ہے۔ گٹھ جوڑ  
چار سال انسانی تاریخ میں ایک انتہائی راک اور احم  
واقعہ گٹھ جوڑی کی آخری دہائی میں پیش آیا اور وہ  
ہیں کہ ایمانے صیانت کے روحانی فتنہ اوپ پال  
نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مصلویت کے  
پیروہوں کے داخل معانی کا، عظیم کو صاف کر دیا  
کسی کے جرم کو صاف کر دیا ایک یک اور پاک  
اتزام ہے یہ معانی انسانی سمیت کے لئے جوتی تو  
قابل حد قرینہ تھی لیکن جب میں ہوشیار ہو گیا کہ  
طرف دیکھتا ہوں کشمیر میں ہزاروں شہداء کا خون بہتا  
دیکھتا ہوں فلسطین کے مجبور مظلوم بچوں کی آوازوں اور

یوزمیں کو غلطیوں کے ساتھ اسرائیلی قوتوں کے لڑنا  
اور انسانیت کے ہم نہاد ملہ راہوں کی کال ہے جس  
دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں صیانت اور یہ ایتھ کا ہوا  
تھیں اقدام عظیم قوموں کی جانی کا قرض ہر صورت  
نہ ہو اور مجھے اب بات ہے امریکہ کی چلی بیرونی  
اسرائیلی اتحاد میں شامل ہو گیا ہے اس ہمارے  
اسرائیلی اور امریکی اتحاد اور یہی اس اوقام سے گی  
میری خدشہ۔ مجھے تو پاکستان سمیت عالم اسلام کی  
جانی کے شعراء چاروں طرف خطرہ آئے دکھائے  
دے رہے ہیں۔ بھائی جتا رہیں ہا تو کہ دیا عالم  
اسلام کے خلاف ایک جونا کہ جتہ بندی میں داخل  
ہنگی ہے۔

خیر بھائی جتا میں کسی طرف چا گیا۔  
در اصل میری قری حدود اکثر اصرار ہو جاتی ہیں عالم  
اسلام پر ہر کے بھولوں کی طرح چھڑا دیا جائے تو  
اب ذرا تعریف سے کہوں گا۔

بھائی جتا عجیب ہے کہ کسی کا عالم ہے  
کوئی دلاواں نہیں جتا صاحبان دل رخصت ہوئے  
مصلحت جڑ گئی۔

دل ما ہے دلاں دلاں دلاں  
چل شط اطرد دلاں  
جا یک لک باہاں در آہر  
کہ خاساں بارہ با خورہ دلاں  
و نیا جابھی سکد ہانے پر  
سلطہ دوشہ نقل گرا دات کی طرح  
میری نظروں کے سامنے سے گزرتا ہا رہا ہے میں

پاکستان نہیں اس لئے میری آنکھیں دھوا رہی تھیں۔  
دلی چہ سب تو سو سال تک مسلمانوں نے چین پر  
تکومت کی اور یہ بھی تاریخ کا عنصر ہے جب سلطان  
سلطان الدین ایوبی سلطان محمد غزنوی علیہ السلام  
نے چلی طاقتوں کو زندہ نہیں کھٹکتوں سے اور چار  
کیا۔ محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کی شمشیر ہائے آوار  
کی چٹک تو اکثر ہیں۔ ذلت اطرد اس میں کوئی شک  
ہوں تو میں عرض دینا الی کی حشر میں کھائی کرتی  
ہیں۔ مسلمانوں نے تو آٹھ آٹھ سو سال دیا چار  
تکومت کی۔ برطانیہ کو کچھ ۱۱ سو سال میں افکار کی  
صف کو پلٹا دیا۔ 78 سال تک ان ۱۱ فیوی کا قہر  
کاتے کے اور وہی اشتہار و شہرت تمام دنیا میں  
تھیں ہو کر سحر ہو گیا۔ امریکہ اب اسرائیل اور  
ہمارے غیر مقدس اتحاد اور ان کا جوڑا مسعود اب  
تک صرف عالم اسلام ی نہیں افروز یعنی امریکہ  
اور دوسری کڑہ اقوام کی تکلیں و احتساب کرتا رہے  
کا اب تو اسے صرف حقیقت دکھانے کی ضرورت ہے  
یہ قرانی حقائق بھی سے اڑ جائیں گی۔ آج سے  
چند سو سال گلی پڑی دیکھنے نے یہودی معانی تھی یہ کوئی  
الہ نہ تھیں تھاکہ یہ حقیقت تھی کہ اگر انسان نے سرط  
مستقیم اختیار نہ کی تو یہ پڑ دہائی کے کاموں کی طرح  
ہمک سے اڑ جائیں گے زمین اٹھیں ہو جائے  
گی۔ امریکہ اور چارہ چار دہائی کے اسٹیٹ انار  
اکٹھے کر رہا ہے جس سے وہ ہولناک عملی حد متوازن  
اور غرور کے باعث انسانیت کی چھی مقدہ ہوگی۔





مزارِ اقبال







# مذاکرے کلام اقبال اور انسان دوستی



## کلام اقبال اور انسان دوستی

### اسلام آباد

ساجد اقبال سید: اقبال کی جانب سے اور خاص طور پر "کلام" کی جانب سے میں آپ سب کا یہاں خیر مقدم کرتی ہوں۔ ہم سب جو آج یہاں پہنچیں ایک لحاظ سے بہت خوش قسمت ہیں کہ ہم نے اسی وقت کیوں کا بہت کافی لمبا حصہ جس صدی میں گزارا۔ بیسویں صدی جو کہ عمار اقبال اور فیض احمد فیض کی صدی تھی۔ دونوں بہت بڑے شاعر ہیں۔ دونوں کی کارنامہ شاعری ہے۔ کئی ہزاروں نوے بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان لوگوں کی شاعری اسی شمول ہوگئی ہے کیونکہ ان کو سہی میں انفرادی عالم اور انفرادی جیسے گانے باندے مل گئے ہیں۔ بہت خوب اور نگہ نظر کی پہلی بات ہے کہ ان کی شاعری کے اندر وہی روح ہے کہ ان کو ازبانی جانتی ہے اور میں آپ لوگوں کو بھی چاہی ہوگی کہ انہیں ہوں لیکن اپنی دنیا کے مطابق ایک انسانی جہتی ہوں اور یہ Passion ہے کہ قوم کی ہے لیکن جہتی میں بہت خوشی ہے ہوں۔ دنیا کی مختلف زبانوں کے تمام کی صورت میں اور ہر امت میں ہے جس تک ہر امت کا اور اس کی دنیا میں ہے یعنی کے ساتھ یہ کہتی ہوں کہ ان دونوں کی شاعری ان کو گانے باندے کی سمجھ آئے تو بھی وہ اپنی شاعری ہے۔ جب تک وہ اپنی اپنی دینی ہے کہ انہیں جانتی ہے کہ ان کو چاہا جس سے کہ سمجھا ہوا ہے۔

لیکن صاحب کی انسان دوستی تو بہت بات کی جاتی ہے اس کا سب ذکر کرتے ہیں سب اس کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اقبال کے حوالے سے معاملہ ادا مختلف ہے۔ اقبال کا فلسفہ انسانی جذبہ ہوا تھا جس نے انہیں انہوں میں خلا پیدا ہے۔ اقبال کے مروجہ کے خلاف بھی پہلی طرف اشارے انہوں میں واضح ہیں۔ اقبال کے شاہین کا رامن کہیں اس کی مانگ نہیں کے طور پر چلے دو بھی میں بہت ان کی طرح معلوم ہیں لیکن یہاں اقبال نے humanism کی بات کی ہے انسانی دوستی کی بات کی ہے اس کو یہ بھی یاد رکھنا کہ ایک انوکھی شکل کی گائیڈ ہوگیا ہے تاہم نہ ہوگا ان کو کوئی نہیں کہتا کہ وہ اپنا کو اس رنگ اور کر رہی اور اقبال ایک انسانی دوست شاعری کی طبیعت سے ان کی یاد کریں گے۔

میں وہاں بھی گفتگو کرنے کی درخواست ہوں اور یہ یہ سوچ ہے۔ یہ فیض سواہی میں صاحب خداداد چھپیں گے اس کے اندر بھی انفرادی دنیا کرنا ہے گا ایک اس کے پاس بھی جانتے ہوگی لیکن مشغول شاعرانہ کے لیے صرف ایک شاعری طرف آپ کی توجہ داتی ہوں جو مجھے بہت اہم لگتا ہے کہ اقبال ہے کسی قمر کا انگوٹھا ہوا مرد بہت کچھ میں کا بھی دیر زمیں ہے یہ ایک انوکھی صورت میں اقبال نے کھل کر کہی ہے ایک لمحہ ہے کہ ہے کہ انہوں کی پہلی انسانی کی تکی ہو نہ تو ہے تو ان کی ایک بات ہے وہ نہ تو میں ہے اور مرد کی اس حد تک مرد ہے تو ہے ان کی قول کرنے سے اللہ کرنا اس کے لیے بھی ایک گونا گوں نے بھی اسے اپنا اپنی جگہ اور ان کو ان کی جگہ کے

میں میں اس کا کچھ اندازہ ہے اس کی دلی نظر میں کے کہ ہوگی اور انہوں نے ایک سادہ سادہ فکر کی آپ ان میں دیکھیں کیا کہہ کر ہے کہ ان میں کا بہت کھوتا جا رہا ہے کھوتا جا رہا ہے۔ ب سادہ جانتے کہ وہ اس میں سے ایک دالے سے ڈھیلے دارا ہے کہ اور کام کر رہا ہے لیکن جھوٹا اللہ اس کی سادہ فکر دیکھیں کھوٹے "لی جانتے میں گزرتی اور گھر ہے کے ساتھ کیا کر رہا ہے وہ اپنا کچھ اصول احاطہ کے مثال۔ یہ جو زمین کے اندر کیا کہتا ایک ایک جگہ آپ ان کو لال پازار میں ملے گا وہاں سب اس کے لیے اول صادر ہو رہیں گے اور گا کروں گا۔

میں کچھ ہوں کہ ایک شاعری اس کی جو پہلی تھیں ہے وہ بھی ان زبانوں کے ادب کے ساتھ عقائد کیا جانتے تو اس شاعر کو بھی بڑے بلند مقام پر پہنچا ہے کہ سب اب بہت احترام کے ساتھ یہ فیض سواہی سے درخواست کروں گی کہ وہ گفتگو آزاد کریں۔ یہ فیض صاحب مختلف کے تمام جگہ ہیں لیکن پھر بھی آپ کے دونوں میں پکارا کرنے کے لیے چاہیے Key note address عنوان کے لیے چاہیے کہ آپ سب اس جانتے ہیں اس کے بہت خیال میں فیض مریدی ہوگا کہ میں ان کو کوئی خدمت نہ کرے اقبال کے مضمون کے اوپر ایک انداز میں ہیں اور اپنی بہت سادے علم ادب کے شعبوں میں انہیں جس حاصل ہے ان کی دلی منت ہے ہیں جانتے اس کے کہیں آپ کے ادب کے وہاں دیا ہوگا ہوں۔ آپ لوگوں کا بہت بڑے شاعر یہ فیض سواہی ہے۔ سمجھنا اور انہیں راجح۔ میں بہت مضمون ہوں آپ کا کہنا آپ کے اندر سے کہ چاہے







برقرار رکھ سکا ہے۔ اس کے علاوہ نظر میں بکھر جاتی آ گئی۔ اس کا حلقہ، فارکس، بینک، اقتصادی اور سیاسی عمل میں اختلافی مذہب کی پستی پر واضح اور انسانیت محبت اور ہمدردی کا جذبہ برقرار رکھ کر سکا۔ اسلام ایک ہی غیرت ہے اس میں مذہبی عقائد اور طاقت کا وہ تصور نہیں پایا جیسا کہ عہد قرون وسطیٰ کے مسیحیوں کا کوئی کلام انسانی کو اس میں دشمنی، ملامت و آسویں دے سکا کہ ان کے کلام کلام زندگی میں آئے ان میں اختلافی پائیدار ہیں کلام کا تصور نہ تھا اسلام نے زندگی کا یہ تصور ہی اور علم کا تقاضا کیا کہ جہاں ایک مسیحی کی حق گفتی تھی وہیں مسیحی اسلام کی حق گفتی اور مسافر کی بنیاد بدل دھنیاں انعام الہی کے حصول پر مبنی کی ہے۔ یہاں انسان کو ذلیلت اس کے اعلیٰ اختلافی اور مسافر انما کی بنیاد پر ہے۔ اسلام میں ایک حقیقت نہیں ہے نہ صرف انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تہذیب و عقیم تک محدود ہے بلکہ ایک ایسی صورت اور ہر شے مستعد کلام حیات پر مبنی ہے۔ اعلیٰ علم "دینیت اسلام" میں علامہ اقبال نے اپنی حق گوئی کے لیے لکھا ہے کہ

جانا کی ہوئی ہے اس میں ہے اس کی زندگی ہے کھیں ہے جسم اظہار ! جسرا اٹکے ہیں روح القدس کا لہری مجال علم کا صحن غیبت صوب کا سدا دھن ! اسلام کی بنیادی عقیم ہندی اور انسانی ذاتی ہے۔ یہ مذہب ہے جس کی انسانی کائناتوں میں جلتی ہے۔ اسلام نے ایک ایسا حلیہ زانو پر گرد نظر فرمایا کیا ہے جس پر عمل کرے اور انسان مسافر سے جس سکون و ترقی قائم رکھ سکا ہے۔ آج صرب میں آزادی، جمہوریت اور مساوات کا نعرہ مچا رہا ہے مگر آزادی اور جمہوریت کی ادنیٰ رائے کے بغیر باروں نے اپنے دلوں میں تلید یہاں کا یہ طریقہ ہمارا کیا ہے کہ تہذیب و مسافر کے لئے زندگی ضروری ہے۔

قرآن حکیم کے مطابق طوطے کے زور کی سب سے زیادہ مسافر ہے تمام شے سب سے زیادہ مٹی ہے۔ علامہ اقبال کے زور کی مسافر سے مٹی اور انسان کی تیار و جمود کے لیے انسانی ہستی اور احترام

آج ہمارے زور میں ہیں۔ تاریخ کیلئے ہے کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ جس رواداری اور رحمت قلب کا مظاہر کیا اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ علامہ اقبال کی سرگزشت کا "تاریخیں" طوطا اور "جواب شہوت" ان کی انسانی ذاتی اور مسافر کی مسٹر ہیں۔ اگر ہم آج صبر و بردباری اور انسانی طاقت اور انسانی حقیقت سے پاک ہو کر مسافر کی طرح قوی بنیں گے تو اس کی توجہ اور توجہ ہو سکتا ہے۔ ان کی مٹی اور مسافر اسلامی سے اس پر ہی ملامت تھی مگر ان کی اپنی شخصیت آگستائی ہیں۔ علامہ کے نزدیک انفرادی اور جمعیہ فرد کا ذہنی نفس اور اجتماعی نفس کی نفس کا راجحہ خودی میں ہے۔ دراصل علامہ کے ہاں انسان کی عظمت کا یہ ایک ہی ملامت و ان پند ہے۔ رنگ و نسل اور زبان اور علامہ کے تیار و تفریق کے انسان ذاتی اور ملی عظمت میں حق حقیقت آدم کا راجحہ ہے اور خودی میں علامہ اور ان کے ہاں ایک نیک ناصی ہے جس میں مسافر سے حق ملی ہو رہی اور دنیا کی مٹی نے ایک غیر مسلم اور ان کو نصیحت کرنے سے کلام مذہب کی عزت کرنے کی حق گوئی کی ہے جو اسلام کے انفرادی اور اجتماعی کے بنیادی اصول پر مبنی ہے۔ علامہ اقبال نے لکھا ہے

مگر ہمیت حیات لبت امت کرم براب ہمیت امت مکن گویم نہ جان بزر و ش کا لاری؟ شانہ زار ش جہاں ہمارے علامہ و مسافر مجرتی ہوئی جان بلی اور تار مین کول، راکھ مینے کو شکست کا قہر وہ دھیرہ کا کر کے انسان ذاتی اور ایک دوسرے کے لیے محبت و رواداری کا پس دے ہیں۔ اس طرح ہمارے ہمارے انفرادی باب میں اور انسانی مل کو تہذیب کے علامہ کے کیا کرات اپنا اور مذہب کے اقتدار سے اور انسانی مٹی اور انسان کی عزت و احترام کی فکر سے دیکھنا چاہیے کہ ان کی مٹی اور ان کی عقیم ہے اور یہی حلیہ وصل !

یہاں حق اگر از خاک مگر طریق ی خود و کمال و مومن شعل گرچہ دل زندگی آب و گل امت

اس میں ہم آگاہی دل امت علامہ نے اپنے اپنے انسانیت پر اپنی مسافر کی اور ان کی عزت و عظمت کا تصور کیا ہے کہ انسان ذاتی کی حق گوئی کی ہے۔ ان کی انما اور ان کی کتاب Two Cheers for Democracy میں علامہ اقبال کی انسانیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"Whatever his opinion was, he was not fanatic, and he refers to Hindus and Christian with courtesy and respect"

اسلام علیہ السلام کی تاریخ ہے۔ کلام اقبال میں سکون کا پیغام دیا ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال آپس میں جنگ و جدال کرنے والی قوموں کے درمیان علامہ ذاتی اور انسانی کو پیغام پہنچاتے ہیں۔

میں نے دیا خاک خیزا کہ یہ پیغام ہمیت اقوام کے ہمیت آدم علامہ اقبال کی شاعری اور فکر و فکر کا ہم مسافر انسان کی حق گوئی اور مسافر کی بنیاد ہے جس کے حقیقی قرآن حکیم میں لکھا ہے کہ "تجلی نام نے انسان کو عزت و ترقی بخشی ہے چنانچہ یہی مسافر جس میں رنگ و نسل کا تفرق اور انسانیت کی بنیاد ہے ایک جانا دیا ہے۔ علامہ اقبال ایک ایسے مسافر اور ایک کلام کے حوالے تھے جہاں عزت کی مٹیوں کی عزت کی توجہ نہیں انسانی عظمت کا احساس مٹیوں کو ہم کا مسافر زندگی کا پیغام حسب و نسل تھا کہ ہمارے ہمارے اسلام کی اعلیٰ طاقت اور انسانی تقدیر پر زور دیتے ہیں۔ لیکن انسانی عظمت کا ہمارا ملامت نہیں بلکہ ایک زندگی اور اصل و اصل پر مبنی ذاتی تصور ہے۔ علامہ کے زور کی احترام آدمی کا بھی معلوم ہے !

آج ہمارے احترام آدمی کا پیغام علامہ ذاتی علامہ اقبال نے اپنی وقت سے چاہا مٹی 3 جنوری 1938ء میں آل انڈیا ریڈیو کے ذریعہ انجمن سے دعا کو سارا کو پیغام دے ہوئے مگر یہی زبان میں ایک ہی صورت فرد فکر کی تھی جس کا جواب مٹی



انہوں اور مالی سہولت کے لیے ایک قابل فہم چٹام ہے۔ انہوں نے لکھا کہ اپنے تجربے میں کامیاب صرف ایک ہی انفرادی قابل فہم ہے اور وہ انسانی طرقت 'نسل' واقعہ تک اور انہیں سب سے بااثر ہے۔ جب تک نام نہاد موجود ہے قابل فہم دست بہست شکستہیت کا خاتمہ نہیں ہو تا اور جب تک وہ اپنے طرز عمل سے غفلت نہیں کرے گا کہ وہ اپنی بات میں یقین کمال رکھتے ہیں کہ مادی و جا کے انسان حقیقی حلقے کے پیدا کردہ ایک ہی کردہ سے عقل رکھتے ہیں اور جب تک نسل رنگہ نظریاتی قوتیت کا انہماک حاصل کیا جائے اس وقت تک وہ طبیعت اور عقل کی زندگی بسر کریں نہیں سکتے اور ان کوئی سہولت اور طاقت کا یہ نہیں خوب خصوصیات پر مبنی بہت بہت شریک ہیں۔ پس نسل نظریہ اپنا کر لیا ہے۔

ماجدہ انبال سید شریک یہاں کہہ کرانے کا مشورہ آپ سب کی In-put لیا جاتا ہے کہ سب بات کریں گے لیکن یہاں کہہ کرانے کا In-put لیا جائے گا کہ سب دبا رہا جاتا ہے۔ ہم اس اس لیے کہہ رہے ہیں کہ سب دبا رہا ہے گا کہ اس Transcription کر لیں گے اور خبریں جب ملے گا تو ان کی خبر لکھیں گے تو اس میں یہ پڑھائی گئے تو اس حوالے سے اس مضمون کے ذریعے تو اس انکم کو چار رنگہ جانیں گے کہ مادی حلقہ صاحب۔

مادی صاحبہ مادی گرامی قوانین و محرکات میرے لیے یہ اہمیت سب سے کہانی۔ ایلی۔ ٹی کے اس ہڈا کہ اس میں حاضر ہوں۔ میرے ہڈا یکساں کے موضوع "انبال اور انسانی زندگی" میں بہت دلچسپ ہے اس میں Initiative ہے کہ میرے ہڈا یکساں کے انسانی زندگی سے بہت آگے میرے ہڈا یکساں کے اس انسانی مادی کا مشورہ ہے۔

یہ جس کھیت سے دھان کو میر دھو دھو دھو اس کھیت کے ہر خوش محم کو چارو یہ انصاف کے ساتھ چارو کیا جاتا ہے جو انبال کے کام میں اس کی جاتی ہے اور میرے ہڈا ایک انبال نے جو چارو انہوں اور آدمیت کے طرف کاڑ کر لیا ہے اور انہوں کا حکمت جاتی ہے لیکن اس میں جاتی نظر کرنا چاہیے

کہ کامیابی میں ہر انسان موضوعات پر محکم ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ لیکن کوئی ملک اور شخص اس کا ذکر نہ کرے لیکن جب دانشمندی نے سر ہوا کر لیا ایک موضوع پر انبال مانے حاصل کرنے کی کوشش کی تو اس جیسے پہلے کہ کامیاب ایک کامیاب انسان ہے۔ ظاہر ہے کہ قادر حقیقی کے کام کے ساتھ کی طرح کے کام کی کوئی طاقت نہیں ہو سکتی۔ قادر حقیقی جو ہے قادر حقیقی ہے اور انسان خلا کا ہے چاہے وہ کوئی حادہ انسانی لیے مصمم کیجے گئے کہ ان کے پاس خلا کی کائنات نہیں تھی۔ انبال کے کام میں جب ہم لوگ کرتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ انبال کا موضوع مسلمان ہے اور جب بات کرتے ہیں تو انہیں کی تہیہ کے کہ

بعضی عوام خوشی داکر دیں ہر سوخت اگر یہ وہ دہی کام لیگی است یہ موضوع مسلمان جس کے لیے وہ کہہ رہے ہیں کہ مسلمان کو اپنی عزت خود جو ہے وہ عقیدات معنوی کو توڑ دیا جاتا ہے اور جب ہم نے عقیدات معنوی کو موضوع قرار دیا تو حقیقہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام نے جس حد تک حقیقی طرائق کے مسئلے میں دنیا دہی کی ہے مادیاتی کی ہے وہ اس حد تک جسے ہم کہتے ہیں کہ گوارے سے تو گوشت کی تمام تعلیمات ہیں گوارے میں جو چھوٹی گئی پیدا ہونے والے ہے کہ ان میں انان کہنے یا کسی اور دعا کے چنے کی تاکہ کہہ۔ فیادری بات تو یہ ہے کہ اگر کامیاب انبال کا موضوع اسلام قرار دیا جائے تو حجاب مسلمان اور تعلیمات تعلیمات مادی ہی تو اس عقیدے انسانی زندگی کے وہ کھمراہ ہیں جس کام تھو کر سیکھتے ہیں نیاسے صحافت 'صحافت سب کے بارے میں انبال کے پاس اس کے مادی حلقہ میں ہے اور انبال کی تعلیم سب کا ہے عالم ہے کہ وہ صرف دیکھ کر مسلمانوں کی بات نہیں کرتا بلکہ مادی و انبال کے مسلمانوں کی بات کرتا ہے۔ تعلیم کے حوالے سے ایک بات عرض کروں کہ وہ 30 یا 35 فیصد میں تمام مضمون کو سمجھتے ہوئے انبال فرماتے ہیں کہ سبھی تعلیم کے مسئلے کے لیے تعلیم چاہے کے لیے یہ انہوں میں نے کشی یا جاننا کہ تعلیم ذہن و دستان کے لیے بلکہ اسلام کے بہت

عظیم ہے" موضوع کے انہماک سے اس میں حکمت ہے اور مادی یا سماجیک تعلیمات کہہ گئے ہیں۔ لہذا انہوں نے کہ "یہ انہماک کا حوالہ ہے جس کی ہیئت سے اقدامات کے بارے میں تو میرے عرض کرنے کا مشورہ انسانی زندگی انسانی مادی اور آقایت یہ تمام اور انہوں میں جس میں انبال نے اپنے فکر کو لکھنے کوئی کیا ہے اس بات پر فکر میں نہیں ہے اور میں یہ کہتا ہوں میں بھی میں اس لیے ایک وہ لکھنے عرض کر کے اپنے عواموں کا فہم کروں گے کہ انبال کا بارہا لیتے ہوئے تعلیم کے ساتھ چارو کیا جاتا ہو گا۔ ہم Compartments میں انبال کو تقسیم نہیں کر سکتے اس میں ہڈا نہ چاہے اگر بہت صرف انسانی زندگی کے لیے تو انبال وہی میں مادی سے جو کہ انسانی کی زندگی کی بات کرنے میں کہ انبال کا موضوع اس سے بہت آگے ہے اور انسانی مادی کا موضوع ہے۔ مسلمان مادی کا موضوع ہے تو ہمیں انبال کا مشورہ کرتے ہوئے اس کو ان Compartments میں تقسیم کرنے کی بجائے ہڈا عرض ہے کہ پہلی بات یہ کہ پہلی Totality کے ساتھ انبال کی صورت کو عقل روا جانیں۔ میں خود فکر کیا اور جو سوال ہی ایک ہی سے وابستہ رہا ہوں یعنی جان اور اس میں وہ لکھنے معلوم ہے کہ کم Printed word کے ذریعے اپنے قابل تک پہنچتے ہیں لیکن یہ ایک مادی تعلیم کا پیش ہے۔ میں انہیں ہڈا عرض کیا مشورہ معلوم کہ انبال اور چارو کہ انہوں نے انبال کی صاحبیت سے کیا کہہلا ایک نیا موضوع ہر حال انبال کا کہہلا اسے جانے جانے دانشمندی کو یہاں دیکھا۔ میں مادی طرائق کے ساتھ شریک کرنا چاہوں۔

ماجدہ انبال سید شریک مادی حلقہ صاحبہ انبال آپ ہڈی میں ہیں لیکن میری ایک عرض سننے کا مجھے with all due respect میں یہ کہہ رہی ہوں کہ جب آپ نے علم سمجھنا آنا دیکھا تو آپ نے شعر چھا کہ جس کھیت سے دھان کو میر دھو دھو دھو اس کھیت کے ہر خوش محم کو چارو تو آپ یہ کہیں گے کہ اس سے انبال کی مراد



























resolved this issue. So, the problem of ultimate reality is decided. A Muslim cannot have another view about it whether he likes it or not. So the land of the Muslim is barren as far as contested question of far is concerned because no need of ultimate reality from philosophical point of view as I have mentioned earlier can grow here. The philosopher mainly discussed metaphysics ontology and a system maker put forward the new forms of these branches of knowledge. As such Iqbal has not given any new thought on these issues. He has only synthesised the concept which great system makers had earlier propounded. At the most he was playing the role of his cholesty and the most of the Muslim philosophers were calling questions because they translated the Quranic teaching in the modern language diction and they interpreted the modern science of the world and this is all what all of them are doing or were doing. As you know Iqbal gave six lectures

we want to publicise even the smallest achievements. We always remain in search of heres and after discovering somebody we try to quantify him in all respects. So this is a chieftain, we have opted for Iqbal also and in this endeavour we have dampened his real achievement in the field of poetry and his role in awaking the Muslim nation to face the new challenges. He wanted a type of renaissance in the Muslim culture. In the longest history of Islam and the Muslim attitude towards knowledge there always remained a search for philosophers. So anybody saying something wise is considered to be a philosopher. Let me say a few things which may look unusual, I may add that this is my personal opinion as far as I think it is quite contradictory to be a Muslim and a philosopher at the same time. Reason being, the philosophy discusses the problem of ultimate reality and in Islam monotheism that is oneness of God, has

تکفیر کا Compensate اور چار صاحب نے اور اگر سید نے اس پر بحث کی تو صاحب نے کہا۔ آج لوگ صاحب نے بہت سی نیا سوچ دیا لیکن جو تھوڑا سا ہی اسلام میں ہے صاحب نے اپنی سوچ کو کھری کر دیا اور یہاں پہنچی ضرورت تھی ہے۔

اقبال نے بہت سی باتیں کہیں ہیں ان میں سے بہت سے میں نے خود کو سمجھیں ہیں بات کی پہچان کی بات کی سحر پر صاحب نے کی لیکن میں ان کی بھی سمجھتی ہوں کہ اس میں اقبال کی یہ کتاب ہے اصل فلسفہ کی The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam اس میں کوئی بات نہیں کہ اس میں اس نے کیا کہا۔ لیکن اس پر دیکھ لے یہ تو جو میں نے دیکھا ہے وہاں میں نے اس کی بات نہیں کی تھی مگر وہ چھ 7 تھیں اقبال کو اور 10 تھیں۔ اب لکھ یہ سوشل سائنس ہیں ان میں نے صاحب سے کہا کہ میں انسان بنائی بات کہیں کہتے نہیں لے کیا آپ نہیں سمجھتے یہ بات کہ جو آپ نے بات کہیں آپ کہتے ہیں کہ لکھا تھا ہے میں نے یہ بات میں نے دیکھی ہے کہ میں نے اگرچہ یہ میں لکھا تھا وہ میں ہی طرح چھتا چھتا ہوں۔ اقبال نے Reconstruction کی بات اگرچہ یہ میں نے یہ تو میں تھوڑی سی بات کہتا چھتا ہوں۔ یہ میں نے لکھا تھا ہے دیکھ چھتا میں کوئی سوال نہیں کہتا۔

I am thankful to Sajida who has called me to speak on Iqbal, a subject on which everybody can say something which is acceptable in the government quarters and to the people of Pakistan. As you know, we are dispossessed people. We want to celebrate something and



time over the forces of disintegration. There is no such thing as eternal domination in Islam. Hell therefore, as conceived by Quran is not an ever lasting torture inflicted by revengeful God, it is a corrective experience which makes a hardened ego once more sensitive to the living breeze of divine grace nor is heaven a holiday (unquote). On the same page there is a sentence every act of a free ego creates a situation and thus offers further opportunities of creative unfolding' It is quite similar to the concept of unfolding of spirit by Hegel, where spirit unfolds itself through man and the whole journey of freedom is directed towards the unfolding of the spirit.

Once somebody perhaps Platon said the poet the philosopher is a bad combination. When a thinker does not understand what to say he goes into sanctuary of poetry and takes refuge in the world to put the concepts in an ambiguous way. I always

and non ego directly from Fitey. Here I am not in a position to compare Fitey and Iqbal as far as the ego is concerned because it is a separate subject but there is always a room for future reading and research on this issue. One cannot ignore Henry Burqan while discussing Iqbal's view about duration and intuition we can find many similarities which can trigger many questions. The credit goes to Iqbal that he was bold in the times when it was difficult to say something new purely on religious matters. I will just quote a small paragraph from the chapter The human ego The freedom and Immortality from the "Reconstruction of Religious Thoughts in Islam." This is very important which I am telling and this is not mostly quoted by the Muslim Interpreters of Iqbal. "Heaven and hell are states not localities. Hell in the words of Quran is Gods tender fire which mounts above the hearts. The painful realization of one's failure as a man. Heaven is the joy of

in Madraas later on combined in the book form, the name of the book is Reconstruction of Religious Thoughts in Islam and previously Iman Ghazali had also written Ahyah 'Aloom-e-Din, I think that book has the same meaning as far as the topic is concerned not the content.

Iqbal was a very good student of philosophy. He was well versed in Greek philosophy and modern philosophy from Decotoward particularly he was engrossed in the reading of German idealism from Conn to Hegel. In my humble opinion Iqbal has taken much from German philosophers particularly from those who were less introduced in this part of the world. In this regard, I would like to mention the name of Fitey or you may call Fentay because in the South and North they pronounce like that and Malik Sahib is knows better. I would like to mention the name of Fitey around whom the concept of ego and non ego revolves. He has taken the concept of ego



appreciate Iqbal due to his message of observation reliance on self perception, putting emphasis on inductive method in knowing the reality and hoping towards intuition but Iqbals on the weakest sticklet when he puts forward the theory of Millat, Ummah, the modern world has proved that it was a stopia which never saw the light of the day. This concept never entered into the realm of substance.

Finally I would like to say that these are the suggestive science which need more thinking elucidation and elaboration. We should not block our minds against the pyramid created due to our myopic vision. Thank you.

ماہر انقلاب ہیں۔ بہت غریب عقائد مسلم مرزا صاحب آپ اگر ہزارتہ دینی قرآن آپ کا چہرہ مخمر اور میں ترہ کر رہے تھے آپ کو بچنے کو بھان نظر تار کام اور آسان ہو جانے کا لگتی آپ ہو گئے نا رہے تھے دینی قرابت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے انکی ضرورت ہے کہ وہ دانش پر پہلے نہیں کی تھیں وہ ہم کہیں۔ جناب مولیٰ صاحب۔

مولیٰ صاحب حضرت عارف بہت اچھی محفلہ قافلوں میں رہے اور آج تک صاحب نے کی اور تارے دست عجم مرزا صاحب نے بہت اچھی دانش کی ہیں۔ میرا تو کوئی Claim نہیں ہے knowledge of Iqbal کا جو سارے عقائد کی

محیط سے جرات میں ہیں کیا پڑتا ہوں وہاں نہ ملتی تو اچھا تھا۔ Fundamentalism کے بارے میں ہے میں کہتا ہوں کہ ایک صاحب نے جو اس کا ذکر کیا ہے ان کا حضور نہیں تھا کہ کوئی کھو کے مولیٰ ہو گئے ہیں۔ ان کا حضور مجھے لگتا ہے کہ وہ یہ کہ ایک Justice stood for justice اور جو ہمیں جس کے لئے اگر کوئی کرتے ہوئے اپنی جنگ کرتے ہوئے کوئی اسے Fundamentalist بھی کہا ہے تو یہ وہ ضرور کی جناب دینے کہ ایک ہے اگر ہمیں کا مطلب Fundamentalist ہے تو ہمیں Fundamentalist ہی ہوں۔

دوسرے صاحب نے جرات اٹھائی تھی کہ ہم باقی بہت نامی کا اقتدار کرتے ہیں ان terms استعمال کرتے ہوئے اپنی بروہر استعمال کی جاتی ہیں history کو distort کرنے کے لئے کہ Fundamentalism Concept Christianity People who did the literal interpretation of Bible امریکہ میں پیدا ہوا تھا وہ یہ دینی مولیٰ ختم نہیں ہو گیا قرآن ایک تو Literal interpretation کے ساتھ ہی کرتے تھے اس interpretation کے ساتھ ہی زندگی کے دستور ضرور کرتے تھے۔ یہ کوئی انکی یہ بیکار بات نہیں تھی جو کہ لکھی۔ تارے اس تاریک سیاست میں۔ جو سطوں ہے اسکا اس سے کی تھی نہیں ہے خاص طور پر انقلاب کا کوئی تعلق نہیں ہے کہ ایک Fundamentalist Philosophical developments, particularly in the field of religion ملتی ہیں ان کو reject کرتے تھے صرف اپنے آپ کا اچھا تک سمجھتے تھے۔ جب کہ انقلاب میں وہی وہ سارے علوم کا مطالعہ کھوئے ہیں۔ سطوں تہذیب میں جو developments ہوئی ہیں ان کو reject کیا ہے

کرتے تھے ان کو سب کا reject نہیں کرتے۔ مولیٰ جی میں کہ reject نہیں کرتے اس لئے ان کو Fundamentalist کیا ہے نہ ہی تارے ان کے تارے صاحب نے لکھا تھا کہ میرا دینا تھا اس کا عقیدہ انقلاب میں اس لئے کہ میں ان کو جس کا وہی پاتا ہے اس کی interpretation کیا رہتا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت عارف قرآن شریف کے حلقوں یہ کیا کرتے تھے اگر قرآن جو عقیدہ ہے کہ ایک جو مولیٰ تھا ہے اپنی عرض کی interpretation کر لیتا ہے دوسری بات ہے کہ کہ انقلاب کو Fundamentalist کی باتیں میں ان بہت ہی غلط ہے absurd ہے کہ کہ انقلاب کو deny کیا ہے نہ ہی عقل ہے کہ کہ انقلاب change کے لئے نہیں تھا کہ انقلاب بہت دینی مولیٰ کے لئے تھا کہ اس کا intellectual تہذیبی ہی کا ہے اور Fundamentalist میں change کی کوئی گنجائش نہیں تارے ہیں جب اس قوم نے مدافہ کیا۔ جب دینتہ ہواں نے Iranian Revolution پر اپنی غلط Fundamentalist کیا قرآن کا یہ دینا ہے تارے دینے والے کی ہیں۔ اپنے دینا کی ہیں جنہوں نے ان کی کتابیں نہیں دے دیں کہ اپنی طور پر بھی جانتے ہیں کہ ان کو جیسو دین کا کوئی علم نہیں تھا کہ جیسو دین میں اچھا دینوں سے بھی تارے دینا ہے کہ ان میں نے اس کا پورا پورا اس محفلہ کر دینا کیا ہے وہی جو reject کرتے ہیں وہ بہت دینی عقلی ہو گئے اور انکی عادات دینے اس پر مدافہ کر کے ہیں اور نہ کرنے تو بڑے غریب۔

ماہر انقلاب ہیں۔ ایک بڑا ایک بات کا میں آپ سے ذکر کریں۔ بہت ساری پہلے کی ایسی ہی اسے دینوں نے ایک بیکار کر دینا تھا ان کو صاحب اس وقت کی ایسی تھی تھیں ان وقت میں اس محفلہ میں وہ مولیٰ نہیں تھے کہ ان کے جو صاحب کے خلاف کہ کیا تو میں بھی دینی تھی میری بہت سے سیدہ تھی کہ ہم جو صاحب کو defend کرنے کے لئے تھے



تھے۔ تو خود اس بارے میں وہ اپنی ہی صورت وگی  
 کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں اب  
 اس کو ختم کر رہی ہوں تو یہاں کہیں بھی جائے گی تو وہ  
 بالکل درست ہے۔ تاہم یہ avoid کر رہی  
 رہا ہے کہ صاحب۔

جے جے جے : میرا خیال ہے کہ یہ  
 Fundamentalist کا جواں کیا جائے  
 اب بحث کا موضوع اس کے زمانے کی کم مضمر  
 سے بچنے کے بارے میں ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ  
 انہیں بھی defensive نہیں آئے۔ یعنی میں صرف  
 سے میں نے انہیں Pan-Islamism کہ  
 دیکھنے کے ایک حصہ کا دیا تھا اور وہ  
 Pan-Islamist کہا جاتا تھا تو انہوں نے ان کے  
 معنی میں terrorist قرار دیا تھا۔ یہ وہ کیا  
 کہ آپ Pan-Islamist ہیں تو انہوں نے کہا  
 ہاں میں ہوں لیکن Pan-Islamist کا مطلب یہ  
 ہے۔ انہوں نے اس کا مطلب ایسا بیان کیا کہ  
 Pan-Islamism کی جو مراد تھی اس کی  
 مراد ختم ہو گئی تو میرا مطلب کوئی اس طرح کی  
 بات نہیں تھا کہ آج وہ ہوتے تو اس کی قیادت  
 کرتے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ defensive نہیں  
 آئے تھے۔ اب جب کوئی کہا تھا تو یہ نہیں سمجھتے تھے کہ  
 نہیں ہو رہے۔ سمجھتے تھے ہاں میں ہوں لیکن  
 Pan-Islamism کا مطلب تو  
 Humanism ہے اور یہ کہ میں نہیں ہے۔ بالی

ایک بحث کا Commentariat کا صاحب  
 کا خیال ہے کہ وہ بالکل غلط ہے کہ کوئی بہت غلط نہیں  
 ہے۔ بالکل غلطی کا سامنا ہے تاہم اس کا کہنا ہے  
 ہے۔ فلسفہ زندگی سے اس کی  
 ہے مضمراتی ہی اس کا قصد ہے  
 میں سمجھتا ہوں کہ جو مضمراتی مراد کی  
 categories میں اور definitions میں  
 خود دیکھنے میں اس project میں لیکن ایک ذات تھا  
 کہ materialism کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ  
 کوئی کہیں کوئی ہر قسم کی اسلم نہیں ہو سکتا  
 لیکن فلسفہ کے یہاں میں قدم رکھنے کے لئے سب

سے پہلے خود اس بارے میں کہ مضمراتی ہے اور بالکل  
 فی الواقعہً ناقابلِ اعتراض ہے۔

جے جے جے : میں نہیں سمجھتا کہ  
 Intellectual curiosity ہوتا ہے کہ وہ  
 تو میرا کہنے کے بعد اس کی کہہ سکتا ہے کہ جو درست  
 میں اب اس بات سے قطعاً قطعاً میں یہ کہ  
 بائیں پہنچا ہے کہ Existentialist سے فاضل کا  
 ہوا ہوا سمجھا جاتا ہے اب اس کی کہہ کر رہی ہے کہ  
 بعد کے طریقے اسے خود ہی اور دیگر طریقوں کا قصد  
 زوال میں اور ہستی کی لپٹ میں آ گیا تھا  
 Suppress کیا ہوا ہے۔ مگر یہ کہ اس کی کہہ کر رہی  
 اب اس کے قریب آئے ہیں کہ ایک کتاب کا عنوان  
 ہے "Death of Metaphysics" کہ وہ  
 Metaphysic کو قطعاً سے کاٹ دیا گیا تو فلسفہ  
 دہا تو مر گیا لیکن مراد Thinking ہی ہو گئی  
 اب دیکھتے ہیں یہ ہے کہ Metaphysic کو  
 بالکل سے کاٹ دیا گیا ہے۔ یہ کہہ کر رہی  
 مگر یہ کہ وہ اس کی مراد ہی وہی سوال ہے کہ میں نہیں  
 سے کیا ہوں لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ وہ اس کی مراد  
 تو یہ مراد ہی انہیں نے مراد کیا ہے اور سب سے کیا  
 ہے جس سے بھی لیا ہے وہ مراد سے بھی لیا ہے اگر  
 تو یہی وہ Reconstruction of  
 Religious Thoughts in Islam  
 چاہتے ہیں تو وہ یہ کہہ لیا ہے اور کہاں اختلاف  
 ہے۔ تاہم میں صاحب کی بات انہوں نے کی تو وہ  
 ۲۵ ہے کہ یہ مراد Materialistic Philosophers  
 philosophy کے لئے لایا گیا ہے  
 Perpetual Recurrence سے قطعاً  
 سوال کہنا External Recurrence کا  
 کا قصور ہے Faulty ہے کہ ایک خالق کا کہہ  
 وہاں میں نہیں سمجھتا کہ یہ ہے پہلے  
 کہہ رہے ہیں کہ انہوں کے ساتھ لائق کہہ رہے  
 Materialistic Philosophers

ہیں کہ خود ہی Recurrence  
 Eternal Recurrence  
 Perpetual Recurrence  
 Habecoming ہے اس کا کہنا ہے کہ  
 قطعاً اس میں کیا جائے۔ یہ کہہ کر رہی  
 ہے کہ انہوں نے تو یہ نہیں سمجھا کہ یہ  
 کہہ کر رہی ہے کہ اس میں آیت لے کر  
 of the origin کہ تو یہ مراد ہی یہ کہہ کر رہی  
 عقلی کی حیثیت سے اپنے آپ کو جو وہی نہیں  
 کہتا اور کہہ رہے۔ قطعاً کا مطلب ہے کہ انہوں  
 سمجھتے ہیں کہ وہ مراد ہی کہ بات ہوتی ہے۔ اس  
 لئے یہ انہوں کے کہہ سکتے ہیں یہ مراد ہی  
 ہر قسم کے انہوں نے مراد ہی کہہ کر رہی ہے  
 مراد ہی کہہ کر رہی ہے کہ اس کی مراد ہی کہہ کر رہی  
 جس میں قطعاً مراد ہی کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی  
 ہے۔ تاہم اس میں مراد ہی کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی  
 صلوات کر رہی ہے کہ وہ مراد ہی کہہ کر رہی  
 Reconstruction of  
 Religious Thought in Islam  
 کہہ کر رہی ہے

اب آخری بات یہ ہے کہ قطعاً سے مل کر  
 مراد ہی کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی  
 ہے۔ اب یہ کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی  
 ہے "مراد ہی کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی  
 ambiguity ہے تو مراد ہی کہہ کر رہی  
 Symbolism ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی  
 ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی  
 کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی  
 As a craftsman ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی  
 Ambiguous کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی  
 ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی

افغانی حکم مراد۔ بالی تو بات یہ ہے کہ وہ  
 یہاں میں نہیں سمجھتا کہ یہ ہے پہلے  
 ہے۔ سب سے پہلے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی  
 کہ یہ حق ہو گئی ہے کہہ کر رہی ہے کہہ کر رہی











وہ دوا افکار، کچھ انسان کے کسی دہلی کی  
 طرف یہ انسان ہے انسان واقعی اور کیا۔ میں تمہاری  
 ساری یہاں کے دانشوروں کو ان کی یہ عقلی اور دینی ہے  
 اسلام کی عقلی اور انسان واقعی کے بارے میں یہ ایمان تھا  
 تجھ کو اور یہ سب نے سہلی کا یہ ضرور کیا۔  
 فی آدم صلائے یکہ و گدگن  
 کہ وہ آخر عقل دے یکہ و گدگن  
 اور انعام عالم نے سہلی سے یہ انعام ہے ان کی  
 بہت ہی اس کا گھر ہے اور انعام ہے ان کی بہت ہی  
 گدگن کی گدگن ہے ان کی بہت ہی اس کے آدم کا گدگن  
 کہ ان کا گدگن ہے ان کی بہت ہی اس کے گدگن ہے  
 یہ اس کے گدگن ہے ان کی بہت ہی اس کے گدگن ہے  
 نے ایک انسان کو یہاں سے یہ ان کی بہت ہی اس کے  
 کہ ان کا گدگن ہے ان کی بہت ہی اس کے گدگن ہے  
 انسانیت کو یہ ان کی بہت ہی اس کے گدگن ہے  
 یہ ان کی بہت ہی اس کے گدگن ہے ان کی بہت ہی

[illegible]

پھر خود تمام آدمی  
آئندہ انعام آدمی  
یہ ہے کہ وہ ان کے لئے  
ہے کہ ان کے لئے ہے







واکٹر اکرام صاحب: جو کہ ایک خداوندی نبی نے کہ  
 دیا۔ اچھا لکھے ہیں، چھپا کہ کہہ دو گوں نے اچھی مثال  
 پڑھتے ہیں۔ میں کہتا تھا کہ کڑی پختہ گروہوں کے۔  
 صاحب: انجیل پر ہم نے نہ کویت اچھی گیتی سے  
 نہیں کی تھی لیکن اب بھی پختہ کی صورت میں کوئی کہنے کے  
 لیا ہے تو وہاں کہہ سکتے ہیں لیکن اس میں ہرگز صاحب  
 نے پچھلے کیا کہیں نہیں ہیں کہ گارنٹی ہوئی کہنے کے  
 آئے۔ اب ان کے لیے بھی پختہ ہوتی ہیں۔  
 واکٹر اکرام صاحب: ہم نے پچھلے آج کے دنوں سے  
 اپنا سوال پوچھا تھا کہ ان کے آج کی جہاد میں  
 مظاہرہ ہوتا ہے تو انسانی دشمنی ہو رہی ہے۔ ہمارے  
 بلی کر رہا ہے لیکن کہہ رہا ہے کہ ہمارے ہمارے  
 شیرازہ کر رہا ہے۔ یہ تو انسانی دشمنی ہے کہ Clash  
 of civilization ہے۔ Terrorism کی بات کر رہے ہیں انہوں نے ہم  
 مسلم دنیا کو defensives لال دیا ہے یہ کہہ کر  
 Equating terrorism with  
 jihad مخالفین یہاں پر جی۔ ایک ناگ ہے۔ جب  
 Freedom struggle کرتے ہیں تو  
 ان کا یہ عقائد ہیں کہ وہ ان کو Justify کریں  
 گے کہ یہاں پر جہاد ہے کہ وہ انہوں نے مسلم دنیا میں  
 اگر اپنی آزادی کی جنگ کریں گی تو  
 Terrorism کہہ رہا ہے۔ انہوں نے ثابت نہیں  
 Terrorism کہہ رہا ہے۔ امرائے ثابت  
 The worst Terrorism کہہ رہا ہے۔  
 form of terrorism is war  
 تو ایک۔ ہر کہ انہوں نے 2001ء میں شروع کیا کہ  
 ابھی تک جاری ہے کہ وہ اب دنیا بھر میں چلتے ہیں تو  
 یہ سب انسان دشمنی کے مظاہرہ ہیں۔ انسانی دشمنی کے  
 تحت انجیل کا پیغام ہے کہ انسانی دشمنی کو ختم کر دینا  
 کی جیسے مسلمانوں کی دشمنی تو انسانی دشمنی کی بجائے  
 ہرگز interest ہے نہ کہ اپنی دشمنی  
 reinterpret کریں۔ تاریخ کا بھی لکھتا ہے  
 ہے کہ انہوں نے جتنے عقل حاصل کرتے ہیں تو انہوں  
 صاحب میں ہوتا ہے کہ وہ اس کے خلاف اس کا مخالف  
 نے اس وقت ہی چھوٹا تھا کہ انہوں نے تو مظاہرہ ہے

and saw, within the  
 moonlight in his room,  
 Making it rich, and like a lily  
 in bloom.  
 An angel writing in a book of  
 gold:  
 Exceeding peace had made  
 Ben Adhem Bold,  
 And to the presence in the  
 room he said,  
 "What writest thou?" - The  
 vision raised its head,  
 And with a look made of all  
 sweet accord,  
 Answered, The names of  
 those whom love the Lord,  
 And is mine one? said Abou.  
 Nay, not so,  
 Replied the angel. Abou  
 spoke more low,  
 But cheerily still, and said, I  
 pray thee, then,  
 Write me as one that loves  
 His fellow men.  
 The angel wrote and  
 vanished. The next night,  
 It came again with a great  
 wakening light,  
 And showed the names  
 whom love of God had  
 blessed,  
 And Lo! Ben Adhem's name  
 led all the rest.  
 صاحب: انجیل پر ہم نے نہ کویت اچھی گیتی سے  
 نہیں کی تھی لیکن اب بھی پختہ کی صورت میں کوئی کہنے کے  
 لیا ہے تو وہاں کہہ سکتے ہیں لیکن اس میں ہرگز صاحب  
 نے پچھلے کیا کہیں نہیں ہیں کہ گارنٹی ہوئی کہنے کے  
 آئے۔ اب ان کے لیے بھی پختہ ہوتی ہیں۔  
 واکٹر اکرام صاحب: ہم نے پچھلے آج کے دنوں سے  
 اپنا سوال پوچھا تھا کہ ان کے آج کی جہاد میں  
 مظاہرہ ہوتا ہے تو انسانی دشمنی ہو رہی ہے۔ ہمارے  
 بلی کر رہا ہے لیکن کہہ رہا ہے کہ ہمارے ہمارے  
 شیرازہ کر رہا ہے۔ یہ تو انسانی دشمنی ہے کہ Clash  
 of civilization ہے۔ Terrorism کی بات کر رہے ہیں انہوں نے ہم  
 مسلم دنیا کو defensives لال دیا ہے یہ کہہ کر  
 Equating terrorism with  
 jihad مخالفین یہاں پر جی۔ ایک ناگ ہے۔ جب  
 Freedom struggle کرتے ہیں تو  
 ان کا یہ عقائد ہیں کہ وہ ان کو Justify کریں  
 گے کہ یہاں پر جہاد ہے کہ وہ انہوں نے مسلم دنیا میں  
 اگر اپنی آزادی کی جنگ کریں گی تو  
 Terrorism کہہ رہا ہے۔ انہوں نے ثابت نہیں  
 Terrorism کہہ رہا ہے۔ امرائے ثابت  
 The worst Terrorism کہہ رہا ہے۔  
 form of terrorism is war  
 تو ایک۔ ہر کہ انہوں نے 2001ء میں شروع کیا کہ  
 ابھی تک جاری ہے کہ وہ اب دنیا بھر میں چلتے ہیں تو  
 یہ سب انسان دشمنی کے مظاہرہ ہیں۔ انسانی دشمنی کے  
 تحت انجیل کا پیغام ہے کہ انسانی دشمنی کو ختم کر دینا  
 کی جیسے مسلمانوں کی دشمنی تو انسانی دشمنی کی بجائے  
 ہرگز interest ہے نہ کہ اپنی دشمنی  
 reinterpret کریں۔ تاریخ کا بھی لکھتا ہے  
 ہے کہ انہوں نے جتنے عقل حاصل کرتے ہیں تو انہوں  
 صاحب میں ہوتا ہے کہ وہ اس کے خلاف اس کا مخالف  
 نے اس وقت ہی چھوٹا تھا کہ انہوں نے تو مظاہرہ ہے

ہے یہ ایک انجیل کے طور پر لکھے جاتے ہیں جو  
 اس وقت کے سربراہان کی لکھی ہوئی ہے۔ آج تک لکھا  
 رہا کہ کوئی پختہ  
 جس کی حالت سے دیکھ کر ہرگز وہ ہرگز  
 اس کی حالت کے ہر فرقہ فکرم کو ہا  
 تو لکھے صرف یہ کہہ کر کہ احترام ہے اور  
 انسانی ذاتی ہے جب محمود اذہ ایک صف میں  
 کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس قسم کے اظہار جو  
 دھڑلے سے بہت ہی جاتے ہیں انہوں نے انجیل ہے  
 جب سے میں آئی ہوں تب سے اب تک بہت کم  
 Quote لکھے گئے ہیں وہاں انجیل پر بہت سے  
 سے نکال دیا ہے وہاں سے وہاں سے وہاں سے  
 ہیں تو اگر آپ دیکھیں گے تو ہمارے سارے اظہار  
 آپ کو پختہ ہیں کہ میں انسان ہوتی ہے۔ شریعہ  
 صاحب: انجیل ہونے لگا ہے ہرگز صاحب  
 ذریعہ علم: میں اس کے حلقے میں ہوں گی کہ  
 بات تو یہ ہے کہ میں صرف آج اپنے سے سے  
 دانشوروں Stewart کو سنتے آئی تھی اور مجھے آئی  
 تھی اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے بہت سیکھا کہ میں  
 تک حاصل ہوا ہے کہ انجیل ہے تو صرف ایک بات  
 کہ ہمارے کی کہ ایک ہی میں ان کا میں انہوں  
 Poetry کہنے کی اور  
 Particular poem جو کہ اس کا صحابہ تھا۔  
 اور تو ہم تو ہماری جمیل سے کہانے کے ہرگز  
 نے اپنے Students کو صرف انجیل کا ایک شعر  
 چاہا کہ  
 یہ کہ وہاں سے وہاں سے وہاں سے  
 میں اس کا وہاں سے وہاں سے وہاں سے  
 صاحب: انجیل پر ہم نے نہ کویت اچھی گیتی سے  
 نہیں کی تھی لیکن اب بھی پختہ کی صورت میں کوئی کہنے کے  
 لیا ہے تو وہاں کہہ سکتے ہیں لیکن اس میں ہرگز صاحب  
 نے پچھلے کیا کہیں نہیں ہیں کہ گارنٹی ہوئی کہنے کے  
 آئے۔ اب ان کے لیے بھی پختہ ہوتی ہیں۔  
 واکٹر اکرام صاحب: ہم نے پچھلے آج کے دنوں سے  
 اپنا سوال پوچھا تھا کہ ان کے آج کی جہاد میں  
 مظاہرہ ہوتا ہے تو انسانی دشمنی ہو رہی ہے۔ ہمارے  
 بلی کر رہا ہے لیکن کہہ رہا ہے کہ ہمارے ہمارے  
 شیرازہ کر رہا ہے۔ یہ تو انسانی دشمنی ہے کہ Clash  
 of civilization ہے۔ Terrorism کی بات کر رہے ہیں انہوں نے ہم  
 مسلم دنیا کو defensives لال دیا ہے یہ کہہ کر  
 Equating terrorism with  
 jihad مخالفین یہاں پر جی۔ ایک ناگ ہے۔ جب  
 Freedom struggle کرتے ہیں تو  
 ان کا یہ عقائد ہیں کہ وہ ان کو Justify کریں  
 گے کہ یہاں پر جہاد ہے کہ وہ انہوں نے مسلم دنیا میں  
 اگر اپنی آزادی کی جنگ کریں گی تو  
 Terrorism کہہ رہا ہے۔ انہوں نے ثابت نہیں  
 Terrorism کہہ رہا ہے۔ امرائے ثابت  
 The worst Terrorism کہہ رہا ہے۔  
 form of terrorism is war  
 تو ایک۔ ہر کہ انہوں نے 2001ء میں شروع کیا کہ  
 ابھی تک جاری ہے کہ وہ اب دنیا بھر میں چلتے ہیں تو  
 یہ سب انسان دشمنی کے مظاہرہ ہیں۔ انسانی دشمنی کے  
 تحت انجیل کا پیغام ہے کہ انسانی دشمنی کو ختم کر دینا  
 کی جیسے مسلمانوں کی دشمنی تو انسانی دشمنی کی بجائے  
 ہرگز interest ہے نہ کہ اپنی دشمنی  
 reinterpret کریں۔ تاریخ کا بھی لکھتا ہے  
 ہے کہ انہوں نے جتنے عقل حاصل کرتے ہیں تو انہوں  
 صاحب میں ہوتا ہے کہ وہ اس کے خلاف اس کا مخالف  
 نے اس وقت ہی چھوٹا تھا کہ انہوں نے تو مظاہرہ ہے

## Abou Ben Adhem

Leigh Hunt

Abou Ben Adhem (may his  
 tribe increase)  
 Awoke one night from a deep  
 dream of peace,







کہاں سے ہیں وہاں سے مگر حق انہوں نے اپنی ہم عصر  
 بنیوں کو دیکھا اور اپنی طرح سے جذب کیا۔  
 میرے علم میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس نے اتنا  
 جذب کیا ہے انہوں نے کہ وہ بزرگی سے جو تکبر و  
 انہوں نے ایک سے انسان کو تہیب و زاریاں جو  
 اللہ کی رضا اور اپنی رضا کو ساتھ لے کر ایک رضا کو  
 چاہے اور ہر اہم بات پر اللہ کا بندہ ہو سکیں کا ہاتھ  
 دھرا اقبال کے پاس ایک تصور ہے اور وہ ہے طاقت کا  
 تصور یہاں ہے کہ ان کے ذہن کا تعلق ہے ہر دھرا اقبال  
 یہ چاہتے ہیں کہ طاقت ہو جائے۔ یہ ہم نے سچا ہے  
 کہ طاقت کیسے ہوتی ہے انہوں نے یہ کہا کہ اس طاقت کو  
 ہمارا ہمیں دیکھنا ہے اور ہمیں کہنا۔

ہم جس سے چاہتے ہیں کہ طاقت ہو جائے

مطلق کی بات ہے حق کی بات ہے ہر شرف کی  
 بات ہے۔ یہ طاقت کا کہنے کی بات ہے کہ ہم کیا چاہتے  
 کس نے کہا ہے اس کے لئے ہمارا سچا چاہنا۔  
 لیکن ہم ہم تک پہنچنے والا جو ان کا جذبہ ہے وہ جذبہ طاقت  
 سے پہلے کہ۔ یہ کہ ان لوگوں کے خطبات میں چلتے  
 یہ اصل خطبہ ہے۔ خطبات چھپ رہے ہیں لیکن کوئی  
 لڑائی نہیں چاہتا۔ لیکن جو دھرا اقبال نکالتے ہیں وہ اپنی  
 شاعری کے ذریعے سے پہنچتے ہیں۔

سناہ اقبال سنا: Excuse me میں عرض  
 کاوی کی سوانی چاہتی ہوں۔ میرے خیال میں ایسا ہی  
 ہے کہ اگر انہیں دیکھی ہیں جو انہوں نے خطبات میں کی  
 ہیں وہ شاعری میں نہیں ہیں۔

یہ فیض چاہتا ہے کہ: بالکل نہیں ہے۔  
 انہوں نے بہت بڑا کام نہیں کیا۔ ایک خطبہ کا جب  
 میں نے ترجمہ کیا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے کہا کہ اب  
 کہنا ہے تو خدا کا ہے تم نے کوئی مہدی نہیں آئے گا  
 کوئی بھنگی نہیں کہے گا۔ لیکن ہاتھ دھوا ہوا سلطان بھی کہ  
 سکتے تھے لیکن وہ اب کا سر چار دیتے۔ ہر حال۔  
 ہمارے پاس جب خود انسانی کی اور خود انسانی کی  
 ادنیٰ ہوئی ہے تو کوئی بات نہیں کہ ہم ان کی تہذیب  
 میں سے کسی نصیب پر عمل نہیں کرتا چاہتے۔ لیکن یہ تصور  
 نگہ ہمارے کہ ہماری عقلی کا یہ عظیم شاعر ہے ہم اپنا  
 قریب شاعر رہتے تھے کیا انہوں نے شاعر کے حوالے

Relevance کو کہا ہے۔ یہ میرا سوال ہے۔  
 آپ سے بھی سوال ہے کہ آپ سے بھی سوال ہے۔  
 Relevance دھرا اقبال ہمارے لئے کیا ہے۔  
 سناہ اقبال سنا: انکر سیمینا ہوتی ہے۔

انکر سیمینا ہوتی ہے۔ دیکھیں ہاتھ کی ہوجانے  
 کی کہ میں یہ کہوں کہ میرے سے چھوٹا آدمی ہے جو میرا  
 خطر ہے اور جو اس طرح ہے کہ وہ بھی وہ انسان ہے کہ میں  
 لہذا میں یہاں تک کہ اگر Scientist بھی ہیں تو  
 ان کی Interpretation مختلف ہو سکتی ہے اور  
 شاعری میں تو یہ بات دیکھنا ضروری ہے کہ میں بھی  
 کہ انہیں شاعری جو ہے اس کی حفاظت دیکھیں کہ میں  
 دیکھیں مگر مختلف ہیں۔ ہوش ہیں۔ ہمارے فلسفے کی  
 تاریخ دیکھیں کہ یہ کب سے دھرا اقبال اور ہر گز  
 نے کہا کہ ہم حوالہ کے خط ہیں۔ گہرا نہیں میں  
 محض کو سزا کا عمل رہتے ہوئے ہمارا دھرا اقبال تھا  
 جو کج طرح سے اس کو Represent کرتا۔

آج ہم سب اقبال کی بات کرتے ہیں تو سرکاری کتاب  
 اس کی حیثیت بھی میں بھی غائب ہیں تو انہوں نے  
 خطاب کیا ہے ان کو میں نے لے لیا انہیں کیا ہے اور  
 اس کو Practically adopt کیا کیا تو اس  
 چھپائی ہوئی دیکھی دیکھی میں صلی کی بات ہے میرا  
 کا میں نے یہاں اس قسم کے سچوں میں لے رہے ہیں کہ  
 خود اقبال اپنے وقت کے دھڑاتے کھلنے کی بات کرتے  
 تھے طاقت کی سب بات ہے کہ اس سے یہ طاقتی ہے نہ  
 درست ہے کہ وہ اپنے وقت سے کی صورت آگے ہوتا  
 ہے کہ میرا وہ انسان ہے وہ وہ بات کہتا ہے کہ  
 یہاں وہ بات میں کہتا ہے اب یہ کہتا ہے وہاں لا  
 اور میں آئے وہاں کا کام ہے کہ اسے طاقت کے  
 سلطان اس میں سے چاہی اور چاہی بات ہے وہ  
 لیجئے کہ کہ اپنے وقت کے سلطان اس کو نہیں۔ لیکن  
 اقبال نے اس کے بارے میں کہا ہے خطبات کا جو  
 دیکھیں اس میں ہر جگہ ملتا ہے وہ طاقت ہے کہ ہمارا  
 کے ساتھ سب سے زیادہ Relevant ہے بہت  
 ہے اس کے وقت کے اس میں میں نے سچا  
 کیا کہ وہ نام طویل دیکھنے کا کام کیا انہوں نے اپنے  
 وقت کے طاقت ہے وہ ہم کام کیا مگر ہر حال میں لے

کہ Truth is dear تو اقبال سے یہ کہتا ہے کہ اقبال نے  
 تو کام کیا اب اقبال کے کام کو دیکھنا وہ اس کے آگے  
 دھرا کام ہے اگر ہم اس  
 Controversy میں چلے جاتے ہیں تو اقبال ہر  
 کا ہے اقبال ہر کا ہے اقبال تو اقبال چاہا اس  
 میں ان کی تھک گئی تھی اس میں ان کی شاعری میں  
 آئی ہے۔ جب میں نے یہ بات کی تھی اپنی عقل کے  
 پہلے میں نے Fundamentalism کی بات  
 کی تھی تو میں نے Fundamentalism کے  
 حوالے سے میں نے کہا تھا کہ وہ کتاب ہے یہ سچ بھی  
 ہے ہر اقبال کے پہلے خطبے میں انہوں نے خدایا سے  
 اختلاف دیکھا ہے اس بات پر کہ خدایا سے قطعاً کہ  
 (Intuitive experience) ایک حصہ کہنا  
 تھا سائنس کی حیثیت میں۔ اقبال پر کہہ رہا تھا میں  
 تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ اس سائنس میں کوئی تو نہ  
 بھی جگہ چاہتے تھے اور وقت کے لحاظ سے یہ بات  
 چاہتے تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ وہ  
 Intuitive experience  
 ہے Prophet & Revolution کا ہے ہر  
 ایک کی عقل میں ہے اس لئے انہوں نے کہا کہ  
 human mind has the  
 capability to transcend its  
 known limits اس لئے کہ آپ ہر جگہ ہمارے  
 رکھو۔ آپ سچا دیکھیں ایک حریف اور  
 آزادی کے ساتھ اپنی سچائی کو ہمارے رکھو اب اس  
 میں ایک بات ہے کہ اقبال کی شاعری میں وہ کام  
 میں نہیں تھے تو ان کا ایک نظریہ تھا میں نے فلسفے کی  
 طرف سے آج یہاں بھی یہ بات کی کہ یہ لازم تھا  
 کیا کہ ان کا کوئی خاص فلسفہ ہے ہر آپ اس کے  
 حوالے سے دیکھیں تو واقعی کوئی خاص فلسفہ نہیں  
 ہے 19 Century تک کے Scenario کو  
 دیکھا ہے اب سب جیسے کہ میں نے کہا کہ وہ آدمی  
 اپنے وقت سے چند صدیاں پہلے آتا ہے تو ہماری  
 عقلی میں آپ دیکھیں کہ وہ دیکھیں کہ ہر خود  
 یہ سب اس بات پر آگیا ہے کہ اقبال نے کہا کہ  
 سچا دل کے لئے سچے سچوں کی نصیحت



























اول سے ہے یہ شخص میں اس پر  
 ہوئی خاک آدم میں صحت پائے  
 یہ زمانے حیات ظاہر ہے اس نے غرضی کے  
 ساتھ ساتھ لوہاں میں شوبہ ہوا نہیں ہے یا یہاں  
 تک فلسفہ غویٰ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ  
 بغیر مسلمان ہونے کوئی شخص حرجت نہیں پاسے جس کا  
 اس میں کسکا لایا ذات کا نہیں نہیں کسکا طوطی  
 کے کسی دو پہلو ہیں۔ اپنے جس کا اس میں ہر پہلو ذات  
 کا نہیں ہوا اقبال نے جو غریب کی تحریف کی ہے وہ آپ  
 کو بہت کم کہیں میں نے گی یا تاب کوئی کی ہے۔  
 اس نے تحریف کی ہے کہ شمع کا وہاں جھک جس سے  
 انسان کے تمام بڑا نہتہ جھکا جڑ ہونے میں اسے  
 غوری کیجے ہیں اور یہ کسی میں لگی ہو سکتا ہے۔ لب اس  
 میں نہیں شوبہ کا کوئی حصار نہیں ہے۔ شمس دسہ  
 دہی شوبہ کی تمکب ہے۔ جس میں مسلمان ہوں اور میں  
 انکی طرح بچا ہوں۔

۔ بہت نہیں جڑ آں در بعض

ایمان دکھا ہوں نہیں کم از کم بات کہنے کی تو  
 اہانت ہوئی چاہے۔ دیکھئے مگر اقبال ہی ایک اور  
 شاعر ہے کہ وہ عالمی ادب کا دیکھنے کی شاعر کے پاس  
 انسان کے لئے کی دنیا نہیں ہے جو اسے اقبال کے  
 اقبال کے پاس ہے اور جو ظاہر اقبال نے اپنی ایک  
 جڑی غم میں بیان کیا ہے۔ میں ابھی آپ کی خدمت  
 میں پہنچ کر نہیں ہوا ایک شاعر کے ہاں سے جس نے  
 کیا ہے اور وہ عجیب و غریب غم ہے۔ نہایت  
 دلچسپ

ایک زمانہ۔ پندرہ صاحب میں دوست ہاتھ  
 کرتا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی بات مکمل  
 کریں۔ آپ میری اپنی بات کی تائید کر رہے ہیں لکھو  
 منہ کی بات نہ دیتے تاکہ میں اپنی بات مکمل کر لوں۔  
 میں نے عرض کر دیا کہ اقبال کے وہی پہلو ہیں  
 ان کو وہ شوبہ میں بھی تھا کہ کیا گیا ہے اور اس کی سزا  
 پر بھی اسی نے کھڑکھڑایا کیا اور اقبال نے شمع کی جگہ  
 کوئی April 2011 دے اختیار نہیں کیا یہ ایک  
 بہت بڑی بات ہے اور اس کے ہاں سے انہوں نے  
 انسان کو لگی دیکھ چلا بھی کیا تھا کہ اقبال کا شام

کا Vision ہے وہ آواز کی Vision ہے  
 بہت زیادہ بات ہے کہ یہ جگہ ہے وہ قطعے کا بار اٹھانے کا  
 ہے جو انہوں نے دنیا کے ساتھ اس کے لئے جس کی کیا  
 اور ایک Pragmatic Philosophical  
 اور جس کی ہیں اس کے مطابق اس میں لگی اس کے قصد  
 نے کا کہ ایک طرف وہ ہے وہ علم و کام کی بات کر  
 رہے ہیں اور دوسری طرف ایک جگہ پر مسلمانوں کے  
 لئے ایک ایک شخصیت بننے کی خواہش کا اظہار کرتے  
 ہیں۔

میں وہ خاتون میں میں خود نہیں ہے۔ مسلمان  
 ہو ہی وہ انسان کا ایک حصہ ہیں۔ عقلی اور شاعر  
 ہونے سے زیادہ اپنی جان کا شام ہے وہ  
 Visionary کی شخصیت سے ہوا وہ انسان کے لئے  
 بھی مسلمان کا استعارہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ آپ  
 اس جگہ کو ابھی Overlook کر رہے ہیں اصل  
 آپ یہ کیا چاہتے ہیں کہ ہمارے ہاں کیا ہوتا ہے کہ جو  
 شخص نہیں لیا کہ کسی کی تائید میں دیکھو کہ میں نے کسی  
 تائید میں لیا ہوا ہوں یہ ایک عجیب گنگ جاتی ہے  
 سوسنی کو ایک جگہ بہت دور کیا ہے جب وہ غم کرتا  
 ہے مگر جب وہ دیکھتا ہے کہ وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے  
 حال نہ کہ وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے  
 کہ وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے

۔ کیا زمانے سے نفا ہے سوسنی کا جزم  
 ہے گل بکرا ہے صحن لب کا حراف  
 Compliments انہوں نے دیا کہ کو  
 دیا ہے وہ ان کی دیکھ کر دیکھ کر

۔ وہ گیم بگلی اد کا ہے صاحب  
 تو اس کے آگے ہر بات غم ہو جاتی ہے۔ ایک  
 بات اور میں خود ان کی جو بات صاحب کے حقیقی  
 آپ نے بات کی اور میں نے آپ کیجے کا پہلی  
 صاحب نے نہیں کیا تھا کہ ان کا شاعر ہے کہ اس کا شام  
 ہو کے دیکھا ہے انہوں نے یہ کیا تھا کہ ان کا شاعر ہے  
 اور اس کا شام کے شاعر کے لئے ایک حصہ کہ کہ کہ  
 دیا گیا ہے۔ ان کے لئے ان میں بہت فرق ہے۔

انسان صاحب۔ یہ عجیب کرنے کی بات نہیں  
 ہے۔ میری کتاب ہے اس کے اندر یہ میرا جڑی ہاں

ہے۔ یہ پچھتی آواز کی آواز کے ساتھ میں ہم نہیں کر سکتے  
 ہو ایک میں یہ ہوں گا کہ اقبال کے بارے میں اس  
 حوالے سے کہ وہ انسان وہاں کا کہن کا پہلو ہے اس پر  
 زیادہ سے زیادہ کام ہوتا ہے اور اس میں کچھ نہ ہو کہ اقبال  
 میں موجود ہے نہ کہ اس کے ہاں وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے  
 کہ وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے  
 ساتھ ساتھ اس کے ہاں وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے  
 جو اس کو عالمی سطح پر ایک خاصہ خاصہ جگہ ہے جس میں  
 صرف ایک صفت ہو ان کا کہ اس شخص میں چھٹی بھی  
 جھگڑا کوئی ہے نہ کہ اس کے اندر وہاں سے کہ وہاں سے کہ وہاں سے

۔ گنگ ہے میری بات یہ افادہ نہیں ہے  
 سب کچھ ہے میری قوم میں ظہر نہیں ہے  
 کچھ اس میں حضور نہیں ہاں نہیں ہے  
 اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے  
 ساتھ اقبال میرا وہ ہم سب جانتے ہیں۔  
 پندرہ صاحب

پندرہ صاحب وہاں پہلے تو میں اس کے بارے کا  
 نہیں دیکھ کر اس کے کہ میں نے آج کی اس شکل میں ہم  
 سب کو ایک جگہ ہونے کا سوچا ہے اور خصوصاً اس کا  
 صاحب کی فکر گزار ہوں کہ انہوں نے ان کے اندر اقبال کی  
 اور ان کی آواز کا شعور کیا ہے۔ یہ ہے  
 کہ ان کی ان کی صاحب نے فرمایا کہ اس میں شعور ہے  
 بہت کم تھا گیا ہے کہ میں ہم جانتے ہیں کہ اقبال کا کرم  
 یہ نہیں کہ وہ صرف شرقی کا شاعر ہے یا صرف ایشیا کا  
 شاعر ہے یا صرف یہ لکھنا کا شاعر ہے نہ یہ لکھنا ہوگا۔

اقبال کے کام کا ساتھ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے  
 پہنچے ہیں کہ اقبال کے ہاں وہ عالمگیریت ہے وہ  
 آواز ہے ان کے کام میں اپنی دست ہے اپنی  
 کوئی ہے کہ ہم ان کا شاعر شرقی یا ایشیائی نہ سمجھ  
 نہیں کر سکتے۔ جہاں تک ان کا شعور ہے اقبال  
 نے جیسے کہ ان کی ان کی صاحب میں لکھا ہے کہ اقبال  
 نے جو بات کی ہیں ان کے صاحب صرف مسلمان نہیں  
 ہیں بلکہ انہوں نے مثال کے طور پر غرضی کا قصہ بھی لکھا  
 ہے اور انسان کو کھوٹا کر اس کا فعل دیا ہے۔ اس میں یہ  
 شخص نہیں ہے کہ صرف مسلمان ہی غرضی ہیں







تو زمین کے لئے ہے نہ آسمان کے لئے  
جہاں ہے جہی کے لئے تو نہیں جہاں کے لئے  
نیک و شر اگر آپ نہیں ملاحظہ کیجئے تو  
غیرت کو لڑ کے سودا کر  
تجربہ جہاں رنگ و بوی کر

مردم آدم خانی کے ہنر ہیں تمام  
یہ کھانا یہ سٹھنے یہ نکل گئی افلاک  
میرے تو یکہ اقبال کا یہ بہت بڑا کام ہے  
کس نے کیا ایسے میں عالم انسانیت کو مصلحت  
ایک انگلی کی کہ نہ ہندو کی خوشی و مصالحت  
ہیں وہاں کہ وہاں ہوا میں تو اب بھی کائنات کو ٹھہر کر  
تکے ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اقبال کی وہ انسانیت ذاتی  
ہے جو سرور تک انسان کے لئے باعث شرف ہے۔

مجادد اقبال جو آپ کا بہت شرف  
جانب مزاج اور سوشلزم بہت دلچسپ ہے اور  
جہاں کہ پہلے بھی کیا کیا اقبال کو انسانی نکتہ کرنے کی  
کوشش کی پہلی ہے تو میں اس معاملے سے گئے کا  
خاور میں کا کہ میرا خیال ہے انسانیت میں ہی اقبال  
انسانی شاعر کے ہاتھ میں جنوں نے ایک نئے  
انسانییت کی طرف تڑپا اور مجھے انسانی سے زبان کے  
اس ہندو کہ جسے میں گئے کہ گرجا نے کائنات کو  
وہاں دیکھا کہ انہوں نے ہاگہ ہاگہ پاں کی تھڑکیوں  
کے آواز پر کیا ہوا اور ہوا۔

مجھے پہلے بھی کیا کیا کہ اقبال کا فلسفہ خودی پر  
ہے وہ انسان کی در پلٹ ہے اور انسان کو اس کا  
Status اپنے کے لئے انہوں نے ایک بہت داغ  
Direction میں سرکاری بین اس کو اصل مقام  
لانے کے لئے میں یہاں ایک شعری اقبال کہ  
بغضائے لم یزل کا دست قدرت تو انہوں تو ہے  
تجلی پیدا کرے ہاتھ کے مطلب میں تو ہے  
تو اسے چاند امروں لڑا سے نہ ہٹ  
چندوں میں رہاں بر دم جہاں ہے لنگی  
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں  
اسی روز و شب میں اچھ کر دہا  
ابھی حلق کے اچھاں اور بھی ہیں

میرا ایک بڑا کام ہے کہ انسانوں پر توں کیا  
اور ان کی زبان طاری کا لہذا خودی ہے۔ لیکن  
اقبال نے ایک ہاتھ چھ اہل میں انسانی کو اس کا  
حکم چھانے اور اس کو اس کا Status دینے کے  
لیے اس کے اندر ایک ہاتھ ایک رنگ بنایا  
تو میں سمجھتا ہوں کہ اقبال کا یہ ایک آفاقی اور سیکر  
پیغام ہے اس کے اصل Consciousness دیکھا  
جائے تو وہ پہلے اس پر پورا اترتا ہے کہ انہوں نے  
انسان ذاتی کا ایک بہت زیادہ پیغام دیا ہے۔  
شرف

جانب ماحول اور میں پتھر میں آبی پتھر  
ہوں۔ پہلے تو میں آپ سب کا شرف یہ کہ انہوں کر  
آپ نے میں اس بہت سوز کا اہل احترام محفل میں  
انہوں خیال کا سرچشمہ فراہم کیا۔ موضوع پیدا کر کیا  
کہ انہوں اقبال اور انسانی ذاتی بہت دلچسپ اور بہت سی  
اچھا ماحول ہے اور جہاں بھی کیا کیا کہ اس  
موضوع پر وہ کام نہیں ہوا میں یہ عرض کروں گا کہ  
اقبال جس حد کے شاعر ہیں وہ اس سے پہلے ادب کی  
داعیت ہی سے ادب کی داعیت تھی وہ ان کو علوم  
کے اور ان کو انسانییت کی حد تک جان کر تھی۔  
میرے کہنا کا مطلب ہے کہ حقیقت نگاری کے اس  
قدر ملاحظہ پر ان کی نظروں کی تھڑکی کرتے رہا اور تھوڑ  
کے بے قصوروں کو دکھا اور ان کی بے ضرورت  
لہجے کا اور وہ ان پر نہ پڑتی کیوں کی پھر نہیں کرتے  
رہا میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ اس سے  
معاذرت میں ہے میں نے اور اس کی ایک نو نظر  
آئی ہے۔ اقبال ان کو سب مضامین کے بہت مہار ہو گئے  
میں نے لکھا ہے کہ یہ کون کا کا وہ ہے کہ وہ ان کی  
قدارت ہے۔ میرے کہنا پر مطلب یہ کہ انہوں نے کہ  
میں اپنے کا لنگی ادب کی جو اہیت ہے اس کی جو  
اہیت ہے یا اس کی جو ایک ذہنی مضبوطی اور توانا  
داعیت ہے اس کے خلاف کوئی بات کہہ چاہا وہاں ہا  
میں اس داعیت کو کہنے کی بات کہہ چاہا وہاں ہا  
میں ہے۔ تاہم یہ کہ میری داعیت ابھی تک میں نظر  
آئی ہے سو ان کی داعیت تو میں تک پہنچی ہے اور میر  
دار کا یہ داعیت خود اقبال تک آئی ہے۔ بہت مہاری

ان کی ادب کی داعیت جو میں ابھی تک نہیں لکھی ہیں۔  
لیکن سمجھتا ہوں کہ اس میں ابھی میں جسب سے وہاں  
توانا اور ایک مہار اور ان کی آواز جانی دیتی ہے وہ  
مہار اقبال میں ان کے ہاں ہے وہ ایک نئی آواز  
ہے کہ میں نے ہم کوئی نہیں لکھی تھی۔ میں نے عرض  
کروں گا کہ اقبال کی مہاری ذاتی کا وہ اس کے اندر  
اور اس کے گہرا گہرا ذاتی ہے وہ انسانی میں لکھی اسے  
بے ہوا انسان کی ایک طے کر چکے ہیں۔ میں نے  
وہ ہے عالم انسانیت کی بات کرتا ہے وہ انسان کی  
داعیت کرتے ہوئے داعیت میں لکھتا ہے کہ

تر شب آفریدی چرخ آفریم  
سنان آفریدی لہج آفریم  
وہ قافے سے بھی اس طرف سے ہم کام ہو جاتا  
ہے اور ایک مہار اور وہ میں میں میں لکھتا ہے  
سنا ترے شہر قافرانہ کے انہوں کی کہ وہ انسان  
کا تحصیل ہوتے ہیں دیکھ سکتا ہے وہ ان کی بھی  
سنا ترے شہر قافرانہ کے کہ

بہر خم فرخیں کو دست لقا ہے  
میں یہ جملہ ادب بھی تمام زبان  
اقبال کا یہ مرکزی نقطہ ہے وہ انسان کی  
داعیت ہے وہ اس کے ساتھ ساتھ میں یہ عرض کروں گا کہ  
شعر ان کا ہے میں نے عرض کر چاہا کہ اقبال کی کلامی  
خانوں میں اپنے کے لکھنے دیکھنا چاہئے میں میں اس کے  
عشق و شہزادیت کی بات کریں ابھی ابھی میں کی بات  
کریں گی ان کے فلسفہ ان کی بات اور ابھی انسانی ذاتی  
کا تار کا ہے وہ سمجھیں ہم اس کی ہر گز نہ اور  
آقا جت کی بات کریں۔ میں اقبال کو d A  
جاننا کہنے کی ضرورت ہے وہ اس کا وہ پیغام ہے  
اس میں تاہم کہ یہ ایک آقا جت ہے وہ میں لکھتا ہوں  
بے ہوا میں یہ لکھتے ہیں کہ ان ایک طے کا تاہم  
میں بے ہوا ایک آقا جت ہے وہ اس کا  
پیغام ابھی ایک آفاقی پیغام ہے۔ شرف

سوز و محبت سوز گاری میں یہ معلوم کرنا چاہتا  
ہوں کہ اس کا پیغام کیا ہے۔ میں نے عرض کر چاہا  
بے ہوا تو ماضی آن پہنچے کہ اس کا پیغام کیا ہے  
کہ ان کا چاہتا ہے اس نے عالم انسانیت کو پیغام کیا کہ







گازن میں ان کو Pervizul کو کر دیا گا اور یہ ایک بہت بڑی خدمت تھی آپ عمران صاحب کی کراہی جتنے وقت پہلے میں ان کا وہ منہ ہے ان کا یہ اقبال کے بارے میں ہے Khusbani ہے وہ عمران کی ہے آپ انہیں ضرور دیکھیں اور مجھے کوئی کراہی ہے

اہل کفر صاحب آج کی لڑائی کی بات ہے کہ ایک ایسی شکل پائی جاتی ہے جو اقبال کے گروہ یا صدر جو یکسو ہو سکتی ہے لگائی جاتی ہے جو اقبال کے لیے ہے اقبال کو صرف مسلمانوں کا مشرقی گروہ یا گروہ شمار کیا جاتا ہے یہ گروہ بات ہے اور بات کیا جاتی ہے یہ بات مشرق کی بات ہے کہ اس سر پر اقبال کی بات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور انسان مادی کے حوالے سے اقبال کے بارے میں باتیں ہوتی ہیں اور بھی باتیں ہیں جس میں ان کی تائید کرتا ہوں۔ لیکن ان لوگوں سے جو اقبال کو صرف اور صرف مسلمانوں کا مشرقی گروہ شمار کرتے ہیں یہ ضرور کہا ہے کہ ان میں کبھی ہم دیکھیں کہ ان کا اقبال کبھی اب گروہ کا قبضہ تھا اور گروہ کو یہاں سے باہر لائے اور اقل کی آزادی کی باتیں ہو رہی تھیں کہ اقبال نے اس قبضہ صرف مسلمانوں کی آزادی کی بات کی تھی اس وقت نہیں لے گریزوں کو یہاں سے نکالنے کی بات کے بعد یہ ضرور کیا تھا کہ ایک طبقہ اس سے پہلے ہے اسلام کا کام لے رہا ہے اس کے لیے جو وہ دینی ضرورت ہے۔ یہ بات اگر انہوں نے کی تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس پر قبضہ نہیں کیا اور مسلمان بھی کہ اقبال ہمارے شمار میں اقبال بہت آتی ہے بلکہ وہ بہت کچھ ہے۔

بھٹاکے موٹی پ رکھا ہے تو اسے دھتکے  
 ۱۰۰ گاما ہے ۵ پھول سے اجڑا کر  
 اس سے مراد سلطان محمد ہیں۔ خدا کی ۱۰۰  
 مخلوق ہے جسے خدا نے زمین پہ لکھا ہے اور اس سے  
 محبت کرتا ہے، ان تمام میں پ بات کرتے ہیں اور تیرے  
 خیال میں وہ انسان واقعی کی بات کرتے ہیں اور اس کا  
 پ کھانے کی عقل کرتے ہیں کہ خدا صرف مسلمانوں  
 کا خدا نہیں ہے بلکہ انسانوں کا خدا ہے۔

$$e^{-\beta H} = \int \mathcal{D}\phi \exp(-\beta \mathcal{H}[\phi])$$

پیارے دوست! یہ کہیں 2021ء کی چوتھی مارچ کے  
تقریبات صرف یہ ہے کہ انسان کو بھی عقل میں  
بہت خدا کی طرف رجوع کرنا ہے تو خدا کی طرف  
قلوب کرنا ہے، وہ انسان کو بھی اس کے لیے مسلمان بنانا  
ضروری نہیں ہے۔ اقبال کا اس قسم کا بہت سزا کا کام  
موجود ہے، وہ انسان نے بہت ساری کوتاہیوں والی چیز تو  
بھروسے خیال میں ہم اقبال کو جب بھی چاہیں اگر  
الفاظ کے حوالے سے چھپس بھپس کی قسم کی کو  
دیکھیں۔ اقبال کے تمام آثار کی پیمائش ہے کہ وہ  
دنیا بھر کے انسانوں کے لیے جی بھی اچھا بھرا کہ انسان  
ان سے محبت کرنا ہے کہیں تک نہیں ہے چاہے جانیں اقبال  
اسی مسعود ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں وہ تمام کے تمام  
انسان ہیں اس لیے انسان کو ان کے حوالے سے اقبال  
پکارتے ہوئے ہیں۔

مجاہد و اقبال سید اقبال اگر خود کو سلسلہ میں سمجھتے تھے تو انہیں اس کی وہ نظم نہ ملتی جہاں انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور راجع ہوتا ہے جو ہائے کائنات کے

آج کل وہ حاملہ ہے مگر تیرے جیسا میں  
 میں سچ بہت بڑا حوصلہ کے حالات  
 فی صاف ہونے صائب۔ جیسا آپ سے  
 صحت کرم نے آپ کا بہت انتظار کیا مگر کیا میں  
 پرکرم میں نہیں کرنا چاہوں کہ وقت کا وقت کا ہوا  
 حق اس کے جتنا کہ گھر کے ہی وہ مجھے سے  
 دیکھ کر کام میں آتا توں چاہا میں کے گھر اس  
 وقت آپ بکرا نہیں۔

مادرِ پرہیز: "نہیں میں تو کوئی حلال کھا کر نہیں  
 آیا۔" کہہ کر Notice دے کر آپ کے کپے و شلّا آپ کو  
 دے دیں گے۔

[illegible]

گیا ہے یا بھی بہت سچا انتخاب ہے نہیں کہ قبول کرنا  
 بشری (humanity) ان لوگوں سے بہت ہی لمبائیوں سے  
 جو بہت ہی کم عمر سے کہیں قبول کرنا ان کے کام میں  
 جانا ان کا کارکنی ہے مگر جہاں کا کارکنی بہت سے  
 ہے اس کے لیے ہم جہاں پر نہیں ہے کتنی ہی جہاں  
 آپ کا جواب ہے کہ اس کے ساتھ انتخاب جہاں  
 حالے سے بہت ہی کئی ہے۔ آج کا جو ماحول  
 ہے قبول اور انسانی حق Humanism کی جو  
 فریک ہے جو بہت ہی کم عمر سے ان لوگوں نے اس کو  
 اعلان کرنا جہاں کے لیے وہ ماحول نہیں ہے کتنی  
 انسانی حق کے جو ماحول انہوں نے بنائے ہیں وہ  
 بشری انسانی حق کی جہاں بہت ہی کم عمر سے اس  
 ہے جہاں سے یہ ان کے کہ انتخاب جہاں سے وہ ماحول  
 زندگی میں ایک اور جہاں ہے اس سے آپ کا جواب  
 نہیں ہو سکتے۔ جہاں تک قبول کی انسانی حق کے  
 حالے سے مسلمانوں کا ذکر ہے ابھی جب ہم کہتے  
 ہیں کہ کوئی ماحول ہے اس کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ  
 جہاں تک انتخاب بنائے زندگی ماحول ہے تو آپ کہتے  
 کہ کتنے ہیں کہ مسلمانوں کے ماحول ہے وہ ماحول  
 مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہیں  
 قرآن میں ایک کافی کتاب ہے کہ ان کہتے ہیں اس  
 لیے کہتے ہیں کہ ہاں یہاں ماحول انہوں نے بنائے  
 یہاں انہیں بھی ہے مسلمانوں کے لیے خطاب ہے  
 اور انہوں کے لیے بھی خطاب ہے قبول جہاں  
 ہے قرآن کا ماحول ہے اس کے بارے میں کئی ماحول  
 کا ماحول مسلمانوں سے بات کرنا کہ انہوں  
 سے بات کرنا کہ اس کے بارے میں جہاں  
 آپ کو کتنے ماحول میں ہیں کی انہوں نے بہت  
 کرتے ہیں بہت ہی کم عمر سے ان کا ماحول ماحول ہے کہ  
 قبول کا ایک جہاں ماحول ہے جہاں انہیں بھی  
 ہونے کا احساس بہت ہے ماحول مسلمانوں سے کہ  
 اور یہ بھی ماحول مسلمانوں کی ایک ماحول ماحول  
 ہے اس کے ماحول ہے ماحول ماحول کے لیے کام  
 کرتے ہیں وہ (۱۹۱۱) ہے ماحول ماحول ہے  
 اس کے ماحول ماحول ماحول ماحول ماحول ماحول  
 ماحول ماحول ماحول ماحول ماحول ماحول



[illegible][illegible]

کہہ دیا کہ اچھا لیکن انسانوں میں اختلاف ہے کام کے  
 ۱۲۔ اہم ہے ہے۔ بہت بہت صحیح۔

ساجدہ اقبال سے جواب میں بہت کچھ عرض  
 سار صاحب کی ساری صاحب کی گفتگو سے بہت بڑی  
 فائدہ بخش رہی ہے غرض میں کا ادا ہو گیا۔ ہم جوانی میں  
 ہمیں ہے کہ عمارت میں اقبال میں لکھی ہے وہ سب کو  
 گفتگو میں کرتے تھے۔ میں نے پتہ ہے جو پتہ  
 کے لیے پتہ ہے تو ہم سمجھتے تھے کہ وہ بہت بہت  
 کرتے ہیں آج کل کے لوگ اس قسم کے

معاذ اللہ میں اقبال کے پتہ میں کہ میں  
 وقت میں نے بات کی تھی میرا موضوع نہیں تھا کہ  
 صرف مسطوروں کی طرف توجہ ہے بلکہ اس وقت جب  
 وہ انسانی مسائل کے پتہ میں تھے تو اس وقت  
 صرف مسطوروں ہی سے جو کہ ان کی طرف توجہ  
 تھا وہ ان لوگوں میں تھی کہ ان میں وہ سب کو ان کی  
 طرف توجہ دے لیں جسے وہ انسانی مسائل کے  
 کرتے رہے تو ان میں انہوں نے مسطوروں کو انہیں  
 جیسے انسان کے کہ ان کے انسانی مسائل میں  
 سے یہ کام تھا۔

معاذ اللہ ان کا پتہ یہ ان کی انسانی شاعری  
 میں بھی نظر آئے ہے مثلاً ان کے دہائی میں ان کی نظم  
 ہے آپ لکھتے کہ اس میں ان کے دہائی میں ہے، انسانی  
 مساوات اور انسانی برابری کی ہے۔ وہ ان کے کہ  
 ایک انسانی کہہ رہے ہیں ان میں ان میں انہیں  
 انسانی برابری کا دہائی ہے۔ تو یہ ان کے انسانی  
 انسانی میں موجود ہے۔

ان کے معنی، ان کے انسانی مسائل میں انسانی  
 جب یہ بات کہتے ہیں تو کہ بہت کچھ ان کے  
 بات کرتے ہیں لیکن ہم جیسے معمول انسان جو  
 ہمیں سے کوئی خاصا انسانی کے بارے میں نہیں لکھا  
 مگر انسانی انسانی زندگی کی ان کے بارے میں ہم ان  
 انسانی مسطوروں اور ان میں ان کے ساتھ ہم  
 ان کے انسانی سے ان کے انسانی ہیں ہم ان کے  
 ان کے انسانی ہیں ہم ان کے انسانی سے ان کے  
 ان کے انسانی ہیں ہم ان کے انسانی سے ان کے  
 ان کے انسانی ہیں ہم ان کے انسانی سے ان کے











[illegible]

وہاں کے تمام اہل کفر، مجنوں اور احمقوں نے اسے  
لٹا کر جھونک دیا۔

۱۔ اولیٰ مسلم نظام جس سے است  
 آبادی کا نظام صحیح ہے است  
 ۲۔ گورنر راجہ و سلیکٹرز غور و خجہ و احتیاط ایک  
 اگرچہ قادیان قاضی مرحوم نے ایڈیشن (۱۸۹۳) تا  
 (۱۹۶۸) تک بہت پہلے ۱۸۹۳ء میں ہی قاضی جس وقت  
 قاضی غور و خجہ و احتیاط کا ذکر کیا کہ بہت جوان کی ہے

کرتی باتو دیا کے طور پر کنوں ' بیوں اور ماہانہ  
میں ماہانہ بیوں آتی کر کے جیہ تک کے ایک  
میں اور بیوں ماہانہ کے انہی کے عرصہ کے ایک  
میں اور انہی کے عرصہ کے ایک بیوں بیوں بیوں  
میں ہے۔ عرصہ انہی کے عرصہ کے ایک بیوں  
بیوں انہی کے عرصہ کے ایک بیوں بیوں  
بیوں

[illegible]

تو جس محلِ اہم صحت خانہ نامہ  
 ہو رنگائی میں یہ چن مریوں کی ششیریں  
 طائر اقبال سافر تری دم سداوت اور ساقی  
 اساری کے خلاف مسلحی سرخسہ ہے اور وہ حوروں کے  
 حق میں آواز بلند کرتے رہے ہیں۔ اقبال نے صرف  
 انسانی صحت کے تحفظ کے لئے بلکہ رنگہ رنگ نیکو دلی  
 ہونے سے صحت کے اعتبارات سے بلند ہو کر انسانی دنیا  
 کے ہر رشتہ کو بچا دیا۔

[illegible]

فرمانے لیں کہ خود اس کا ذوق نہیں پیدا ہو۔ میرا حال اسی طرح  
 مشغول کے طور پر معلق کا ایک ہے اور اس میں میں کو کچھ  
 میں بدل کا اس وقت ہے کہ اسے جذب کا رنگ ہے اور  
 میرا میرا دل ہی تو ہے لیکن اس کا دل میرا نہیں ہے  
 لیکن وہ میری صلیب سے اسے جانتا رہا ہے۔ میرا

[illegible]

مروج اُم غامی سے اہم ہے ہاتھ ہیں  
 کہ یہ لڑا ہوا تارہ کال دیں چلتا  
 اس کا ہے یہ سوانہ سسلی سے مجھے  
 کہ عالم بشریت کی دوشیں ہے گھوڑا  
 مروج اُم غامی کے قطر ہیں قیوم  
 یہ گنگھار، یہ حباب، یہ بقیوں اٹکا  
 غوری کی حاضرت کے لئے ضروری ہے کہ انہی  
 شرس سے ہے دھروں کے آگے دھ کیا نے سے  
 خطاب دے 'اپنی پانچواں ساجزوں اور قیاس سے  
 اکلی حاصل کرے۔ اگرچہ یہ اسات گھس کا ہے اور  
 مال میں ہے اور اس کا غافل سمجھو اسے اقبال کے کلام کی  
 کائنات کی تلقین کا عنصر ہی غامی کے ہر ایک کلمہ ہے  
 کہ انہی کی غوری ہاں ہے۔

ہمارے کے نام لکھ کر جو جان کے نام سے پڑھیں گے  
 کے لئے ہر گز نہیں ہوتا ہے کہ اس کا نام  
 جو جانوں کی عام حالت ہے کہ اس کی طرف سے  
 نہیں، بلکہ اس کی طرف سے











کے لئے راضی ہے اس چاہن کا ایک شعرا آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

ملکیہ پر مکر است و فریب  
خلاف ملک و اس اعلیٰ است  
خلاف اسلامی نظام کا جو ایک نقشہ ہے شاید  
مہارت میں آگئی ہے۔ وہ مخالفت جو مخالفت سے  
ملکیہ ہی کی تھی وہ مخالفت کی نظر میں نہیں گذرے۔ حال  
اقبال مجبور ہیں وہ جہالت سے تکرار کرتے ہیں۔ حالانکہ  
مکی کہ اس نے مذہب اور اخلاقیات سے رشتہ توڑ دیا  
imperialism کو شعراء عالم (شعروں کو بہ کیا)  
کھینچوں اور کھنچاؤں کو تاریخ کیا کیا کرتے وقت کی کو  
مطلوبہ کی تھی لیکن وہ صرفی شعروں کی ہے کسی پر ہم  
ایسا ہی کہ تاریخ ہے مکی کی راجح ہے۔ اس لئے  
اسی نظام پر مبنی کو پختہ کرنا ضروری ہے اس کے احساس کو  
نورانی بنانا۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مطلب کا مجبوری نظام  
چھوہ راضی اعداں پانچلوں سے تاریک  
مجبوریت کے اس پہلو پر فوہاں مطلب نے بھی  
کھینچتی کی ہے  
خود سے اور عوام خود کو مل طراز ہیں  
مطلوبہ عام میں مجبوریت کی استعارہ مجبور اندو ہے  
بھل رنگ خوش فکری سے اس کی تخریب کرتے  
ہیں اور دیتے ہیں کہ اس نے اپنا ایک آزادانہ معاشرہ  
بھلا کیا اگرچہ اس کی سروری تخریب عام ہے جبکہ لیکن  
دشمنی میں عام ہیں جہاں اس کے حق میں جگہ پیدا ہو  
چیں اور لیکن وہ دشمنی میں ہوں ہر ایک مجبوریت سے لوگوں کو  
فریب دیا ہے فقط *barbar* کا استعمال کیا گیا ہے۔  
اقبال بھی ان کی باتوں کا تکرار ہے۔

ظہر ہے سلطانی مجبور کا غرقہ کہ شر  
تو جہاں کے جہنم حقوں سے لگیں ہے باطن  
ہم نے خود ناشی کو پتلا ہے مجبوری لہاں  
جب دوا آہم ہوا ہے خود کشاں و خود مگر  
کا دہار شہزادی کی حقیقت اور ہے  
یہ دہرہ میر و سلطان ہے نہیں ہے موز  
اولیٰ ملو چاہتوں اقبال کے ملو نظام سے  
یہ طیار ہوتا ہے کہ وہ اس وقت کے چاہے کے موز  
مجبوری نظام کے ناک تھے انہوں نے ان کی تکراروں کی

کٹاوری کی ہے وہ ہندوں کے گئے کے قصور سے عقل نہیں  
تھے وہ اس بات سے اتفاق نہیں کرتے تھے اکثریت کی  
تاریخی رائے کو صاحب رائے کی طرح برتری دیتے تھے وہ  
مجبوریت کے اس قصور کی نفی کرتے ہیں کہ اس کو مذہب  
اور دین سے ہے تاہم اخلاقیات سے آزاد کیا جائے وہ  
ایسے پہلوؤں سے اتفاق نہیں کرتے کہ حق میں اعداں  
آپ کو تکرار ہوں مجبوریت کے ہم رنگ میری تاریخ  
تعمود موزوں کی افادہ کو تکرار کا آزاد رائے ہیں۔ ان  
باتوں سے مجبوریت کی تکراروں کا خیر ہوتی ہیں  
مجبوریت کی نفی ہوتی ہیں میں نظام کو پختہ کیا گیا  
ہوایاں ظاہر ہونے لگی ہیں جس کا کاغذ پر نہیں کہ نظام کو  
occup کر دیا جائے۔ اتفاق کا نظام ہے کہ رائے کو  
اور کیا جائے استعارہ کی چاہے قوم پر حملہ ہائے۔ اگر  
مجبوریت واقعی سلطانی مجبوریت ہے

سلطانی مجبور کا آہا ہے نہایت  
جو عقل کہیں تم کو نظر آئے گا  
سلطانی مجبور ہے یہ اس بات ہے اگر اس میں  
شرعی صلاحیت موجود ہے تو یہ خدا کی ہے قریب ہے  
لیکن *Participatory democracy* اور  
دوسرے نظاموں سے بھر ہے۔ اگر اس میں برابری  
*equality* کا قصور پیدا کیا جائے جہاں بے اختیار دیکھ  
عقیدہ زبان و دل سب شرعی ہیں اور یہاں ملک  
کے حق دار ہیں *rule of law* ایسے نظام میں یہ  
صلاحیت ہے کہ اختلاف رائے اور اختلاف افکار قائم کرنا  
وہ ہے باقی عقل کے بعد آپ کا شعر ہے کہ انہوں۔

سجاد اقبال سید خان صاحب کی سمیت افراد  
اور لیالہ میگزین شکر آپ نے کیا آپ بہتوں سے کوئی  
بھی اس پر رائے نہ دیا ہے منظر کرنا چاہتے تھے بہت  
غلی ہو گئی۔ میں خود سب سے پہلے ایک بات کہ چاہتی  
ہوں کہ جب خان صاحب بات کر رہے تھے اس کے  
حضور کیا یہاں حاضر ہیں میں عقابین دہر ہماک دہر  
اس میں ایک حق *indifferent* ہے میں پر ہم  
شاید زیادہ صبر نہیں ہے کہ مطلب میں حوصلہ کی بات  
تو پہلے ہی کی چاہتی تھی لیکن اقبال وہ پہلے نظر تھے  
جنہوں نے دیکھا کہ ان کا

انکا اعلیٰ حقیقت سے ہوا ہے دیکھا ارا  
وہ ان کا طبع اس سے شہر ہے کہ پہلی عقل میں

میں موجود ہے کہ

دیکھ ہے کہ قہ کا مگر وہ  
بہتہ کہیں جس کا بھی رہنما ہے  
تو میرے خیال میں خان صاحب دیکھ  
*curious* کر سکتے ہیں اگر عقل کو ان  
ہے اس میں۔ میں یہ ممکن ہیں کہ پہلے تو دینی سے  
بھی پہلے انہوں نے اقبال کی بات کی تھی حوصلہ کی بات  
کی چاہتی تھی۔ اچھا لیکن یہ دوسری بات منظر قائم  
کر سکتے ہوں خان صاحب نے چاہا کہ

سلطانی مجبور کا آہا ہے نہایت  
جو عقل کہیں تم کو نظر آئے گا  
تو وہ انہوں نے کہا کہ قائم خدا کی ہے بہت  
قریب ہے تو کھاتی حوالہ۔ و اقبال کے کالے سے  
اقبال نے وہ سب پر علم بھی ہے تو وہ طوطہ خالی اپنے  
فرشتوں کا نظام سارنہ رہا ہے۔ یہ اقبال کے نزدیک  
بھی میں خدا کی بات ہے۔ یہ بھی علم ہے وہ اقبال جو  
کھنگھڑا کہہ سارم ہے یہ اقبال کی خیر ہے خدا انہوں  
نے سارا بھائی کر دیا۔

سجاد اقبال صاحب کا یہ ہے اور  
قریب تو ہے ہی انسان ذاتی ہے دانش بھائی میں ان لوگوں  
ہیں وہ سب صاحب کی جھنجھکی ہیں۔ رجعت کا ایک ایک  
تاریخ اور اندازہ دہر لگی ہے انسان نے *action*  
حصولات کی صورت میں عقل کو تشکیل کیا وہ انسان ذاتی ہی  
تو ہے کام اقبال تو وہ خود خداوندی ہے وہ کسی شاعر  
شرعی نے سوا کیا ان کی عقلی لہاں کی شاعری نے  
شرعی مطلب بدل کر کیا کر دیا انہوں نے اپنی شاعری  
میں سوا کیا ان کی عقلی لہاں کی شاعری نے انہوں نے انہوں نے  
اس کی ایک مثال ہے خان صاحب کے ہاتھ میں لکھے ہیں کہ  
راہیں دنیا چ میں ایک رات تھا کہ مگر  
گوشہ دل میں چھانے ایک جہان بظہار  
شب سکنت افروز ہوا آسودہ دنیا نرم میر  
حقیر نظر جیسا کہ یہ دنیا ہے کا قصور آپ  
جیسے گدے میں سو جاتا ہے عقل شہر غار  
مومن حضور حق کہیں گرجاں میں مست خواب  
نظر دہی شریوں کی کہ ہاتھ میں آتے ہیں

وزیر تو افروز ہوا د نہاں ہے زندگی  
ہے مکی جہاں اور مکی تسلیم جہاں ہے انہی



تو اسے چاند امروہہ و فرما سے نہ چپ  
 جاوےں حکم دیاں ہر دم جہاں ہے زندگی  
 حضرت عیسیٰ کی ترویج کی خصوصیت مثال ہے کہ  
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں  
 تازہ رہتا ہے کوئی سوئی قلم ساری  
 اور اقبال اس میں دلتے ہیں کہ ان لوگوں کو انہیں  
 میں دلتی اور اس سے جانا چاہیے ایک دوسرے کو محرم  
 نہیں بنانا چاہیے۔

نکر کی جانوں سے رازی لے گیا سرایہ داد  
 اچھلے سادگی سے کھانچا حوروہ مات  
 اٹھ کر اب ہم جہاں کا دور ہی اتار ہے  
 مشرق و مغرب میں جیسے وہ کا آغاز ہے  
 کھسارائی سے کچھتے ہیں

جیوں تک دی جہاں میں اچھے  
 آتے ہیں ہر کام دھروں کے  
 راجہ کی ہنسی کا رونا سے ہونے کچھتے ہیں

پتلیں بغلوں کا سرایہ قہر طبع ہے  
 بگی وہ قوت ہے ہر صورت کا تھکر طبع ہے  
 ظہیر شریک جنگ سعادت ہادی ہے۔ ظہیر کی تو قوت کو  
 پانے کے لئے انسانی وجد چھوڑ دیا ہے۔ کام اقبال میں  
 مرد کامل اور مرد مومن انکی اصطلاحیں ہیں جو انسانی  
 کرداروں میں مثالی ہیں۔ وہ ان صفات جو مرد کامل اور  
 مرد مومن میں ہونی چاہئیں کام اقبال اس کا واسطہ کرتا  
 ہے۔ چنانچہ کام ایک اور اعلیٰ کمال سے کہتا ہے جی  
 جو خدا کا نشانہ دہائی کے طور پر چھٹا

کی جگہ سے وفا تو لے تو ہم جیسے ہیں  
 یہ جہاں جڑ ہے کیا کوسا و دھم جیسے ہیں  
 کئی عقائد پر اہل انسانی قدروں کو ابھار کا  
 ہے۔ کام اقبال انسانی کوشاں سے وہ شایں کرتا ہے۔  
 جب انسان خود کو اٹھتے کھتے تو وہ صحت کے گنگ حاکم جہاں  
 سکتا ہے۔ وہ صحت سے نفاک بھی کرتا ہے

اگر کئی نہ ہیں اہم آسمان میرا ہے یا میرا  
 مجھے فکر جہاں نہیں ہو۔ جہاں میرا ہے یا میرا  
 اگر بھگت ہائے خلق سے ہے نامکمل خالی  
 اندھن کی ہے یا بے نامکمل میرا ہے یا میرا  
 اسے صبح تری اٹھار کی بھانج ہوئی کیا کر  
 مجھے معلوم کیا وہ بار دن میرا ہے یا میرا

مجھ بھی تیرا جبریل بھی، قرآن بھی میرا  
 مگر یہ حلق شیریں تر تھاں میرا ہے یا میرا  
 اسی کوکب کی چٹائی سے ہے میرا جہاں روشن  
 زہلی آہم خاک کی نواں میرا ہے یا میرا  
 کام اقبال انسانی ہر قسم و ہر حال میں ایک جگہ  
 زور ہے۔ اس انسان کی ہولناکی نسبت رازی اور چٹائی  
 کا درد رہتا ہے بگی انسان کے لئے منزل تھوڑی کچھتے  
 کا اور میرا ہے حضرت علامہ نے باگ و باہل جبریلؑ  
 ضرب بچم کے گوارہ بھی اچھی مصوری تھوڑی ہے انسان  
 دہائی کی جھلکی دی جیو۔ بگو اساتذہ کا کام اقبال  
 پڑھانے میں کامل حاصل ہے۔ پڑانے اساتذہ کی بات  
 نہیں کروں گی۔ آج کل کے اساتذہ میں جو حد بھی ملتی  
 صاحب قریظ ہیں اور ان کے مسائل تو صرف مہدی صاحب کا  
 نام ضرور لوں گی۔ مخلص اور اساتذہ کا کام اقبال تمام  
 جانوروں تک ملتی ہے اور اس میں بچم جانناں دہائی کی تیرت

اور کیا ہے۔ ایسے میں کام اقبال کا گناہ نہایت ہے جو  
 انسان کو کھٹکتا اور بگڑتا ہے کہ ہے۔ اقبال معزالت  
 کرتے ہیں کہ جس دہائی کی پیروی میر حسن نے دہائی کی  
 اور جس دہائی میں اس نے کئے یا ناقابل نے نہ دیا تھا  
 اس کے آخری مرتلے آرمیو کی تھیوڈ اور پری سے ملے  
 ہوئے۔ جو پھر نفس کو تھوڑے شہرے کے خاص طور پر  
 "معتقی ہیں کہیں کہ انہوں نے اقبال کی شہرہ دہائی الم  
 اسرار غیبی" کا انگریزی ترجمہ کر کے اس پر دیا ہے اور  
 حوالہ لکھ کر کہ ہے۔ یہ آپ اور میر کا کام اقبال سے وہ شایں  
 کیا ہے۔ چنانچہ دہائی ہی تو ہے جس نے مشرق و مغرب  
 سے دھنک کر آیا۔ اس طرح ہندوستان کی علمی دنیا میں  
 جتنے نامور اساتذہ میں میرا ہے جتنے سوانہ عالی الخلی  
 انکھول آبادی سب سے اقبال کی صداقت اور عداوت  
 رہی۔ اس کے سرور اقبال کے کام میں میرا اقبال کا اثر بھی  
 طویل ہے چاہے ہے۔ بگی انسان دہائی کا ایک مثال ہے۔

دو دم میں بھی کسی شخص میں قادی تریکیں اور  
 قادی تریکیں پہلے سے بہت زیادہ ہیں۔ اس طرح قادی  
 کے لئے اسے پانے اور انھوں سے انسانی دہائی کو تیرت  
 ختم ہوتا ہے۔ حضرت علامہ نے قادی ختم بھی ختم  
 حضرت کو کھڑا کیا۔ تاکہ کچھتے ہیں کو میر سے اس شخصیت  
 نہیں ہے بگی ہر شخصیت لی جائے اور اقبال اور شخصیت  
 میں کسی ایک کا منتخب کرنے کی قوت ہے تو قیاس اقبال کو

محب کر دیا۔ بگڑ گئی نے اقبال سے وہاں۔ قادی ریشہ اور  
 اس میں کا پھیل گیا نہیں۔ بگڑ اقبال کی دنیا میں نے انھوں  
 مسئلوں میں چھوڑ دی چھوڑ کر گئی ہے۔ بھلے سے تو  
 جہاں تک کہنا چاہیے کہ "میں سچا کا کھانا کھاتا ہوں۔" کہ ہے  
 (نفسی استعداد میں جس حرکت سے نہ پانے اور حور طبعہ  
 سرور اقبال کی شاعری میں کیا ہے۔ (مرقاۃ حسنہ) اقبال  
 "بہت حد تک کے اساتذہ کی زبانوں میں آج کل اقبال  
 ہی کا ہے" (قاضی خزانہ سلام بگڑ دہائی) "اقبال  
 علامہ کے لئے مسیحائی کرتا ہے اور اس نے مردوں میں  
 زندگی کی نو دہائی ہے۔" (عظمیٰ اعضاء و انکسار  
 صمدان بھٹواری)۔ "اقبال ایک شاعر جس نے  
 انسانے پر اپنا کس طیارہ" "ازاد کوئی مضمین مصرعہ" "میں کسی  
 حالت میں ہے تو غری کی حالت میں کھینچتے ہیں کے  
 کام کے حاکمیت حور طبع حاصل کرتی ہو۔" (ادبیت عالم  
 بگڑ ہمارے)

کام اقبال انسانی دہائی کا نہیں صحت ہے۔ علامہ  
 کے اس شعر پر اعلان کر رہی ہیں۔

جہاں کو میری آہ سر دے  
 ہر ان جہاں جہاں کو ہاں دے  
 خلا آمد میری بھی ہے  
 میرا وہ سمیت عام کر دے  
 شہر ہے

ساجد اقبال یہ بہت صوفیانی بہت شہر ہے آپ  
 سے ایک دور دورہ اور اس بات کر کے۔ بگی  
 ایک عالم ہے ہم کچھ کلام میرا گناہ صحت ہے اور  
 کہ کسی شاعر کا کام کا کلام چاہنا انکھول کی آواز میں جب  
 بہت اچھا اچھا گانے والے آواز کی کام لگتے ہیں۔ میرا  
 خصوصیت ہے کہ ہم نے اقبال کے ساتھ یہ گناہ رکھا ہے کہ  
 کام اقبال ہم نے قوالوں کے قوالوں سے دے دیا ہے۔  
 جو صحت میں میری کہیں کچھ جہت اچھا گانے والے ہیں  
 انہوں نے ہم کو لکھا ہے۔ کچھ گناہ لگتا ہے جی تو وہ  
 بھی جی رہی اپنی اور ہی ہے۔ آپ میں گناہوں سے  
 رنگت کرتی ہیں گناہ سے بڑھتے کا کلام افرامی۔  
 گل فرزند جب بھی نہیں صاحب نے یہ کیا کہ

کام اقبال اور انسان دہائی پر آپ نے بات کرتی ہے  
 قادی طور پر میرے انہوں میں ایک ہے اللہ آگاہ میں  
 انہیں کوں اور میرا میں نہیں کر رہی میں نہیں چاہئیں



کیونکہ ہمیں نہ مگر ۱۹۷۱ء اور مگر جب ہمیں نے عہدہ  
 دیا کہ آپ ۱۹۷۱ء لکھنؤ کا گورنر مقرر کئے گئے تھے تو کچھ  
 عرصہ پہلے سے خود گورنر اور سابق نائبی کا بھی احساس ہوا اور میں  
 نے سوچ کر کہ وہ آج کے دور میں جب بھی کسی  
 شخص کی کوئی ایسی شہرت ہو جیسی جو مصلحتوں کو  
 عام طور پر اس معاملے سے غور نہ کر لیا جاتا ہے کہ وہ  
 Congress کر لی گئی ان کو اس پر بات کرنے کے  
 لئے مدعو نہیں کیا جاتا کہ چلیاؤ، بے جا باتوں کے ذریعہ  
 نے سوچا کہ جب اقبال پر بات ہو رہی ہے تو میرا بچہ  
 نکھرے گا کہ جب بھی کسی کی ایسی شخصیت ہو جیسی  
 ہے جو دنیا میں نہیں جانتے کہ جب بات کرنے میں اس  
 کی دماغی صلاحیتیں اس کی پاس گئیں آپ کے پاس میرے پیچھے  
 آئے گئے نہ کہیں کسی شخصیت پر غور موجود ہو جیسی کہ وہ  
 جب بھی کسی کی کوئی خاص طریقہ ہے اس کو جان کر لے کر  
 کو پیش کرتے ہیں تو وہ چلیاؤ کہتے ہوں گے کیا کلمت  
 انسان ہے اس کو کہہ گئیں آپ؟ یہ کتنا بے جا ہے۔ میں  
 نے سوچا کہ میں اس بات کو فراموش کرنے سے پہلے ہی یہ  
 کہہ دوں گا کہ میں بھی کسی کی مثال نہیں بناؤں لی ہر دور  
 ”بے جا بے جا ہوں“

مہربان کرتے ہیں کام میں اقبال اور انسانی روحانی کی  
 عبادت اقبال ہمیں اسے ایک عقیدہ کا حامل بنائے گا کہ ان  
 طریقہ انسانی ”فلسفہ“ اسلام کے حادی انتخاب کے نتیجے  
 رضا یا سوسائٹ کے درمیان میں یہ باتیں اور عظمت  
 انسانی کے طور پر رہتے ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ کم  
 جب اقبال کا کام نہ چلتے ہیں تو وہ ان کی باتیں  
 نہیں جانتے انسانی کو خوش کرنے اور سہولت دینے کا ہے  
 جو ہر طرح کی حدود اور ذلت کے بغیر ہے کہ ایک بے جا  
 سامان میں رہا جاتا ہے۔ ان کی انسانی کے کسی بھی پہلو  
 کا ہم ہم جاننے لیتے ہیں تو اس میں ہمت ہے کہ باقی  
 عبادت اقبال ایک آسانی کا نام ہے کہ جو ہر شخص کو  
 سہولت میں پیدا ہونے والے ہیں ۱۹۷۱ء میں جب  
 انہوں نے حکومت چلی اور اس سال کو عبادت اقبال کا سال  
 قرار دیا گیا تو اس اعتبار سے ان کی مثال عری کو ہر کسی کو  
 گنگے پر ایک مصلحت کی بات ہے۔ جب اقبال انسانیت سے  
 محبت نہ کرتی کہیں دیکھتے ہوئے یہ کتنا ہے کہ  
 خدا کے لئے تین ہزار سال میں نہایت بے جا ہے کہ وہ  
 میں اس کا بعد ان کا جس کو خدا کے بندوں سے جدا ہو گا

تو وہ انسانی روحانی کی صورت پر نظر آتا ہے کہ وہ  
 اقبال نے اپنی روحانی کے لئے انسانی روحانی کا ایک چاند  
 صورت پیش کر دیا ہے یہاں اس کی آوازیت کو سام کر کے  
 کیا جانتا ہے کہ اس نے خود کو کسی بھی قومیت کے خاتمے میں  
 مانگنے سے پہلے کر کے لئے کیا ہے کہ  
 میں اس کا بندہ ہوں گا جس کو خدا کے بندوں سے جدا ہو گا  
 وہ ایک طریقہ ہے اس انسان روحانی کے فلسفہ میں  
 قرآن ہی کی تفسیر کو پیش کر دیا ہے کہ سب میں ہر عام  
 پر انسانوں سے محبت کے لئے آگے بڑھنے کو کہنا  
 ہے۔ جب خدا ہو گا ہے کہ تم ایک قوم آگے بڑھو  
 تمہارے لئے میں قوم آگے آؤں گا تو اس کا مطلب ہے  
 کہ میں اپنے آپ سے کسی قوم کی بات کرتا ہے۔ اور  
 جب بات ہو کر ہے وہ میں ان سے خدا کی مسلمان  
 بنائی ہے تو اس کی کوئی بات ہے کہ ہر بات کرتا ہے کہ  
 آپ انسانوں سے محبت کریں اور اقبال انسانیت سے اس  
 چار کا پیغام لے کر اپنی روحانیت کو کہہ گئے کہ تو  
 پہلے انسانی سے روحانی اور محبت کے عقل کو اختیار کر لو  
 غرض ان تمام امور کے چاروں کو اس طریقہ اور بہت  
 پیچھے بکھڑا جاتا ہے۔ اگر ہم جانیں کہ یہی وہ پیغام ہے  
 جیسا اقبال تمام انسانوں کو دے رہا ہے کہ ایک پیغام  
 محبت دیتا ہے۔ ”میرا بچہ محبت ہے یہاں تک پہنچے کہ اور  
 ہمیں بچے کہہ کر اس نے سب کا احترام کیا ہر دین  
 کی بھی کوئی تفریق نہ لگائی یہ چاروں کے لئے ہے اور ان کے  
 صاف کر دیا کہ خدا کے چاروں بندے ہیں ہر دین  
 ہر دین میں سے ہر مصلحت سے ہر خدا کے بندوں سے  
 جدا کر کے کہ جیسا اقبال تمام مسلمان مسیحی کی تفسیر کی  
 میں بہت پیچھے بکھڑا جاتا ہے کہ میں سے پہلے وہ انسانی کا  
 پیغام ہے آپ سے محبت اور انسانی کا کر دیتا ہے کہ  
 اپنے میں ادب کرنا یا ہر طرح کی زندگی  
 تو اگر میرا نہیں بننا تو ہی اپنا تو میں  
 گیا کہ میں ہی ہوں کہ خدا کا پیغام کرنے کے لئے پہلا  
 شرط طواغی کو توڑ دیتے ہیں جیسا کہ دنیا کا ہر فرد میں  
 اور کہیں کہ دنیا کو بکھڑے دینی مصلحت قرار دیتے ہیں  
 اور اس طواغی اور خودی کو بکھڑے کر کے دینے کے لئے  
 کے بعد ہی انسانیت سے محبت کو ایک ناگزیر حقیقت قرار  
 دیتے ہیں کہ وہ پہلے خود کو دے کر اپنی جہاں بکھڑے کر دے  
 اس کے بعد تو محبت اور دینی سے ان تمام بچہ خدا سے

ایک کرنے کے لئے اور ان کا قدم خدا کے بندوں پر پڑی  
 انسانیت سے جدا ہے کہ ان کو ہر طرح سے جدا کر دینا  
 عقل ہو گا۔ اس چاروں کاموں اور عقول کی عقل سے  
 اقبال نے آزاد کر دیا ہے اور ان کو آزاد کر دیا ہے اور خود کو ان  
 بندوں کی عقل میں کھڑا کرنے کی کو پیش کی ہے کہ جب  
 انسانی روحانی کی عقل میں اور ان کے خود کو انسانی انسانیت  
 کو ایک ہی پیچھے کا سامنا طواغی ہیں اور اب ان سے جدا  
 حقیقت کا سامنا کر دیا ہے کہ ان کو ایک ہی کا سامنا کر  
 دیتا ہے کہ ان کو اقبال کے لئے ایک بے غرضی کی صورت ہے اور  
 انسانیت کی بھی ہر طرح سے کہ غرضت حقیقت کی  
 جہاں میں انہوں نے کیے ہر طرح انسانی روحانی کے لئے  
 کو ان میں اور جب ان سے جیسا انسانیت سے انسانی سے  
 محبت عقل ہو جاتی ہے جب آپ کو ان سے روحانی عقائد  
 میں زندگی کا کام اور ادب اس لئے عقول کے کسی خاتمے  
 میں خدا کی عقل ہے کہ عقل کو سب سے پہلے عقل ہے آپ نے  
 ہر دین کی لذت سے بھی جدا کر دیا ہے اور وہاں اقبال  
 ”عقل ان تمام میں“ کا فراموش کر دیتا ہے اور ہر دین کا ہر  
 گونہ عقل کے چاروں سے دینی ہوتے دینی کو ان میں سار  
 سرور ان میں کا عقل بہت دور دین ہوتا ہے کہ ان کو اقبال  
 بندوں میں بکھڑا کر دے اور بے غرض چاروں سے خدا کو اپنے  
 کی بات کرتا ہے جب وہ دین سے جدا کر دیا ہے کہ اقبال  
 کے لئے ایک بے غرضی کا فراموش کر دیتا ہے انسانی سے انسانی  
 روحانی کے چاروں سے ہر دین انسانی کو اقبال خدا کے  
 قریب کر دیتا ہے۔

ماجدہ اقبال سید میں آپ کی بہت ممنون ہوں  
 محترمہ اگر فرما انصاف کر آپ نے وہ ان تمام سے سرے لایا  
 ہر دین سے ہر گنا کر دینے کہ میں خود کو سمجھتا ہے کہ جب  
 جی ہر گنا ہمیں اصل مراد ہے تو آپ نے اپنے سر پر  
 ان تمام کو تو میرے سر سے اور خود کو اپنا گناہ کو غوث عقل  
 صابر صاحب۔

محبت عقل سار سحر اور انشور اور غرضت  
 کام اقبال اور انسانی روحانی پر میری تکرار محبت اس طرح  
 ہیں۔ خاص کے داخلی جذبات میں خود سے محبت اور  
 شفقت اور محبت کر لگی ہے۔ اخلاقی اور دین کا ایک بکھڑا  
 صبر و سحر اور دین ہے جس سے سوچا گیا کہ میری انکسار  
 اور مصلحتات کی حقیقت سے لوگوں کو انکسار اور انکسار















صاحبزادہ اقبال سید محمد سرکاری آپ بیتی  
 کر رہے تھے تو ایک عظیم کلام دار اور ادیب صاحبزادہ  
 مولانا ارباب رحیم کے ساتھ اس کا تعاون فرمایا۔ ارباب رحیم  
 اس شہر تھے کہ فروری ۱۹۳۸ء کو ان کی اہلیہ کی بے یگانگی  
 سے بیمار ہو گئی اور چار ماہ کی بے یگانگی کی وجہ سے فوت ہو گئی۔  
 لیکن وہاں اس شہر میں ان کے بچے پیدا ہوئے کہ  
 کمال خان، دھرم خان، ساجد خان، رحیم خان، پیر خان  
 اور ان کے بچے کو لکھا ہے "بچہ"  
 وہ ان کے بچے کے خیال میں villain ہے  
 hero نہیں ہے۔ خارجی خان صاحب۔











## ہماری دستاویزی قلمیں



نمبر شمار	نام	دورانیہ	نمبر شمار	نام	دورانیہ
1-	غلام اقبال	20 منٹ	18-	مروا شاہ (اردو)	80 منٹ
2-	آر کینیل کچہر ان پاکستان	20 منٹ	19-	پاکستان پارسٹ اینڈ ریوئیٹ (انگلیش)	30 منٹ
3-	آرٹ اینڈ پاکستان (انگلیش)	30 منٹ	20-	پاکستان اسٹیمپ ڈرائیو (انگلیش)	30 منٹ
4-	بختہ آف پاکستان (انگلیش)	30 منٹ	21-	کارٹس (اردو)	20 منٹ
5-	گجیل بریڈ آف پاکستان (اردو)	20 منٹ	22-	بی ایم ایس کول (اردو)	30 منٹ
6-	چلڈریں آف پاکستان	20 منٹ	23-	پاکستان پورٹریٹ (انگلیش سمری)	20 منٹ
7-	کریٹ اینڈ چلڈ (انگلیش)	30 منٹ	24-	ریلی آف سوانڈ (اردو)	20 منٹ
8-	گوندہ آرٹسٹ (انگلیش)	20 منٹ	25-	پاکستان سونی (اردو)	70 منٹ
9-	آرکائیو آف پاکستان (انگلیش)	20 منٹ	26-	پاکستان اینڈ ایئر سٹریٹ (انگلیش)	30 منٹ
10-	گریڈنگ آف پاکستان (اردو انگلیش)	10 منٹ	27-	پاکستان پورٹریٹ (انگلیش)	50 منٹ
11-	جی ٹی ٹی پاکستان (اردو انگلیش)	20 منٹ	28-	آکا محکم (اردو)	30 منٹ
12-	لیکس این پاکستان (اردو)	30 منٹ	29-	سٹیٹس سٹیٹ پاکستان (انگلیش)	30 منٹ
13-	پاکستان آف پاکستان (اردو)	20 منٹ	30-	سٹیٹس سٹیٹ پاکستان (اردو)	20 منٹ
14-	سٹیٹس سٹیٹ پاکستان (انگلیش)	20 منٹ	31-	سٹیٹس سٹیٹ پاکستان (اردو)	20 منٹ
15-	پاکستان آف پاکستان (انگلیش)	20 منٹ	32-	پاکستان آف پاکستان (انگلیش)	20 منٹ
16-	پاکستان آف پاکستان (انگلیش)	20 منٹ	33-	پاکستان آف پاکستان (انگلیش)	30 منٹ
17-	پاکستان آف پاکستان (اردو)	30 منٹ	34-	پاکستان آف پاکستان (انگلیش)	20 منٹ

وہاں پہنچ کر اس نے اپنے دوستوں کو دیکھا۔

021-60806323 021-60817792



# ہماری مطبوعات



نمبر شمار	مطبوعات	زبان	قیمت پاکستانی روپے	قیمت امریکی ڈالر
1	قبر اعظم محمد علی جناحؒ: خطبات، قرارداد، خطبہ گورنر جنرل 1947ء، 1948ء، (مجلد)	انگریزی	150/-	\$-05
2	قبر اعظم محمد علی جناحؒ: خطبات، قرارداد، خطبہ گورنر جنرل 1947ء، 1948ء، (مجموعہ یک)	انگریزی	95/-	\$-04
3	قبر اعظم محمد علی جناحؒ: خطبات، قرارداد، خطبہ گورنر جنرل 1947ء، 1948ء، (مجموعہ یک)	اردو	95/-	\$-04
4	قبر اعظم محمد علی جناحؒ: (تصویری فلم) 1876ء، 1948ء، (مجلد)	انگریزی	425/-	\$-17
5	قبر اعظم محمد علی جناحؒ: (تصویری فلم) 1876ء، 1948ء، (مجموعہ یک)	انگریزی	350/-	\$-17
6	اقوال قائد (مجلد، مجموعہ یک)	انگریزی	90/-	\$-03
7	جناح اور ان کا دور (انگریزی)	انگریزی	250/-	\$-10
8	پاکستان - فراہم شدہ تصویر (انگریزی، پاکستانی ایجنسی کے ساتھ)	انگریزی	650/-	\$-20
9	پاکستان - چھٹی تصویر کی انگریزی - (پاکستان ایجنسی کے ساتھ)	انگریزی، عربی فرانسیسی، چینی	900/-	\$-20
10	پاکستان - پٹی کرکٹس	انگریزی	100/-	\$-04
11	پاکستان کرکٹ ٹیم 1947ء، 1997ء، (مجلد)	انگریزی	450/-	\$-17
12	پاکستان کرکٹ ٹیم 1947ء، 1997ء، (مجموعہ یک)	انگریزی	400/-	\$-15
13	سفر آستانہ بی بی ٹی آف پاکستان (انگریزی، پاکستانی ایجنسی کے ساتھ)	انگریزی	100/-	\$-04
14	مجموعہ آستانہ پاکستان (انگریزی، پاکستانی ایجنسی کے ساتھ)	انگریزی	100/-	\$-04
15	دست آستانہ (پاکستانی شہری سے کتاب)	اردو	100/-	\$-04
16	اسلامی معاشرتی نظام	اردو	15/-	\$-01
17	پاکستان نگار (اردو)	انگریزی	400/-	\$-15
18	پاکستان نگار (اردو)	عربی	400/-	\$-15
19	سروش	فارسی	150/-	\$-06
20	پاکستان نگار (اردو)	اردو	150/-	\$-06

راہِ خطہ برائے خطہ پیداری

میلنگھور (انگریزی، گورنر جنرل آف خراج و قرض کی کٹنگ) - پاکستان فون: 051 9302776 فکس: 051 9304938